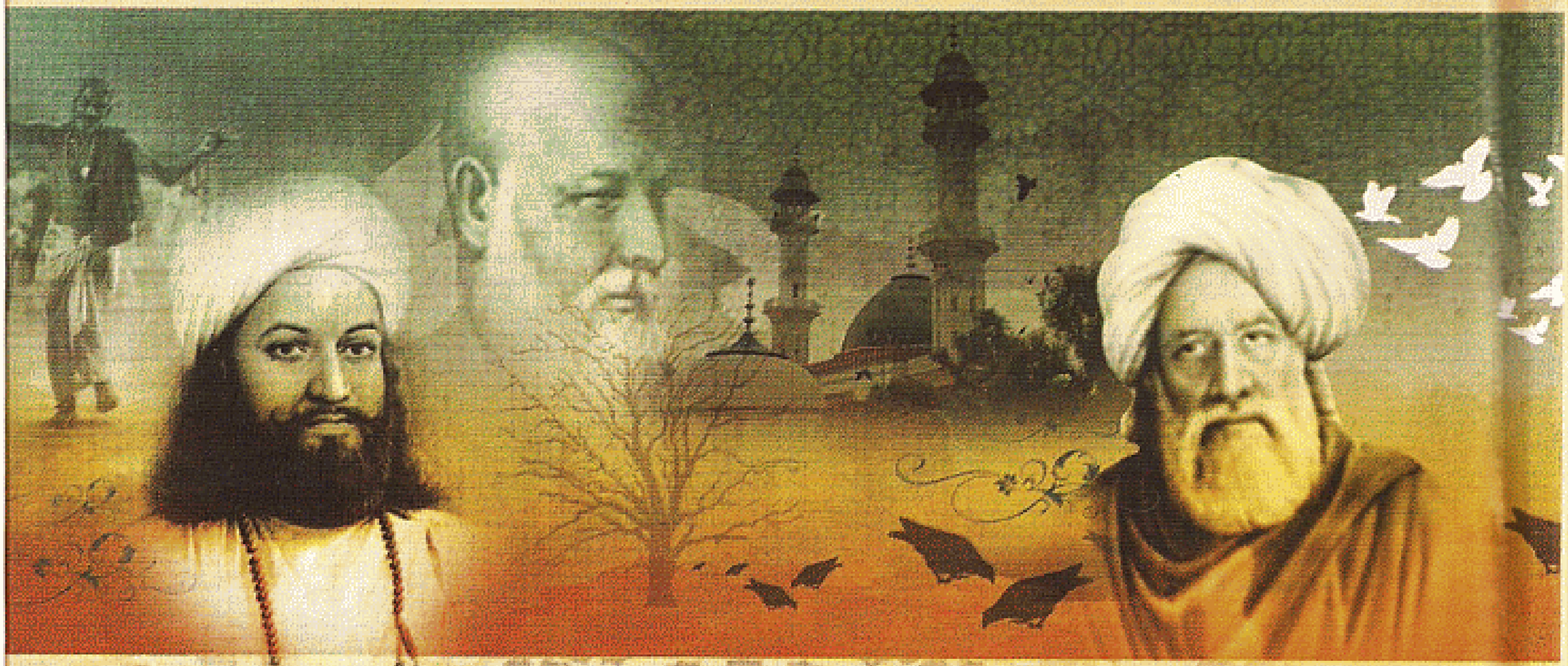
پنجاب کا
صُوفی وِرثہ

بابا فرید، شاہ حسین، سلطان باہو، بُلّھے شاہ، وارث شاہ، میاں محمد بخش



منتخب کلام مع اردو ترجمہ

اکرم شیخ



پنجاب کا صُوفی ورثہ

بابا فرید، شاہ حسین، سلطان باہُو، بُلھّے شاہ، وارث شاہ، میاں محمد بخش

منتخب کلام مع اردو ترجمہ

اکرم شیخ

کریڈٹ پیج

کمپوزنگ: نوید احمد 0333-4418793

اِنتساب

اپنے مرحوم والدین

اور

بڑے بھائی حاجی شیخ محمد اشرف چشتی

کے نام

قرینہ

صوفی ورثہ کیوں؟

پنجاب کی کی تاریخ وتہذیب اور ثقافت کا عظیم ورثہ ''ہڑپہ'' سے باقاعدہ آغاز ہوتا ہے جو دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہم نے اس پر توجہ نہیں دی یا اس طرف سے ہماری نظریں مخصوص مقاصد کے تحت ہٹا دی گئیں۔ اور ہمیں بے زمین کرنے کے ساتھ ہمارے پانو تلے سے زمین بھی کھینچ لی گئی ہم ہواؤں میں معلق ہو کر رہ گئے...... دنیا کے، یا کم از کم برِصغیر کے پہلے مہاجر 'آرین' بھی اسی تہذیب پر حملہ آور ہوئے بعد ازاں انھوں نے مقامی حکمران قبیلے 'آسوریا' کے ساتھ مل کر حکومت بھی کی، اور یہاں ایک طرف تو ریاستی اور سیاسی نظام کی بنیاد رکھی تو دوسری طرف 'سماجی ارتقا' میں بھی بنیادی کردار ادا کیا یہی وہ آرین تھے جن کے بارے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حکمت ودانش کے لیے 'رگ وید' اپنے ساتھ لائے تھے جو بعد ازاں 'ہندو مذہب' کی بنیاد بنے۔ جب کہ بعض روایات میں یہ 'وید' بھی اسی تہذیب میں دانش کے طور پر یہیں سامنے آئے تھے...... جن سے مقامی دانش وروں نے بھی استفادہ کیا...... اور ان میں سے نئے مذہب کے راستے تلاش کیے جو بعد ازاں 'ہندوازم' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں آج کے 'ہندی' دانش ور خود کو ہندو کہلانے کے بجائے 'ویدک' کہلانے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ ایسے ہی لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ...... ہندوستان میں رہنے والے خواہ کسی بھی نسل قبیلے، نظریے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب ہندو ہیں۔

اگرچہ اس رائے پر بھی صاد نہیں کیا جاتا اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ ہندوستان کے موجودہ سیاسی 'سیکولرازم' کی پیداوار ہی نہیں حکمرانی کا بھی راز ہے۔ لیکن بہ ہر حال یہ تاریخی حقیقت تو موجود ہے اور اس سے کسی بھی صورت انکار ممکن نہیں کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت رہی ہے اور آج بھی ہے...... لیکن ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ 'ہندوازم' میں موجود 'برہمن ازم' کے تخلیق کردہ

سماجی رویوں اور اصولوں کے قید خانوں کے باعث یہ مذہب اب 'نسلی' حیثیت اختیار کر گیا ہے اس میں 'بیرونی امداد' انتہائی محدود بل کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بل کہ لوگوں نے 'ہندوازم' کو چھوڑ کر دیگر مذاہب میں جن میں کشادگی اور وسعت کے ساتھ قبولیت موجود تھی اُن کو اپنایا ہے...... اس کا جواز تو یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ 'ہندوازم' ایک مشکل اور تلخ مذہب ہے جس کے اصول وضوابط کی پابندی ناممکن ہو جاتی ہے اس لیے لوگ اس میں شامل ہونے سے گریزیت ہیں یا اس سے نجات کے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے باہر 'ہندوازم' نہیں گیا۔ اگر کہیں دنیا میں ہندو عبادت گاہیں موجود ہیں تو یہ بھی ہندوستان سے چلے جانے والے ہندوؤں نے جا کر بنائی اور آباد کی ہیں اس کا بھی ایک استدلال کچھ یوں پیش کیا جاتا ہے کہ ہندوازم 'اہنسا' اور جارحیت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب کہ دیگر مذاہب نے ریاستی اور حکومتی پھیلاو کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ خصوصاً مسیحیت اور اسلام میں تو اس کے لیے باقاعدہ تحریک موجود ہے۔ لیکن حقائق اس سے کہیں زیادہ مختلف ہیں جو اس سوال کو بھی جنم دیتے ہیں کہ آخر......

'جین ازم، بدھ ازم اور پھر آخر میں سکھ ازم'

نے بھی تو اِسی خطے میں جنم لیا تھا؟؟؟ تو کیوں؟...... کیا 'ہندوازم' اس زمانے کے زمینی اور سماجی حقائق کا سامنا نہیں کر رہا تھا؟؟ یا پھر بدلتی ہوئی روایات واقدار کے تقاضے پورے نہیں کر رہا تھا؟؟

کیوں کہ تاریخ کی سب سے بڑی صداقت تو یہ بھی ہے کہ سب سے زیادہ مذہبی نظریات میں تبدیلی بھی 'برِ صغیر' میں ہوئی ہے۔ بل کہ سب سے زیادہ لوگوں نے 'ہندوازم' کے اونچ نیچ، چھوت چھات اور برہمن ازم کے جبر سے رہائی کے لیے 'اسلام' میں پناہ حاصل کی۔ اور آج اس خطے کا دوسرا بڑا مذہب اسلام ہے جس کے پیروکاروں کی تعداد اسی کروڑ سے زائد ہو چکی ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟؟؟

اور اس کے لیے اسلام کے نسل وقبیلہ کے امتیاز کی نفی اور بھائی چارے کی تدریس نے ہموار اور زرخیز زمین کا کردار ادا کیا جس پر صوفیہ نے اپنے طرزِ عمل اور سماجی فکر کا بیج بویا تو اُس سے یہ ہری بھری اور لہلہاتی فصل نمودار ہوئی...... جس پر آج 'ملائیت' احساسِ تفاخر کا شکار ہو کر خود اپنی ہلاکت کا سامان کر رہی ہے۔ حال آں کہ یہ ملائیت ہی تھی جس نے کئی بار اس سے پہلے بھی یہ فصل تباہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ مسلمان ہندوستان پر چھے سو سال تک حکمران رہے۔ کئی

بادشاہوں کو 'غلبہء اسلام' کے لیے طاقت اور ہتھیار استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی۔ علاءُالدین خلجی سے التمش تک۔ التمش کو تو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ...... چار میں سے تین فقہ 'بتوں کی پوجا' روکنے کے لیے 'جہاد' کو لازم قرار دیتی ہے التمش اس پر تیار بھی ہو گیا تھا مگر اُسے بتایا گیا کہ ابھی 'اسلامی حکومت' بہت کمزور ہے اور ایسے کسی بھی قدم کے سیاسی نقصانات ہو سکتے ہیں چناں چہ وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن اورنگ زیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس دامِ فریب میں آ گیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اُس کے اس اقدام سے اس کے آبا کی بنائی ہوئی مغل سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور پھر...... 'تختِ دہلی' ہمیشہ کے لیے لرزنے لگا۔

لیکن...... اس کے بالمقابل...... ملائیت کی وَجہ سے جو سماج تفریق وتقسیم کا باعث بنی اور اس میں اسلام کو بھی 'جارحیت' کی علامت بنا کر پیش کِیا گیا تھا، اُس کو صوفیہ نے اپنے محبت اور بھائی چارے کے طرزِ عمل اور فکری اظہار سے تبدیل کِیا اُنھوں نے تمام مذاہب کو انسانیت کی بہتری کا منبع قرار دیا۔ تمام انسانوں کو ایک ہی خدا کی مخلوق بھی کہا اور ان میں تمیز وتفریق کی نفی بھی کی...... صوفیہ کا یہ طرزِ عمل 'برہمن سماج' پر وہ 'اخلاقی حملہ' تھا جو بعد میں نظریاتی شکل اختیار کر گیا ...... 'مسلمان صوفیہ' کی مجالس میں 'غیر مسلم' بھی شامل ہوتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیا کی 'خانقاہ' میں جب کوئی 'ہندو' قیام پذیر ہوتا تھا تو اُس دن 'لنگر' میں گوشت پکانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ایک طرف تو یہ 'احترام' ہے جو صوفیہ کا وتیرہ تھا تو دوسری طرف دوسروں کو نیچ اور نیچ سمجھنے کا طرزِ عمل!!! خود کو خدا کا منتخب اور پسندیدہ قرار دینے کا خودساختہ رویہ اور دوسری طرف تمام انسانیت کو خدا کی مخلوق سمجھنے کا عملی مظاہرہ؟؟

حضرت میاں میر لاہوری کا تعلق اگرچہ قاری سلسلہ سے ہے جس میں 'شریعت' کی پابندی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن اُنھوں نے ہی 'سکھ گروؤں' کی خواہش پر امرتسر میں 'ہر دوار' کی بنیاد رکھی تھی جو آج سکھوں کی سب سے مقدس جگہ ہے اور اس کو گولڈن ٹمپل کے نام سے یاد کِیا جاتا ہے۔ جب کہ آج کی صداقت یہ ہے کہ سکھوں میں بابا فرید کے بعد جن کا کلام اُن کی 'مقدس کتاب' میں بھی شامل ہے، دوسری بڑی عقیدت اور پذیرائی حضرت میاں میر قادری کو حاصل ہے!! ایسا کیوں؟؟؟ مسلمان صوفیہ انسانیت سے محبت اور اس کی سربلندی کا درس دیا کرتے تھے...... اور اُس کے مثبت نتائج آج کی مسلم اکثریت اور ایک علیحدہ ملک کی صورت میں اظہر من الشمس ہیں...... بہ ہر حال

تحریکِ پاکستان میں کیا تھا اور کیا نہیں تھا، یہ بحث مؤرخین کی ہے لیکن سچ یہی ہے کہ تاریخ کے نام پر حکمرانوں نے جو کچھ ہم کو پڑھایا یا لکھایا وہ تاریخ تو ہرگز نہیں ہے۔ عوام کی جدوجہد اور قربانیوں سے جب یہ پاکستان بن گیا جس میں سب سے زیادہ قربانیاں بھی پنجاب اور اس کے عوام کی ہیں ٹکڑے بھی پنجاب کے ہوئے، خون بھی اس کی دھرتی پر بکھیرا گیا نفرت کے الاو بھی یہاں جلائے گئے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت بھی یہاں پر ہوئی مگر حکمران وہ لوگ ٹھہرے جن کا اس دھرتی سے کوئی تعلّق نہیں تھا۔ عوام کی جدوجہد اور قربانیوں کو ہائی جیک کرنے کے لیے ہمیشہ کی طرح وہ لوگ آ گئے جو اُنگلی کٹا کر بھی شہیدوں میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں پنجاب کے عوام سے تاریخی غلطی ہوئی اُن کی روایتی فراخ دلی خود اُن کے لیے حرزِ جاں بن گئی۔ اب وہ ایک نئی غلامی سے دوچار ہوئے۔ ایک زنجیر کیا ٹوٹی تھی درجنوں زنجیریں قدموں کا حصہ بن گئیں۔

اور پھر وہی ہوا جو حکمران طبقے کِیا کرتے ہیں۔ یعنی عوام کو پہچان اور شناخت سے محروم رکھنے کا عمل شروع ہوا اور اس میں مفاد پرست اشرافیہ موقعہ پرست سرمایہ دار اور گماشتہ جاگیرداری نے وہی کردار ادا کِیا جو اُس کی روایت کا حصہ ہے، اور پھر اس میں 'نظریاتی محافظ' کے طور پر ملائیت کو بھی شامل کر لیا گیا جس کے نتیجہ میں

قراردادِ مقاصد بھی پاس ہوئی۔

تحریکِ ختم نبوت بھی شروع ہوئی جو مخالف 'سیاسی مفادات' کے لیے تھی۔

دوقومی نظریہ بھی دریافت ہوا۔

نظریۂ پاکستان کی تخلیق بھی ہوئی...... اور بعد کے حالات میں نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی خودساختہ حفاظت کا دعوٰی بھی سامنے آیا۔

بہ ہرحال تاریخ کی اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ...... اس گٹھ جوڑ میں مذہب کو بنیادی ہتھیار کے طور پر استعمال کِیا گیا اور پاکستانی قوم کو مسلمان بنانے کے لیے جتن شروع ہوئے۔ ہم نے سڑکوں اور عمارتوں کے ساتھ شہروں کو بھی 'اسلام' سے روشناس کرایا۔ مگر

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی نہ بن سکا

اور پھر یہ صداقت بھی اظہرمن الشمس ہے کہ 'ہم نہ تو نمازی ہیں' اور نہ ہی 'پکے مسلمان' بل کہ ہماری پہچان دہشت گرد کے رُوپ میں ہوئی۔ آج ہم کو 'ڈوگی پاکی' بھی کہا جاتا ہے اور ہم سے

ہمارے 'جارحانہ انداز' کی بنا پر نفرت بھی کی جاتی ہے...... مجھے اس بات میں کوئی شُبہ نظر نہیں آتا کہ میری اس شناخت کا باعث میرے حکمران ہی ہیں جنھوں نے مخصوص مقاصد کے لیے میرے یہ خدوخال ترتیب دیے......اور مَیں کسی کو اپنا چہرہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہا۔ حال آں کہ مَیں جو تاریخ کا سب سے پہلا اور مہذب شہری تھا جس کے پاس زندگی گزارنے کے اصول وضوابط بھی تھے اور میرے پاس باقاعدہ سماجی اور شہری نظام ہی نہیں علم و دانش اور حکمت و دانائی کا وسیع ذخیرہ بھی تھا جس کو آج مغرب میں رشک کی نگاہ سے دیکھا اور قابلِ تقلید بھی سمجھا جاتا ہے۔

اب سوال تو یہ بھی ہے کہ قوموں کی اجتماعی شکل وصورت کیسے نمایاں ہوتی ہے یا پھر اُن کے چہروں کے خدوخال کیسے ترتیب پاتے ہیں۔ یقیناً اس کے لیے قوتِ متحرکہ تاریخ اور تہذیب، ثقافت اور زبان وادب ہوتے ہیں۔ یہی عناصر زندگی کے ارتقائی عمل میں 'خوراک' کا کام دیتے ہیں لیکن ہم نے تو سب کچھ مذہب کی بھینٹ چڑھا دیا اور اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل خود کو مسلمان بنانے اور ثابت کرنے پر خرچ کر دیے۔ ہم نے خود اپنی دھرتی سے رشتہ اُستوار کرنے کے بجائے کہیں اور سے قوت وطاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں ہم نہ آسمان پر اُڑ سکے اور نہ ہی اپنے پانو مضبوطی سے زمین پر رکھ سکے۔

حال آں کہ...... ہمارے پاس اپنا تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی ورثہ موجود تھا جس کو آج دنیا رشک سے دیکھتی ہے انسانی زندگی کی میراث واحساس 'ہڑپہ' بھی تھا۔ موہنجوداڑو ٹیکسلا اور گندھارا جیسی علم وفضل کے روشن مینار بھی تھے جن سے پوری دنیا آج روشنی حاصل کر رہی ہے لیکن ہم نے یہ روشن مینار خود اپنے اُنھوں نے بند کر دیے۔ کتنے بدقسمت ہیں ہم لوگ!!

ہمارے پاس زبان وادب کا بھی ایک مضبوط ورثہ موجود تھا...... یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ تمام تر سازشوں اور دشمنیوں کے باوجود یہ بھی تک محفوظ چلا آ رہا ہے انگریز دبانے میں کامیاب ہوئے اور نہ ہی ان کے جانشین بابا فرید، شاہ حسین، سلطان باہو، بُلھے شاہ، وارث شاہ، میاں محمد بخش یہ وہ لوگ ہیں۔ جنھوں نے لوگوں کی زبان میں اُنھیں 'محبت' بھائی چارے اور انسانیت کا درس دیا۔ وہ اگرچہ ہماری نصابی کتابوں میں چیدہ چیدہ ہی نظر آتا ہے۔ یا پھر اس کو مجبوری کے طور پر رکھا گیا ہے لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں آج بھی محفوظ ہے، آج بھی 'وارث شاہ' کی ہیر کے حافظ موجود ہیں یہ وہ لوگ ہیں...... جنھیں پوری دنیا جانتی ہے اور پوری دنیا کے 'صاحبِ جستجو' اُن کے بارے جاننے کے خواہشمند ہیں ان کی فکری اور ادبی عظمت کو تسلیم کیا جاتا ہے...... لیکن افسوس

......ہم خود اُن کے بارے پوری طرح آشنا ہیں۔

اس لیے کہ......ہمیں اُن کے بارے بتایا ہی نہیں گیا۔ پڑھایا ہی نہیں گیا۔

اب سوال تو یہ بھی ہے کہ ہم......اُنھیں کیسے پڑھ سکتے تھے؟ ہم کو تو ہماری زبان سے ہی محروم رکھا گیا ہم کو اپنی 'مادری زبان' پڑھنے کے لیے نہیں دی گئی۔ مبادا ہم اپنی تاریخ، تہذیب اور ثقافت سے آشکار ہو جائیں۔ ہم اپنے مجاہدوں اور صوفیہ کے بارے جان کر اُن کے نقشِ قدم پر نہ چلنا شروع کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم کو بھی اپنی زبان میں تعلیم دی جاتی تو آج نہ تو یہ 'سیاسی صورتِ حالات' ہوتی اور نہ ہی یہ معاشرہ افراتفری نفرت اور تعصب کا شکار ہوتا۔ نہ ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے گریبان پر ہوتے اور نہ ہی ہم ایک دوسرے کی پُشت پر بندوق تان کر کھڑے ہوتے۔ ہم اپنے صوفیہ کے امن اور محبت کے پیغامات کی روشنی میں ایک دوسرے کے لیے عزت واحترام کے جذبات میں زندگی گزار رہے ہوتے۔ ہم میں علم کی جستجو میں بھی ہوتی ہم اس ضمن میں معرکہ آرا بھی ہوتے اور ہم کو بھی مہذب قوموں میں شمار کیا جاتا۔ لیکن پھر بھی۔ چلیے درست آید، کہ ہم کو خود پر نظرِ ثانی کرنے اور اپنے مضبوط ماضی میں جھانکنے کا موقع تو ملا۔ اور ہم نے اس کوشش کو آگے بھی بڑھایا اور اس کو ''غیر پنجابیوں'' تک پہنچانے کو عملی بھی بنایا جس کے لیے نگارشات کے محترم آصف جاوید کی دیرینہ خواہش و کشش بھی کارگر ثابت ہوئی۔

ویسے......یہی آج کی حقیقت ہے اور یہی آج کی ضرورت ہے بل کہ۔ اب تو ہم ایسے مقام پر آ گئے ہیں کہ جہاں ہم کو 'صوفیہ' کی روشنی ہی اس غٹاٹوپ اندھیرے سے نکال سکتی ہے۔ کیوں کہ یہی وہ روشنی ہے جو ملائیت اور 'ضیاءُ الحق' کے لگائے ہوئے زخموں کا اندمال کر کے معاشرے کو امن، محبت اور بھائی چارے پر گہوارہ بنا سکتی ہے یہی وہ روشنی ہے جو معاشرتی اور فکری سطح پر موجود جہالت آمیز انتہا پسندی کو ختم کر سکتی ہے اور یہی وہ صوفیہ کا رواداری اور برداشت کا پیغام ہے جو نفرت و تعصب کی تدریس کا راستہ روک سکتا ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں ہم نے اپنے عظیم صوفیہ کو 'اردو ترجمہ' کے ساتھ پیش کرنے کی ہے تا کہ اُن کا یہ 'مینارۂ نور' ابدی پیغام زیادہ سے زیادہ لوگو کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرے۔ اور وہ بھی اپنے مضبوط اور توانا ورثہ سے آشنا ہو سکیں۔

اکرم شیخ

-☆-

بابا فرید

حضرت بابا فرید گنج شکر......کا خاندان چنگیز خان کے حملوں کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان آیا تھا ڈاکٹر نذیر احمد کا کہنا ہے کہ یہ ہندوستان پر غوریوں کے حملے کے بعد کابل سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ بابا فرید کے دادا قاضی شعیب کا تعلق کابل کے حکمران خاندان سے تھا سیر الاولیأ کے مُطابق قاضی شعیب کا خاندان فرخ شاہ کے زمانہ میں پورے عروج پر تھا فرخ شاہ کے بعد جب غزنوی خاندان اقتدار میں آیا تو شعیب کا خاندان بھی زیرِ عتاب آ گیا تو اس خاندان کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔ قاضی شعیب کا قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ تھا اور وہ ہجرت سے پہلے ایک اعلیٰ حکومتی عہدے پر فائز تھے۔ سیر الاولیأ کے مُطابق قاضی شعیب اپنے تینوں بیٹوں عقیدت مندوں اور فوج کے اہم عہدیداروں کے ساتھ پہلے لاہور آئے مگر یہاں کے سیاسی حالات اور خلفشار کو دیکھتے ہوئے قصور چلے گئے قصور کے قاضی نے ملتان کے حاکم کی توجّہ اُن کی جانب مبذول کروائی بادشاہ نے ایک فرمان کے تحت اُن کی علمی فضیلت کو دیکھتے ہوئے ملتان کا قاضی مقرر کر دیا......اور اس کے ساتھ ہی انھیں مکمل بااختیار بنا دیا کہ ہر دِینی اور دنیوی کام جو اُن کو بادشاہ سے ہوگا اسکی تکمیل کے لیے وہ بادشاہ کو رضامند پائیں گے......مگر آپ نے جواب دیا کہ ہمیں دنیا کے کسی کام کی ضرورت نہیں اور کہا کہ جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے ہم اس کے پیچھے نہیں بھاگیں گے۔

قاضی شعیب نے ملتان کی ایک اضافی بستی کھتووال یا کوٹھے وال میں سکونت اختیار کر لی۔ قاضی شعیب کے تینوں بیٹوں میں منجھلے جمال الدین سلیمان تھے جن کی شادی نزدیک ہی رہنے والے شیخ وجیہ الدین کی بیٹی قرسوم سے ہوئی فرید الدین انھی کے گھر 571 ہجری میں پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ اپنے وقت کی زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں بابا فرید نے ابتدائی تعلیم کھتووال میں ہی حاصل کی آپ کی شخصیت پر پہلا اثر آپ کی والدہ محترمہ کا ہی تھا۔ اُنھوں نے ہی بابا جی میں مذہب سے رغبت، شوقِ عبادت اور خدائے بزرگ و برتر سے محبت کا بیج اُن کے دل میں بویا تھا جب کہ اُن پر دوسرا اثر والد محترم جمال الدین سلیمان کا تھا جو صاحبِ علم و ہوش تھے اور کھتووال میں قاضی کے فرائض انجام دے رہے تھے والد نے اُن میں علم و ریاضت کی طلب اور لگاؤ پیدا کیا جب کہ تیسرا اثر اُن پر اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکی کی شخصیت کا تھا جن کو دیکھتے ہی آپ اُن کی شخصیت کے اس طرح اسیر ہوئے کہ سر قدموں میں رکھ دیا اور پھر تمام عمر اُن کی خدمت میں موجود رہے۔ خواجہ بختیار کاکی سلسلہء چشت کے ہندوستان میں بانی خواجہ معین الدین چشتی کے مرید تھے اور سلطان التمش نے اُن کی دِینی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ''شیخ الاسلام'' کا عہدہ بھی پیش کیا تھا لیکن اُنھوں نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا اور اپنی تمام عمر صوفیانہ طرزِ فکر و عمل کی ترقی و ترویج میں گزار دی۔

بابا فرید...... اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں ہی اپنے ہم عمروں سے الگ نظر آتے تھے اپنے والدین کے توسط سے معرفت کا چراغ اُن کے دل میں بچپن سے ہی روشن ہو گیا تھا وہ اپنے ہم مکتب اور ہم عمروں میں ''قاضی بچہ دیوانہ'' کے نام سے مشہور تھے انھی دنوں شیخ جلال الدین تبریزی کا گذر ہوا تو وہ کھتووال میں بھی رکے اور مقامی لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش بھی ہے تو لوگوں نے بتایا کہ درویش تو یہاں کوئی نہیں ہے ہاں ایک ''قاضی بچہ'' ہے جو پاگل ہے اور ہر وقت عبادت و ریاضت اور خدا کی یاد میں مصروف رہتا ہے شیخ جلال الدین تبریزی جب بابا فرید سے ملنے گئے تو اُن کے ایک ہاتھ میں انار تھا ملاقات کے بعد جب شیخ بیٹھے تو اُنھوں نے یہ انار توڑ کر کھانا شروع کر دیا۔ بابا فرید اس وقت روزہ سے تھے اس لیے اُنھوں نے انار نہیں کھایا...... جلال الدین تبریزی نے بابا جی کا پھٹا ہوا پاجامہ دیکھ کر کہا کہ بخارا میں ایک درویش ایسا بھی تھا جس نے سات سال تک تعلیم کے حصول کے دوران میں صرف لنگوٹ ہی باندھے رکھا تھا۔ فکر کی کوئی بات نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بہر حال...... شیخ جلال الدین تبریزی نے وہ انار کھا لیا اور آپ نے افطار نہیں کیا شیخ چلے گئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک دانہ زمین پر گرا ہے آپ نے وہ اُٹھا کر رکھ لیا اور سوچا کہ اس سے افطار کریں گے اور جب اس دانے سے افطار کیا تو انھیں اندر روشنی کا ایک نیا احساس پیدا ہوا......

یہ واقعہ ایک اور انداز میں بھی سامنے آتا ہے کہ...... شیخ جلال الدین تبریزی نے یہ انار حاضرین میں تقسیم کرنے کے لیے دیا تو اس میں ایک دانہ زمین پر گر گیا جو اُٹھا کر بابا جی نے کھا لیا جس کے کھاتے ہی دِل معرفت کے نور سے بھر گیا۔

بابا فرید...... ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کے مدرسے میں داخل ہو گئے جہاں بہت جلد اُنھوں نے قرآن حفظ کیا اور پھر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت آپ کا معمول بن گیا جب کہ مزید تعلیم کے لیے آپ نے قندھار کا رُخ کیا جہاں اُنھوں نے پانچ سال گزارے جب کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ بغداد، بیت المقدس اور حرمین شریفین بھی گئے لیکن کچھ لوگ اِس سے اتفاق نہیں کرتے اور ان کا خیال ہے کہ وہ قندھار سے ہی واپس آ گئے تھے اور باقی زندگی مرشد کی خدمت میں ہی مصروف رہے۔ جہاں وہ ہفتہ میں دو دفعہ ہی اُن کے سامنے آتے لیکن زیادہ عرصہ گوشہ نشین رہ کر عبادت و ریاضت میں گزارتے۔

بابا فرید...... کو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز، معین الدین چشتی سے براہِ راست فیض حاصل کرنے کا شرف بھی ہے یہ روایت بھی ہے کہ جو وظائف اور ''اسمِ اعظم'' سلسلہء چشت میں سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے وہ بھی خواجہ معین الدین چشتی نے ہی اُنھیں تلقین کیا تھا اور اپنا خرقہ بھی عطا کیا بابا جی اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہیں کہ اُنھیں اپنے مرشد اور دادا مرشد کی دعائیں بیک وقت حاصل رہیں خواجہ بختیار کاکی نے آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، اپنی جائے نماز اور عصا عطا کیا جب کہ ایک روایت میں درج ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے آپ کو اپنی دستار اور شال بھی عطا کی اور پھر ہانسی میں جا کر اپنی علیحدہ خانقاہ بنانے کا حکم بھی دیا۔ جہاں کچھ مؤرخین کے مُطابق بابا جی بارہ سال اور کچھ کے مُطابق آپ وہاں بیس سال تک قیام پذیر رہے...... ہانسی اُس زمانہ میں دہلی کے نواح میں ایک چھاؤنی تھی دیگر شہروں کی نسبت بابا جی کو زیادہ پسند تھی کہ پُرسکون جگہ تھی اور یہاں بابا جی کو وہ سب کچھ میسر تھا جو عبادت و ریاضت کے لیے درکار تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ...... فریدؒ دہلی میں اپنے اردگرد لوگوں کے اجتماع سے بیزار رہتے تھے کیوں کہ وہ اُن کی عبادت و ریاضت میں یکسوئی کو متاثر کرتے تھے اس لیے اُنھوں نے مرشد سے دہلی سے باہر جانے کی اجازت مانگی جو اُنھیں بادِلِ نخواستہ دے دی گئی اور آپ ہانسی تشریف

لے آئے اور اس وقت واپس دہلی آئے جب مرشد کا وصال ہوا...... مرشد نے وصال سے قبل اپنا خرقہ، دستار اور کھڑاؤں (جوتی) قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کرتے ہوئے کہا تھا کہ اُن کے وصال کے پانچویں دن یہ امانت بابا فرید کے حوالے کر دینا وقتِ نزع خواجہ بختیار کا کی نے بابا فرید کا نام لے کر کہا تھا...... ''میری جگہ تمھاری ہے''۔

خواجہ بختیار کا کی کے وصال کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ ایک رات ''باباجی'' نے خواب میں دیکھا کہ مرشد اُنھیں بلا رہے ہیں لہٰذا صبح ہوتے ہی وہ دہلی روانہ ہو گئے بابا فرید مرشد کے وصال کے چوتھے روز دہلی پہنچے قاضی حمید الدین ناگوری نے خواجہ بختیار کا کیؒ کے حکم کے مُطابق امانتیں اُن کے حوالے کر دیں بابا فرید نے دو رکعت نماز نفل ادا کی خرقہ پہنا اور مرشد کی جگہ مسند نشین ہو گئے...... بابا فرید کو چشتی سلسلہ کا سربراہ تسلیم کیا گیا باباجی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد واپس ہانسی آ گئے پھر یہاں بھی دل نہ لگا تو رختِ سفر باندھا اور اجودھن آ گئے جو آج پاکپتن کے نام سے مشہور ہے اجودھن محلِ وقوع کے اعتبار سے انتہائی اہم جگہ پر واقعہ قصبہ تھا جس کے ایک جانب دریائے ستلج ہے تو دوسری جانب لاہور کو دیپال پور کے راستے ملتان سے ملانے والی شاہراہ بھی اس کے قریب واقع ہے اس قصبہ کے چاروں اطراف صحرا اور جنگل تھے جن میں جنگلی جانوروں اور سانپوں کا ڈیرہ تھا خیر المجالس کے مُطابق یہاں کی اکثر آبادی ہندو تھی۔ یہ لوگ جاہل گنوار اور توہمات کا شکار تھے بابا فرید نے قصبہ سے باہر ہی قیام کیا اور ایک جھونپڑہ بنایا پھر کچھ عرصہ بعد جماعت خانہ اور خانقاہ کی بنیاد رکھی یہاں کوئی بنیادی سہولیات نہ تھیں لیکن آپ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور زندگی کا باقی حصہ یہیں عبادت و ریاضت میں گزار دیا۔

بابا فرید کے چند برس ہی اس خانقاہ کے گوشۂ تنہائی میں گذرے ہوں گے کہ آپ کی نیک نامی کی خوشبو قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگوں نے اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں بابا فرید رشتۂ ازدواج میں بندھے تھے ایک روایت کے مُطابق باباجی کے نکاح میں ایک بیوی اُس وقت کے حکمران غیاث الدین بلبن کی بیٹی تھی...... یہی وہ بلبن ہے جس نے باباجی کا مزار پختہ تعمیر کروایا تھا۔ مزار کی تعمیر کے حوالے سے تو کچھ شواہد ملتے ہیں لیکن بلبن کی بیٹی سے شادی کی مستند روایات نہیں ہیں ویسے بھی ایک ایسا شخص جو گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت کو اوّلین ترجیح قرار دیتا ہو جو تخت و سلاطین سے دُور رہتا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ

کسی حاکم کی بیٹی سے شادی کرے جب کہ اس کے عطا کردہ گانو، جایداد اور دیگر ''عطیات'' کو بھی اُس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔

اور پھر یہ بھی کہ...... آپ کے جماعت خانہ میں ہر خاص و عام کو آنے کی اجازت تھی لوگ نذرانے بھی لے کر آتے تھے جنھیں درویشی زبان میں ''فتوحات'' کہا جاتا ہے بابا فرید ان سب کو جماعت خانے کے مہمانوں کے لیے رکھ دیتے اور باقی ارد گرد آباد غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ خود اپنے اہلِ خانہ سمیت انتہائی عسرت میں زندگی گزارتے تھے...... روزہ بھی ڈیلوں اور دوسرے جنگلی پھلوں سے افطار کیا کرتے تھے...... ڈاکٹر نذیر احمد کہتے ہیں کہ:

> آغازِ شباب سے لے کر بڑھاپے تک آپ نے سخت ریاضتیں کرنا کبھی ترک نہیں کیا چلہ کشی اور رات رات بھر عبادات میں کھڑے رہنا، مستقل روزے رکھنا اور افطار پر بھی بہت تھوڑا کھانا اور محتاجوں کی دستگیری کے لیے اپنا سب کچھ تج دینا آپ کا طریق رہا ہے ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ بھوک کی شدت کی بنا پر آپ نے کچھ کنکر اُٹھا کر منہ میں رکھ لیے جو شکر کی طرح میٹھے ہو گئے آپ نے اس کا ذکر اپنے مرشد حضرت بختیار کاکی سے کیا تو اُنھوں نے آپ کو گنج شکر کا لقب عطا کیا۔ جو آج تک آپ کے نام کے ساتھ بولا جاتا ہے تاہم اس سلسلہ میں کچھ اور کہانیاں بھی بیان کیجاتی ہیں جنھیں مستند تسلیم نہیں کیا جاتا۔

بابا فرید...... کم و بیش 75 سال تک زندہ رہے ان کا وصال پانچ محرم الحرام 664 ہجری بمطابق 16 اکتوبر 1265ء کو ہوا۔ آخری وقت عبادت و روزہ کے سبب کمزوری کا یہ عالم تھا کہ کتنی کتنی دیر تک سکر کی حالت میں رہتے آنکھ کھلتی تو پوچھتے کیا مَیں نے نماز پڑھ لی ہے؟؟ دوبارہ نماز پڑھتے اور غنودگی کی حالت میں چلے جاتے آخری وقت پر عشا کی نماز تین مرتبہ پڑھی اور پھر غنودگی طاری ہو گئی اور زبان سے یـا حـی یـا قیـوم کے الفاظ دہراتے ہوئے جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔

امیر خورد کی دادی نے اپنی چادر کفن کے لیے دی۔ گھر کی دہلیز سے کچی اینٹیں اتار کر قبر بنائی گئی۔ وہ شخص جس نے دولت و جایداد کے ساتھ آپ کا گھر پختہ اینٹوں سے تعمیر کرنے کی پیشکش کی تھی اور جس کو باباجی نے ٹھکرا دیا تھا اس نے آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کروایا۔ جسے بعد ازاں فیروز شاہ

تغلق نے مرمت کروایا تھا۔

باباجی کی کتابیں

بابا فرید کی فارسی کتابیں:

1:۔راحت القلوب

2:۔اسرار الاولیأ

3:۔فوائد السالکین

لیکن پنجاب میں انھیں پذیرائی پنجابی زبان میں کہے گئے اشلوکوں کے ذریعے حاصل ہوئی وہ بھی سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کا حصہ بن جانے کی وَجہ سے محفوظ رہ گئے۔ چناں چہ اس توسط سے ہی اُنھیں، پنجابی شاعری کا بانی بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ کوئی مصدقہ بات نہیں ہے کیوں کہ ان سے پہلے بھی پنجاب میں شاعر موجود تھے اور وہ شاعری بھی کیا کرتے تھے...... مگر اس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ عظیم صوفی شاعر تھے۔ اور یہ بھی کہ، اُن کا ان اشلوکوں کے علاوہ اور بھی بہت سا کلام ہوگا، جو سامنے نہیں آ سکا۔ اور یہ کہ...... اگر گرونانک اور اُن کے دیگر ساتھی موجودہ کلام کو بھی محفوظ نہ کرتے تو شاید ہم پنجابی اس عظیم ورثہ سے بھی محروم رہ جاتے۔ اور یہ کلام بھی وقت کی طوفانی لہروں کی بھینٹ چڑھ جاتا۔

ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ گرونانک کو صوفیانہ اور نصیحت آموز کلام اکٹھا کرنے کا بہت شوق تھا اس مقصد کے حصول کے لیے وہ دور دراز کا سفر بھی کیا کرتے تھے۔ اسی مقصد کے تحت ہی وہ پاکپتن میں شیخ فرید ثانی سے آ کر ملے تھے جنھوں نے اُنھیں ''باباجی'' کا کلام دیا...... تاہم کسی تاریخی روایت میں کہیں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ یہ کلام پہلے سے لکھا ہوا تھا اور بطور مسودہ گرو جی کے حوالے کیا گیا یا پھر آپ کو یہ لکھوایا گیا...... یہ تو مصدقہ بات ہے کہ اگر یہ مسودہ تھا تو یہ فارسی رسم الخط میں ہی تھا اگر لکھوایا گیا تھا تو تب بھی غالبًا یہ فارسی میں ہی ہوگا کیوں کہ گرونانک جی ایک مدت تک ''سرکاری ملازم'' بھی رہ چکے تھے اور اس وقت بھی ''سرکاری زبان'' مسلمانوں کی حاکمیت کی وَجہ سے فارسی ہی تھی اور سرکار کا تمام حساب کتاب بھی فارسی میں ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن اس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ گرنتھ صاحب میں اور بھی بہت سارے صوفیہ کا کلام شامل ہے جن میں اکثریت ہندو بھگتوں کی ہے...... بھگت کبیر، رام داس، رائے داس، تلسی داس وغیرہ...... بابا

فرید واحد مسلمان ہیں جن کا کلام گرنتھ صاحب میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ کام سکھوں کے چوتھے گرو...... گروارجن دیو جی نے گرنتھ صاحب کی ترتیب کے دوران کیا۔ جو خود بھی اعلیٰ درجے کے شاعر اور عالم تھے اُنھوں نے نہایت چھان پھٹک اور تحقیق کے بعد ہی یہ اشلوک اپنی مقدس کتاب میں شامل کیے ہوں گے لہٰذا ایم اے میکالف کی سکھوں کے بارے ترتیب دی گئی کتاب میں یہ مؤقف اختیار کرنا کہ بابا گرونا نک بعد میں پیدا ہوئے ان کی بابا فرید سے ملاقات ممکن نہیں تھی گروارجن کا زمانہ سترھویں صدی کا ہے اور یہ شعر اُن کے جانشین خواجہ ابراہیم کے تھے جو فرید ثانی کے نام سے جانے جاتے تھے...... یہ بات کچھ ایسی قرینِ قیاس بھی نہیں کیوں کہ سب سے مستند بات تو یہ ہے کہ بابا فرید کے خلیفہ اور اُن کے بعد سلسلہء چشت کے مسند نشین خواجہ نظام الدین اولیأ نے اپنی کتاب میں اُنھیں ''شیخ فرید'' کے نام سے یاد کیا ہے جب کہ گرنتھ صاحب میں اُنھیں شیخ فرید کے نام سے ہی اشلوک شامل ہیں اور پھر یہ کہ...... ''سیر الاولیا'' شیخ ابراہیم سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھی گئی اور اس میں بابا فرید کا ایک شعر بھی شامل ہے جو اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ...... مذکورہ کلام ''بابا فرید'' کا ہی ہے۔ جو پنجاب کا عظیم ورثہ ہے۔

منتخب کلام (بابا فرید)

جِت دہاڑے دھن وری ساہے لئے لکھاءِ
ملک جے کنّی سُنیدا مونھ دکھا لے آءِ
جند نمانی کڈھیے ہڈاں نوں کڑکاءِ
ساہے لکھے ، نہ چلنی ، جندو کُوں سمجھاءِ
جندووہٹی ، مرن ور ، لے جا سی پرناءِ
آپن ہتھیں جول کے کیں گل لگے دھاءِ
والوں نِکّی پُرسلات کنّیں نہ سُنی آءِ
فریدا کڑی پوندی ای ، کھڑا نہ آپ مہاءِ

ترجمہ: جس دن تمھیں عظمت کیلائق سمجھا گیا تھا اُسی دن تمھاری زندگی کی سانسیں بھی مقرر ہوگئی تھیں۔ جب یہ وقت آ گیا تو جس ملک الموت کے بارے سُنتے آئے تھے اُس نے بھی آ کر منہ دکھا دیا...... ہڈیوں کو کڑکا کر اُس نے جسم سے جان نکال لی وہ جان جو چلنے کو تیار نہیں تھی وہ اُسے سمجھاتا ہے کہ تمھارا جو وقت مقرر تھا وہ آ گیا ہے۔ یہ جان دُلھن اور موت اُس کا خاوند ہے جو اُسے بیاہ کر لے جاتا ہے...... یہ جسم اپنے ہاتھوں جان کو روانہ کرتا ہے اور پھر کسی کے گلے لگ کے رو بھی نہیں سکتا...... وہ جو بال سے باریک پُل صراط ہے اُسے اب وہاں سے گذرنا ہے۔ تمھیں یہ آواز سنائی نہیں دی؟ اے فرید! جو مسلسل آ رہی ہے۔ اب یونہی کھڑا رہ کر خود کو فریب نہ دے۔

کُجھ نہ بُجھے ، کُجھ نہ سُجھے ، دُنیا گُجھی بھاہ
سائیں میرے چنگا کیتا نئیں تاں ہنبھی وَجھاں ہا

نہ کچھ واضح دِکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کچھ سمجھ آتا ہے۔ یہ دُنیا تو ایک پوشیدہ آگ ہے، میرے مالک نے مجھ پر کرم کیا اور مجھے اس آگ سے بچالیا ورنہ مَیں بھی اس آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا۔

در درویشی گا کھڑی ، چلاں دنیا بھَت
بنھ اُٹھائی پوٹلی کِتھے ونجاں گھت

درویشی کے دروازے تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ مجھے بھی دُنیا کے ساتھ ہی چلنا چاہیے لیکن جو سر پر بھاری گٹھڑی اُٹھالی ہے اب اسے کہاں پھینکوں اور کہاں جاؤں۔

جے جاناں تل تھوڑے سنبھل بُک بھریں
جے جاناں شوہ نندھڑا تھوڑا مانِ کریں

جب تمھیں معلوم ہے کہ تِل تھوڑے ہیں تو احتیاط سے مُٹھی بھر۔ اور اگر تم جانتے ہو کہ مالک بے پرواہ ہے تو پھر خود پر اتنا فخر نہ کر۔

جے جاناں لڑ چھجنا پیڈیں پائیں گنڈھ
تیں جے وڈ میں نہ کو ، سبھ جگ ڈٹھا ہنڈھ

جب تم جانتے ہو کہ تمھارا تعلق کمزور ہے تو پھر یقین کی مضبوط گرہ لگاؤ۔ مَیں نے تو جہان کی خاک چھان کر دیکھ لی ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تم سے بڑا کوئی نہیں ہے۔

جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
اپنے گریوان میں سر نیواں کر دیکھ

اگر تُو عقلِ لطیف کا مالک ہے تو اپنا نامہء اعمال سیاہ نہ کر اپنے سر کو اپنے گریبان میں ڈال کر دیکھ۔

جو تیں مارن مُکّیاں ، تنہاں نہ ماریں گھُم
آپنے گھر جایئے پیر تنہا دے چُم

جو تجھے مُکّے مارتے ہیں جواب میں تُو اُن پر گھونسے نہ برسا...... اُن کے پانو چوم اور خاموشی سے اپنے گھر کی راہ لے

ویکھ فریدا جو تھیا ، ڈاڑھی ہوئی بھُور
اگا نیڑے آیا ، پچھا رہیا دُور

اے فرید! جو کچھ ہوا ہے اُس پر غور کر، تمھاری ڈاڑھی سفید ہو گئی ہے۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ نزدیک تر آ گیا ہے اور جو کچھ بیت گیا ہے وہ بہت دُور چلا گیا ہے۔

دیکھ فریدا جو تھیا سکّر ہوئی وِس
سائیں باجھوں آپنے ویدن کہیئے کِس

دیکھ فرید! یہ کیا ہوا ہے وہ جو شکّر تھی زہر میں تبدیل ہو گئی ہے، اپنے مالک کے بغیر اس مرض کے بارے بھلا کسی کو کیا بتائیں؟

جن لوئن جگ موہیا سے لوئن میں ڈِٹھ
کجّل ریکھ نہ سہندیاں سے پنکھی سُوئے بھِٹھ

جن آنکھوں نے ایک جہان کو اپنا گرویدہ بنایا ہوا تھا اُن سے ایک زمانہ مَیں نے بھی دیکھا تھا جب وہ کاجل کا بوجھ بھی سہار نہیں سکتی تھیں...... اُن سے پرندوں کی طرح بیٹھ نکلتی ہے۔

کوکیندیاں ، چاکیندیاں ، متّیں دیندیاں نت
جو شیطان ونجایا سے کت پھیرے چت

ہم تو حال فریاد کر کے ہمیشہ لوگوں کو سمجھاتے رہے ہیں لیکن وہ جو شیطان کے بہکاوے میں آ چکے تھے اُن کا نفس بھلا کیسے راستہ تبدیل کر سکتا تھا؟

فریدا خاک نہ نندیئے ! خاکو جیڈ نہ کوءِ
جیوندیاں پیراں تلے ، مویاں اُپر ہوءِ

اے فرید! خاک کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے اِس خاک جیسی کوئی اور شے نہیں۔ یہ زندگی کے سفر میں پانو کے نیچے ہوتی ہے لیکن موت کے بعد سر کے اوپر آ جاتی ہے۔

تھِیو پواہی دِبھ ، جے سائیں لوڑیں سبھ
اِک چھجّیے ، بیا لتاڑییے ، تاں سائیں دے درواڑییے

اے فرید! اگر تم ہر شے میں خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو اُس سرکنڈے کی طرح ہو جاؤ جس سے مُصلّے بنائے جاتے ہیں کوئی اُسے پانو کے نیچے روندتا ہے تو دوسرا پایمال کرتا ہے تب اُس کو خدا کے گھر میں عبادت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے۔

جاں لوبھ تاں عینہہ کیا ؟ لُب تاں کوڑا عینہہ

کچر جھٹ لنگھائیے چھپر ٹٹے مینہ

اگر تو حرص وہوس ہے تو پھر عشق کیسا؟ لالچ تو محبت کی نفی ہے۔ بھلا ٹپکتے ہوئے ''چھپر'' سے کب تک بارش سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

جنگل جنگل کیا بھویں ؟ ون کنڈا موڑیں

وسّی رب ہیالیے ، جنگل کیا ڈھونڈیں

یہ تم جنگل جنگل کانٹوں پر چلتے ہوئے کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو تمھارا خدا تو تمھارے اندر بسا ہوا ہے جنگل میں خواہ مخواہ بھٹک رہے ہو۔

فریدا راتیں وڈیاں ، دُھکھ دُھکھ اُٹھن پاس

دھرگ تنہاں دا جیویا ، جنھاں وڈانی آس

اے فرید! راتیں لمبی ہوگئی ہیں، رات بھر پہلو میں دُھواں اُٹھتا رہتا ہے۔ افسوس ہے اُن لوگوں کی زندگی پر جنھوں نے اپنی اُمیدیں بہت زیادہ بڑھالی ہیں۔

لوڑے داکھ بجوریاں ، کِکّر بیجے جٹ

ہنڈھے اُنّ کتائے دا ، بیدھا لوڑے پٹ

جاٹ کیکر کاشت کرکے باجوڑی انگوروں کی فصل کاٹنا چاہتا ہے۔ وہ اُون کا لباس بنوا کر ریشم زیب تن کرنا چاہتا ہے۔

گلئیں چکڑ ، دور گھر ، نال پیارے نینہہ

چلّاں تاں بھجے کمبلی ، رہاں تاں تٹے نینہہ

راستے کیچڑ سے بھرے ہوئے ہیں، گھر بھی دُور ہے۔ محبوب کے ساتھ محبت کا وعدہ بھی ہے۔ اگر مَیں چلتا ہوں تو شدید بارش سے میری کملی بھی بھیگ جاتی ہے۔ نہ جاؤں تو عہدِ وفا ٹوٹتا ہے۔

بھجّو بجو کمبلی ! اللہ ورسو مینہہ!

جاء ملاں تنہاں سجناں ، تٹو ناہیں نینہہ

اے خدا!! اگر تم بارش برساتے ہو، اور میری کملی بھیگ بھی جاتی ہے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ مَیں ہر صورت محبوب کے پاس جاؤں گا اور یہ عہدِ وفا ٹوٹنے نہیں دوں گا۔

مَیں بھلاوا پگ دا مت میلی ہو جاء

گیہلا روح نہ جان ای سر بھی مِٹّی کھاء

مجھے اپنی پگڑی کی فکر تھی کہ کہیں یہ میلی نہ ہو جائے۔ لیکن میری رُوح یہ نہیں جانتی کہ ایک دِن مٹّی اس سر کو بھی کھا جائے گی۔

شکّر ، کھنڈ ، نوات ، گڑ ، ماکھیوں ، ماجھا دُدّھ

سبھے وستو مِٹھیاں ، رب نہ پُجّن تُدھ

شکر، کھانڈ، مصری، گڑ، شہد اور بھینس کا دُودھ، سب میٹھی چیزیں ہیں لیکن یہ خدا کے نام میں موجود مٹھاس تک نہیں پہنچ سکتیں۔

روٹی میری کاٹھ کی لاوَن میری بھُکھ

جِنھاں کھادی چوپڑی ، گھنے سہن گے دُکھ

میری روٹی لکڑی کی ہے اور میری بھوک اس کا سالن ہے۔ لیکن...... وہ جو آج چکنی چُپڑی کھا رہے ہیں کل دُکھ بھی انھی کو زیادہ برداشت کرنا پڑیں گے۔

رُکھی سُکھّی کھاء کے ٹھنڈا پانی پی

دیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی

رُوکھی سُوکھی جو بھی ملتی ہے وہ کھاؤ، اور ٹھنڈا پانی پیئو، دوسروں کی گھی میں چپڑی ہوئی روٹی دیکھ کر اپنے جی کو نہ ترساؤ۔

اج نہ سُتّی کنت سیوں انگ مُڑیں مُڑ جاء

جاء پُچّھو ڈوہاگنی ، تم کیو رین وِہاء

مَیں تو صرف آج کی رات اپنے محبوب کے ساتھ نہیں سوئی تو میرا انگ انگ ٹوٹ رہا ہے۔ لیکن کوئی اُس بدنصیب بیوہ سے پوچھے کہ تم اپنی راتیں کیسے گزارتی ہو۔

سوہرے ڈھوئی نہ لہے ، پیئے ناہیں تھاؤں

پروا تڑی نہ پُچھ ای ، دھن سہاگن ناؤں

نہ تو اُسے سسرال میں پناہ ملتی ہے اور نہ ہی کوئی مائیکے میں جگہ دینے کو تیار ہے۔ اس کا خاوند اس کی کوئی پروا کرتا ہے اور نہ حال احوال پوچھتا ہے اس کے باوجود وہ سہاگن کہلاتی ہے۔

جوبن جاندے نہ ڈراں جے شوہ پریت نہ جاء

بِرتی جوبن پریت بن سُک گئے کملاء

مجھے جوانی کے جانے کا کوئی خوف نہیں اگر مالک کی محبت کا رُخ تبدیل نہ ہو...... (مَیں جانتا ہوں) کتنی ہی جوانیاں محبت کے بغیر مرجھا کر سوکھ گئیں۔

چنت کھٹولا ، وان دُکھ ، برہ وچھاون لیف

ایہ ہمارا جیونا ، تُوں صاحب سچے ویکھ

فکر کی چارپائی ہے، دُکھ کا بان ہے تو جدائی کی تالائی ہے بچھانے کے لیے...... اے سچے صاحب! دیکھ لے یہی ہماری زندگی ہے۔

برہا برہا آکھیے ، برہا توں سلطان

جت تن برہوں نہ اُپجے سو تن جان مسان

لوگ جدائی کو برا بھلا کہتے ہیں لیکن یہ ہجر تو عشق کا سلطان ہے۔ جس جسم میں جدائی کا احساس نہیں ہوتا اُس جسم کو قبرستان کے مانند سمجھنا چاہیے۔

چار گوائیاں ہنڈھ کے ، چار گوائیاں سَم

لیکھا رب منگیسیا ، تُوں آیوں کیہڑے کم ؟

چار پہر تو اِدھر اُدھر کے کاموں میں گنوا دیئے، اور چار پہر سو کر ضائع کر دیئے۔ لیکن جب خدا تم سے حساب مانگے گا اور پوچھے گا کہ تم یہاں کس کام آئے تھے تو پھر اُسے کیا جواب دو گے؟

در دروازے جاء کے کیو ڈٹھو گھڑیال

ایہ ندوسا ماریئے ، ہم دوساں دا کیا حال ؟

کبھی تم نے ہر دروازے پر جا کر دیکھا ہے کہ گھڑیال کو کیسے مارا پیٹا جاتا ہے۔ وہ تو بے گناہ مارا جا رہا ہے لیکن ہم گنہگاروں کا کیا حال ہوگا؟

بڈھا ہویا شیخ فریدو کنبن لگی دیہہ

جے سو ورھیاں جیونا بھی تن ہو سی کھیہہ

شیخ فرید! بوڑھا ہو گیا ہے، اُس کا جسم بھی کانپنے لگا ہے۔ اگر وہ سو برس مزید بھی زندہ رہے تو پھر بھی اُس کے جسم کو مٹی میں مل کر مٹی ہی ہو جانا ہے۔

کندھ کُہاڑا ، سر گھڑا ، وَن کے سر لوہار

ہُوں لوڑی شوہ آپنا ، تُوں لوڑیں انگیار

تو کاندھے پر کلھاڑا اور سر پر پانی کا گھڑا رکھ کر، جنگل میں لوہار بن کر پھر رہا ہے۔ مجھے تو اپنے محبوب کی تلاش ہے مگر تُو آگ کے لیے لکڑیاں تلاش کر رہا ہے۔

اکناں آٹا اگلا ، اکناں ناہیں لَون
اگے گئے سنجاپسن ، چوٹاں کھاسی کون

ایک تو وہ ہیں جن کے پاس مستقبل کے لیے بھی آٹا موجود ہے اور ایک وہ ہیں جن کے پاس آٹے میں ملانے کے لیے نمک بھی نہیں۔ یہ تو آگے جا کر پتا چلے گا کہ سزا کے حقدار کون ہوں گے۔

کوٹھے منڈپ ماڑیاں اُساریندے بھی گئے
کُوڑا سودا کر گئے ، گوریں آء پئے

بڑے بڑے مکان، محل اور چوبارے بنانے والے بھی چلے گئے اور یہ سب ''جھوٹا سودا'' کرنے والے بالآخر قبروں میں آ کر رہنے لگے۔

کھنتھڑ میکھاں اگلیاں ، جند نہ کائی میکھ
واری آپو اپنی چلے مشائخ شیخ

گودڑی میں تو بے شمار جوڑ لگے ہوتے ہیں لیکن اس جان (روح) میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا......اس لیے سب شیخ اور مشائخ اپنی اپنی باری پر چلے جاتے ہیں۔

رتّی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوء
جو تن رتّے رب سیوں تن تَن رت نہ ہوء

اگر کوئی اس جسم کو چیر بھی دے تو اُس میں سے رَتی برابر خون نہیں نکلنا چاہیے۔ کیوں کہ جو جسم خدا کی محبت میں سرخ ہوتا ہے اُس میں خون باقی نہیں رہتا۔

کنھ مُصَلّا ، صوف گل ، دل کاتی ، گڑ وات
باہر دسے چاننا ، دِل اندھیاری رات

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے......کاندھوں پر مصلّے ، گلے میں صوفیانہ لباس ہے، وہ باتیں تو میٹھی میٹھی کرتے ہیں مگر دِل چھری کے مانند ہوتا ہے۔ وہ باہر سے تو بہت روشن اور چمکدار نظر آتے ہیں لیکن اُن کے دِل میں تاریکی بھری ہوتی ہے۔

سو ای سرور ڈُھونڈ لیہہ جتھوں لبھّی وَتھ
چھپڑ ڈُھونڈے کیا ہو ئے ؟ چکڑ ڈُبے ہتھ

گہرے پانی کی ایسی جھیل تلاش کر جس میں سے موتی بھی نکل آتے ہیں۔ جوہڑوں کے پانی کی تلاش میں کیچڑ سے بھرے ہاتھ ہی نکلتے ہیں۔

تنڈھی کنت نہ راویو ، وڈی تھی موئیاس
دھن کوکیندی گور میں تیں شوہ نہ ملیاس

جب تُو خوب صورت اور جوان تھی تو اپنے محبوب کو رُجھانے کے لیے کچھ نہیں کیا لیکن جب بوڑھی ہوگئی اور موت آ گئی، اب تو قبر میں پڑی فریاد کرتی ہے کہ تجھے محبوب کا پیار نہیں مل سکا۔

سِر پکیا ، ڈاڑھی پکی ، مُچھاں بھی پکیاں
رے من گیہلے باولے مانیں کیا رلیاں ؟

سر کے بال سفید ہو گئے، ڈاڑھی اور مونچھیں بھی سفید ہو گئی ہیں، اے میرے پاگل دِل، تُو ابھی تک رنگ رلیوں میں اُلجھا ہوا ہے۔

کوٹھے منڈپ ماڑیاں ایت نہ لائیں چت
مٹی پئی اتولویں کوئی نہ ہو سی مِت

اِن بڑے بڑے مکانوں، چوباروں اور حویلیوں سے دِل نہیں لگانا، جب تجھ پر بے حساب مٹی پڑے گی تو کوئی تیرا ساتھ نہیں دے گا۔

فریدا منڈپ مال نہ لاء مرگ ستانی چت دھر
سائی جا سمھال جتھے ہی تو ونجنا

اے فرید! مال و دولت سے محبت نہ کر، اور موت کو دھیان میں رکھ......اس جگہ کا خیال کر جہاں تجھے بالآخر جانا ہے۔

صاحب دی کر چاکری دِل دی لاہ بھراند
درویشاں نوں لوڑیئے رُکھاں دی جیراند

اپنے مالک کی چاکری کرو، دل میں موجود تمام شبہات کو دُور کرو، درویشوں کو تو درختوں جیسے حوصلے اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

جنھیں کمیں ناہیں گن تے کمڑے وِسار
مت شرمندہ تھیوہیں سائیں دے دربار

جن کاموں میں بھلائی نہیں اُن کاموں کو ترک کر دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سچّے مالک کے دربار میں تجھے شرمندہ ہونا پڑے۔

کالے میڈے کپڑے ، کالا میڈا ویس
گناہیں بھریا مَیں پھراں لوک کہیں درویش

میرے کپڑے بھی کالے ہیں اور میرا پہناوا بھی سیاہ رنگ کا ہے، مَیں سر سے پانو تک گناہوں سے لتھڑا ہوا ہوں لیکن لوگ مجھے درویش کہتے ہیں۔

تتّی توء نہ پلوے جے جل ٹُبھی دے
جو ڈوہاگن رب دی ، جھوریندی جھورے

وہ فصل جو ایک بار سوکھ چکی ہو وہ لاکھ پانی دینے سے بھی ہری نہیں ہوتی۔ اور وہ بدنصیب جس سے خدا نے مُنہ موڑ لیا ہو وہ ساری عمر افسوس ہی کرتی رہتی ہے۔

جاں کُواری تاں چاؤ ، وواہی تاں ماملے
فریدا ایہو پچھتاؤ وت کُواری نہ تھیے

جب تُم کنواری تھی تو تمھیں کوئی پروا نہیں تھی جب بیاہی گئی تو ہزاروں مسائل بھی سامنے آ گئے، اے فرید! اب تو محض پچھتاوا ہے اور یہ سوچ کہ اے کاش! وہ کنوارپنے کی حالت واپس آ سکتی۔

ہنس اُڈر کودھرے پیا لوک وِڈارن جاء
گیہلا لوک نہ جاندا ہنس نہ کودھرا کھاء

ہنس اُڑتا ہوا باجرے کے کھیت میں آن بیٹھا لوگ اُسے اُڑانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بے وقوف لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہنس تو باجرہ کھاتا ہی نہیں۔

اِٹ سرہانے ، بھوئیں سون ، کیڑا لڑیو ماس
کیتڑیاں جُگ واپرے اِکت پیاں پاس

سرہانے تکیے کی جگہ اینٹ ہے، نرم بستر کی جگہ زمین کا بچھونا ہے۔ جسم کو کیڑے کھا رہے ہیں، جو کچھ زندگی میں کرتا رہا ہے وہی اب اُس کے سامنے آیا ہے۔

بے نمازا کُتیا ! ایہہ نہ بھلّی ریت
کبھی چل نہ آئیا پنجے وقت مسیت

بے نماز کُتے ! یہ جو تُو نے روش اختیار کر رکھی ہے (ٹھیک نہیں) تجھ سے پانچ وقت نماز کی ادائی کے لیے مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اُٹھ فریدا وضوساز ، صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ نِوے ، سو سر کپ اُتار

اے فرید! خوابِ غلفت سے بیدار ہو، وضو کر، اور صبح کی نماز ادا کر، جو سَر اپنے مالک کے آگے نہیں جُھکتا اس سر کو جسم سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔

جو سر سائیں نہ نِوے سو سِر کیجے کاء
کُنّے ہیٹھ جلائیے بالن سندے تھاںء

جو سر، اپنے مالک کے آگے نہیں جُھکتا اس سر کا کیا کرنا ہے۔ اُس کو تو چولھے میں ایندھن کی جگہ جلا دینا چاہیے۔

کتھے تیڈے ماپے آ جِنھی تُوں جنیوں
تیں پاسوں اوہ لد گئے توں اجے نہ پتنیوں

کہاں ہیں وہ تمھارے والدین، جنھوں نے تم کو جنم دیا تھا۔ وہ تمھارے قریبی ہو کر بھی چلے گئے لیکن تجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی۔

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبّے لاہ
اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ

اے فرید!......اس دِل کی زمین سے اُونچی نیچی جگہیں ختم کر اور اس کو ہموار بنا۔ اگر تو ایسا کر لے گا تو تجھے دوزخ کی آگ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

فریدا بُرے دا بھلا کر غُصّہ من نہ ہنڈھاء
دیہی روگ نہ لگ ای ، پلّے سبھ کجھ پاء

اے فرید! جو تمھارے ساتھ بُرا کرتا ہے اس کے بارے بھی اچھا سوچ، ذِہن میں غُصّے کو جگہ نہ دے۔ تمھارے جسم کو کوئی روگ نہیں لگے گا۔ اور تو، اپنے دامن میں سب کچھ سمیٹتا چلا جائے گا۔

فریدا پنکھ پرونی دُنی سہاوا باغ
نوبت وجّی صبح سیوں چلّن کا کر ساج

اے فرید!......دُنیا کے اِس خوب صورت باغ میں پرندے مہمان بن کر آتے ہیں۔ صبح کا نقارہ بج چکا ہے تُو بھی چلنے کا سامان کر۔

رات کتھوری ونڈیئے ، سُتیاں ملے نہ بھاوَ
جِنھاں نین ہندراولے تینھاں ملن کواوَ

رات کستوری بانٹ رہی ہے جو سونے والوں کے حصے میں نہیں آتی۔ لیکن جو آنکھیں راتوں کو جاگتی ہیں کستوری کا حصہ بھی اُنھی کو ملتا ہے۔

مَیں جانا دُکھ مجھی کو ، دُکھ سبھائے جگ
اُچّے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ

مَیں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اس جہان میں صرف ایک مَیں ہی دُکھی ہوں لیکن یہ دکھ تو تمام انسانوں کو ملا ہے۔ اور پھر جب مَیں نے ذرا اُونچائی پر کھڑے ہو کر دیکھا تو ہر گھر میں یہی آگ لگی ہوئی تھی۔

کندھی ، واہن ! نہ ڈھاہ ، توں بھی لیکھا دیونا
جدھر رب رضاء وہن تداؤں گو کرے

اے دریا کی تیز لہرو! کناروں کو نہ توڑو، تمھیں بھی بالآخر حساب دینا پڑے گا......لیکن، اے فرید! یہ لہریں اپنی مرضی سے تو کناروں کو غرق نہیں کر رہیں یہ تو ادھر ہی چلتی ہیں جدھر خدا کی رضا ہو۔

دُکھاں سیتی دینہہُ گیا ، سُولاں سیتی رات
کھڑا پکارے پاتنی ، بیڑا کپّر وات

تمام دِن دُکھوں میں گذر گیا رات بھی کانٹوں پر بسر ہوتی ہے۔ ادھر ملاح دُہائی دے رہا ہے کہ کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے، اپنا بچاؤ کرلو۔

فریدا ایہہ تن بھوکنا نت نت دکھیے کون
کنّیں بُجّے دے رہاں ، رُتّی وگے پون

یہ نفس تو بھونکنے والا کتا ہے، کون اِس کی خواہش پوری کرتا پھرے، مَیں نے اپنے کانوں

میں رُوئی ٹھونس لی ہے اب کتنی بھی ہوا تیز چلے مجھے اس کی آواز سُنائی نہیں دے گی۔

رب کھجوریں پکیاں ، ماکھیاں نیئں وَہَن
جو جو وَنجے ڈیہڑا سو عمر ہتھ پَوَن

خدا کی مہربانی سے کھجوریں بھی پک گئی ہیں اور شہد کی نہریں بھی رواں ہیں۔لیکن ہر گذرتے دن کے ساتھ عمر بھی ہاتھ سے نکلتی جاتی ہے۔

تن سُکّا ، پنجر تھیا تلیاں کھونڈن کاگ
اجے سورب نہ بوہڑیو دیکھ بندے دے بھاگ!

جسم سوکھ کر ڈھانچا ہو گیا ہے کوے تلووں میں چونچیں مارتے ہیں اس کے باوجود خدا کی نظرِ کرم نہیں ہوئی، دیکھو یہ ایک انسان کی کیسی بدقسمتی ہے؟

کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھایا ماس
ایہہ دو نیناں مت چھوہیو پر ویکھن کی آس

اے کوے! تُو نے میری ہڈیوں سے گوشت کھا لیا ہے،لیکن دیکھو، میری اِن دو آنکھوں کو مت کھانا اِن میں اپنے محبوب کو دیکھنے کی آس موجود ہے۔

کاگا چونڈ نہ پنجرا ، بس اے تاں اُڈ جا
جِت پنجرے میرا شوہ وسے ماس نہ تدوں کھا

اے کوے! میری ہڈیوں کو تُو نہ نوچ۔ اگر تمھارے اختیار میں ہے تو اب اُڑ جا۔ جس ڈھانچے میں میرے محبوب کا بسیرا ہے، اُس کا گوشت تو نہ کھاؤ۔

گور نمانی سڈ کرے ، نگھریا گھر آؤ
سَر پَر میں تھے آونا ، مرنوں نہ ڈریاؤ

قبر بے چاری آدمی کو پُکار رہی ہے، اے انسان! جلدی سے اپنے گھر آ جاؤ۔ جب بالآخر تُم نے میرے ہی پاس آنا ہے تو پھر موت سے کیوں ڈرتے ہو۔

ایہنیں لوئنیں ویکھدیاں کیتی چل گئی
لوکاں آپو آپنی میں آپنی پئی

ان آنکھوں کے دیکھتے ہی دیکھتے نہ جانے کتنی مخلوق چلی گئی ہے۔ ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی

ہوئی ہے اوران کی طرح مجھے بھی اپنی پڑی ہے۔

آپ سنواریں میں ملیں ، میں ملیاں سُکھ ہوء
جے توں میرا ہو رہیں سبھ جگ تیرا ہوء

اگر انسان خود کو سنوار لے تو اُس خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور جب خدا اپنے بندے کے نزدیک آ جاتا ہے تو بندے کو سُکھ ملتے ہیں اور پھر ......خدا کہتا ہے کہ، اگر تُو میرا ہو کر رہے تو یہ سارا جہان بھی تیرا ہو جائے گا۔

کندھی اُتے رُکھڑا ، کچرک بنھے دھیر
کچے بھانڈے رکھیے کچر تائیں نیر

دریا کے کنارے پر کوئی درخت بھلا کب تک مضبوطی سے کھڑا رہ سکتا ہے۔اور مٹی کے کچے برتن میں کب تک پانی رکھا جا سکتا ہے۔

ہوں بلہاری تنھاں پنکھیاں جنگل جنھاں واس
کنکر چگن ، تھل وسن ، رب نہ چھوڈن پاس

مَیں اُن پرندوں پر قربان جاؤں جو جنگلوں میں رہتے ہیں، وہ کنکر کھاتے اور صحراؤں میں رہتے ہیں لیکن اپنے خدا کا قرب نہیں چھوڑتے۔

پاڑ پٹولا دھج کریں ، کمبلڑی پہریو
جنھیں ویسیں شوہ ملے سے ای ویس کریو

ریشم کے اس لباس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور کمبل اوڑھ لے، جس بھیس میں خدا ملتا ہو وہی بھیس اختیار کرنا چاہیے۔

موتے دا بنّا ایویں دِسّے جیوں دریا دے ڈھاہ
اگے دوزخ تپیا سُنیے ہول پوے کہاہ
اکناں نوں سبھ سُوجھی آئی، اک پھردے بے پرواہ
عمل جو کیتے آ دُنی وچ سے درگاہ اوگاہ

موت کی سرحد دریا کے اُونچے کنارے کی طرح نظر آتی ہے۔ سُنتے ہیں اُس سے آگے تپتا ہوا دوزخ ہے جس کے بارے میں سوچ کر ہی ہول اُٹھتا ہے...... کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں یہ سب

خبر ہے لیکن کچھ بے پروا ہو کر پھرتے ہیں اُنھیں معلوم نہیں کہ اِس دُنیا کے اعمال ہی ''بارگاہِ ایزدی'' میں کام آئیں گے۔

دریاوے کنّے بگلا بیٹھا کیل کرے
کیل کریندے بجھ نُوں اچنتے باز پئے
باز پئے تِس رب دے ، کیلاں وسریاں
جو من چِت نہ چیتے سن سو گالھیں رب کیاں

دریا کے کنارے ایک بگلا موج مستی کر رہا تھا۔ موج مستی کرتے ہوئے اچانک اُس کو باز نے جھپٹ لیا۔ حال آں کہ یہ باز اُس خدا کی طرف سے آیا تھا۔ بگلے کو سب موج مستی بھول گئی۔ خدا وہ کچھ کرتا ہے جو کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

ساڈھے ترے من دیہڑی ، چلّے پانی اَنّ
آیو بندہ دُنی وچ وت آسونی بنّھ
ملک الموت جاں آوسی سبھ دَر وَجّے بھنّ
تنھاں پیاریاں بھائیاں اگے دِتا بنّھ
ویکھو بندہ چلیا چونھ بندیاں دے کنّھ
عمل جو کیتے دُنی وچ درگہ آئے کم

ساڑھے تین من کا یہ انسانی بدن پانی اور خوراک سے چلتا ہے۔ بندہ اِس دُنیا میں ہزاروں اُمیدیں باندھ کر آتا ہے لیکن جب ملک الموت سب دروازے توڑ کر آئے گا تمھارے سب پیارے بھائی کفن میں باندھ کر تمھیں اُس کے حوالے کر دیں گے۔ دیکھو ایک انسان چار بندوں کے کندھوں پر سوار ہو کر جاتا ہے۔ اب جو کچھ دنیا میں اعمال کیے ہوں گے وہی اُس بارگاہ میں کام آئیں گے۔

تنھاں مکھ ڈراونے جنھاں وساریوں ناؤں
ایتھے دُکھ گھنیرے آ ، اگے ٹھور نہ ٹھاؤں

وہ لوگ جو خدا کا نام بھُول گئے ہیں اُن کے چہرے ڈراؤنے ہو گئے ہیں۔ اُن کے لیے یہاں بھی بہت زیادہ دُکھ ہیں اور اگلے جہان میں بھی کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ کوئی محفوظ جگہ۔

پچھل رات نہ جاگیوں جیوندڑو مویوں
جے تیں رب وِساریا تیں رب نہ وِسریوں

اگر تم رات کے پچھلے پہر عبادت کے لیے نہیں جاگے تو جیتے جی مر گئے۔ اگر چہ تم نے خدا کو بھلا دیا ہے لیکن تمھارے رب نے تجھ کو نہیں بھلایا۔

فریدا کنت رنگاولا ، وڈا بے محتاج
اللہ سیتی رَتیا ایہہ سَچاوا ساج

اے فرید! اُس خدا کے بے شمار رنگ ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ جب کوئی شخص اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو یہی اُس کا سچا رُوپ ہے۔

فریدا دُکھ سکھ اک کو ، دِل تھیں لاہ وِکار
اللہ بھاوے سو بھلا تاں لبھّی دربار

اے فرید! دُکھ اور سکھ کو ایک ہی جیسا سمجھ اور دل کو خواہشوں سے پاک رکھ وہی کام اچھا ہے جو خدا کو اچھا لگتا ہے اسی سے تمھاری اس دربار تک رسائی ہوگی۔

دِل رَتا اِس دُنی سیوں ، دنی نہ کِتّے کم
مِسَل فقیراں گا کھڑی سو پایئے پُور کرم

دل تو اِس دُنیا کی رنگینیوں میں رنگا ہوا ہے لیکن یہ دُنیا کسی کام کی نہیں۔ اگر چہ فقیروں کا چلن بہت کٹھن ہے لیکن اُس کا کرم ہو تو یہ نصیب میں آتا ہے۔

ڈُھونڈیندیئے سہاگ کُوں ! تَو تن کائی کور
جِنھاں ناؤں سہاگنی تِنھاں جھاک نہ ہور

اے سہاگ کو ڈُھونڈنے والی! (اگر تُو ناکام رہی ہے تو) تمھاری اپنی ذات میں کوئی کمی ہے۔ وہ جو ایک بار کسی کے نام سے وابستہ ہو جاتی ہیں اُن کو کسی اور کی اُمید نہیں ہوتی۔

صبر اندر صابری ، تن ایویں جالین
ہون نجیک خداء دے ، بھیت نہ کِسے دین

صبر کرنے والوں کے جسم صبر و ضبط کی تپش سے یوں جلتے ہیں کہ وہ اسی حالت میں خدا کے قریب ہو جاتے ہیں لیکن اپنا راز کسی کو نہیں بتاتے۔

فرید درویشی گھاکھڑی ، چوپڑی ایہہ پریت
اِکن کِنھے چالی اے درویشاں دی ریت

اے فرید! درویشی تو بہت کٹھن ہے جب کہ پریت تو محض ایک دکھاوا ہے وہ کتنے ہیں جنھوں نے درویشی کی ریت کو آگے بڑھایا ہے؟

تن نہ تپاء تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال
سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری نہال

اپنے آپ کو تنوروں کی طرح تپا، اور نہ ہی اپنی ہڈیوں کو خشک لکڑیوں کی طرح جلا۔ سر اور پانو کو کیوں دُکھ دے رہا ہے۔ تمھارا محبوب تو تمھارے اندر ہے۔

سرور پنکھی ہیکڑو پھاہیوال پچاس
ایہہ تن لہریں گڈ تھیا ، سچے تیری آس !

جھیل کی سطح پر پرندہ تو فقط ایک ہے لیکن اُسے پکڑنے والے پچاس ہیں اور یہ پرندہ جھیل کی طوفانی لہروں کی زد میں بھی ہے اے سچے رب! اسے تیرے ہی نام کی آس ہے۔

کون سو اکھر ، کون گُن ، کون سو منیا منت
کون سو ویسو ہوں کری جِت وس آوے کنت

وہ کون سا اسم ہے، کون سی خوبی ہے اور وہ کون سا منتر ہے، کون سا بھیس ہے جو اپناؤں تو وہ میرا محبوب میرے بس میں آ جائے گا۔

مت ہوندی ہوئے ایانا تان ہوندے ہوئے نتانا
ان ہوندے آپ ونڈائے، کوئی ایسا بھگت سدائے

جو عقل وفہم کے باوجود انجان ہو، جو طاقت کے باوجود عاجز و مسکین بن کر رہے جو کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی جو کچھ ہو اُس کو بانٹ دے، وہی تو ہے جو بھگت کہلانے کا حقدار ہے۔

اک پھکا نہ گالائیں ، سبھناں میں سچا دھنی
ہیاؤ نہ کہیں ٹھاہیں ، مانک سبھ امولویں

کسی سے رُوکھا پھیکا نہ بولنا۔ کیوں کہ سب میں وہ سچا رب بستا ہے۔ کبھی کسی کا دِل نہ توڑنا کیوں کہ دل میں ایسے موتی ہیں جن کا کوئی مول نہیں۔

اُٹھ فریدا سُتیا جھاڑو دے مسیت
تُوں سُتا، رب جاگدا، تیری ڈاہڈے نال پریت

اے فرید! خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور اللہ کے گھر میں جھاڑو دے کر صفائی کرو۔ تم سو رہے ہو اور تمھارا خدا جاگ رہا ہے۔ تیری محبت بھی ایسی زبردست ہستی کے ساتھ ہے۔ جو سب پر حاوی ہے۔

اُچّا نہ کر سد فریدا ، رب دلاں دیاں جاندا
جے تدھ وچ کلب ، سو مجھاہوں دُور کر

اے فرید! خدا کو اُونچی آواز میں صدائیں نہ دو۔ وہ دِلوں کا بھید بھی خوب جانتا ہے۔ اگر تجھے اِس بارے کوئی شک ہے تو اُس کو اپنے من سے دُور کر۔

اساں تساڈی سجنو اٹھو پہر سمبھال
ڈینہوں وسے من منہہ ، راتیں سپنے نال

اے دوست! ہم تو تم کو آٹھوں پہر سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں دن میں تم ہمارے دِل میں ہوتے ہو اور رات کو سپنوں میں۔

اکناں مت خداء دی ، اکناں منگ لئی
اک دِتّی مُول نہ گھندے جیوں پتھر بُوند پئی

ایک وہ ہوتے ہیں جن کو خدا نے عقل دی ہوتی ہے ایک وہ بھی ہیں جو دوسروں سے مانگ لیتے ہیں لیکن کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جو دینے پر بھی عقل قبول نہیں کرتے اُن کی حالت اُس پتھر کی ہوتی ہے جس پر پانی کے قطرے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اک وہاجیں لُون فریدا، بیا کستوری جھنگ چوے
باہر لاء صبون ، اندر بچھانہ تھیوے

ایک وہ ہوتے ہیں جو نمک خریدنے جاتے ہیں لیکن اُنھیں کستوری جیسی خوشبو ہاتھ آجاتی ہے۔ ایک وہ بھی ہوتے ہیں جو صابن مَل مَل کر جسم کو صاف کرتے ہیں لیکن اُن کا اندر صاف نہیں ہوتا۔

اکے تاں لوڑ مقدمی ، اکے تاں اللہ لوڑ
دوہنہ بیڑی نہ لت دھر ، ونجیں وکھر بوڑ

کچھ وہ ہیں جنھیں دنیا کی طلب ہوتی ہے کچھ وہ ہیں جو خدا کے طلبگار ہیں۔ تُم دو کشتیوں میں

پانوّ رکھو گے تو بالآخر ڈُوب جاؤ گے۔

آوو لدّھو ساتھڑو ، ایویں ونج کریں
مول سنبھالیں آپنا ، پاچھے لاہا لیں

آؤ ساتھیو! سب مِل کر کوئی ایسا کاروبار کریں جس میں اصل زر بھی محفوظ رہے اور بعد میں منافع بھی ہو۔

بڈھا تھیا شیخ فرید ، کنبن لگے ٹاہل
ٹینڈڑھیاں جل لانیاں ، ٹٹن لگی ماہل

شیخ فرید، بوڑھا ہو گیا ہے اُس کے اعضا بھی کانپنے لگے ہیں اے کنویں سے پانی نکالنے والے برتنو! اپنی فکر کرو تمھاری رسّی ٹوٹنے والی ہے۔

جت تن برہا اُپجے تت تن کیسا ماس
ات تن ایہہ بھی بہت ہے ، ہاڈ چام اور ساس

جس جسم کو جدائی کا روگ لگ جاتا ہے اُس پر گوشت پوست کا کیا کام؟ اُس کے لیے تو محض ہڈیاں، چمڑا اور کچھ آتے جاتے سانس ہی کافی ہیں۔

ایہہ جو جنگل رُکھڑے ہریل پت تنہاں
پوتھا لکھیا ارتھ دا ایکس ایکس ماںھ

یہ جو جنگل کے درختوں پر ہرے بھرے پتے نظر آتے ہیں ہر ایک میں قدرت کی کتاب کے حرف چھپے ہوئے ہیں۔

ایہہ مسجدیں ابوتھیاں ، رکھیاں رب سوار
جاں جاں ایس جہان منہہ، تاں تاں دیکھیں جار

یہ جو عالیشان مساجد ہیں یہ خدا نے خود محفوظ رکھی ہوئی ہیں۔تم جہاں جہاں بھی اِس جہان میں جاؤ گے یہ خدا کے ذِکر سے آباد ہوں گی۔

پریتم ! تم مت جانیا تم بچھڑت ہم چین
وادھے بن کی لاکڑی سُلگت ہوں دِن رین

اے میرے محبوب! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم سے بچھڑنے کے بعد ہم بھی آرام دہ زندگی گزار

رہے ہیں ہماری حالت بھی جنگل کی گیلی لکڑی جیسی ہے جو دن رات سلگتی رہتی ہے۔

پیریں بیڑا ٹھیلھ کے کنڈھیں کھڑا نہ رو
وت نہ آون تھیسیا ، ایت نہ نیندڑی سو

خود اپنے پاؤں سے کشتی کو دریا میں دھکیل کر اب کنارے پر کھڑا کیوں روتا ہے، یہاں اب دوبارہ آنا نصیب نہیں ہوگا۔ یوں غفلت کی گہری نیند نہ سو۔

تُوں تُوں کریندے جو موئے ،موئے بھی تُوں تُوں کرن
جیہنیں تُوں تُوں نہ کیا ، تیہنیں نہ سِنجاتو تن
سائیں سندے نا دکھے ، دایم پری پچوّن
رب نہ بھنّے پوریا ، سندے فقیرن

جو تم کو یاد کرتے ہوئے مرتے ہیں وہ مر کر بھی تمھی کو یاد کرتے ہیں۔ جنھوں نے تم کو یاد نہیں کیا وہ زندہ رہ کر بھی مُردہ ہی ہیں۔ وہ مالک جو نظر نہیں آتا اُس کو ہمیشہ اپنا محبوب لکھتے ہیں لیکن وہ فقیروں کی طرح گودڑی پہن لینے یا دَر دَر کی خاک چھاننے سے نہیں ملتا۔

ٹُبھی مارن گاکھڑی ، سدھراں لکھ کریں
جیہناں دامن دھرا پیا ، سے مانک لبھیں

خواہشیں تو لاکھ ہوتی ہیں لیکن دریائے عشق میں غوطہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن جن کا دامن اُس کی محبت سے بھرا ہوا ہے، وہی ہیرے نکالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

جاگنا ای تاں جاگ فریدا، راتڑی، ہمھ ودھانیاں
جے موں متھے بھاگ ، پری وسارن نہ کرن

اے فرید! تم نے تو تمام رات سو کر گزار دی ہے۔ اگر جاگنا ہے تو فوری طور پر جاگ۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ تمھارے نصیب اچھے رہیں تو اپنے محبوب کا خیال کبھی دِل سے نہ بھلانا۔

جاگنا ای تاں جاگ فریدا ، ہوئی آ پر بھات
اس جاگن نوں پچھتائیں گا ، گھنا سویں گا رات

اے فرید! صبح ہوگئی ہے۔ اگر تجھے جاگنا ہے تو بروقت جاگ، اگر تُو رات بھر سوتا رہے گا تو پھر صبح نہ اُٹھنے پر ہمیشہ پچھتاتا رہے گا۔

جتی خوشیاں کیتیاں ، تتی تھیئم روگ
چھلوں کارن ماریئے ، کھادے دا کیا ہوگ

مجھے جتنی خوشیاں حاصل ہوئیں، اُتنے ہی دُکھ بھی برداشت کرنا پڑے لوگوں کے فریب بھی بہت کھائے اب سوچتا ہوں آگے کیا ہوگا۔

جاں جاں جیویں دُنی تے ، تاں تاں پھر الکھ
درگاہ سچا تاں تھیویں جاں کھن مول نہ رکھ

جب تک بھی تو دنیا میں زندہ رہے گا تب تک مالک کا نام جپتا رہ۔ اُس کی بارگاہ میں سرخرو تبھی ہوگا جب تمھارے پاس صرف ایک کفن ہوگا، اور کچھ نہیں۔

جنگل ڈھونڈیں سنگھنا ، لبے لُویا نہ وت
تن حجرہ درگاہ دا ، تس وچ جھاتی گھت

تُو عبادت وریاضت کے لیے گھنے جنگلوں کا خواہشمند ہے تجھے اگر ایسا جنگل مِل بھی جائے تو یہ ضروری نہیں کہ تجھے وہ خدا بھی مِل جائے...... تمھارا جسم ہی اللہ تعالیٰ کا حجرہ ہے تم اس میں جھانک کر دیکھو، وہ محبوب تمھیں یہیں مل جائے گا۔

جیں در لگے عینہہ فریدا ، سو در ناہیں چھڈنا
آپوں بھاویں مینہ سر ہی اُپر جھلنا

جس دَر سے محبت ہو جائے، اے فرید! اُس دروازے کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے اگر اس دوران میں طوفانِ بادوباراں بھی آ جائے تو اُس کو سر پر ہی برداشت کرنا چاہیے۔

جے توں دِل درویش فریدا رکھ عقیدہ ساہمنا
در ہیں سیتی دیکھ ، متھا موڑ نہ کنڈ دے

اگر تو اے فرید! تیرا دِل درویش کے دِل جیسا ہے تو پھر اپنے عقیدے کو صاف اور سیدھا رکھ...... بس اُس درگاہ پر توجّہ مرکوز رکھ، اِدھر اُدھر دیکھ اور نہ ہی اُس کی طرف پُشت کر کے کھڑا ہو۔

جے تُوں ونجیں حج ، حج ہمھو ای جیا میں
لاہ دِلے دی لج ، سچا حاجی تاں تھیویں

اگر تُو حج کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو یہ حج تمھارے دِل میں ہی ہو سکتا ہے، تمھارا سچا حج

اسی صورت ممکن ہے کہ جب تُو دِل پر پڑے تمام پردے ہٹا دے گا۔

جے جے جیویں دُنی تے ، کھریئے کہیں نہ لاء
اکو کھن رکھ کے ، ہور سبھو دیہہ لُٹاء

جب تک بھی تُو اِس جہان میں زندہ ہے اُس مالک کے سوا کسی اور سے دِل نہ لگا۔ بس ایک کفن کا کپڑا رکھ کے باقی سب کچھ لُٹا دے۔

چُوڑیلی سیوں رتّیا دنیا گوڑا بھیت
ایہنیں اکھیں ویکھدیاں اُجڑ وَنجے کھیت

اِس دُنیا کا مُنہ چڑیل کی طرح خونی (سرخ) ہے یہ ایک کھُلا راز ہے ان آنکھوں نے اس کے ہاتھوں ہری بھری کھیتیاں اُجڑتے دیکھی ہوئی ہیں۔

داڑھیاں لکھ وتن فریدا ، ہِھ نہ ہکو جیہیاں
اک در لکھ لہن ، ہِک ککھوں کنوں ہولیاں

اے فرید! ڈاڑھیاں خواہ کتنی ہی لمبی ہو جائیں سب ایک جیسی نہیں ہوتیں کچھ ایسی ہوتی ہیں جن کا مول لاکھوں میں ہوتا ہے، لیکن اکثر تنکوں سے بھی ہلکی ہوتی ہیں۔

درد نہ وَنجم داروئیں ، جے لکھ طبیب لگن
چنگی بھلی تھی بہاں ، جے مُوں پری مِلن

یہ درد کسی دوا سے نہیں جائے گا۔ خواہ لاکھ طبیب بھی بُلا لیے جائیں۔ لیکن اگر، میرا محبوب مجھے آن ملے تو مَیں فوری طور پر اچھی بھلی ہو جاؤں گی۔

دِل اندر دریاؤ فریدا ، کنڈھی لگا کیہہ پھریں
ٹُبھّی مار منجھاہیں ، منجھوں ہی مانگ لہیں

اے فرید! دریا تو دِل میں ہے، تم خواہ مخواہ کناروں پر اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو۔ منجھدار میں غوطہ زن ہو منجھدار سے ہی تمھیں کچھ حاصل ہو گا۔

دمامہ وجیا موت دا ، چڑھیا ملک الموت
گھن واہے جندڑی ، ڈھاہن واہے کوٹ
کوٹ ڈھٹھا ، گڑھ لُٹیا ، ڈیرے پئی گاہ

جیوندیاں دے ہور راہ ، مویاں دے ایہی راہ

موت کا نقارہ بج گیا ہے ملک الموت نے بھی چڑھائی کردی ہے۔ وہ جسم کے قلعہ کو گرا کر جان اپنے ساتھ لے جا رہا ہے قلعہ تباہ ہو گیا ہے، شہر لوٹ لیا گیا ہے، ڈیرے پر چیخ و پکار ہو رہی ہے۔ زندہ لوگوں اور موت کے مسافروں نے راستے تبدیل کر لیے ہیں۔

دُنی دے لالچ لگیاں ، محنت بھُل گئی

جاں سر آئی آپنے ، تاں سبھو وِسر گئی

دُنیا کی ہوس میں لوگ محنت کرنا بھول گئے، لیکن جب موت سر پر آ گئی تو پھر سب دُنیاوی کام بھول گئے۔

راتیں سویں کھٹ فریدا، ڈینہیں وٹیں پیٹ کوں

جاں تُو کھٹن ویل ، تداہیں تیں سوں رہیا

رات کو اے فرید! چارپائی پر آرام سے سوتے ہو، اور دِن کو پیٹ کا سامان کرتے ہو۔ جو وقت کچھ کمانے کا تھا تُو نے وہ سو کر گزار دیا۔

سے ڈاڑھیاں کوڑا دیاں ، جو شیطان کھچین

اہرن تلے ووان جیوں ، دوزخ کھڑ دھرئین

سیکڑوں ڈاڑھیاں ایسی ہیں جو شیطان کی طرف لے کر جاتی ہیں۔ اُنھیں دوزخ میں یوں کوٹا جائے گا جیسے آہرن پر لوہے کو کاری ضربیں لگائی جاتی ہیں۔

فریدا ایسا ہو رہو جیسا ککھ مسیت

پیرا تلے لتاڑیئے ، کدے نہ چھوڑیں پریت

اے فرید! اِس دُنیا میں ایسا ہو جا، جیسے مسجد میں صفوں سے نکلے ہوئے تنکے ہوتے ہیں اُنھیں پانو سے جتنا بھی روندا جائے وہ اپنے تعلق کو نہیں چھوڑتے۔

سائیں سیویاں گھل گئی ، ماس نہ رہیا دیہہ

تب لگ سائیں سیوساں جب لگ ہوسوں کھیہہ

وہ جو مالک نے بندھن بنائے تھے وہ سب کھل گئے جس کارن جسم پر گوشت بھی باقی نہیں رہا۔ مَیں اُس وقت تک اپنے مالک کے بنائے بندھن باندھتا رہوں گا جب تک یہ جسم خاک نہیں

ہو جاتا۔

فریدا راتیں چار پہر ، ڈو سُتا ، ڈُو جاگ
گھنا سووسی گور مَنہ ، لہسیا ایہہ ویراگ

اے فرید! رات کے چار پہر ہوتے ہیں، دو پہر سو کر، دو پہر جاگ لیا کر......قبر میں جا کر تُو بہت زیادہ سوئے گا، جہاں تمھیں کوئی فکر نہیں ہوگی۔

فریدا پاؤں پسار کے ، اٹھے پہر ہی سوں
لیکھا کوئی نہ پُچھ ای ، جے وچوں جاوی ہَوں

اے فرید! پائو پسار کر آٹھوں پہر ہی سوتا رہ۔ تم سے کوئی حساب کتاب نہیں پوچھے گا، بشرطے کہ تم حرص و ہوس کو چھوڑ دو۔

فریدا کھتی اُجڑی ، گروی پر رہیا مال
صاحب لیکھا منگسی ، بندے کون حوال

اے فرید! کھیتی تو تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ تیرا دھن بھی گروی پڑا ہوا ہے۔ لیکن جب مالک حساب کتاب مانگے گا تو تُو اُسے کیا جواب دے گا۔

فرید چلے پردیس کو قطب جو کے بھاوَ
سانپاں جودھاں ناہراں تینوں دانت بندھاوَ

فرید قطب کا رُوپ دھار کر پردیس کو چلے ہیں، سانپو، اژدہو، شیرو، تینوں اپنے دانت تیز کر لو۔

کرن حکومت دنی دی ، حاکم ناؤں دھرن
اگے دھول پیادیاں ، پچھے کوت چلن
چڑھ چلن سکھ واسنی ، اُپر چَور چلن
سیج وچھاون پاہرہ ، جتھے جا سَوَن
تینہاں جناں دیاں ڈھیریاں دوروں پیاں دِسّن

دُنیا پر حکومت کرنے والے حاکم کہلواتے ہیں ان کے آگے پیادے سپاہی دُھول اُڑاتے اور پیچھے گھڑ سوار چلتے ہیں ان کا ہر لمحہ عیش و آرام میں گذرتا ہے ان کو ''مورچھل'' سے ہوا بھی دی جاتی ہے وہ جہاں سوتے ہیں اُن کے لیے آرام دہ بستر بھی بچھائے جاتے ہیں لیکن مرنے کے بعد

اُن کی قبریں دُور سے ہی نظر آ جاتی ہیں۔

کناں ، دنداں ، اکھیاں ، سبھناں دِتی ہار
دیکھ فریدا چھڈ گئے مُڈھ قدیمی یار

کانوں، دانتوں، آنکھوں سب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے اے فرید! دیکھو یہ سب پُرانے دوست بھی ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

کوک فریدا کوک تُوں ، جیوں راکھا جوار
جب لگ ٹانڈہ نہ گرے ، تب لگ کُوک پُکار

اے فرید! تُو جوار کے کھیت کے راکھے کی طرح بلند آواز میں "کوک پُکار" کرتا رہ۔ جب تک (جوار کا پودا) ٹانڈہ سوکھ کر گر نہیں جاتا تُو کُوک پُکار کرتا جا۔

کُو کیندڑا تاں کوک فریدا، کدے تاں رب سُنیسیا
نکل ویسی پھُوک ، تاں پھر کُوک نہ ہوسیا

اے فرید! جب تک وہ مالک تمھاری فریاد نہیں سُنتا، تُو "کوک پُکار" کرتا جا۔ جب جسم سے ہوا نکل گئی تو پھر "کوک پُکار" بھی نہیں ہو سکے گی۔

ماؤ مینڈی کملی ، جن "جیون" رکھیا ناؤں
جاں دن پُنے موت دے ، نہ جیون نہ ناؤں

میری ماں تو دیوانی تھی جس نے میرا نام "زندگی" رکھ دیا۔ جب موت کا وقت مقررہ آ گیا تو پھر نہ زندگی رہی نہ کوئی نام۔

مانک مول اتھاہ فریدا، قدر کیہ جانیں شیش گر
اکے تاں گوہڑا شاہ، اکے تاں جانیں جوہری

ہیرا تو بیش قیمت ہوتا ہے اُس کی قدر کوئی شیشہ گر کیسے جان سکتا ہے اس کی قدر یا تو بادشاہ کو ہوتی ہے یا پھر "جوہری" کو۔

مناں ! من مُنایاں ، سر منّے کیا ہوء
کیتی بھیڈاں مُنیاں ، سرگ نہ لدھی کوء

اے دِل! مونڈنے، منڈانے یا سر منڈوا لینے سے کیا ہوتا ہے بے شمار بھیڑیں کئی بار

موئڈی جاتی ہیں لیکن کوئی جنت میں تو نہیں چلی جاتی۔

منجھ مکہ ، منجھ ماڑیاں ، منجھے ہی محراب
منجھے ہی کعبہ تھیا ، کیں دے کری نماز

میرے ہی اندر مکہ ہے، میرے ہی اندر خانہ کعبہ ہے اور میرے اندر ہی محراب ہے۔ مجھے تو اپنے اندر ہی کعبہ دِکھائی دیتا ہے تو پھر مَیں، کس کے سامنے نماز ادا کروں۔

موسیٰ نٹھا موت تے ، ڈھونڈے کائے گلی
چارے کُنڈاں ڈھونڈیاں ، اگے موت کھلی

حضرت موسیٰ موت سے بھاگ کر کوئی ایسی گلی ڈھونڈتے رہے تھے جو اُنھیں بچا سکے۔ اُنھوں نے چاروں گوشے دیکھے مگر وہ جدھر بھی جاتے موت ہی اُن کے سامنے کھڑی ہوتی۔

مَیں تن اوگن ایتڑے جیتے دھرتی ککھ
تو جیہا مَیں نہ لہاں ، مَیں جیہیاں کئی لکھ

مجھ میں اِتنی بُرائیاں ہیں جتنے اِس زمین پر تنکے ہیں۔ تیرے جیسا میرے لیے کوئی اور نہیں لیکن میرے جیسے تمھیں لاکھوں مل جائیں گے۔

مَیں نوں مار کے منج کر ، نِکی کر کے کُٹ
بھرے خزانے رب دے ، جو چاہوے سو لُٹ

اپنی انا کو تھوڑی تھوڑی کر کے ''مونج'' کی طرح کُوٹتا چلا جا...... جب تُو ایسا کر لے گا تو پھر ......خدا کے بھرے ہوئے خزانوں سے جو چاہے لُوٹ لینا۔

پروردگار ، اپار ، اگم ، بے انت تُوں
جنھاں پچھانا سچ چُماں پیر مُوں

اے پروردگار! تُو سب کا پالنے والا ہے۔ تُو وریٰ الوریٰ اور لامحدود ہے تیری کوئی انتہا نہیں۔ جنھوں نے اِس سچائی کو پہچان لیا بلاشُبہ اُن کے قدموں کو چومنا چاہیے۔

تیری پنَہ خداء توں بخشندگی
شیخ فریدے خیر دیجے ، بندگی !

اے خدا! مجھے تمھاری پناہ درکار ہے، تُو ہی تو بخشنے والا ہے۔ شیخ فرید کو خیرات میں صرف

''بندگی'' عطا کر دیجیے۔

کتک کونجاں ، چیت ڈونہہ ، ساون بجلیاں
سیالے سوہنیاں پر گل باہڑیاں

کاتک کے مہینے کونجوں کی ڈاریں آتی ہیں، چیت کے مہینے میں پھول کھلتے ہیں۔ ساون میں بجلیاں چمکتی ہیں تو سردی کے موسم میں محبوب کے گلے میں پڑی ہوئی بانہیں بہت بھلی لگتی ہیں۔

کالی کوئل تو کت گُن کالی ؟
اپنے پریتم کے ہوں برہوں جالی
پر ہے پہُوں رِکتھہ سُکھ پائے
جاں ہوء کر پال تاں پرَبھُو ملائے

اے کالی کوئل! تُو کس وَجہ سے کالی ہے؟ کہیں تم اپنے محبوب کی جدائی میں جل کر تو ایسی نہیں ہو گئی۔ محبوب کے بغیر کون ہے جو سکھ پاتا ہے۔ اگر خدا مہربان ہو تو وہ اپنے کرم سے محبوب کو ملا دیتا ہے۔

کہے فرید سہیلیو شوہ اَلائسی
ہنس چلسی ڈمنا ، ایہہ تن ڈھیری ہوئسی

سکھیو! فرید کہتا ہے کہ، وہ مالک تمھیں ایک دن ضرور اپنے پاس بُلائے گا۔ اِس جسم میں موجود ہنس تو اُڑ جائے گا مگر یہ جسم یہیں مٹی کی ڈھیری بن جائے گا۔

-☆-

شاہ حسین

شاہ حسین کا تعلق قادری سلسلہ سے مستند ہے مگر کچھ لوگ اُنھیں ''شطاری'' بھی قرار دیتے ہیں شاید اُس کی وَجہ اُن کی جذب و مستی اور وجودی سرشاری بھی ہے۔ جو عموماً قادریوں میں نہیں ہوتی۔ یا پھر قادری اس جذب و مستی کا نہ تو برملا اظہار کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو اپنے سلسلہ تکلم کا حصہ بناتے ہیں وہ شرعی اصول وضوابط کی پابندی بھی کرتے ہیں اور بہت سارے ''بھیدوں'' کو زبان پر نہیں لاتے......لیکن ادھر شاہ حسین ان سے مختلف نظر آتے ہیں وہ جذب و مستی اور عشق کی سرشاری کو اپنے معمولاتِ زندگی کا حصہ بھی بناتے ہیں اور پھر ان کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں اور اس بات میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ اُن کا طرزِ عمل اور طرزِ فکر ''ملامتیوں'' جیسا ہے مگر وہ کہیں بھی اُس ''فکری بغاوت'' کا اظہار نہیں کرتے جو ''شطاریوں'' کا وتیرہ رہا ہے۔ اور حضرت بایزید بسطامی جنھیں شطاریوں کا ''بانی'' بھی کہا جاتا ہے ان سے لے کر حضرت بُلھے شاہ تک جتنے بھی شطحیات سامنے آئے ہیں اسے کچھ لوگ شطاریوں کی ''میراث'' بھی قرار دیتے ہیں اس تناظر میں شاہ حسین کا طرزِ عمل اگرچہ مختلف نظر آتا ہے اور وہ فلسفہء وحدت الوجود کا عوامی زبان اور لب ولہجہ میں اِظہار بھی کرتے ہیں مگر وہ کہیں بھی کوئی ایسا جملہ یا مصرع نہیں کہتے......جس کو شطحیہ کی صف میں شامل کیا جائے ویسے تو یہ بات بھی صحیح ہے کہ شاہ عنایت قادری محمد علی رضا شطاری کے مرید تھے لیکن اُن پر شطاریوں سے منسوب اُس طرزِ عمل کا کوئی خاص اثر نہیں تھا جو ترکِ عبادات اور جذب و مستی اور حال کی کیفیت میں ''ناپسندیدہ باتوں'' کو زبان پر لے آتا ہے جب کہ اُن کے مرید خاص حضرت بُلھے شاہ اِس کیفیت میں تمام حدود کو پار کرتے دِکھائی دیتے ہیں......لہٰذا اس دلیل پر صاد ممکن نہیں کہ شاہ حسین نے شطاری ہو کر اُن جیسا باغیانہ رویہ کیوں اختیار نہیں کیا! لیکن یہ بات

زیادہ مستند ہے کہ وہ قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے بہ ہر حال۔

حضرت شاہ حسین کا زمانہ اکبر اعظم کا زمانہ ہے جس کے فکری اور سیاسی رجحانات کا شاہ حسین پر اثر ہونا بھی فطری تھا اکبر وحدتِ ادیان کا قائل تھا اور اُس کے لیے اس کی کوششیں بھی تاریخ کا حصہ ہیں بعض لوگ اسی پس منظر میں ہی دینِ الٰہی کی بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن ادھر تاریخ کا یہ سچ بھی موجود ہے کہ دینِ الٰہی کی اصطلاح اکبر کی موت کے بعد شاہجہان کے دور میں سامنے آئی تھی۔ مگر یہ سچائی بھی ہے کہ اکبر کے زمانہ میں ہی فارسی اور ہندی زبان کے مشترکہ ثقافتی ماخذ تخلیق ہوئے اور ان زبانوں میں اشتراکِ عمل بھی ہوا شاہ حسین کے ہاں دونوں امتزاج موجود ہیں...... لیکن ایک اور تاریخی حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت تک بھگتی تحریک عروج پر تھی اور اُس وقت تک بھگت کبیر اور گرونانک جیسے وحدت الوجود کے داعی بھی سامنے آ چکے تھے جنھوں نے "توحیدی فکر" کو نکتۂ عروج تک پہنچا دیا تھا چناں چہ یہ کیسے ممکن تھا کہ شاہ حسین جیسا "وجودی" ان کے افکار کو نظر انداز کر سکتا اسی تناظر میں شاہ حسین کو بھی بھگتی لہر کے تسلسل میں دیکھا جانا کچھ ایسا غیر معمولی بھی نہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ...... شاہ حسین کی ملامتی وضع اپنے آپ کو اکبر سے بچانے کی کوشش تھی کیوں کہ حسین پر اکبر کے باغی "دُلاّ بھٹی" کا حمایتی اور حلیف ہونے کا شبہ بھی کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ...... جس دن دُلاّ بھٹی کو گرفتار کر کے لاہور میں پھانسی دی گئی اس دن اُسی وقت کوتوال کے پاس شاہ حسین بھی قید تھے۔

جب کہ...... ایک اور روایت تو یہ بھی ہے کہ شاہ حسین شہزادہ جہانگیر اور اُس کے حرم کے نزدیک محترم تھے لیکن اس کے باوجود خود کو "جولاہا" کہلوایا اور اس کو پسند بھی کیا۔

ڈاکٹر لاجونتی کے مطابق

> شاہ حسین نے ایک طرف تو ملامتیہ طرزِ عمل اختیار کیا تو دوسری طرف مجاز کا راستہ بھی اختیار کیا اور ایک ہندو لڑکے "مادھو" سے عشق بھی کیا اُن کے اس مجاز نے ہی اکبر جیسے "سیکولر" شخص کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا لیکن ایک روایت میں شاہ حسین کو اکبر کے سامنے اِس حالت میں بھی پیش کیا گیا ہے جس میں شاہ حسین کی ڈاڑھی منڈھی ہوئی اور شراب کے نشے میں چور تھے...... جس پر اکبر ناراض بھی ہوا۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں کیوں کہ...... اکبر تو خود شراب کا رسیا تھا اور اس کے دربار میں

شراب کے استعمال پر پابندی نہیں تھی اور پھر...... اُس نے بھی ڈاڑھی نہیں رکھی تھی بل کہ مغل بادشاہوں میں ایک وہی تو تھا جس نے ڈاڑھی نہیں رکھی تھی ورنہ بابر سے لے کر اورنگ زیب تک سب ''باریش'' تھے۔

سرفراز حسین قاضی کہتے ہیں کہ:

فرقہ ملامتیہ کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے اس لیے عام لوگ اُس سے دھوکا کھا جاتے ہیں کیوں کہ اُن کا ظاہری طور طریقہ شریعت کے مخالف ہوتا ہے۔ اس صوفی فرقے کا بانی بھی حضرت بایزید بسطامی کو ہی قرار دیا جاتا ہے وہ ایک دفعہ طویل سفر کے بعد بسطام واپس آئے تو خاص و عام آپ کو گھیرے میں لیے رکھتے پھر مریدین کا ہجوم بھی رہتا چناں چہ عبادت و ریاضت کے لیے وقت نہ ملنے کی بنا پر...... ایک دن بھرے بازار میں روزہ توڑ دیا۔ تا کہ لوگ اُن سے بدخلق ہو جائیں چناں چہ لوگ اُن سے بیزار ہو گئے اور وہ اُن سے دُور ہو گئے۔ لیکن ملامتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے عمل و کردار میں مکمل ہوتے ہیں اُن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے ویسے بھی تصوف میں اصل بات تو باطن کی ہوتی ہے۔

شاہ حسین کا خاندانی نام ڈاہڈا حسین تھا۔ ڈاہڈا پنجاب کے راجپوتوں کی ایک ذات ہے۔ عوامی سطح پر آپ شاہ حسین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کے آباواجداد کھتری نسل سے تھے آپ کے جدِ اعلیٰ کلجس رائے کا تعلق لاہور سے ہی تھا جو فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عثمان بافندگی (جولاہا) کے پیشے سے منسلک تھے اسی حوالے سے ابتدائی عمر میں آپ ''حسین جولاہا'' کے نام سے محلے میں جانے جاتے تھے۔ شاہ حسین کا سالِ پیدائش 1538ء (945ھ) ہے آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد شیخ عثمان ٹکسالی دروازے کے باہر راوی کے کنارے آباد ایک محلے میں رہائش پذیر تھے جو تل بگھ کہلاتا تھا۔ جو گرد و نواح سے قدرے بلند تھا۔ محلّہ تل بگھ کی وجہ تسمیہ دراصل ایک عالم اور باعمل مولوی حافظ ابوبکر تھے جو محلے کی مسجد میں امامت بھی کرواتے تھے اور بچوں کو اسلامی تعلیمات اور قرآن و حدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ حافظ ابوبکر کا آبائی قصبہ ضلع جہلم تحصیل پنڈ دادن خان کا مردم خیز قصب بگھ تھا اور اسی نسبت سے یہ محلّہ تل بھگ معروف ہوا۔ مقامی روایت کے مُطابق ابتدائی عمر میں ہی شاہ

حسین کو محلے کی مسجد میں حافظ ابوبکر کے پاس تحصیل علم وحفظِ قرآن کے لیے بٹھایا گیا اور چھوٹی عمر میں ہی آپ نے چھے پارے حفظ کر لیے۔ شاہ حسین ابتدا سے ہی بہت ذہین اور ارفع ذہنی صلاحیتوں سے مالا مال تھے حافظ ابوبکر جیسے عالم کی صحبت میسر آئی تو قرآن وحدیث سے دلچسپی بڑھتی گئی لہٰذا دِن بھر کی مصروفیات کا اہم حصہ حصول تعلیم ہی تھا۔ ابتدائی دور میں کتابیں پڑھنے لگے تو ذہن میں کئی سوالات اُٹھتے اور ان کے جواب کے لیے اپنے استادِ محترم سے رجوع کرتے۔ جلد ہی حافظ ابوبکر کو احساس ہو گیا کہ ان کا ہونہار شاگرد ضرور کوئی اہم مقام حاصل کرے گا۔ حضرت شیخ بہلول شطاری اپنے عہد کے نامی گرامی عالم اور صاحبِ ریاضت وعبادت گزار بزرگ تھے۔ صوفیہ کی طرح آپ کی دلچسپی بھی سیاحت سے تھی اسی دوران حضرت شیخ بہلول کی ملاقات ایک ''مردِ حق'' سے ہوئی جن کے حکم پر حضرت بہلول شطاری شاہ حسین کی رہنمائی کے لیے لاہور تشریف لائے۔

جب حضرت بہلول کا فریضہ سرانجام ہوا تو شاہ حسینؒ سے وقتِ رخصت کہا کہ اے حسین! یہاں لاہور میں جناب حضرت عثمان بن علی ہجویری گنج بخش کا مزارِ پُرانوار ہے جب ہم چلے جائیں تو غم نہ کرنا ہم نے تم کو حضرت عثمان بن علی ہجویری گنج بخش کی خدمت میں سپرد کر دیا ہے اب ہمارے بعد اُن کے آستانے پر حاضری دینا اب وہی تمھارے رہنما اور راہبر ہوں گے اور تمھیں منزل تک پہنچائیں گے۔ شاہ حسین نے عبادت وریاضت کو ہی اپنی زندگی کا اوّلین مقصد بنا لیا۔ اور رات دِن خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت میں آپ نے چھبیس سال گزار دیے۔ داراشکوہ نے شاہ حسین کو ملامتیوں کے گروہ کا سردار لکھا ہے۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحب نے مشائخ طریقت کے بارہ گروہوں کا ذِکر کِیا ہے۔ شاہ حسین عالم فاضل، زاہد ومتقی اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے ایک قرآنی آیت کی تفسیر کے اُلٹ پھیر کے سبب اُن کی کایا کلپ ہوگئی اُنھوں نے ملامتیہ طریق اختیار کیا اور ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان کیا۔ اس وقت آپ کی عمر چھبیس برس تھی۔ آپ ڈاڑھی مونچھ منڈواتے تھے اور آپ کے حلقہ نشینوں میں سبھی ایسے ہی لوگ شامل تھے زیادہ تر وقت دنیاداری اور اہل دنیا سے لاتعلق اپنی ہی دنیا میں مست الست رہتے اور ایسی حرکتیں کرتے کہ لوگ اُن کے قریب نہ آئیں اور ان کو مردود جانیں اور ان سے نفرت کریں۔ شاہ حسین کے مرشد شیخ بہلول کو جب اس تمام احوال کا علم ہوا تو اُنھیں دلی طور پر بہت صدمہ پہنچا اور وہ اپنے مرید کی

دلجوئی اور راہبری کے لیے فوراً لاہور پہنچے اور شاہ حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نماز میں ہی سارا قرآن ختم کر دو۔ چناں چہ آپ نے نماز شروع کی جب سورح ''الم نشرح لک صدرک'' پر پہنچے تو بے اختیار ہنس پڑے اور نماز ختم کر دی۔ دارا شکوہ کا خیال ہے کہ شاہ حسین نے شاید اس سورۃ پاک کا مفہوم یہ سمجھا تھا کہ آیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا اور تجھ پر وہم اور انانیت کا بار نہیں ڈالا جو تیری پشت کو پست کرتا اور کیا ہم نے تجھ کو ذکر سے مذکورہ تک نہیں پہنچایا اس لیے کہ ہر فنا کے بعد بقا ہے اور بے شک جس کو ہم نے فنا بخشی اُسے بقا دے کر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا پس جب تو نے انانیت اور ہستی موہوم سے فراغت حاصل کر لی ہے تو ہماری ہستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجّہ ہو جو ظاہر اور باطن کا رب ہے۔ اس واقعہ کے بعد شاہ حسین اپنے مرشد حضرت بہلول سے کبھی نہیں ملے اور شاہ حسین بدستور اپنے طرزِ معمولات پر قائم مست الست گلیوں اور بازاروں میں پھرتے رہے۔ اُن کا معمول تھا کہ مست الست ہو کر اکثر چنگ و رباب کی صدا پر بے خود رہا کرتے تھے مگر یہ امور محض واسطے اخفائے حال اپنے کے فرماتے تھے۔

''مادھو'' شاہدرہ کا ایک برہمن زادہ تھا جو بقول تحقیقاتِ چشتی 982ھ میں پیدا ہوا اُس وقت شاہ حسین کی عمر 38 سال تھی بقول مصنف تحقیقاتِ چشتی مادھو کی عمر تین برس کی تھی کہ جب وہ شاہ حسین کے منظورِ نظر ہوئے۔ نقوشِ لاہور نمبر میں لکھا ہے کہ اس بات کا امکان بہت مشکل ہے کہ مادھو نے تین سال ہی کی عمر میں جب کہ وہ اپنی ماں کی گود میں تھا اور لاہور سے دُور رہتا تھا، شاہ حسین کو فریفتہ کر لیا ہو۔ بہ ہر حال اُس زمانے میں شاہ حسین قلندرانہ وضع اختیار کر چکے تھے۔ اور ملامتیہ طریقہ رکھتے تھے۔ تاہم حضرت شاہ حسین برہمن زادے کا نام و نسب دریافت کر کے خود ہی شاہدرہ جا پہنچے اس وقت مادھو کی عمر اٹھارہ برس تھی اور وہ شادی شدہ تھا آپ کی توجُہ سے متاثر ہو کر مادھو نے بھی آپ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ ہمہ وقت آپ کی رفاقت میں رہنے لگا۔ شاہ حسین اور مادھو کے مابین عشق و محبت کے افسانوں میں بہت سی بے سروپا باتیں مشہور کر دی گئیں۔ بل کہ ان افسانوں کے اندر ایسے تضادات اور مہمل واقعات ہیں کہ ان پر یقین کر لینا کسی بھی ذی شعور کے لیے ممکن نہیں۔ مرشد اور مرید میں قربت کا ہو جانا زیادہ تر وقت ایک دوسرے کی رفاقت میں گزارنا بعید از معمولات زندگی نہیں ہے مگر ان تعلقات کو بعض مصنفین نے اس غلط انداز سے پیش کیا ہے کہ اس میں شاہ حسین کی شخصیت دب کر رہ جاتی ہے۔ اس بات پر

سبھی متفق ہیں کہ شاہ حسین کو اپنے خلفا میں سب سے زیادہ لگاو مادھو سے ہی تھا، مادھو نے قبولِ اسلام کِیا اور خود بھی ارادت کے ایک اعلیٰ منصب پر پہنچا۔ مادھو کے وجود سے کسی واقعہ نگار نے انکار نہیں کیا تاہم اس کی شخصیت اور شاہ حسین کے ساتھ تعلق کو جس انداز میں پیش کِیا ہے اس پر توجُہ درکار ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس تعلق کو مجاز کا رنگ دیتے ہیں لیکن ڈاکٹر نذیر احمد اس مجاز کو تسلیم نہیں کرتے اُن کا کہنا تھا کہ مادھو 1576ء میں پیدا ہوا اور وہ شاہ حسین سے 38 برس چھوٹا تھا عمروں کے اس تفاوت میں رومان کا تصور کسی بھی طرح قابلِ تسلیم نہیں اور پھر یہ بھی کہ ان کے کلام میں کہیں بھی کسی جگہ اس کا اشارہ نہیں ملتا۔ مادھو شاہ حسین سے متاثر تھا اور بالآخر اُن کا مرید ہو گیا تھا بعد میں وہ دیوان بھی مقرر ہوا اور ''خلیفہء اوّل'' کا اعزاز بھی حاصل کِیا۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

مادھو برہمن کا قصہ بھی محض گپ ہے اور شاہ حسین کے تصوف کو بدنام کرتا ہے۔ شاہ حسین کی کافیوں میں مادھو کا کہیں نام نہیں ہے''۔

اسی طرح ڈاکٹر لاجونتی کے مقالہ کے بارے میں ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ یوں رقم طراز ہیں:

اس (ڈاکٹر لاجونتی) نے بڑا ظلم کیا ہے کہ شیخ شاہ حسین کا نام ہی مادھو لال حسین لکھ دیا ہے اور اِدھر اُدھر کی کرامتوں اور گپوں سے شاہ حسین کو ملوث کر دیا ہے اور دارا شکوہ کی شطحیات ''حسنات العارفین'' نہیں دیکھی۔

''نقوش لاہور نمبر'' میں شاہ حسین اور مادھو کے باہمی تعلق کے حوالے سے مصنف یوں رقم طراز ہے:

پیر و مرشد کے تعلق میں مولانا روم اور اُن کے مرشد شمس تبریزؒ امیر خسرو اور اُن کے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور اسی طرح بعض دیگر صاحبانِ سلوک کے درمیان جو محبت عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اس کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اس قسم کی پاک محبت سے نہ تصوف کبھی بدنام ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے''۔

جہاں تک شاہ حسین کے دن رات شراب نوشی میں مست الست رہنے کی بات ہے اس پر بھی ڈاکٹر موہن سنگھ نے تحقیق کی ہے اور اِس بات کو جھوٹ قرار دیا ہے آپ لکھتے ہیں:

حسین شاہدرہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک مصفّی جگہ دیکھ کر فرمایا کہ یہاں ایک

چاہ کھودو اور سبزہ لگاؤ کہ یہاں ہماری قبر ہو گی اور جب ہم یہاں دفن ہو جائیں گے تو بعد مدت تیرہ برس کے یہاں سیلاب آئے گا۔ اور ہمارے دوست ہماری لاش قبر سے نکالیں گے اور پھر بابو پورہ (باغبانپورہ) میں لے جا کر دفن کریں گے۔ اور بعد مدت وفات میری کے ایک برس بعد مادھو سفر کو جائے گا اور پھر بارہ برس کے بعد لوٹ کر آئے گا۔ اور میری سُنت پر قائم رہے گا۔ بعد ازاں واصل بحق ہو گا اس کی قبر بھی میری قبر کے برابر کرنا۔ الغرض جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بعد وفات من وعن ظہور پذیر ہوا۔ بروز شنبہ آپ سیر کے لیے دریائے راوی کے پار جاتے تھے ایک مرتبہ جب آپ گئے تو وہاں آپ کو ایک ریگستان نظر آیا تو آپ نے کشتی بان سے فرمایا کہ ہمیں یہیں اُتار دو۔ جب اُس نے آپ کو وہاں اُتارا تو آپ نے چاہا کہ تیرو کمان سے طبع کو بہلا دیں چناں چہ آپ نے ایک نشانہ رکھ کر چند تیر چلائے اور بعد ازاں مریدانِ ہمراہی سے فرمایا کہ اے دوستاں! جب کوئی دوست حقیقی اپنے دوست کو اپنی طرف بلاوے تو کیا کرنا چاہیے۔ دوستوں نے کہا کہ اگر دوست بارادہ وصل بلاوے تو بجان منت اُٹھ کر جانا چاہیے۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ 1632 رجب کے پہلے روزے آپ کا انتقال ہوا۔ الغرض دوستوں نے تجہیز و تکفین وہیں کیا اور نماز جنازہ پر تمام اولیا کرام تشریف لائے اور امامت نماز جنازہ سیّد ابوتراب حسنی حسینی شطاری شاہ گدا نے پڑھائی خلفا نے پھر پار دریا کے جسد خاکی کو لے جا کر دفن کر دیا جو جگہ آپ نے پسند فرمائی تھی۔

بقول ڈاکٹر نذیر احمد:

شاہ حسین کا مزار...... لاہور کے علاقہ باغبانپورہ میں ہے جس کے نزدیک قریباً نصف صدی بعد شاہجہان نے شاندار باغ بنوایا تھا...... رنجیت سنگھ کے دور میں اس مزار میں جہاں ''مادھو'' بھی تھا بسنت کے دن ''رانی موراں'' کے زیرِ اہتمام تیوہار منایا جاتا جس میں رنجیت سنگھ کے سب درباری بسنتی لباس پہن کر شریک ہوتے نذریں گزارتے اور دادِ عیش دیتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک شاہ حسین کی حیثیت ''رند مشرب'' صوفی کی ہی تھی جو آج بھی مسلمہ ہے۔

منتخب کلام (شاہ حسین)

ربا میرے حال دا محرم تُوں

ربا میرے حال دا محرم تُوں
اندر تُوں ہیں باہر تُوں ہیں، رُوم رُوم وِچ تُوں
تُوں ہیں تانا، تُوں ہیں بانا، سبھ کجھ میرا تُوں
کہے حسین فقیر نمانا، مَیں ناہیں سبھ تُوں

اے میرے خدا، تُو ہی تو میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ میرے اندر بھی تُو ہے، باہر بھی تُو ہے، میرے رُوم رُوم میں بھی تُو ہی ہے۔ تُو ہی تانا ہے اور تُو ہی میرا بانا ہے۔ میرا سب کچھ تُو ہی تُو ہے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مَیں تو کچھ بھی نہیں سب تُو ہی تُو ہے۔

دِل دَرداں کیتی پُوری

دِل درداں کیتی پُوری نی، دِل درداں کیتی پُوری
لکھ کروڑ جنہاں دے جُڑیا، سو بھی جھوری جھوری
بھَٹھ پئی تیری چٹی چادر، چنگی فقر دی بھُوری
سَادھ سَنگت دے اوہلے رہندے، بُدھ تنہاں دی سُوری
کہے حسین فقیر سائیں دا، خُلقت گئی ادھوری

دردِ دِل ہی انسان کی تکمیل کا باعث ہے۔ دردِ دل ہی انسان کی کاملیت کا باعث ہے۔ جنھوں نے لاکھوں کروڑ جمع کرر کھے ہیں وہ بھی پریشان و پشیمان ہیں۔ سفید چادر کو اُتار کر آگ میں جھونک دے۔ اس سے فقیروں کا بھورا کمبل لاکھ درجہ بہتر ہے وہ جو سادھو سنتوں کی سنگت میں

رہتے ہیں، اُن کی عقل بھی سنور جاتی ہے۔ شاہ حسین مالک کا فقیر کہتا ہے...... یہ خلقت اِس دُنیا سے ناکام جا رہی ہے۔

جاگ نہ لدّھی آ

جاگ نہ لدّھی آ، سُن چندے نی ہُنھو وِہانی رات
اِس دَم دا وو کیہہ بھر واسا، رَہن سرائیں رات
وِچھڑے تَن مَن بوہڑ نہ میلہ، جیوں تروٹے پات
کہے حسین فقیر سائیں دا، ہوئے گئی پَر بھات

تم ابھی تک بیدار نہیں ہوئے اے میری جان! یہ تمام رات بھی یونہی گذر گئی ہے۔ اس زندگی کا کیا بھروسا ہے، یہ تو سرایے میں ایک رات کا قیام ہے۔ جب یہ جسم و جاں علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ ان کا ملاپ نہیں ہوگا۔ جیسے تناور درختوں سے پتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اب تو صبح ہوگئی ہے۔

ویلا سمرُن دا

ویلا سمرُن ِ دا ، اُٹھ رام دھیائے
ہَتھ مَلیں مِل پچھوتا سی ، جَد وَیلی آ وقت وہائے
اِس تڑے توں بھر بھر گئیاں ، اپنی وار لنگھائے
اِکناں بھریا، اِک بھر گئیاں، اِک گھرے اِک راہے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، آ تن پھیرا پائے

یہ وقت ذِکر اذکار کا ہے، اُٹھ رام نام کا جاپ کریں تب ہاتھ مَل مَل کر پچھتاؤ گی۔ جب یہ وقت گذر جائے گا۔ اس گھاٹ سے سب اپنی اپنی باری پر پانی بھر کر چلی گئی ہیں۔ کچھ نے پانی بھر لیا ہے، کچھ پانی بھر کر جا چکی ہیں۔ کچھ گھر پہنچ چکی ہیں اور کچھ راستے میں ہیں اللہ کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ......اس ترنجن میں پھر اکٹھے بیٹھنا نصیب نہیں ہوگا۔

سائیں جینہاندڑے

سائیں جینہاندڑے وَل تِنہاں نُوں غم کَیں دا وے لوکا!
سوہلیاں جو رَب وَل آئیاں جنہاں نُوں عشق چڑوکا وے لوکا

عشقے دی بِر کھاری چائیں ، دَر دَر دینی آں ہوکا ، وے لوکا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، لدّھا ہی پریم جھروکا ، وے لوکا

جن کے مالک اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔لوگو!ان کو بھلا کِس چیز کا غم ہوسکتا ہے۔جو خدا کی طرف آ گئے وہی سب سے اچھے ہو گئے اور جن کو عشق نے اپنا اسیر بنالیا۔سر پر عشق کا بھاری بوجھ اُٹھا کر، ہر دروازے پر صدا دیتی ہوں، اے لوگو! اے لوگو! اپنے مالک کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ لوگو! ہم نے عشق جھروکا پالیا ہے (جہاں سے ہم اپنے رب کو دیکھ سکتے ہیں)۔

اِک دِن تینوں سُپنا تھیسَن

اِک دِن تینوں سُپنا تھیسَن گلیاں بابل والیاں وو
اُڈ گئے بھَور پھُلّاں دے کولوں ، سَن پتراں سَن ڈالیاں
جِت تَن لگے سوای تَن جانے ، ہور گلّاں کرن سکھالیاں
رَہ وے قاضی ، دِل نہیوں راضی ، گلاں ہوئیاں تاں ہوون والیاں
سو اِی راتیں لیکھے پوسن ، جو نال صاحِب دے جالیاں
ناؤں حسینا ذات جلاہیا ، گالھاں دیندیاں تانیاں والیاں

ایک دِن یہ بابل کی گلیاں تجھے خواب کے مانند محسوس ہوں گی۔ پھولوں سے بھنورے اُڑ گئے ہیں۔شاخیں اور پتے بھی سوکھ گئے ہیں۔جس تن کو کوئی مرض لاحق ہوتا ہے وہی جانتا ہے۔ باقی سب باتیں کرنا آسان ہے۔اے قاضی چھوڑ! دِل ہی نہیں مانتا۔اگر باتیں ہوئی ہیں تو کچھ اُن کا پس منظر بھی ہوگا۔وہی راتیں تو کام آئیں گی، جو محبوب کے ساتھ گزاری ہیں۔نام حسین اور وہ ذات کا جولاہا ہے۔اور اُس کو "تانے والیاں" بُرا بھلا کہتی ہیں۔

جِت وَل مَینڈا مِتّر پیارا

جِت وَل مَینڈا مِتّر پیارا ، اوتھے وَنج آکھیں مَینڈی عاجزی وو
جوگن ہوواں دُھواں پاروں تیرے کارن مَیں مَر جاواں تَیں
راتیں درد ، دِیہیں دَرماندی ، مَرن اَساڈا وازجی وو
لَتاں کھول گلے وِچ پائیاں ، مَیں بیراگن آو دی وو
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی ، کوکاں نہ ماری لاج دی وو

کہے حسین فقیر سائیں دا ، راتیں دیہنیں مَیں جاگدی وو

جس طرف بھی میرے پیارے محبوب کی نظر ہے، وہاں جا کر میری بھی عاجزی پیش کر دینا۔ تمھاری جوگن بن کے دُھونی رما کر بیٹھی ہوں۔ مَیں تمھاری خاطر فنا ہو چکی ہوں، تم اگر ملو تو مَیں دوبارہ زندگی حاصل کر سکتی ہوں۔ راتوں کو درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں اور دِن پریشانی میں گذرتا ہے۔ اب مرنا ہمارا لازم ہو چکا ہے۔ زلفیں کھول کر گلے میں ڈالی ہوئی ہیں اور مَیں تمھاری بیراگن بن چکی ہوں۔ جنگلوں اور ویرانوں میں تم کو تلاش کرتی پھرتی ہوں لیکن شرم سے صدائیں بھی نہیں دیتی اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مَیں تمھاری یاد میں، دِن رات جاگتی رہتی ہوں۔

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں:

راہ عشق سُوئی دا نکا ، دھاگہ ہوویں تاں ہی جاویں
باہر پاک اندر آلُودہ ، کیہا توں شیخ کہاویں
کہے حسین جے فارغ تھیویں ، تاں خاص مراتبہ پاویں

اگر تم سچے عاشق ہو تو پھر...... عشق کی راہ پر بھی چلو۔ عشق کا راستہ سوئی کے سوراخ برابر ہے اگر تم دھاگہ بنو گے تو پھر ہی اس راستے سے گذر پاؤ گے باہر تو بظاہر پاک ہے لیکن باطن آلودہ ہے۔ تُو کیسا شیخ کہلاتا ہے۔ حسین کہتا ہے کہ، جب تو اندر اور باہر سے پاک ہوگا...... تو پھر، تجھے خاص مرتبہ و مقام حاصل ہوگا۔

آخر دادَم

آخر دادَم بُجھ وے اَڑیا:

ساری عمر وَنجائی آ اینویں باقی رہیا نہ کُجھ وے اَڑیا
دَر تے آئے لیکھو وَپاری ، جِیں تھوں لیتی آ وَست اُدھاری
ظاہر تھِیندا ای کُجھ وے اَڑیا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، لُجھ کلُجھ نہ لُجھ وے اَڑیا

اے دوست! آخری وقت کو یاد رکھ۔ تم نے ساری عمر یونہی گزار دی ہے اب تو باقی کچھ وقت نہیں رہا۔ تمھارے دروازے پر وہ بیوپاری آ گئے ہیں جن سے تم نے ادھار چیزیں لی تھیں

جہاں تک ہو سکتا ہے اس پوشیدہ حقیقت کو سمجھ۔ اپنے مالک کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے یونہی بحث و تکرار میں جھگڑا فساد نہ کر۔

سجّن دے ہتھ بانہہ اساڈی

سجّن دے ہتھ بانہہ اساڈی ، کیوں کر آکھاں چھڈ دے اڑیا
رات اندھیری بدّل کنیاں، باہجھ وکیلاں مشکل بنیاں ڈاڈھے کیتا سدّ وے اڑیا
عِشق محبت سو ای جانن پئی جنہاں دے ہڈّ وے اڑیا
کلّر کھٹ نہ کھوہڑی چینا ریت نہ گڈّ وے اڑیا
نِت بھرینائیں چھٹیاں اِک دن جائیں چھڈ وے اڑیا
کہے حسین فقیر نمانا ، نین نیناں نال گڈّ وے اڑیا

میرا بازو میرے محبوب نے تھام رکھا ہے، مَیں اُسے کیسے کہہ سکتی ہوں کہ، چھوڑ دے اندھیری رات میں گھنگھور گھٹائیں برس رہی ہیں ہمدرد کے بغیر میری جان پر بنی ہے اور اس زبردست نے بلایا ہے۔ عشق و محبت کے بارے وہی لوگ جانتے ہیں جن کے یہ جسم و جاں میں رچا ہو۔ سیم وتھور کی زمین میں کنواں کھودنا اور ریتلی زمین میں چینا، کاشت نہیں کرنا چاہیے تُو ہمیشہ سے مال و دولت اکٹھا کرتا چلا آ رہا ہے لیکن ایک دن وہ سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے گا۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... محبوب کی آنکھوں سے آنکھیں تو مِلا کے دیکھ سب کچھ بھول جائے گا۔

گاہک وَینّدا اِی

گاہک وَینّدا اِی کُجھ وَٹ لئے:

آیا گاہک مُول نہ موڑیں ٹکا پنجاہا گھٹ لئے
پیو گھرے دن چار دیہاڑے ہَر وَل جھاتی گھت لئے
بابل دے گھر دَاج وَہونی دَڑ وَٹ پُونی کت لئے
ہوراں نال اُدھار کرینْدی ساتھوں بھی کُجھ ہَتھ لئے
کہے حسین فقیر نمانا ، ایہہ شاہاں دی مَت لئے

خریدار خالی ہاتھ جا رہا ہے، کچھ تو اس سے بکری کر لے۔ آیا ہوا گاہک خالی نہیں موڑنا چاہیے۔ ایک ٹکا یا پانچ پیسے کم لے کر سودا بیچ دے۔ مائیکے میں چار دنوں کا بسیرا ہے۔ خاوند کی طرف

نظریں اُٹھا کر دیکھ۔ بابل کے گھر میں ابھی تک کوئی جہیز نہیں بنایا اب خاموشی سے جیسی بھی پونی کات سکتی ہے کات لے تم اور کے ساتھ تو ادھار لیتی ہو، کچھ ہمارے ہاتھ سے بھی لے لے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، ہم شاہوں سے بھی نصیحت حاصل کر۔

کدی تے سمجھ نداناں

کدی تے سمجھ ندانا، گھر کتھے اِی سمجھ ندانا:

آپ کمین ، تیری عقل کمینی ، کون کہے توں دانا !
اِیہنیں راہیں جاندے ڈِٹھڑے، میر مَلک سُلطاناں
آپے مارے تے آپے جیوا لے ، عزرائیل بہانا
کہے حسین فقیر سائیں دا، بن مصلحت اُٹھ جانا

کبھی تو اے نادان یہ بات سمجھ، کہ تمھارا گھر کہاں ہے، اے نادان۔ تُو خود بھی کمینہ ہے اور تیری عقل بھی کمینی ہے، کون کہتا ہے کہ تُو دانشمند ہے۔ انھی راستوں پر جاتے ہوئے میر، بادشاہ اور سلطان دیکھے ہیں۔ وہ خود ہی مارتا اور خود ہی زندگی دیتا ہے، عزرائیل تو محض بہانہ ہے اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... کہیں بغیر کسی مصلحت کے ہی نہ چلے جانا۔

سائیں وارِی آں وو

سائیں وارِی آں وو، وارِی آں وو، وار ڈاری آں وو:

چُپّ کراں تاں دیون طعنے ، جاں بولاں تاں ماری آں
اِکناں کھِنّی نوں ترساویں ، اِک وَنڈ وَنڈ دیندے سارِیاں
اِکناں ڈھول گلاوے سیّو ! اِک کنتاں باجھ بچارِیاں
اَوگن ہاری تُوں کو گُن ناہیں ، بِت اُٹھ کر دی زارِیاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، فَضل کرے تاں تارِی آں

اے میرے مالک! مَیں تجھ پر قربان، تجھ پر قربان، قربان ہو جاؤں۔ اگر مَیں خاموش ہوتا ہوں تو لوگ طعنے دیتے ہیں اگر کچھ کہتا ہوں مارتے ہیں۔ کچھ کو تو تُو، روٹی کے ایک ٹکڑے کو ترساتا ہے اور کچھ کے پاس اتنا کچھ ہے کہ وہ تیری راہ میں سب تقسیم کر دیتے ہیں لیکن...... کچھ تو ایسی ہیں جنھوں نے محبوب کے گلے میں بانہیں ڈالی ہوئی ہیں لیکن کچھ خاوندوں کے بغیر بے چارگی سے

زندگی گزار رہی ہیں بے ہنروں کے پاس تو کوئی خوبی ہی نہیں اسی لیے وہ ہمیشہ آہ وزاری کرتی رہی ہیں۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اگر خدا کا فضل شامل حال ہو تو تیرنا نہ جاننے والے بھی بحفاظت پار اُتر جاتے ہیں۔

مَینڈی دِلڑی تَیں نال لگّی

مَینڈی دِلڑی تَیں نال لگّی:

توڑی نہیں ٹُٹدی، چھوڑی نہیں چھٹدی، قلم رَبانی وَگّی
سائیں دے خزانے کُھلّے، اَساں بھی جھولڑی اَڈّی
کَچرک بالیں عقل دا دِیوا، برہوں اَندھیری وَگّی!
کوئی میری، کوئی دُوئی، شاہ حسین پھَسڈّی

میرا دِل تو تمھارے ساتھ لگ گیا ہے۔ اب یہ محبت توڑنے سے ٹوٹتی ہے اور نہ ہی چھوڑنے سے چھٹتی ہے۔ قلم ربانی نے جو لکھ دیا ہے وہی ہو رہا ہے مالک کے خزانے کُھلے ہوئے ہیں۔ ہم نے بھی دامن دراز کر رکھا ہے۔ کب تک تم یہ عقل کا چراغ روشن کیے رکھو گے۔ جدائی کی اندھیری چل رہی ہے۔ کسی کی پہلی ہے، تو کسی کی دوسری باری ہے لیکن شاہ حسین تو سب سے آخر میں رہ گیا ہے۔

ڈھول مِلے تاں جاپے

نی سیّو! مَینوں ڈھول مِلے تاں جاپے:

برہوں بلائے گھتّی تَن اندر، آپے ہوئی آپے
بال پَن مَیں کھیڈ گوایا، جوبَن مان بیاپے
شَوہ راوَن دی ریت نہ جانی، اِس سُنجے نرتاپے
عِشق وچھوڑے بالی ڈھانڈی، ہر دَم مینوں تاپے
سِکّن دُور نہ تھیوے دِل توں، ویکھن نوں مَن تاپے
کہے حسین سہاگن سوای، جاں شَوہ آپ سنجاپے

نی سکھیو! مجھ کو میرا محبوب ملے گا تو تب مجھے یقین ہوگا۔ جدائی نے اس جسم میں ایک ایسی آگ لگا دی ہے کہ وہ خود ہی بھڑکتی رہتی ہے۔ بچپن مَیں نے یونہی کھیل کود میں گنوا دیا جوانی ناز

نخرے میں ضائع کر دی۔ مَیں نے شوہ راون کی راہ ورسم کو نہیں جانا اور اُس کی طرف سے غافل ہی رہی۔ عشق میں جدائی نے وہ آگ بھڑکائی ہے کہ جو ہر دم مجھے جلاتی رہتی ہے۔ اب یہ تپش دِل سے دُور نہیں ہوتی اور مَن اس آگ میں جلتا رہتا ہے۔ حسین کہتا ہے کہ...... سہاگن تو وہی ہے جس کو "شوہ" پہچانتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

اَسِیں نیناں دے آکھے لگّے

نِی سیّو! اَسِیں نیناں دے آکھے لگّے:

جِنہاں پاک نِگاہاں ہوئیاں، کِہیں نہیں جاندے ٹھگّے
کالے پَٹ نہ چڑھے سفیدی، کاگ نہ تھیندے بگّے
شاہ حسین شہادت پائن، جو مَرن مِتراں اَگّے

نی سہیلیو! ہم نے آنکھوں کا کہنا مان لیا۔ جن کی نگاہیں پاک ہو جاتی ہیں وہ کہیں بھی دھوکا نہیں کھاتے۔ کالے ریشم پر سفید رنگ نہیں چڑھتا، کالے کوے بھی کبھی سفید نہیں ہوتے۔ شاہ حسین، وہ جو محبوب کے سامنے قربان ہو جاتے ہیں وہی تو شہادت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

اَسِیں موریوں لنگھ پیاسے

سجنا! اَسِیں موریوں لنگھ پیاسے:

بھَلا ہویا گُڑ مکھیاں کھادا، اَسِیں بھِن بھِن توں چھٹیاسے
ڈھنڈ پُرانی کُتّیاں لَگی اَسِیں سرور مُونہہ دھوتیاسے
کہے حسین فقیر سائیں دا، اَسِیں ٹپّن ٹپ نِکلاسے

اے دوست! ہم ندی کے کنارے پر بھی پیاسے ہی رہے۔ اچھا ہوا گُڑ کو مکھیوں نے کھا لیا اور ہم ان کی بھنبھناہٹ سے بچ گئے۔ کنویں کے پرانے برتن (ٹنڈ) کو کُتّوں نے پلید کر دیا، تو، ہم نے تالاب کے صاف پانی سے غُسل کر لیا اپنے مالک کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ ہم، چھلانگیں مارتے ہوئے سب سے آگے نکل گئے ہیں۔

کیا بھَروَاسا دَم دا

پیارے لال! کیا بھَروَاسا دَم دا:

اُڈّیا بھَور تھیا پَردیسی، اَگّے راہ اَگم دا

گوڑی دُنیا ، گوڑ پیارا ، جیوں موتی شبنَم دا
جینہاں میرا شَوہ رِجھایا، تینہاں نوں بھَو نہ جَم دا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، چھوڑ سریر بھَسَم دا

اے میرے پیارے لال! زندگی کا کیا بھروسا ہے۔بھنور اُڑ کر پردیسی ہو گیا۔اس کا راستہ آگے ہی آگے کا ہے۔ یہ دنیا اور اس کی وسعت سب دھوکا ہے۔ یہ تو شبنم کے موتی کی طرح ہے۔ جنھوں نے میرے محبوب کو رجھایا ہے اُن کو بھلا کسی غیر کا کیا ڈر ہوسکتا ہے۔اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ،اس فانی جسم پر بھروسا چھوڑ دے۔اسے تو فنا ہو جانا ہے۔

دُنیا توں مر جاوَنا

دُنیا توں مر جاونا،وَت نہ آونا:
جو کُجھ کِیتا بُرا بھَلا وو ، کِیتا اپنا پاوَنا !
جیوندیاں نوں مُردہ کِیتا ، متراں تیرا چولا سِیتا
گور منزِل پہنچاوَنا
چار دِیہاڑے گوئل وَاسا ، کیا جانا کِت ڈھلسی پاسا
بالِک مَن پرچاوَنا !
چونہہ جَنیاں مِل جھولَم جھولی ، کَندھے اُٹھایا ڈنڈا ڈولی
جنگل جائے وَساوَنا
کہے حسین فقیر رَبانا ، گوڑا گوڑ دا کردا ای مانا
خاکو وِچ سَماوَنا

اِس دنیا سے چلے جانا ہے اور پھر پلٹ کر نہیں آنا۔ جو کچھ بھی یہاں بُرا بھلا کیا ہے، اُسی کا اجر پانا ہے۔ زندہ انسان سے مُردہ بنایا۔ دوستوں نے تمھارے لیے کفن تیار کرنا اور پھر تمھیں قبر کی منزل تک پہچانا ہے۔ اِس دنیا میں چار دن کا قیام ہے کیا جانے کب رُخ بدل جائے، اے بالک! اس میں دِل کو نہ بہلاؤ۔ چار آدمی تمھیں کندھوں پر اُٹھا کر، جھولا جھلاتے جا کر جنگل میں رہنے کے لیے چھوڑ آئیں گے خدا کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ، جھوٹے لوگ ہی اس فریبی دنیا پر فخر کرتے ہیں، حال آں کہ......انسان کو بالآخر خاک میں ہی مِل جانا ہے۔

اسیں بوہڑ نہ دُنیا آوَنا

اسیں بوہڑ نہ دُنیا آوَنا:

سَدا نہ پھلّن توریا تے سَدا نہ لگدے ساوَنا!
کیجیے کم وَچار کے، جاں انت نَمیں پچھتاوَنا
کہے حسین سُنائے کے، اَساں خاک دے نال سَماوَنا

ہم نے پلٹ کر اِس دُنیا میں نہیں آنا۔ ہمیشہ سرسوں کے پھول نہیں کھلتے۔ اور نہ ہی ہمیشہ ساون کی گھٹائیں برستی ہیں۔ ہر کام سوچ سمجھ کر نا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو تمھیں پچھتانا پڑے۔ شاہ حسین، بہ بانگِ دُہل کہتا ہے کہ، ہم سب نے بالآخر خاک میں مِل جانا ہے۔

وَارے وَارے جانی ہاں

وَارے وَارے جانی ہاں گھولی آں نی:

جس سَاجن دا دیو مہنا تِس سَاجن دی گولی آں نی
اَچا چیتی، بھُلّ بھلاوے، بابل دے گھر بھولی آں نی
کہے حسین فقیر نمانا، تُدھ باجھوں کوئی ہور نہ جانا
خَاک پیراں دی رولی آں نی

نی سکھیو! مَیں تو اپنے محبوب پر قربان جاتی ہوں۔ مَیں اُس پر نثار ہوں۔ جس محبوب کے تم مجھ کو طعنے دیتی ہو مَیں تو اس کی ادنیٰ کنیز ہوں۔ اچانک، بھول چوک میں، مجھ سے میرے بابل کے گھر ہی بھول ہوگئی تھی۔ یہ عاجز، فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، مَیں تو تمھارے بغیر کسی اور کو نہیں جانتی۔ مَیں تو تمھارے ہی قدموں کی دُھول ہوں۔ مجھے دُھول ہی رکھنا۔

رَہیے وو نال سجّن دے

رَہیے وو! نال سجّن دے رَہیے وو:

لکھ لکھ بدیاں سَو سَو طعنے، سَبھو سِر تے سہیے وو
توڑے سِر وَنجے، دَھڑ نالوں، تاں بھی حال نہ کہیے وو
سُخن جنہاں دا ہووے دَارُو، حال اُنھائیں کہیے وو
چندن رُکھ لگا وِچ ویہڑے زور دھگانے کھہیے وو

کہے حسین فقیر سائیں دا ، جیوندیاں مَر رہیے وو

رہیے، ہمیشہ محبوب کے ساتھ ہی رہیے۔ لاکھوں برائیاں اور سیکڑوں الزام سب اپنے سر پر برداشت کریں۔ خواہ سر بھی جسم سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تب بھی اپنا دُکھ درد کسی غیر کے سامنے نہیں کہنا چاہیے۔ جب محبوب کی باتوں سے میرے دُکھ کا علاج ہوسکتا ہے تو مجھے اپنا درد بھی اُسی کے سامنے بیان کرنا چاہیے۔ آنگن میں صندل کا درخت موجود ہے تو خواہ مخواہ زور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، موت سے پہلے ہی موت سے آشنا ہو کر رہنا چاہیے۔

مَن وارنے توں پَر جاوندا

مَن وارنے توں پَر جاوندا:

گھول گھُمائی صدقے کیتی ، جے کوئی مِلے وو گراؤں دا

جے گھَٹ آ وَسیا میرا پیارا ، دُوجا نہیں سماؤں دا

سَب جگ ڈُھونڈ بتھیرا مَینوں ، تُدھ بِن ہور نہ بھاوَندا

شاہ حسین پیا دَر تیرے طالِب تینڈے ناؤں دا

مَیں نے اِس دل کو بہلا رکھا ہے کہ تجھے محبوب پر قربان کر دوں گا۔ اگر کوئی مجھے محبوب کے گانو کا مِل جائے تو اُس پر صدقے واری جاؤں اگر وہ محبوب میرے وجود میں آ کر آباد ہو گیا تو پھر کوئی دوسرا اُس میں سما نہیں سکتا۔ مَیں نے یہ تمام دنیا ڈھونڈ کر دیکھ لی ہے مجھے تمھارے بغیر کوئی عزیز نہیں مِلا شاہ حسین تمھارے نام کا طالب اب تمھارے ہی در پر پڑا ہے۔

کُڑیئے جاندیئے نِی

کُڑیئے جاندیئے نِی! تیرا جوبن گوڑا:

پھیر نہ ہوسیا آ رنگلا چُوڑا !

وَت نہ ہوسیا آ اَہل جوانی ہَس لَے کھیڈ لَے نال دِل جانی

مُونہہ تے پَوسیا خاک دا دُھوڑا

کہے حسین فقیر نمانا تھِیسی رَب ڈاڈھے دا بھانا

چلنا اِی تاں بنھ لَے موہڑا

اے ناز و ادا سے چلنے والی لڑکی، تیری جوانی ایک دھوکا ہے پھر یہ رنگین چوڑا نہیں ہو گا۔ یہ شباب بھی دوبارہ نہیں ملے گا۔ اپنے محبوب کے ساتھ رنگ رلیاں منا لے۔ پھر ...... تمھارے مُنہ پر مٹی ڈال دی جائے گی (تجھے قبر میں اُتار دیا جائے گا) یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اُس طاقت ور کی مرضی کے مُطابق ہی سب کچھ ہو گا۔ اگر تمھیں بھی جانا ہے تو پھر رختِ سفر باندھ لے۔

اَیویں گئی وِہائے

اَیویں گئی وِہائے، کوئی دَم یاد نہ کِیتا:

رہی وَنائے تَنائے ، کوئی گز پاڑ نہ لِیتا
کورا گئی ہنڈائے ، کوئی رنگ دار نہ لِیتا
بھریا سر لہلائے ، کوئی بُک جھول نہ پِیتا
کہے حسین گدائے ، چَلدیاں وِداع نہ کِیتا

تمھاری زندگی تو یونہی بیت گئی ہے۔ تم نے ایک پل بھی محبوب کو یاد نہیں کِیا۔ تانا تو ہی تنا رہا، تم نے ایک گز کپڑا ابھی تیار کر کے نہیں اُتارا۔ تم کورا کپڑا ہی پہن کر ہنڈاتی رہی، کوئی رنگین کپڑا نہیں لیا۔ وہ سرور (تالاب) تو لبالب بھرا ہوا تھا لیکن تم نے ایک اُوک بھر کر بھی پانی نہیں پیا۔ حسین گدا کہتا ہے کہ، تم نے اُسے جاتے ہوئے الوداع بھی نہیں کِیا۔

ویکھ فقیراں دا حال

وارِی وو، دیکھ فقیراں دا حال، کِد اویں مہر پوَ ی:

راتیں درد دِیہیں درماندی ، برہوں پچھاڑ شِینہ
رو رو نین بھرینی آں چولا ، جیوں ساونڈڑا مِینہ
گل وِچ پگُو ، مَینڈا دست پَیراں تے ، کَدی تے ساڈڑا تھی
سر صدقے قُربانی کِیتی ، گھول گھُماندی ہاں جی
کہے حسین فقیر سائیں دا ، ہور بھروسہ نہیں کہیں دا
آن ملو وو پی

مَیں تم پر قربان جاؤں ذرا ہم فقیروں کا حال بھی تو دیکھ ہماری زندگی کیسے گذر رہی ہے۔ راتوں کو درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں تو دِن کو بُرا حال ہوتا ہے جدائی کے شیر کو پچھاڑ نا مشکل ہوتا ہے۔ رو

رو کر آنسوؤں سے چولا بھیگ جاتا ہے۔ آنسو ساون کی بارش کی طرح برستے ہیں۔ میرے گلے میں دوپٹہ اور میرے ہاتھ تمھارے پانو کو چھُو رہے ہیں، کبھی تو ہمارا بن جا یہ سر تمھارے صدقے، قربان کرتی ہوں، زندگی تجھ پر وارتی ہوں۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مجھے کسی اور دَر کا بھروسا نہیں۔ بس مجھے تو میرا محبوب ہی ملنا چاہیے۔

سَالُو سہج ہنڈا لے نی

سَالُو سہج ہنڈا لے نی، سَالُو سہج ہنڈائے نی:

سَالُو میرا قیمتی ، کوئی ویکھن آئیاں تریمتیں گئیاں سَبھ سلاہے
سَالُو پایا ٹنگنے ، گوانڈھن آئی منگنے دِتا کہیں نہ جائے
سَالُو دُھر کشمیر دا ، کوئی آیا برفاں چیر دا ، جانا کر کے راہے
سَالُو دُھر گجرات دا، کوئی مَیں بھَو پہلی رات دا، کِتے ڈھنگ وہائے
سَالُو دھر ملتان دا، کوئی رَبّ دِلاں دیاں جان دا، سُتّی شَوہ گل لائے
سَالُو میرا آل دا، کوئی محرم ناہیں حال دا، کس پےٗ آ کھاں جائے
سَالُو بھوچھن جوڑیا، کوئی جھیسی رَبّ دا لوڑیا، ہور نہ کیتا جائے
سَبھے سَالُو والیاں کوئی اِک بر چھ دیاں ڈالیاں، تیرے تُل نہ کائے
سَالُو دا رنگ جاونا، کوئی پھر نہ اِس جگ آونا، چلّے گھُم گھُمائے
سَالُو میرا اُنیدا، کوئی شام بندرا بن سُنیدا، جانا بکھڑے راہے
کہے حسین گدائیا، کوئی رات جنگل وِچ آ ئیا، رَب ڈاڈھا بے پرواہے

سُرخ جوڑا احتیاط کے ساتھ اِستعمال کرنا۔ سُرخ جوڑا احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا۔ یہ میرا سُرخ جوڑا بہت قیمتی ہے، جسے بہت ساری عورتیں دیکھنے بھی آئی تھیں اور سب نے اس کو سراہا تھا۔ یہ سُرخ جوڑا مَیں نے رسّی پر ڈالا تھا۔ جسے دیکھ کر پڑوسن مانگنے آئی تھی۔ لیکن یہ کِسی کو دیا تو نہیں جا سکتا تھا۔ یہ سُرخ جوڑا کشمیر سے آیا ہے۔ کوئی یہ برفیلے راستوں کو چیرتا ہوا لایا ہے۔ لانے والے نے کتنی مشکلات برداشت کی ہوں گی۔ یہ سُرخ جوڑا گجرات کا ہے۔ مجھے پہلی رات سے ہی ایک خوف دامن گیر تھا۔ اور اسی خوف میں ہی مَیں نے کتنا وقت گزار دیا۔ یہ سُرخ جوڑا شاید ملتان سے آیا ہے۔ خدا ہی دِلوں کے بھید بہتر جانتا ہے۔ اے کاش! مجھ غفلت کی نیند سوئی کو بھی محبوب

گلے سے لگائے۔

یہ میرا سُرخ جوڑا، فقیروں والا ہے۔ کوئی بھی میرے حال کا محرم نہیں، مَیں کس کو جا کر اپنا حال بیان کروں۔ یہ سُرخ جوڑا، بوچھن جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ کوئی خدا کا خاص بندہ ہی ہوگا جس نے یہ لباس بنایا ہے۔ کسی اور سے بھلا کیسے بن سکتا تھا۔ سب سُرخ جوڑے والیاں ایک ہی درخت کی ڈالیاں ہیں تیرا بھید کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اس جوڑے کا رنگ بھی بالآخر اُڑ جانا ہے۔ یہاں کسی نے دوبارہ نہیں آنا۔ سب کو اِدھر اُدھر سے گھوم گھما کر بالآخر وَہیں جانا ہے جو میرا یہ جوڑا بنا رہا ہے۔ وہ بندرابن کا شیام کہلاتا ہے۔ جانا تو علیحدہ علیحدہ رستے سے ہے۔ حسین گدائی کہتا ہے کہ، کوئی رات جنگل میں آنے والی ہے اور وہ خدا بہت زبردست اور بے پروا ہے۔

کوئی دَم مان لَے

کوئی دَم مان لَے رنگ رَلیاں:

دَھن جوبن دا مان نہ کریئے، بہت سیانیاں چھلّیاں
نال جہاں دے کھیڈ یا بچپن، سَے سیّاں اُٹھ چلّیاں
بابل آنگن چھڈ چھڈ گئیاں، سَاہورڑے گھر چلّیاں
اِیہہ گلیاں تینوں سُپنا تھیسن، بابل والیاں گلیاں
کہے حسین فقیر سائیں دا، کر لَے گلّاں بھلیاں

کچھ اور وقت یونہی عیش ونشاط میں گزار لے۔ اس شباب کی دولت پر فخر نہیں کرنا چاہیے بڑے بڑے دانش ور بھی اس فریب میں مبتلا رہے ہیں جو بچپن میں یونہی کھیل کود میں رہیں وہ سیکڑوں سہیلیاں تو کب کی جا چکی ہیں۔ وہ سب بابل کا آنگن چھوڑ کر سسرال کے گھر چلی گئیں۔ یہ گلیاں، یہ بابل کی گلیاں تمھارے لیے سپنا بن جائیں گی۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... کچھ اچھی باتیں بھی پلے باندھ لے۔

تُوں آہو کَت وَللّی

تُوں آہو کَت وَللّی کُڑیئے، آہو کَت وَللّی
ساری عُمر گنْوائی آ اَیویں پُچھّی نہ کَھتی آ چھلّی
گلیاں وِچ پھریں لٹکیندی، ایہہ گل نیہوں بھلّی

کہے حسین فقیر سائیں دا ، دَاج وَہونی چلّی

اے بھولی بھالی لڑکی! تُو بھی کچھ چرخہ کات لے،......تُو بھی کوئی چرخہ کات لے۔تم نے تمام عمر تو یونہی ضائع کر دی ہے ایک چھلی بھی کات کر ٹوکری میں نہیں ڈالی۔تم گلیوں بازاروں میں لٹک مٹک کر چلتی ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔اپنے مالک کا فقیر،شاہ حسین کہتا ہے کہ اب وہ جہیز کے بغیر ہی جارہی ہے۔

نِی مائے!سانُوں کھیڈن دے

نِی مائے! سانُوں کھیڈن دے ، میرا وَت کھیڈن کون آ سی
اِک رِیڑی بیا دَرس بُھلیرا ، تھَر تھَر کنبے ، اِیہہ جیا میرا
شَوہ گُن وَنتا ، بیا رُوپ چنگیرا ، اَنگ لاوے کہ مُول نہ لا سی
اِیہہ جگ جھُوٹھا ، دُنیا فانی ، ایویں گئی میری اَہل جوانی
غفلت نال میری عمر وِہائی ، جو لِکھیا سو اِی ہو سی
شاہ حسین فقیر رَبانا ، سو ہوسی جو رَبّ دا بھانا
اوڑک اِیتھوں اوتھے جانا ، اُس ویلے تُوں پچھوتا سی

اے ماں! مجھے کچھ دیر اور کھیلنے دے۔میرا پھر کوئی کون کھیلنے کے لیے آئے گا۔ایک تو میں چیونٹی کے مانند ہوں۔دوسرا مجھے سبق بھی یاد نہیں۔میرا یہ دِل خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے۔میرے مالک میں بے شمار خوبیاں ہیں۔دوسرا وہ خوب صورت بھی بہت زیادہ ہے۔اب یہ اُس کی مرضی ہے کہ وہ مجھے سینے سے لگائے یا نہ لگائے۔یہ جہان جھوٹا اور دنیا فنا ہونے والی ہے میری پُر فریب جوانی بھی یونہی گذر گئی۔غفلت میں میری عمر بھی گذر گئی ہے۔اب جو مقدر میں لکھا ہے وہی ہوگا۔شاہ حسین تو خدا کا فقیر ہے۔وہی ہوگا جو خدا کی مرضی میں شامل ہوگا۔آخر تو یہاں سے وہاں جانا ہے۔پھر اس وقت کو پچھتائے گا۔

تینہاں نُوں غم کیہا

تینہاں نُوں غم کیہا ، سائیں جنہاں دے وَل !
سوہنی صُورت دِلبر والی رہی اَکھیں وِچ گل !
اِک پَل سجّن جُدا نہ تھیوے ، بیٹھا اندر مَل

کہے حسین فقیر سائیں دا ، چَلنا اَج کہ کَل

مالک جن کے ساتھ ہو، اُن کو بھلا کیسا غم؟ اس دلبر جانی کی تصویر ہمیشہ آنکھوں میں موجود رہی ہے۔ ایک پل بھی وہ محبوب جدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو وہ دِل پر قبضہ کر کے بیٹھا ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے۔ آج نہیں تو کل، بالآخر یہاں سے جانا ہے۔

اَیویں گذری ساری رات

اَیویں گذری ساری رات ، کھیڈن نہ تھِیا
سبھّے جاتی وڈیاں ، نکی فقیراں دی ذات
کھیڈ گھِنوں کھِڈائے گھِنوں، تھی گئی پَر بھات
کھڑا پُکارے پاتنی ، بیڑا کپر وات
شاہ حسین دی عاجزی ، کاٹ کہاڑے وات !

کھیل بھی نہ سکے اور یونہی رات گذر گئی۔ سب ذاتیں اُونچی ہیں سب سے معصوم ذات فقیروں کی ہے۔ کھیلتے کھلاتے ہی صبح ہوگئی۔ ملاح آوازیں دے رہا ہے کہ کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے۔ شاہ حسین کی عاجزی، کلھاڑے کی طرح لکڑی کو کاٹ رہی ہے۔

سمجھ نِدانڑیے

سمجھ نِدانڑیے! تیرا وَیندا وقت وِہاندا:

ایہہ دُنیا دو چار دیہاڑے، ویکھدیاں لنگھ جاندا
دولت دنیا مال خزینہ ، سنگ نہ کوئی جاندا
مَات پِتا بھائی سَت بنتا ، نال نہ کوئی جَاندا
کہے حسین فقیر نمانا ، نام سائیں دا رَہندا

اے نادان لڑکی! کچھ تو خیال کر، تیرا وقت تیزی سے گذرتا جا رہا ہے۔ یہ دنیا تو دو چار دن کی ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے گذر جاتی ہے۔ یہ دولت دنیا اور مال خزانہ، کوئی اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتا۔ نہ ماں نہ باپ، نہ بھائی نہ شوہر نہ بیوی، کوئی بھی ساتھ نہیں جاتا۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، باقی صرف مالک کا نام ہی رہ جائے گا۔

کیں باغے دِی مُولی

کیں باغے دی مُولی تُوں کیں باغے دی مُولی:

بَاغاں دیوچ پھُل عَجَائب ، تُوں ہیں اِک گندھولی
اَپنا آپ پچھانیں ناہیں ، اوراں ویکھ کیوں بھُولی
عشق دے در آ کراہیں ، منصور قبُولی سُولی
شاہ حسین پیا دَر تیرے ، جے کر پَوے قبُولی

اے حسین! تم کِس باغ کی مولی ہو،تم کِس باغ کی مولی ہو۔ دنیا کے اِس گلستاں میں طرح طرح کے پھول ہیں لیکن تم، نیم کے پیڑ کا چھوٹا سا بیر ہو۔ اوروں کو دیکھ کر تم اپنی پہچان بھی بھول گئے ہو۔ عشق کے دروازے پر آ کر، اے دوست! منصور نے سولی قبول کر لی تھی۔ شاہ حسین ......محبوب کے دروازے پر پڑا ہے، اب جو اُسے قبول ہے وہی ہوگا۔

رَبّا میرے اَوگُن

رَبّا، میرے اَوگُن چِت نہ دَھریں:

اَوگُن ہاری تُوں کو گُن ناہیں ، لُوں لُوں عیب بھَری
جیوں بھاوے تیوں راکھ پیارے ، تیرے دَوارے پَڑی
کہے حسین فقیر نِمانا ، عَدلوں فَضل کریں !

اے خدا میرے عیوب پر دھیان نہ دینا۔ مجھ بے ہُنر میں کوئی خوبی نہیں۔ میرے رُوم رُوم میں عیب بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے تجھے پسند ہو، ویسے ہی میرے محبوب رکھنا۔ اب مَیں تو تمھارے دروازے پر ہی پڑی ہوں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، عدل کے بجائے اپنا فضل ہی کرنا۔

مینوں اَمبڑ جو آکھدی

مینوں اَمبڑ جو آکھدی گت نِی   مَینوں بھولی جو آکھدی گت نِی!
مَیں نِج کتّن نُوں سِکھّیاں   مَینوں لگیاں سانگاں تِکھّیاں
مَینوں رَہی نہ کوئی مَت نِی
چرخہ بھَنئیں کھوہیں پُونیاں   مَیں پچھی نُوں ماراں لَت نِی
ہنجُو روندا سھتو کوئی !   عاشق روندے رَت نِی
کہے حسین سنائے کے   اَیتھے پھیر نہ آوَنا وَت نِی

مجھے میری ماں چرخہ کاتنے کے لیے تلقین کرتی رہتی ہے۔ وہ بھولی بھالی مجھے چرخہ کاتنے کے لیے کہتی رہتی ہے۔ مَیں نے تو شروع سے ہی چرخہ کا تنا سیکھا ہوا ہے لیکن میرے سینے میں تو عشق کی تیز دھار برچھیاں لگی ہوئی ہیں مجھے کوئی عقل و ہوش باقی نہیں رہا۔ مَیں نے چرخہ توڑ دیا ہے۔ پُونیاں بھی کنویں میں پھینک دی ہیں اور ٹوکری کو بھی ایک ٹھوکر سے توڑ دیا ہے سب کوئی آنسو بہا کر زاری کرتا ہے لیکن عاشق خون کے آنسو روتے ہیں۔ شاہ حسین تو بہ بانگِ دُہل کہتا ہے کہ یہاں دوبارہ کبھی آنا نہیں ہوگا۔

ہِک، دوئے، ترَن، چار

ہِک، دوئے، ترَن، چار، پنج، چھے، سَت، اَٹھ، نُوں:

چَرخہ چائے سَبھے گھر گئیاں ، رَہی اکیلی اِک ہَوں
جیہا ریجا ٹھوک دُنایو ، تیہی چادر تان کے سَوں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، آئے لگّی ہُن چھک پَوں

ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے، سات، ہم سب آٹھ نو، سہیلیاں تھیں۔ سب اپنا اپنا چرخہ اُٹھا کر گھر کو چلی گئیں۔ مَیں ہی ایک اکیلی پیچھے رہ گئی ہوں۔ مَیں نے جس شوق سے رُوئی دُھنائی تھی ویسے ہی لمبی تان کر سو گئی اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اب اُس کی آرزو اور کشش بھی بڑھ گئی ہے۔

کِت گُن

کِت گُن لگّیں شَوہ نُوں پیاری:

اَندر تیرا گُوڑا اَوَت گیوای، مُول نہ دیں بَہاری
کَتّن سِکھ وَللّیئے کُڑیئے، چَوھیا لوڑیں کھاری
ٹُٹی تند اٹیرن بھَنّا ، چَرخے دی کر کاری
کہے حسین فقیر سائیں دا ، عملاں باجھ خواری

تُو کِس خوبی کی بِنا پر اپنے مالک کو پیاری لگے گی۔ تمھارے اندر گندگی پھیل گئی ہے۔ تم نے کبھی جھاڑُو دے کر صفائی بھی نہیں کی۔ بے وقوف لڑکی چرخہ کا تنا سیکھ لے۔ اگر تم کھارے بیٹھنا چاہتی ہے۔ دھاگہ ٹوٹا ہے تو، اَٹیرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ چرخے کا کچھ بندوبست کر۔ اپنے مالک کا

فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ اعمالِ صالح کے بغیر ذلت و رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

گھُم چرخڑیا

گھُم چرخڑیا! تیری کتّن والی جیوے، نلیاں وٹّن والی جیوے:

بڈّھا ہویوں شاہ حسینا! دندیں جھیراں پییاں
اُٹھ سویرے ڈھونڈن لگوں، سنجھ دیاں جو گئیاں
ہر دم ناؤں سمبھال سائیں دا، تاں توں استھر تھیویں
چرخہ بولے سائیں سائیں، بائڑ بولے توں!
کہے حسین فقیر سائیں دا، مَیں ناہیں سبھ توں!

اے چرخے تُو گھومتا جا۔ تجھے کاتنے والی کو خدا زندگی دے۔ نلیاں بنانے والی کو بھی زندگی دے۔ اے شاہ حسین تُو بوڑھا ہو گیا ہے۔ دانتوں کے درمیان فاصلے بھی بڑھ گئے ہیں۔ وہ جو شام کو چلی گئی تھیں تُو انھیں صبح اُٹھ کر تلاش کر رہا ہے۔ تُو ہر وقت اپنے مالک کے نام کا وِرد کرتا رہ، تا کہ کہیں بے بنیاد نہ ہو جائے۔ چرخہ تو رب رب پکارے اور بائڑ سے تُو ہی تُو کی آواز آتی جائے۔ اپنے مالک کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ مَیں تو کچھ بھی نہیں، سب تُو ہی تُو ہے۔

جاں دیکھو

جاں دیکھو! تہاں کپٹ ہے، کہوں نہ پایو چَین:

دغا باز سنسار تے، گوشہ پکڑ حسین!
مَن چاہے محبوب کو، تَن چاہے سُکھ چَین
دوئے راجے کی سیدھ میں، کیسے بنے حسین

جدھر بھی دیکھو! اُدھر ہی دھوکا اور فریب ہے۔ ایسے میں ہم کو کہاں چین رہے گا۔ یہ پوری دنیا دغا باز ہو گئی ہے اے حسین! تُو اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ یہ دل تو محبوب کو چاہتا ہے اور جسم سکھ چین کا خواہشمند ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے متوازن ہیں۔ لیکن حسین کیا کرے۔

اُتن مَیں کیوں آئی ساں

اُتن مَیں کیوں آئی ساں، موری تند نہ پئی اکائے
آوندیاں ہی کھیڈن لگی، چرخہ چھڈیا جائے

کتّن کارن گوہڑے آندے ، گلیا بلِیدا کھائے
ہورناں کتّیاں پنج سَت پُونیاں ،مَیں کیہہ آ کھاں جائے
کہے حسین سچّیاں نارِیں ، لَیسن شوہ گل لائے

مَیں اِس ترنجن میں کیوں آئی تھی۔ مَیں نے تو ایک دھاگا بھی نہیں بنایا۔ آتے ہی مَیں کھیلنے میں لگ گئی اور چرخہ وہیں چھوڑ دیا۔ کاتنے کے لیے مَیں پونیاں لے کر آئی تھی مگر وہ بچھڑا کھا گیا۔ اوروں نے تو پھر بھی پانچ سات پونیاں کات لی تھیں مگر مَیں واپس جا کر کیا بہانہ کروں گی۔ حسین کہتا ہے، سلیقہ مند عورتیں، تو، اپنے محبوب کو گلے لگا لیں گی۔ مگر......!

نِی تینوں رَبّ نہ بھُلّی

نِی! تَینوں رَبّ نہ بھُلّی، دُعا فقیراں دِی ایہا:

رَب نہ بھُلّی ہور سَبھ کُجھ بھُلّی ، رَبّ نہ بھُلّن جیہا
سونا رُپّا سَبھ چھل وَیلی ، عِشق نہ لگدا لیہا
ہورناں نال ہسدی کھڈَیندی ، شَوہ نال گھُونگھٹ کیہا!
چارے نین گڈّ اوڈ ہوئے ، وِچ وَچولا کیہا !
عِشق چَوبارے پائیو جھاتی ، ہُن تینوں غَم کیہا ؟
آیئے دی سَونہہ بابل دی سَونہہ گل چنگیری اِیہا
جِس جوبَن داتُوں مان کَریندی، سو جَل بَل تھیسی کھیہا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، مَرنا تاں مانا کیہا

ہم فقیروں کی تو اے سکھی، یہی دُعا ہے کہ، تمھیں کبھی خدا نہ بھولے۔ اور سب کچھ بھول جائے مگر خدا کی یاد نہ بھولے۔ کیوں کہ خدا تو بھولنے والا نہیں سونا، چاندی سب فریب نظر ہے۔ لیکن عشق کا وہ راستہ نہیں ہے۔ یہ واضح ہے تم اوروں کے ساتھ تو ہنستی کھیلتی ہو مگر مالک کے ساتھ کیوں حجاب رکھتی ہو جب آنکھیں چار ہو گئی ہیں تو پھر کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ تم نے عشق چوبارے میں جھانک کر بھی دیکھ لیا ہے، تو پھر اب کس چیز کا اندیشہ ہے۔ ماں کی قسم، بابل کی قسم یہی تو اچھی بات ہے۔ جس جوانی پر تُو ناز کرتی ہے، وہ بالآخر، سڑ بل کر راکھ ہو جائے گی۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، جب مَر ہی جانا ہے تو اِس زندگی پر فخر کیسا؟

چَارے پلُّو چولَڑی

چَارے پلُّو چولَڑی، نین روندی دے بھِجّے:

گت نہ جَاناں پُونیاں ، دوس دینی آں مُنّے
آوَن آون کہہ گیا ، مانہہ باراں پنّے
ایک ہنیری کوٹھری ، دُوجے مِتّر وُچھنّے
کالے ہرنا چَر گئیوں ، شاہ حسین دے بنّے

میرے محبوب! مَیں تیری یاد میں اِتنا روئی ہوں کہ میری چولی کے چاروں کونے بھیگ گئے ہیں۔ خود تو پونیاں کاتنے کا سلیقہ نہیں اور الزام چرخے پر دے رہی ہوں۔ محبوب آنے کا کہہ گیا تھا لیکن بارہ مہینے گذر چکے ہیں۔ وہ پلٹ کر نہیں آیا۔ ایک تو اندھیری کوٹھڑی (قبر) ہے اور دوسرا دوست بھی بچھڑ گئے ہیں۔ اے کالے ہرن تُو نے شاہ حسین کی کھیتی کو کھا کر تمام درد ختم کر دیے ہیں۔

جوبَن گیا تاں گھولیا

جوبَن گیا تاں گھولیا، تیری مہر نہ جاوے:

آیا سَاون مَن پَر چاون، سیّاں کھیڈن ساہویں
نَیں بھی ڈُونگھی تُلا پُرانا ، مَولا پار لنگھاوے
اِکناں وَٹیاں پُونیاں، اِکناں سُوت دُھناوے
اِک کنتاں باجھ وَچاریاں، اِکناں ڈھول کلاوے
کہے حسین فقیر نمانا، جھوٹھے بَنھدے نیں دَعوے

جب جوانی کا وقت گذر گیا تو مَیں بھی تم پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئی۔ کہ تیری رحمت مجھ سے رُخ نہ موڑ لے ساون دِل کو بہلانے آیا ہے۔ سب سہیلیاں میرے سامنے کھیل رہی ہیں۔ ندی بھی گہری ہے اور کشتی بھی پُرانی، اب تو خدا ہی پار لگا سکتا ہے۔ کچھ نے تو پونیاں بنا کر رکھ دی ہیں اور کچھ نے سُوت بھی کات لیا ہے۔ لیکن کچھ...... ایسی بھی ہیں جو اپنے شوہروں کے بغیر ہی بے چارگی کی زندگی گزار رہی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو محبوب کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ عاجز فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ، اِس دنیا کے سب دعوے جھوٹے ہیں۔

تجھ کو گور بلاوے

تجھ کو گور بُلا وے، گھر آ وَرے!

جو آوے سو رَہن نہ پاوے، کیا میر مَلک اُمراوَرے
ہَر دَم نام سمبھال سائیں دا، اِیہوسر، اِیہہ داوَ رے
کہے حسین فقیر نِمانا ، آخر خاک سَماوَ رے

تجھے قبر آوازیں دے رہی ہے۔ اپنے گھر آ جاوَرے۔ یہاں جو بھی آتا ہے وہ مستقل نہیں رہ پایا۔ وہ خواہ امیر ہوں، ملک ہوں یا سلطان۔ تُو ہر وقت خدا کے نام کا ورد کرتا رہ۔ یہی تمھارا آسرا اور تمھاری پناہ ہے۔ یہ عاجز فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ...... بالآخر خاک میں سما جاتا ہے۔

جَگ میں جیوَن تھوڑا

جَگ میں جیوَن تھوڑا، کون کرے جَنجال:

کِیں دے گھوڑے ہَستی مَندر، کِیں دا ہے دَھن مال
کہاں گئے مُلّا ، کہاں گئے قاضی ، کہاں گئے کٹک ہزار
اِیہہ دُنیا دِن دوئے پیارے ، ہَر دَم نام سمار
کہے حسین فقیر سائیں دا ، جھوٹھا سبھ بیوپار

اِس جہان میں زندگی تو اِنتہائی مختصر ہے پھر اِتنے جنجال پالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس ہستی کے مندر میں، کس کے گھوڑے ہیں اور کِس کا یہ مال وزر ہے۔ وہ ملاں کہاں گئے، قاضی کہاں گئے، کہاں گئے وہ ہزاروں کے لشکر۔ یہ دُنیا تو اے دوست! دو دِن کی ہے۔ ہر پل اُسی کے نام کا وِرد کرتا رہ۔ اپنے مالک کا فقیر حسین کہتا ہے کہ، یہ سارا کاروبارِ دُنیا جھوٹا ہے۔

سَبھّے سَکھّیاں گُن وَنتیاں

سَبھّے سَکھّیاں گُن وَنتیاں ، مَیں اَوگُن ہاری !
جِھّے صاحبِ توں پَربت ڈردے ، وے مَیں کون وَچاری
جِس گَل نُوں شَوہ بھیـــــــــجیـــــــــــا اِی، سو مَیں بات وَساری
کہے حسین فقیر نِمانا ، چھُٹّاں کرے سَتاری

میری سب سہیلیاں ہزار خوبیوں کی مالک ہیں لیکن مَیں بدسلیقہ اور بے ہُنر ہوں اس صاحب سے تو پہاڑ بھی خوف کھاتے ہیں، مَیں کون بے چاری ہوں۔ اس مالک نے مجھے جس کام

کے لیے بھیجا تھا وہ مَیں سرے سے ہی بھول گئی ہوں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اگر اُس نے میرے گناہوں پر بھی پردہ پوشی کی تو مجھے بھی روزِ حشر نجات مِل جائے گی۔

اِیتھے رَہنا ناہیں

اِیتھے رَہنا ناہیں، کوئی بات چلّن دی کرو وا!

وَڈّے اُچّے محل اُسارِیں ، گور نمانی تیرا گھر وو
جِس دیہی داتُوں مان کریناں ئیں جیوں پَر چھاویں ڈھر وو
چھوڑ تَرکھائی پکڑ حلیمی ، بھَے صاحب توں ڈَر وو
کہے حسین فقیر حیاتی لوڑیں ، مَرن تھیں اَگّے مرو وو

یہاں ہمیشہ تو نہیں رہنا، اس لیے کچھ چلنے کی تیاری بھی کر۔ تم نے اِتنے اُونچے اُونچے اور بڑے محل بنا رکھے ہیں ایک چھوٹی سی قبر تو تیرا گھر ہے۔ جس جسم پر تم اِتنا فخر کرتے ہو وہ تو ایک سایہ ہے جو ڈھل جاتا ہے۔ یہ تندی و تلخی چھوڑ کر عجز و انکسار کا راستہ پکڑ اور اپنے مالک سے ڈر۔ یہ فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ اگر تم ہمیشہ کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو موت سے پہلے موت کو قبول کرو، (مُوتُوْ قبلَ اَنتَ مُوْتُو)

بال پَن کھیڈ لَے کُڑیے

بال پَن کھیڈ لَے کُڑیے نِی! تیرا اَج کہ کل مُلا وا!

کِھنوڑا کھڈیندے کُڑیے! گُن سونے دا والا
سَاہورڑے گھر ابست جانا ، پیئے کُوڑا دعویٰ
ساوَن سرنگڑا آیا ، دِسّن سَانویں تکّے !
کہے حسین فقیر سائیں دا ، اَج آئے کل چلّے

اے لڑکی! ابھی تیرا بچپن ہے۔ کچھ دن اور کھیل کُود کر لے۔ تجھے آج یا کل دُلھن بن کر اپنے سسرال جانا ہے۔ کپڑے کے گیند کے ساتھ کھیلنے والی اے لڑکی! تیرے کانوں میں سونے کی بالیاں بھی ہیں اگر تو سسرال کے گھر بغیر جہیز کے جائے گی، تو سب دعوے جھوٹے ہو جائیں گے۔ ساون کا خوب صورت مہینا آیا ہے تو ہر چیز ہری بھری دِکھائی دیتی ہے۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، آج آئے ہیں تو کل جانا بھی ہوگا۔

باجھ سجّن مَینوں ہور نہیں سُجھدا

باجھ سجّن مَینوں ہور نہیں سُجھدا
تَن تندُور ، آہیں دے لنبو ، سیج چڑھی مینڈا تن من بُھجدا
تَن دیاں تَن جانے ،مَن دِیاں مَن جانے، محرم سوجو دِلدیاں بُجھدا
کہے حسین فقیر سَائیں دا ، لوک بخیلا پچ پچ لُجھدا

محبوب کے بغیر مجھے تو کچھ اور سجھائی نہیں دیتا۔ یہ جسم ایک تندور ہے جس میں سے آہوں کے شعلے اُٹھتے ہیں جب مَیں سیج پر چڑھتی ہوں تو میرا تن من جلنے لگتا ہے اس جسم کی جسم اور من کی باتیں من ہی جانے...... لیکن اگر کوئی محرم ہوتا تو وہ دِل کی باتیں بھی جاننے کی کوشش کرتا اپنے مالک کا فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ بخیل لوگ یونہی حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

رَبّا وے مَیں نال چھپائی

رَبّا وے مَیں نال چھپائی، تُوں بخشن ہار سَائیں
ہتھّیں میرے مُندری، کم میں کیوں کر کریں
پَیریں میرے لال جُتی ،مَیں تانا کیوں کر تنّیں
گلیے مُچھے پنج کسیرے ، مال کیوں کر بھریں
کہے حسین فقیر سَائیں دا، تانی نوں لے گئے چور

زورا زور

اے خدا، مَیں نے کپڑا بُننے والی نلکی چھپا لی ہے۔ اب تُو ہی میرے مالک بخشنے والا ہے۔ میرے ہاتھوں میں انگوٹھی ہے اب مَیں بھلا کام کیسے کرسکتی ہوں۔ میرے پانو میں سُرخ جوتی ہے، اب مَیں تانا کیسے تانوں۔ میرے پڑوس میں پانچ سُنار رہتے ہیں، مَیں مال وزر اکٹھا کر کے کیوں رکھوں اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، تانی کو تو زبردستی چور اُٹھا کر لے گئے ہیں۔

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا ، کیا صُوفی کیا بھنگی
جو رَبّ بھاوے سو اِی تھیسی ،سو اِی بات ہے چنگی
آپے ایک اَنیک کہاوے ، صاحِب ہے بَہو رَنگی

کہے حسین سُہاگن سو ای ، جو شَوہ کے رنگ رَنگی

کیا صوفی اور کیا بھنگی، سب کا اعمال پر ہی فیصلہ ہوگا۔ جو خدا کو پسند ہوگا وہی ہوگا۔ یہی بات اچھی ہے۔ وہ خود ہی ایک اور منفرد کہلاتا ہے۔ لیکن اس مالک کے بہت زیادہ رنگ ہیں۔ حسین تو یہی کچھ کہتا ہے کہ سہاگن وہی ہے جو اپنے مالک کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔

اَسیں آ وَ کھڈا اہاں لڈّی

اَسیں آ وَ کھڈا اہاں لڈّی:

تُوں تار ڈور گڈّی دی ، میں لے کر ہاں اُڈّی!
ساجن دے ہتھ ڈور اَساڈی مَیں ساجن دی گڈّی
اُس ویلے نوں پچھوتا سیں جَد پوسیں وِچ کھُڈّی
کہے حسین فقیر سائیں دا دُنیا جاندی بُڈّی

آ وَ سہیلیو! ہم سب مِل کر خوشی سے رقص کریں۔ اس پتنگ کی ڈور نئی نئی تھی، جس کو لے کر ہم اِدھر اُدھر اُڑتے رہے۔ ہم تو ساجن کی پتنگ ہیں اور اُسی کے ہاتھ میں ہی ہماری ڈور ہے۔ تم اُس وقت کو پچھتاوَ گی جب تمھیں قبر میں اُتارا جائے گا۔ اللہ کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ دنیا اپنے انجام کی طرف جارہی ہے۔

میرے صَاحبا

میرے صَاحبا! مَیں تیری ہو مُکّی آں:

مَنوں نہ وَساریں مینوں ہر گلّوں چُکّی آں
اَوگن ہاری کوگُن ناہیں ، بخش کرے تاں چھُٹّی آں
جیوں بھاوے، تیوں راکھ پیارے، دامن تیرے لُکّی آں
جے توں نظر مہر دی بھالیں ، چڑھ چوبارے سُتّی آں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، دَر تیرے دِی کُتّی آں

میرے مالک! مَیں تمھاری ہو کر، فنا ہو چکی ہوں۔ تم مجھے کبھی بھی دِل سے نہ بھُلانا۔ مَیں تو ہر حوالے سے انجان ہوں۔ مجھ بے ہنر میں کوئی خوبی نہیں۔ اگر تم مہربانی کرو تو پھر مجھے بھی نجات مِل سکتی ہے۔ وہ جیسے بھی چاہے، وہ جیسے بھی رکھے پیارا، مَیں تو اس کے دامن کی اوٹ لے چکی

ہوں۔ اگر تم فقط ایک نظرِ کرم کرو تو مَیں چوبارے چڑھ کر سو سکتی ہوں (بلند مقام پر فائز ہو سکتی ہوں) اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ..... مَیں تو اُس کے دَر کی کُتّیا ہوں۔

مِتّراں دی مجمانی خاطِر

مِتّراں دی مجمانی خاطِر دِل دالہُو چھانی دا:

کَڈّھ کلیجا کِتیم بیرے، سو بھی لائق ناہیں تیرے
ہور توفیق ناہیں کُجھ میرے، پیو کٹورا پانی دا
مِتّراں لِکھ کتابت بھیجی، لگّا بان پھر اں تڑ پھیندی
تَن وِچ طاقت رہی نہ مُولے، رو رو حَرف پچھانی دا
تَن مَن اپنا پُرزے کِیتا، تینوں مہر نہ آئی آ مِیتا!
سانُوں ہُور عذر نہ کوئی چارا کیہا نمانی دا
کہے حسین فقیر نمانا، تیں باجھوں کوئی ہور نہ جاناں!
تُوں اِی دانا تُوں اِی بِینا، تُوں ہی تان نتانی دا

دوستوں کی میزبانی کے لیے تو دِل کا لہو بھی صاف کر کے پیش کر دیا جاتا ہے۔ مَیں نے کلیجہ نکال کر اُس کے ٹکڑے کر دیے مگر وہ بھی شاید تمھارے قابل نہیں تھے۔ لیکن میرے اختیار میں کچھ اور نہیں۔ اب تم پانی کا کٹورہ پیو، دوستوں نے چٹھی لکھ کر بھیجی ہے وہ تیر کلیجے میں لگا ہے کہ تڑپتی پھر رہی ہوں جسم میں تو ذرّہ بھی طاقت نہیں رہی۔ بس رو رو کر الفاظ کی پہچان کر رہی ہوں۔ مَیں نے تو اپنے جسم و جاں ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں لیکن اے دوست! تم کو پھر بھی رحم نہیں آیا۔ مجھ عاجز کے پاس نہ تو کوئی اور سہارا ہے نہ چارا۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مَیں تو تجھ بن کسی اور کو جانتا بھی نہیں۔ تُو ہی صاحبِ بصیرت اور صاحبِ ہوش ہے اور تُو ہی اِس کمزور کی تمام طاقت ہے۔

دُنیا طالِب مَطلب دِی وو

دُنیا طالِب مَطلب دِی وو، سچ سُن وو فقیرا
مَطلب آوے مَطلب جاوے، مَطلب پُوجے گُر پیرا
مَطلب پہناوے مَطلب کھلاوے، مَطلب پلاوے نِیرا
کہے حسین جِن مطلب چھوڈیا، سو میرن سِر میرا

اِس دُنیا میں ہر کوئی اپنے مطلب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اے فقیر! یہی سچائی ہے۔ مطلب کے لیے ہی لوگ آتے جاتے ہیں۔ مطلب کی وَجہ سے ہی گُرو اور مُرشد کی پوجا ہوتی ہے مطلب ہی لباس پہناتا اور کھانے کھلاتا ہے تو یہ مطلب ہی پیتا پلاتا ہے۔ حسین کہتا ہے کہ، جنھوں نے مطلب کو چھوڑ دیا وہ ہی شاہوں کے شاہ ہیں۔

مَندی ہاں کہ چنگی ہاں

مَندی ہاں کہ چنگی ہاں ، صاحِب تیری بَندی ہاں
گہلا لوک جانے دیوانی ، رنگ صاحب دے رَنگی ہاں
سَاجن میرا اکھیں وِچ وَسدا ، گلیئیں پھری نشنگی ہاں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، مَیں وَر چنگے نال منگی ہاں

بُری ہوں یا اچھی ہوں۔ مَیں تو میرے مالک تیری غلام ہوں۔ بے وقوف لوگ کہتے ہیں مَیں دیوانی ہوں۔ لیکن مَیں تو صاحب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں۔ میرا محبوب تو میری آنکھوں میں بستا ہے مَیں اسی کے نشے میں مست بازاروں میں پھرتی رہتی ہوں۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... میرے اچھے نصیب کہ مَیں ایک خوب صورت آدمی کے ساتھ منسوب ہو چکی ہوں۔

رَبّا! میرے گوڈے ہیٹھ پَر وٹڑا

رَبّا! میرے گوڈے ہیٹھ پَر وٹڑا، مَیں کتنی ہاں چائیں چائیں
تَن طَنبُور، رَگاں دیاں تاراں، مَیں چُھنی ہاں سَائیں سَائیں
دِل میرے وِچ ایہو گُذری، مَیں سچّے سوں نیہوں لائیں
کہے حسین فقیر سَائیں دا ، میری لگڑی توڑ نبھائیں

میرے گھٹنے کے نیچے پُونیوں کا ڈھیر چھپا ہوا ہے اور مَیں خوشی خوشی چرخہ کات رہی ہوں۔ میرا جسم طنبور کے مانند ہے جس میں میری رگوں کی تاریں پڑی ہوئی ہیں۔ اور مَیں اپنے مالک کے نام کا وِرد کر رہی ہوں۔ میرے دِل میں اب یہی ایک خوشی ہے کہ مَیں نے سچّے صاحب سے محبت کی ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اب میری محبت کو بخیر انجام تک پہنچانا۔

تھوڑی رَہ گئی رَاتڑی

تھوڑی رَہ گئی رَاتڑی، سُوہ رَا یونا ہیں:

دھن سو اِی سُہاگن ، جن پی گل بانہیں !
اِک ہنیری کوٹھڑی ، دِیوا نہ باتی
بانہہ پکڑ جَم لَے چلّے ، کوئی سَنگ نہ ساتھی
سُتّی رہی کلکھنی تے جاگی پَربھاتی
جاگن کیہہ بُدھ سو لئے ، جِس اَنتر لاگی
کہے حسین سہیلیو ! سَوہ کِت بِدھ پیئے !
کر صاحِب دی بندگی ، رَت جاگت رَہیے !

تھوڑی سی تو رات رہ گئی ہے لیکن محبوب سے ابھی تک وصل نہیں ہوا۔ وہی سہاگن خوش نصیب ہے جس کے گلے میں محبوب کی بانہیں ہوتی ہیں۔ ایک تو اندھیری کوٹھڑی ہے اور دوسرا نہ کوئی چراغ ہے نہ چراغ کی لَو۔ تم بازو پکڑ کے لے چلے ہو، نہ کوئی ساتھ ہے نہ ساتھی۔ وہ بدنصیب تو سوتی رہی مگر صبح جاگ اُٹھی۔ جن کے سینے میں عشق کی آگ جلتی ہو، اُنھیں سونے جاگنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حسین کہتا ہے کہ، دوستو! اپنے محبوب کو کِس طرح راضی رکھا جائے۔ بس اپنے مالک کی بندگی کرو، اور راتوں کو جاگتے رہو۔

جورَ نگے سورَ نگے

مَینڈی جان جورَ نگے سورَ نگے :

مَستک جھاں دے پَئی فقیری ، بھاگ تنھاں دے چنگے
سُرت دی سوئی پریم دے دَھاگے ، پیوَند لگے سَت سنگے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، تخت نہ مِلدے منگے

میرا محبوب، مجھے جس رنگ میں بھی چاہے رنگ لے۔ جن کی قسمت میں فقیری آ گئی اُن کے نصیب بہت اچھے ہیں۔ خرد کی سوئی اور محبت کے دھاگے سے جو بھی پیوند لگے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہیں اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ تخت و تاج مانگنے سے نہیں ملتا۔

دُنیا جیوَن چار دیہاڑے

دُنیا جیوَن چار دیہاڑے، کون کسے نال رُہنّے :

جَیں وَل وَنجاں، موت تِنّے وَل، جیوَن کِتے نہ دِسّے

سَر پَر لَدنا ایس جہانوں ، اِتھے رہنا ناہیں کِتّے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، موت وَٹیندی رَتّے

یہ دُنیا، یہ زندگی تو چار دن کی ہے۔اس میں بھلا کسی سے رُوٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔مَیں جس طرف بھی جاتا ہوں، اُدھر ہی موت کھڑی ہوتی ہے۔کوئی حیاتِ دوام کا راستہ نہیں بتاتا۔ بالآخر تو اِس جہاں سے سب نے رُخصت ہو جانا ہے۔کسی نے بھی نہیں رہنا۔اپنے مالک کا فقیر......شاہ حسین کہتا ہے کہ موت تو ہمیشہ چابک تیار کرتی رہتی ہے۔

وو گُمانیا

وو گُمانیا! دَم غنیمت جان

کیا لَے آیوں ، کیا لَے جا سیں ، فانی کُل جہان
چار دیہاڑے کوئل واسا ، اِس جیون دا کیہہ بھروسہ
نہ کر اِتنا مان
کہے حسین فقیر نِمانا دُنیا چھوڑ سبھو لد جانا، آخر خاک سَمان

اے مغرور انسان! یہاں ایک ایک سانس کو غنیمت سمجھ۔تم کیا لے کر آئے ہو، اور کیا لے کر جاؤ گے۔یہ سب جہان تو فنا ہونے والا ہے۔اِس باغ میں چار دِن کا کوئل کی طرح بسیرا ہے۔اس زندگی کا کیا اعتبار، اس پر اِتنا فخر نہ کر یہ عاجز فقیر حسین کہتا ہے ہر کسی نے یہ دُنیا چھوڑ کر جانا اور بالآخر مٹی میں ہی سما جانا ہے۔

مَیں بھی جھوک راَنجھن دِی جانا

مَیں بھی جھوک راَنجھن دِی جانا، نال مرے کوئی چلّے:

پَیراں پَوندی ، مِنتاں کردی ، جانا پیا اَکلّے
نَیں بھی ڈُونگھی ، تُلا پُرانا ، شِینہاں پتّن مَلّے
جے کوئی خبر متر دی لیاوے ، ہتھ دے دیواں چھلّے
رَاتیں درد، دِینہاں دَرماندی ، گھاؤ مِتراں دے اَلّھے
رَانجھن یار طبیب سُنیندا ، مَیں تَن دَرد اَوَلّے
کہے حسین فقیر نِمانا ، سائیں سَنہوڑے گھلّے

مَیں نے بھی اپنے محبوب رانجھے کی بستی میں جانا ہے۔ کوئی تو میرے ساتھ چلے۔ مَیں اُس کے پانو پڑتی، منت سماجت کرتی رہی، لیکن پھر بھی، مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔ ندی بھی گہری ہے اور کشتی بھی پُرانی ہے تو ادھر شیروں نے گھاٹ پر قبضہ کِیا ہوا ہے۔ ایسے میں...... اگر کوئی دوستوں کی خبر لے کر آئے گا تو مَیں اُسے ہاتھ کی انگوٹھیاں پیش کر دوں گی۔ رات کو جدائی کے درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں اور دِن کو ایک پل بھی آرام نہیں ملتا۔ دوستوں کے لگائے زخم ابھی کچے ہیں۔ رانجھن یار کے بارے کہتے ہیں کہ وہ بہت اچھا طبیب ہے۔ میرے جسم کو تو عجیب مرض لاحق ہو چکے ہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین تو کہتا ہے کہ، مالک فقط آنے کا پیغام بھیج دے تو میرے تمام دُکھ دُور ہو جائیں گے۔

نی مائے

نی مائے! مَینوں کھیڑیاں دی گل نہ آکھ:

رَانجھن میرا، مَیں رانجھن دی، کھیڑیاں کُوڑی جَھاک
لوک جانے ہیر کَملی ہوئی، ہیرے دا وَر چاک
کہے حسین فقیر سائیں دا، جان دا مولیٰ پاک

اے ماں! مجھ سے کھیڑوں کی تو بات ہی نہ کر۔ رانجھا میرا ہے اور مَیں رانجھے کی ہوں۔ کھیڑوں کو تو محض اُمید ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہیر دیوانی ہو گئی ہے۔ لیکن ہیر کا خاوند تو چاک ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے، یہ تو خدائے بزرگ و برتر کو بھی معلوم ہے۔

بَندے آپ نُوں پچھان

بَندے آپ نُوں پَچھان

جے تَیں اپنا آپ پَچھاتا، سائیں ملن اَسان
سوئنے دے کوٹ، رُوپہری چھجّے، ہَر دِن جان مَسان
تیرے سِر تے جَم سازش کردا، بھاویں جان نہ جان
ساڈھے تِن ہَتھ مِلکھ تُساڈی، ایڈی تان نہ تان
سونا رُپّا مال خزِینہ، ہوئے رہیا مہمان
کہے حسین فقیر نِمانا، چھَڈ دے خودی گُمان!

اے بندے! تُو اپنے آپ کو پہچان۔ اگر تم نے اپنا آپ پہچان لیا تو مالک سے ملنا آسان

ہو جائے گا۔ سونے کے محل اور چاندی کے جھروکے خدا کے بغیر قبرستان کے مانند ہیں تُو خواہ اِس بات کو سمجھ نہ سمجھ۔ لیکن موت کا فرشتہ تمھارے خلاف سازش کر رہا ہے۔ صرف ساڑھے تین ہاتھ زمین تیری جایداد ہے۔ مگر تو لمبی چوڑی زمین پر قبضہ کر کے بیٹھا ہے۔ سونا چاندی اور دیگر مال و زر تو صرف کچھ دِنوں کے مہمان ہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، تکبر اور زُعم گُمان چھوڑ دے۔

ٹک بوجھ من میں کون ہے

ٹک بوجھ من میں کون ہے، سَھۃ ویکھ آوا گون ہے
مَن اور ہے تَن اور ہے مَن کا وَسیلہ پَون ہے
بَندا بنایا جاپ کُوں، تُوں کیا لُبھانا پاپ کُوں
تَیں صحی کیا رَیہ آپ کُوں
اِک شاہ حسین فقیر ہے، تُسیں نہ آ کھو کوئی پیر ہے
جَگ چلتا ویکھ وہیر ہے

ذرا یہ تو بتا تیرے دِل میں کون ہے اور یہ سب کس کا آنا جانا ہے۔ رُوح اور ہے اور جسم اور ہے۔ اس وجود کا وسیلہ سانس کا آنا جانا ہے۔ یہ انسان تو خدا نے اپنے ذِکر کے لیے بنایا تھا۔ لیکن تم گناہوں کے گرویدہ ہو گئے ہو تم نے یہ اپنے آپ کے ساتھ کیا کِیا ہے۔ ایک شاہ حسین فقیر ہے۔ تم یہ نہ کہو وہ کوئی پیر ہے۔ دُنیا کے اِس قافلے نے بالآخر اپنے سفر پر روانہ ہونا ہے۔

سارا جگ جاندا

سارا جَگ جاندا ، تیرے مِلن دی آس وو
میرے مَن دی مُراد ایہ سائیاں، سَدا رَہاں تیرے پاس وو
دَرشن دے دیا کر مَیں کُوں ، ہراں ساس گراس وو
کہے حسین فقیر نمانا ، توں صاحِب مَیں دَاس وو

سب دُنیا جانتی ہے کہ مجھے اے میرے مالک! تم سے ملنے کی اُمید ہے۔ میرے دِل میں تو اے میرے مالک یہی خواہش ہے کہ سدا تمھارے پاس رہوں لیکن تم مجھے بس دیدار دے دیا کرو، مَیں تو ہر سانس کے ساتھ تمھارے ہی نام کا وِرد کرتی ہوں یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ تم میرے مالک اور مَیں تمھارا غلام ہوں۔

لِکھّی لَوح قلم دی قادِر

لِکھّی لَوح قلم دی، مائے موڑ جے سکنی اِیں موڑ:

ڈولی پائے چلّے کھیڑے ، مَیتھوں عذر نہ زور
رَانجھن سانُوں گنڈیاں پائیاں ، دِل وِچ لگیاں زور
مچھی وانگوں مَیں پئی تڑفاں ، قادِر دے ہتھ ڈور
کہے حسین فقیر سائیں دا ، کھیڑیاں کوڑا زور

اے ماں! وہ جو قادر نے لوح و قلم پر میری قسمت میں لکھ دیا تھا۔ اگر وہ ٹال سکتی ہے تو ٹال کے دِکھا۔ مجھے ڈولی میں ڈال کر کھیڑے لے چلے ہیں۔ میرا کوئی بہانہ کوئی زور نہیں چلتا۔ رانجھے نے تو ہمارے دِل میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں اور انھی کا دِل میں شور ہے۔ مَیں مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہوں۔ میری تو اس قادر کے ہاتھ میں ڈور ہے (وہی مجھے لے جا رہا ہے) اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ کھیڑوں کے پاس تو جھوٹی طاقت ہے (وہ تو یونہی زور لگا رہے ہیں)

کیوں گُمان جِندونی

کیوں گُمان جِندونی ! آخر ماٹی سیتوں رَل جانا
سرپر دُنی سے جانا ، آخر مٹی مٹیوں رل جانا
میر ، مَلک ، تے شاہ، شہزادے، چوآ چَندن لاندے
خوشیاں وِچ رہن متوالے ، ننگے پَیریں جاندے
لااُبالی دَرگاہ صاحِب دِی ، کہیں نہ چَلّ دا مانا
آپوں آپ جواب پچھیسی ، کہے حسین فقیر نمانا

اے میری جان تُو کس زُعم میں مبتلا ہے۔ بالآخر تو مٹی میں ہی مِل جانا ہے۔ جب تم مٹی میں مِل جاؤ گے تو پھر یہ دُنیا تمھارے سر پر آ جائے گی۔ یہ میر، ملک، یہ بادشاہ اور شہزادے جو صندل کی خوشبوؤں میں مست اور عیش و عشرت میں مگن رہتے ہیں، وہ بھی ننگے پانو ہی جاتے ہیں۔ اُس مالک کی بارگاہ بڑی بے پروا ہے وہاں کوئی مان گمان نہیں چلتا۔ وہاں سب کو اپنا اپنا جواب دینا پڑے گا، یہ عاجز فقیر شاہ حسین ابھی سے بتا رہا ہے۔

گوکڑا دِن چار گُڈے

گونکڑا دِن چار گُورے نی، سیّاں کھیڈن آئیاں نی!

بھولی ماؤ نہ کھیڈن دیندی ، ہنجو درد رَوائیاں نی
چَند کے چاندن سیّاں کھیڈن ، غافل تمر رہائیاں نی
ساہورڑے گھر اَلبت جانا ، جانن سبھ سکھرائیاں نی
کہے حسین فقیر نمانا ، جن لائیاں سو توڑ نبھائیاں نی

یہ دُنیا چار دِن کی ہے۔سب سہیلیاں کھیلنے آئی ہیں۔اے میری بھولی بھالی ماں! تُو ہمیں کھیلنے نہیں دیتی اور مجھے خون کے آنسو رُلا رہی ہو۔چاندنی رات میں سب سکھیاں مِل کر کھیلتی ہیں۔اور مَیں غافل تاریکی میں پڑی ہوں سب کنواریاں جانتی ہیں کہ اُنھیں بالآخر سسرال جانا ہے۔اور یہ سب بیاہی ہوئی بھی جانتی ہیں۔یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، جنھوں نے بھی محبت کی ہے اُنھوں نے اس کو نبھایا ہے۔

رَاتیں سَویں

رَاتیں سَویں دینہیں پھردی وَتّیں:

تیرا کھیڈن نال پیار جِندو! کدی اُٹھ رام سَمار جِندو!
ساہورڑے گھر اَلبت جانا ، پیوکڑے دِن چار جِندو!
اَج تیرے مُکلاوُ آئے رَہے نہ کوئی وچار جِندو!
کہے حسین فقیر سائیں دا ، آوَن اِیہی وار جِندو!

راتوں کوتُو سوتی رہتی ہے اور دِن کو یونہی اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی ہے۔تمھیں کھیل تماشے سے بہُت پیار ہے کبھی میری جان اُٹھ کر، رام کے نام کا وِرد بھی کِیا کرو۔سسرال کے گھر جانا لازم ہے۔مائیکے میں تو چار دِنوں کا قیام ہے۔آج تیرا مکلاوا لینے والے آرہے ہیں اب تو میری جان کچھ سوچ بچار کرلے۔اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، یہاں آنا صرف ایک ہی بار ہے۔

کدی سمجھ میاں مَر جانا اِی

کدی سمجھ میاں مَر جانا اِی:

گوڑی سیج سَوویں دِن رَاتیں ، گوڑا طول وِہانا اِی
ہڈّاں دا قلبُوت بنایا ، وِچ رَکھیا بھور رَبانا اِی

چار دِیہاڑے گوئل واسا ، چلیو لد لبانا اِی
کہے حسین فقیر مولیٰ دا ، سائیں دا راہ نمانا اِی

کبھی تو اے دوست! اِس حقیقت کا اِدراک کر کہ، بالآخر مَر جانا ہے۔ تُو دِن رات جھوٹ فریب کی سیج پر سوتا ہے یہ طول عمری بھی ایک فریب ہے۔ اُس نے ہڈیوں کا ایک کلبوت بنایا اور اُس میں اپنی رُوح رکھ دی تھی۔ یہ دُنیا تو چار دِن کا بسیرا ہے بالآخر یہاں سے جانا ہے۔ مولیٰ کا فقیر حسین کہتا ہے کہ، مالک کا راستہ عجز کا راستہ ہے۔

گل وو کیتی

گل وو کیتی سَاڈے خیال پئی ،گل پئی وو، نِباہی لوڑیئے!
شمع دے پروانے وانگوں ، جَلدیاں اَنگ نہ موڑیئے
ہاتھی ،عِشق ،مَہاوت ، رانجھا! اَنکس دے دے ہوڑیئے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، لگڑی پریت نہ توڑیئے

وہ جو ازل کے روز بات ہوئی تھی۔ وہی آج تک ہمارے خیال میں ہے اُسی بات کو آج تک ہم نبھا رہے ہیں شمع کے پروانے کی طرح اب جل جانے سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ عشق ہاتھی ہے اور اُس کا مہاوت رانجھا ہے۔ اب اِس ہاتھی کو لوہے کی سلاخیں مار مار کر روکنا اور چلانا چاہیے اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، جب محبت ہو جائے تو پھر اُس کو توڑنا نہیں چاہیے۔

اِیہہ نَس وس رہی دِل میرے

اِیہہ نَس وس رہی دِل میرے ، صُورت یار پیارے دِی
باغ ترا ، باغیچہ تیرا ، مَیں بُلبُل باغ تُہارے دِی
اپنے شَوہ نُوں آپ رجھاواں ، حاجت نہیں پسارے دِی
کہے حسین فقیر نمانا ، تھِیواں خاک دَوارے دِی

میرے پیارے محبوب کی صُورت تو روزِ ازل سے ہی میرے دِل میں بسی ہوئی ہے۔ یہ باغ بھی تیرا ہے اور باغیچہ بھی تیرا ہے۔ مَیں تو صرف تمھارے باغ کی بُلبُل ہوں۔ مَیں اپنے محبوب کو خود رُجھاؤں گی۔ مجھے تو کِسی کھیل تماشے کی ضرورت نہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مَیں تو اُس کے دروازے کی دُھول بننا چاہتا ہوں۔

کیا ہوسی باب نمانی دا

کیا ہوسی باب نمانی دا:

نہ مَیں کتّیا ، نہ مَیں تُنبیا ، بَخرہ کیہا تانی دا
جَمدیاں تِل رون لگّے ، یاد پیا دِن گھانی دا
گور کھٹیندیاں پیّاں کہیاں ، ہو ہوائیں اِتّے ول رہیاں
واس آیا وِچ وانی دا
کہے حسین فقیر مولیٰ دا ، آکھو سُخن حقّانی دا

اب پتا نہیں میرے بارے کیا فیصلہ ہوگا۔ نہ تو ہم نے چرخہ کاتا ہے، نہ ہی ہم نے رُوئی دُھنی، تو پھر تانے میں سے حصہ کیسا؟ پیدا ہوتے ہی تِل (تیل کے بیج) رونے لگے تھے اُنھیں یاد آ گیا تھا کہ ایک دِن کولھو میں ڈالے جائیں گے۔ قبر میں جاتے ہوئے تمھیں معلوم ہوگا کہ جو کچھ بھی تیری شان و شوکت تھی وہ سب یہاں رہ گئی ہے۔ اور اب ایک ویران جگہ میں بسیرا ہے۔ مولا کا فقیر شاہ حسین تمھیں کہتا ہے اب، الٰہی پیغام کی بات کرو۔

چُوہڑی ہاں دَربار دی

مَیں چُوہڑی ہاں دَربار دی:

دِھیان دِی چھجلی ، گیان دا جھاڑُو ، کام کرُودھ نت جھاڑدِی
قاضی جانے حاکم جانے ، فارِغ خطی وگاردِی
کُل جانے ، اورمہتہ جانے ، ٹہل کراں سرکاردِی
کہے حسین فقیر نمانا ، طلب تیرے دِیدار دِی

مَیں تو اُس دربار کی خاک رُوبہ ہوں۔ دھیان کے چھاج، گیان کے جھاڑُو سے ہمیشہ حرص وہوس کو صاف کرتی رہتی ہوں۔ قاضی بھی جانتا ہے اور حاکم بھی۔ اب مَیں تمام فضول کاموں سے آزاد ہو چُکی ہوں۔ ساری دُنیا جانتی ہے اور وہ کاتبِ تقدیر بھی جانتا ہے کہ مَیں تو اپنی سرکار کی خدمت کر رہی ہوں یہ عاجز فقیر شاہ حسین تو اِتنا کہتا ہے کہ مجھے تو فقط تیرے دِیدار کی طلب ہے۔

گھڑی اِک دے مُجمان مُسافر

گھڑی اِک دے مُجمان مُسافر، پیّاں تاں رَہسن جائیں

کوٹاں دے سِکدار سُنیدے ، اکھیں دِسدے ناہیں !
چھوڑ تکبّر پکڑ حلیمی ، کوئی کہیں دا ناہیں
کہے حسین فقیر نمانا ، ہَر دَم سائیں سائیں

اے مسافر! تُو صرف ایک گھڑی کا مہمان ہے یہ سب قیام مقام یہیں رہ جائیں گے۔ وہ جو قلعوں کے مالک تھے اور اُن کے نام کا سِکّہ چلتا تھا اب وہ کہیں نظر نہیں آتے تم بھی یہ غرور و تکبر چھوڑ اور حلیم ہو جا، کوئی بھی یہاں رہنے والا نہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، ہر وقت بس مالک کے نام کا ذِکر کرتے رہو۔

پیارے بِن راتاں ہوئیاں وَڈّیاں

پیارے بِن راتاں ہوئیاں وَڈّیاں
رَانجھن جوگی مَیں جوگیانی ، کملی کر سَدّی آں
ماس جھڑے ، جھڑ پنجر ہویا ، کرکن لگیاں ہڈّیاں
مَیں اَیانی نیہوں کیہہ جاناں ، برہوں تناواں گڈّیاں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، دامن تیرے لگیاں

محبوب کے بغیر راتیں گزارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ رانجھا جوگی ہے اور مَیں اُس کی جوگیانی ہوں۔ لوگ مجھے اُس کی دیوانی کہہ کر پکارتے ہیں۔ میرے جسم کا گوشت ہڈّیوں سے علیحدہ ہو گیا، اب صرف ڈھانچا باقی ہے ہڈیاں بھی کڑکڑانے لگی ہیں مَیں معصوم بھلا محبت کے بارے کیا جانوں۔ جدائی نے میری ڈوریاں کھینچی ہوئی ہیں۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... مَیں نے تو اب تمھارا ہی دامن پکڑ رکھا ہے۔

وویار جنھاں نُوں عِشق

وویار جینہاں نُوں عِشق ، تنھاں کتّن کیہا !
اَلبیلی کیوں کتّے ؟
لگّا عِشق چگّی مصلاحت ، وِسریاں پنجے سَتّے
گھائل مائل پھرے دِوانی ، چرخے تند نہ گھتّے
ماہی سنگ پریت جُڑوکی ، سر آہے نہ چھتّے

کہے حسین فقیر نمانا ، نین سائیں نال رَتّے

اے دوست! وہ جو عشق کے اسیر ہو جاتے ہیں، اُنھیں بھلا چرخہ کاتنے کی طرف دھیان کہاں رہتا ہے۔ وہ جو محبوب کی چہیتی ہے وہ بھلا چرخہ کیوں کاتے؟ جب عشق ہوا تو تمام مصلحتیں بھی جاتی رہیں۔ پانچ اور سات نمازیں بھی یاد نہ رہیں۔ وہ تو اب زخم خوردہ، مست و بے خود دیوانی پھرتی ہے۔ چرخے کا ایک دھاگا بھی نہیں بناتی۔ میری اور محبوب کی محبت تو بہت پرانی ہے، اُس وقت میرے سر پر یہ بال بھی نہیں آئے تھے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ یہ آنکھیں تو اب مالک کی محبت میں رنگی ہوئی ہیں۔

اَگّے نیں ڈُونگھی

اَگّے نیں ڈُونگھی، مَیں کِت گُن لَنگھساں پار:

رات اَندھیری پَندھ دُراڈا ، ساتھی نہئیوں یار
نال ملّاح دے اَن بَن ہوئی اوہ سچّے مَیں کُوڑ وکُوڑی
کِیں دَر کریں پُکار
سبھناں سئیاں شَوہ رویا ، مَیں رہی بے تکرار
کہے حسین فقیر نمانا ، رونی آں وقت گزار

میرے سامنے گہری ندی ہے۔ مَیں کِس خوبی کے باعث اُس پار اُتروں گی۔ اندھیری رات ہے، سفر بھی طویل ہے، اور محبوب بھی ساتھ نہیں۔ ملاح کے ساتھ بھی کچھ چپقلش ہو چکی ہے۔ حال آں کہ وہ سچّا اور مَیں جھوٹی ہوں۔ سب سہیلیاں محبوب سے وصل کی لذت حاصل کر چکی ہیں مَیں ہی بدنصیب رہ گئی ہوں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ اب مَیں بے مقصد وقت گزار کر رو رہی ہوں (پچھتا رہی ہوں)

متّیں دینی آں

متّیں دینی آں بال اَیانے نُوں:

پنجے ندیاں اکتر ہوئیاں گیہا دوس مُہانے نُوں
دارُو لایاں لگدا ناہیں ، پچھاں وَید سیانے نُوں
سیاہی گئی سفیدی آئی آ ، کیہہ ہوندا وقت وِہانے نُوں

کہے حسین فقیر سائیں دا، کیہہ ایں رَبّ دے بھانے نُوں

مَیں اس معصوم بچّے کو سمجھا رہی ہوں۔ اگر تُو پانچ دریاؤں کی مُنہ زور لہروں کی زد میں ہے تو اس میں ملاح کا بھلا کیا قصور ہے اُس پر الزام کیوں دیتا ہے؟ اب اگر کوئی دوا یا اثر نہیں ہو رہی تو بڑے بڑے حکیموں سے علاج پوچھتی ہوں۔ سیاہی چلی گئی ہے بالوں میں سفیدی آ گئی ہے۔ وقت کتنی تیزی سے گذر گیا ہے۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... جو کچھ ہوا ہے وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ اُس پر افسوس کیسا؟

ہُن کھیڈن بھائے اَساڈے

ہُن کھیڈن بھائے اَساڈے ، دِتّا جی رَبّ آپ اَسانوں
اِک روندے روندے گئے، اِک ہَس رَس لے گئے گوئے مَیدانوں
چھوڑ تکبّر پکڑ حلیمی رِکیہ وَٹیو اِی خُودی گُمانوں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، صحیح سلامت چلّے جہانوں

ابھی ہمیں ہنسنا کھیلنا بہت اچھا لگتا ہے۔ خدا نے خود ہمیں دِل ہی ایسا دیا ہے۔ کچھ تو روتے روتے گئے ہیں اور کچھ کھیل کے اِس میدان سے ہنستے کھیلتے گئے ہیں۔ تم نے اس غرور و تکبر سے کیا حاصل کِیا ہے؟ اس تکبر کو چھوڑ اور حلیمی اختیار کر۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، وہ جو عجز و انکسار سے رہتے ہیں وہی اِس جہان سے کامیاب جاتے ہیں۔

گھولی وَنجاں سائیں تَیں تھوں

گھولی وَنجاں سائیں تَیں تھوں، حال ساڈے دے محرم سجنا!
کدی تاں دَرس دِکھال پیاریا ، سَدا سوہارا پردے کجنا
اِیہو منگ مری تَیں کولوں ، پَل پَل ودھے تُساں وَل لگنا
کہے حسین فقیر نِمانا ، ہَر دَم نَام تُساڈے رَجنا

اے میرے مالک! مَیں تجھ پر قربان جاؤں۔ تُو ہی تو ہماری حالتِ زار سے واقف ہے۔ کبھی تو اے پیارے اپنا دیدار دے تو ہی تو ہمیشہ سے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ مَیں نے تو ہمیشہ تجھ سے یہی مانگا ہے کہ ہر پل ہر گھڑی تمھاری محبت میں اضافہ ہو۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ ہر گھڑی تمھارے نام کے ذِکر سے ہی سیر ہوتا ہے۔

مُشکل گھاٹ فقیری داوو

مُشکل گھاٹ فقیری داوو:

پائے کُٹھالی، دُرمت گالی کرم جرائے شریری دا
چھوڑ تکبّری ، پکڑ حلیمی ، راہ پکڑو شیرینی دا
کہے حسین فقیر نمانا ، دفتر پاڑ وو پیری دا

فقر کے گھاٹ سے دریا کے اُس پار اُترنا بہت مشکل ہے۔ اِس عقل کو عشق کی کٹھالی میں ڈال کر پگھلانا پڑتا ہے جسم کی آگ میں وجود کو کھونا پڑتا ہے۔ تکبر وغرور کو چھوڑ کر، حلیمی اختیار کر کے مٹھاس کے راستے پر چلنا پڑتا ہے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، پیری اور بزرگی کا تمام پس منظر چھوڑ کر فقر پر بھروسا کر۔

جینہاں کھڑی نہ کیتی میری ڈولڑی

جینہاں کھڑی نہ کیتی میری ڈولڑی ، مائے کیہ دوش کُہاراں نُوں
ٹولوں تینڈے لد لد وینڈے ، تیں نہ بدّھا بھاراں نُوں
اِک لد چلّے اِک بنھ بیٹھے کون اُٹھائے بھاراں نُوں
سِر تے موت کھڑی پُکارے مَن لوچے باغ بہاراں نُوں
کہے حسین فقیر نمانا ، کوئی مُڑ سمجھا وو یاراں نُوں

اُن کہاروں کا تو کوئی قصور نہیں اے ماں! جنھوں نے میری ڈولی کو راستے میں کہیں روکا ہی نہیں تیرے پاس سے مسافر اپنا ساز وسامان باندھ کر جا رہے ہیں، لیکن تم نے ابھی تک رختِ سفر نہیں باندھا کچھ تو چلے گئے ہیں، کچھ سامان باندھ کر تیار بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ ہمارا سامان کون اُٹھائے گا۔ سر پر موت کھڑی آوازیں دے رہی ہے لیکن من ابھی تک باغ و بہار کی طرف مائل ہے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، کوئی تو پیچھے مُڑ کر ان دوستوں کو بھی سمجھائے۔

مائے نِی مَیں کِنہوں آکھاں

مائے نِی مَیں کِنہوں آکھاں، دَرد وچھوڑے دا حال
دُھوّاں دُھکھے میرے مُرشد والا، جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دیوانی کیتی ، برہوں پیا ساڈے حال

دُکھاں دی روٹی، سُولاں دا سَالن، آہیں دا بالَن بال
جَنگل بیلے، پھراں ڈُھونڈیندی، اَجے نہ پائیو لال
کہے حسین فقیر نمانا، شوہ مِلے تاں تھیواں نہال

اے ماں! مَیں اِس جدائی کا احوال کِس کے سامنے بیان کروں۔ میرے مرشد کی دُھونی لگی ہوئی ہے جب بھی اِس راکھ کو ٹٹولتی ہوں تو اُس میں سے سرخ انگارے نظر آتے ہیں ہجر کے کانٹوں کی چبھن نے دیوانہ بنا رکھا ہے اور اِس جدائی نے ذِہن کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ دُکھوں کی روٹی کے ساتھ کانٹوں کا سالن آہوں کا ایندھن جلا کر تیّار کِیا ہے۔ جنگلوں اور ویرانوں میں کب سے ڈُھونڈتی پھرتی ہوں لیکن ابھی تک مجھے میرا محبوب نہیں مِلا۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ اگر محبوب مِل جائے تو مَیں خوشی سے نہال ہو جاؤں گی۔

مائے نِی مَیں بھئی دیوانی

مائے نِی مَیں بھئی دیوانی، دیکھ جگت میں شور!
اِکناں ڈولی، اِکناں گھوڑی، اِک سِوے اِک گور!
ننگے پَیریں جاندے ڈِٹھے، جِن کے لاکھ کروڑ
اِک شاہ تے اِک دِلدّر، اِک سادُھو، اِک چور
کہے حسین فقیر نمانا، بھلے اَساتھوں ڈھور

اے ماں! مَیں تو اِس دنیا کی ہنگامہ آرائی دیکھ کر پاگل ہو گئی ہوں۔ کچھ تو پالکیوں میں بیٹھے ہیں، کچھ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ کچھ شمشان گھاٹ میں جلائے جاتے ہیں اور کچھ قبروں میں لٹائے جاتے ہیں۔ وہ جو لاکھوں کروڑوں میں کھیلتے تھے اُن کو بھی ننگے پاؤں جاتے دیکھا ہے۔ کچھ تو امیر کبیر ہیں، کچھ غریب مسکین ہیں کچھ سادُھو اور کچھ چور ہیں۔ یہ عاجز حسین فقیر کہتا ہے کہ ہم سے تو مویشی ہی اچھے ہیں۔

میاں گل سُنی نہ جاندی سَچّی

میاں گل سُنی نہ جاندی سَچّی:
سَچّی گل سُنیوے کیوں کر، کچ ہڈّاں وِچ رچّی
سَچّی گل سُنی اے تِناہاں، چِنگ جِنہاں تن مچّی

پڑدا ساڑ دِتّو ئیں پریتم ، دُوت موئے سَھڑ پچّی
زہری ناگ پھرن وِچ گلیئیں ، جو سُوہ لڑ لگی بچّی
کہے حسین سُہاگن سائی ، جو تھیو دیوانی نچّی

اے میاں! سچی بات سُننا اور برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سچی بات کیسے سُنی جاسکتی ہے جب کہ کچی پکی باتیں ہی ہڈیوں میں رچ بس چکی ہیں۔ سچی بات تو اُنھوں نے ہی برداشت کی ہے ایک خاص چنگاری جن کے وجود کا حصہ بن چکی ہے۔ محبوب نے سب حجاب ختم کر دیے تو دُوئی بھی خود بخود ختم ہوگئی۔ گلیوں میں زہریلے ناگ گھومتے پھرتے ہیں۔ وہی بچے گی جس نے محبوب کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ حسین کہتا ہے، وہی سہاگن ہے دیوانوں کی طرح محوِ رقص ہے۔

شلوک

ساجن تُمرے روسَڑے، موہے آدَر کرے نہ کوئے
دُر دُر کرن سہیلیاں ، مَیں تُر تُر تاکوں توئے

اے میرے محبوب! تمھارے یہ بار بار رُوٹھنے کی وَجہ سے، میری کوئی عزت نہیں کرتا۔ سب سہیلیاں مجھے دُھتکارتی ہیں لیکن مَیں تو ٹکٹکی باندھے تمھیں ہی دیکھتی رہتی ہوں۔

بُریاں، بُریاں، بُریاں وے

بُریاں ،بُریاں ، بُریاں وے ، اَسیں بُریاں وے لوکا !
بُریاں کول نہ بہو وے
تیراں تے تلواراں گولوں ، تِکھیاں برہوں دیاں چھُریاں
لَد سجّن پردیس سدھائے ، اَسیں ودیاع کر کے مُڑیاں
جے تُوں تخت ہزارے دا سائیں ، اسیں سیالاں دیاں کُڑیاں
سانجھ پات کھوں سَوں ناہیں ، اسیں سَاجن کھوجن ! ٹُریاں
جنھاں سائیں دا ناؤں نہ لِتّا ، اوڑک تُوں اوہ جھُریاں
کہے حسین فقیر سائیں دا صاحِب سیئوں اسیں جُڑیاں

بُری، بہُت بُری، بُری ہیں، ہم بہُت گنہگار ہیں لوگو! ہم بُری لڑکیوں کے پاس نہ بیٹھا کرو۔ جدائی کی چھریاں تیروں اور تلواروں سے بھی تیز ہوتی ہیں۔ ہمارے دوست تمام سامان باندھ کر

پردیس روانہ ہو گئے ہیں، ہم ابھی الوداع کہہ کر واپس آئی ہیں۔ اگر وہ تخت ہزارے کا مالک ہے تو، ہم بھی سیالوں کی لڑکیاں ہیں۔ ہمارا بھی کسی سے کوئی تعلق نہیں، ہم بھی ساجن کی تلاش میں نکلی ہیں۔ جنھوں نے اپنے مالک کا نام نہیں لیا بالآخر وہ پشیمان ہوں گی...... اپنے مالک کا فقیر حسین کہتا ہے کہ...... لوگو! ہمارا تعلق صاحب کے ساتھ قائم ہو گیا ہے۔ اب ہمیں کوئی پروا نہیں۔

سَاجن رُٹھڑا جاندا وے

سَاجن رُٹھڑا جاندا ، وے مَیں بھُلّی آں
سَاجن مَینڈا ، مَیں سَاجن دی ساجن کارن مَیں جُلّی آں
جے کوئی سَاجن آن مِلاوے ، بَندی تس اَنمُلّی آں
کہے حسین فقیر سائیں دا ، ساجن مِلے تاں مَیں پھُلّی آں

میرا محبوب مجھ سے رُوٹھ کر جا رہا ہے۔ لوگو! شاید مجھی سے کوئی بھول ہو گئی ہے۔ محبوب میرا ہے، اور مَیں محبوب کی ہوں اُسی کی وَجہ سے ہی تو اے لوگو مَیں اس کے پیچھے جا رہی ہوں۔ اگر کوئی مجھ سے میرا محبوب ملا دے تو مَیں اُس کی بے دام کنیز بن جاؤں گی۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ اگر محبوب مجھے مِل جائے تو مَیں پھولی نہ سماؤں۔

نمانیاں دی رَبّا رَبّا ہوئی

نمانیاں دی رَبّا رَبّا ہوئی:

بھٹھ پئی تیری چِٹّی چادر ، چنگی فقیر دی لوئی
دَرگاہ وِچ سُہاگن سوائی، جو کھُل کھُل نچّ کھلوئی
کہے حسین فقیر سائیں دا ، تاں دَر لیسیں ڈھوئی

ہم عاجز فقیروں نے نعرہَ مستانہ بلند کر دیا ہے۔ تمھاری سفید چادر کو آگ لگے اِس سے تو فقیروں کی کمبلی ہزار درجے بہتر ہے۔ اس کی بارگاہ میں وہی تو سہاگن ہے جو گھونگھٹ اُتار کر ناچنے لگتی ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، تبھی تمھیں، اُس کے در پر پذیرائی ملے گی۔

جِس نگری ٹھاکر جَس ناہیں

جِس نگری ٹھاکر جَس ناہیں ، سو کاکر کُوکر بستی ہے
اگر چندن کی سَار نہ جانے ، پاتھر سیتی گھستی ہے

چَھیلاں سیتی گھُنگھٹ کاڈھے، بیلاں سیتی ہَستی ہے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، سَوا سیر کی مَستی ہے

جس بستی میں خدا کی حمد و ثنا نہیں ہوتی وہ بستی کُتوں اور کوؤں کی بستی ہے۔ جہاں صندل کی کچھ خبر نہیں وہ پتھر سے گھستی رہتی ہے۔ خوب صورت نوجوانوں سے گھونگھٹ نکالتی ہے اور دوستوں کے ساتھ ہنستی کھیلتی ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ یہ سب جوانی کی مستی ہے۔

اَینویں گذری گالیں کردیاں

اَینویں گذری گالیں کردیاں ، کُجھ کیتو ناہیں سَر دیاں !
تُوں سُتوں چادر تان کے ، تَیں عمل نہ کیتا جان کے
رَت روئیں لیکھا بھَردیاں
جائے پُچھو اِک وَانڈھیاں ، جھاں اندر بَلدی ڈھانڈیاں
اُنہاں عرض نہ کیتی ڈردیاں
کہے حسین سُنائے کے ، پچھوتائیں اوتھے جائے کے
کوئی سنگ نہ ساتھی مَردیاں

تم نے بھی یونہی باتوں باتوں میں وقت گزار دیا ہے۔ استطاعت کے باوجود کچھ نہیں کیا۔ تم چادر تان کر غفلت کی نیند سوتے رہے اور جان بوجھ کر کوئی نیک کام نہیں کیا۔ اب حساب کتاب دیتے ہوئے خون کے آنسو بہاؤ گے۔ جاؤ ان مسافروں سے پوچھو، جن کے اندر شعلے بھڑک رہے ہیں وہ تو خوف کے مارے بول بھی نہیں سکے۔ لیکن حسین سب کو پُکار کر کہتا ہے، وہاں جا کر پچھتاؤ گے۔ موت کے وقت کوئی سنگی ساتھی کام نہیں آتا۔

صَدقے مَیں جاں

صَدقے مَیں جاں اُن راہاں توں جن راہاں توں شوہ آیا اِی
پُچھی سَٹ گھتاں بھرڑاندی ، کتّن توں چِت چایا اِی
چِنگ اُٹھی دِل وِچ ہیرے دے، رانجھن تخت ہزاریوں آیا اِی
کہے حسین فقیر نمانا ، مَولا نے دوست مِلایا اِی

مَیں اُن راستوں پر قربان، جن راستوں پر چل کر میرا محبوب آیا ہے۔ مَیں نے پونیوں سے

بھری ٹوکری پھینک دی ہے...... اب میرا چرخہ کاتنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ جب ہیر کے دِل میں چنگاری اُٹھی تھی تب رانجھا تخت ہزارے سے چل کر آیا تھا۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ مولا نے ہی میرا محبوب ملایا ہے۔

من اٹکیا بے پرواناں

من اٹکیا بے پروا ناں ، اُس دِین دُنی دے شاہ ناں
قاضی مُلّاں متّیں دیندے، کھرے سیانے راہ دَسیندے
عِشق کیہہ لگّے راہ ناں
ندیوں پار رَانجھن دَا ٹھانا ، کِیتا قول ضُرُوری جانا
مِنّتاں کراں مَلاّح ناں
کہے حسین فقیر نمانا ، دُنیا چھوڑ آخر مَر جانا
اوڑک کم اللہ ناں

میرا دِل تو بس اُسی بے پرواکے ساتھ لگ گیا ہے۔ اُس دِین ودُنیا کے بادشاہ کے ساتھ مِل گیا ہے ملاں اور قاضی مجھے صلاح دیتے ہیں تو سیانے اور دانش ور مجھے راستہ بتاتے ہیں۔ لیکن عشق کو ان مجوزہ اور متعین راستوں سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔ دریا کے اُس پار میرے محبوب رانجھے کا ڈیرہ ہے۔ اس سے قول واقرار بھی ہے۔ اور جانا بھی ضروری ہے اِس لیے...... ملاح کی منت سماجت بھی کر رہی ہوں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ یہ دنیا چھوڑ کر آخر تو مر جانا ہے۔ اور بالآخر، خدا سے ہی تو واسطہ ہوگا۔

آکھنی مائے آکھنی

آکھنی مائے آکھنی ، میرا حال سائیں نُوں آکھنی !
پریم دے دھاگے انتر لاگے ، سُولاں سِیتی ماس نی
نج جنیندیے بھولیئے مائے ، جَن کر لایو پاپ نی
کہے حسین فقیر نمانا ، جَان دا مولا آپ نی

کہہ دے اے ماں کہہ بھی دے، میرے دِل کا حال میرے مالک کے سامنے کہہ بھی دے۔ عشق کے دھاگے اندر بندھے ہوئے ہیں ہجر کے کانٹوں نے جسم کو چھلنی کر دیا ہے مجھے جنم دینے

والی اے بھولی ماں! تُو نے مجھے پیدا کر کے پاپ ہی تو کمایا ہے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ خدا تمام صورتِ حالات سے اچھی طرح آ گاہ ہے۔

تُسیں مَت کرو گُمان

تُسیں مَت کرو گُمان، جوبَن دَھن، ٹھگ ہے!
ہنساں دے بھُلاوے بھُلّی، جھولی لِتّا بگ ہے
پتّن پتّر، اُپّر موتی، تُو ہی سارا جَگ ہے
نِندیا، دَھروہ، بخیلی، چُغلی کردا پھر دا ٹھگ ہے
کہے حسین سئی جگ آئے، جِنھاں پچھاتا رَبّ ہے

یہ حسن و جوانی، یہ دھن دولت سب ٹھگ ہیں۔ اِن پر تم گمان نہ کرو۔ مَیں ہنس کے دھوکے میں آ گئی اور بگلے کو جھولی میں ڈال لیا۔ کنول کے پھول کی پتی پر شبنم کا قطرہ موتی کی طرح دِکھائی دیتا ہے ایسی ہی یہ ساری دُنیا ہے۔ نیند، ظلم، بخیلی، چغلی ہمیشہ سے ٹھگی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ حسین کہتا ہے، وہی اِس دُنیا میں کامران ہیں، جنھوں نے اپنے خدا کو پہچان لیا ہے۔

سَائیں بے پروا

سَائیں بے پروا، مَینڈی لاج توپَر آئی
چونہہ جنیاں تیری ڈولی چُکّی، ساہُورے پہنچائی
تَند تُٹّی، اَٹیرن بھَنّا، وَل ترکلے پایا
بھَوندیاں جھوندیاں چھلّی کَتّی، کاگ پیائے جایا
رات اندھیری گلئیں چکّر مِلیا یار سپاہی
کہے حسین فقیر نمانا، اِیہہ گل سمجھ دی آہی

اے میرے مالک! تُو بے نیاز ہے۔ اب میری لاج تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔ چار آدمیوں نے تمھاری ڈولی اُٹھائی اور سسرال پہنچا دی۔ دھاگا بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اٹیرن بھی نہیں، تکلے میں بھی جھول پڑا ہوا ہے۔ اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے ایک چھلّی کاتی تھی کہ وہ کوا اُٹھا کر لے گیا۔ اندھیری رات ہے، راستے بھی کیچڑ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اوپر سے محبوب بھی "سپاہی" مِلا ہے (جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں) یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، یہ بات ذرا سمجھنے والی ہے۔

تسیں رَل مِل دیو مُبارکھاں

تُسیں رَل مِل دیو مُبارکھاں، میرا سوہنا ہُن گھر آیا اِی
جس سجّن نُوں ڈھونڈدی وَتّاں، سوئی سجّن میں پایا اِی
وِیہڑا آنگن بھیا سُہانا، ماتھے نُور سُہایا اِی
کہے حسین فقیر نمانا، مُرشد دوست مِلایا اِی

تم سب مِل کر مجھے مبارکباد یں دو، آج میرا پیارا دوست گھر آیا ہے۔ مَیں جس دوست کو ڈُھونڈتی پھرتی تھی اس محبوب کی میرے ہاں آمد ہوئی ہے یہ آنگن اور بھی زیادہ خوب صورت ہو گیا ہے۔ اس کے ماتھے پر نور چمک رہا ہے۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... مرشد نے ہی میرا یار ملایا ہے۔

مَینڈی دلڑی رَانجھن منگے

مَینڈی دلڑی رَانجھن منگے:

جنگل بیلے پھراں ڈُھونڈیندی، رَانجھن میرے سنگے
مجھیں آئیاں ڈھول نہ آیا، ہیر کُوکے وِچ جھنگے
راتیں ڈینہیں پھراں وِچ جھل دے، پُرن بُولاں گنڈے
کہے حسین فقیر نمانا، رَانجھن مِل کِت ڈَھنگے

میرا دِل رانجھے کے پیار میں مِٹ جانا چاہتا ہے۔ مَیں اُسے جنگلوں اور ویرانوں میں ڈُھونڈتی پھرتی ہوں لیکن میرا رانجھن تو میرے ساتھ ہے۔ بھینسیں تو بیلے سے آ گئی ہیں لیکن میرا محبوب نہیں آیا۔ ہیر جنگل میں دُہائی دیتی پھرتی ہے۔ مَیں رات دِن دریا کنارے درختوں کے درمیان پھرتی ہوں۔ ببول کے کانٹوں نے میرے پانو زخمی کر دیے ہیں یہ عاجز فقیر شاہ حسین تو کہتا ہے کہ، اب میرا محبوب رانجھا کِسی صورت مجھے مِل جانا چاہیے۔

اَنی سیّونی

اَنی سیّونی! مَیں کتدی کتدی ہُٹّی:

اَتن دے وچ گوہڑے رُلدے، ہتھ وِچ رَہ گئی جُٹّی
سَارے وَرھے وِچ چھلّی اِک کتّی، کاگ مریندا جھٹّی

سیجے آواں کتن نہ بھاواں، کائی وَگ گئی قلم اپٹھی
بھلا بھیا میرا چرخا بھنّا ، میری جند عذابوں چھُٹی
کہے حسین فقیر سائیں دا ، سبھ دُنیا جاندی ڈُھٹی

نی سکھیو! مَیں تو چرخہ کات کات کر تھک چُکی ہوں۔ ترنجن میں رُوئی کے گالے بکھرے پڑے ہیں اور ہاتھ میں دھاگے کی ایک ''دُجّی'' رہ گئی ہے۔ تمام سال میں صرف ایک چھلّی کاتی ہے اُس پر بھی کوا جھپٹے مار رہا ہے۔ سیج پر تو پانو پسار کر بیٹھ جاتی ہوں لیکن کاتنا پسند نہیں کرتی یہ کیسی تقدیر کی اُلٹی قلم چلی ہے اچھا ہوا کہ میرا چرخہ ہی ٹوٹ گیا۔ اور میری جان اِس عذاب سے چھوٹ گئی۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ ساری دُنیا ہی غرق ہوتی جا رہی ہے۔

محبوبا، فقیراں دا سائیں نگہوان

محبوبا، فقیراں دا سائیں نگہوان

ظاہر باطِن اِک کر جانن ، سبھ مُشکل آسان
شادی غمی نہ دِل سے مانن ، سدا رہن مستان
کہے حسین تھر سچا سائیں ، فانی کُل جہان

مجذوبوں اور فقیروں کا اللہ نگہبان ہے۔ ظاہر و باطن کو ایک ہی جانتے ہیں تو سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ان کے دِل میں غم و خوشی سے کوئی راحت نہیں ہوتی وہ تو ہمیشہ عشق میں مست رہتے ہیں۔ حسین کہتا ہے، وہی تو سچا ہے باقی سب جہان فنا ہونے والا ہے۔

پاندھیاوو

پاندھیاوو! گنڈھ سُنجڑی چھڈ کے نہ سوں:

پنڈ سبھو اِی چوری بھریا ، چھٹے چیر نہ چُنّی
دِھر جھگڑیندیاں لازم تھیسیں ، پھر کر سمجھ اِتھُنّی
سمھنیں چھپریں پانی وَیہندا ، اَج کل بھجے گُنّی
کہے حسین فقیر سائیں دا ، تیری وَیہندی عمر وِہُنی

اے مسافر! اپنا رختِ سفر، یوں تنہا چھوڑ کر، نہ سونا۔ یہ سارا گانو چوروں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ نہ کوئی پگڑی چھوڑتے ہیں نہ دوپٹہ۔ ہر وقت جھگڑا کرنے سے بالآخر تجھے شرمندگی ہوگی۔ ذرا سمجھ

سے کام لے۔ ہر جگہ پانی بہہ رہا ہے کہیں بھی تمھاری چولی کا کونہ بھیگ سکتا ہے۔ یہ اپنے مالک کا فقیر حسین کہتا ہے کہ تمھاری عمر تو بیتی جا رہی ہے۔

کیا کیتو ایتھے آئے کے

کیا کیتو ایتھے آئے کے، کیا کہسیں اوتھے جائے کے!
نہ تَیں ٹُمبن ٹُمبیا ، نہ تَیں پنجن پنجیا
نہ لِیتو اِی سُوت کتائے کے
نہ تَیں چَرخا پھیریا ، نہ تَیں سُوت اٹیریا
نہ لِیتو اِی تان تنائے کے
نہ تَیں ویل وِنجایا ، نہ تیں پچھی پایا !
نہ لِیتو اِی داج رنگائے کے
شاہ حسین مَیں داج وِہونی آں، باجھ عملاں گلاں کوڑیاں
نہ لِیتو اِی شَوہ رِجھائے کے

تم نے یہاں آ کر کیا کِیا ہے، اور وہاں جا کر کیا جواب دو گی؟ نہ تو تم نے کپاس کو دُھنا اور نہ ہی رُوئی کو پنجوایا۔ اور نہ ہی تم نے سُوت کتوا کر رکھا ہے۔ نہ ہی تم نے چرخہ چلایا۔ اور نہ ہی سوت کو سیدھا کر کے رکھا۔ اور نہ ہی...... تانا، تنا کر رکھا۔ نہ تو تم نے کپاس بیلی، اور نہ ہی رُوئی پنجوائی۔ اور نہ ہی سوت بنا کر اسے ٹوکری میں رکھا۔ نہ ہی اس میں سے جہیز کے لیے کچھ رنگوا کر رکھا۔ شاہ حسین مَیں، جہیز سے محروم ہوں، اعمال کے بغیر سب باتیں غلط ہیں...... اور پھر یہ کہ تم نے محبوب کو رِجھا کر بھی نہیں رکھا۔

پایانی، مَیں پایانی

پایا نی ، مَیں پایا نی ، مَیں اپنا پیا پایا
کُرسی، عرش، پَون پون تے پانی سَبھ میں آپ سمایا
کُلُّ شَی محیط کہایا کُنتُ کَنزاً آکھ سُنایا
کہے حسین اِیہہ مرہم اَسانوں شاہ جَلال بتایا

نی سکھیو! مَیں نے پالیا ہے، مَیں نے اپنا محبوب پالیا ہے۔ عرشِ عظیم، لوح و کرسی، پانی اور

ہوا میں وہ خود ہی سمایا ہوا ہے۔ کُلِّ شَیْءٍ مُحِیْط (ہر چیز اُسی کے احاطے میں) کہا یا پھر اُسی نے ''مَیں تو چھپا ہوا خزانہ تھا'' کہا۔ حسین کہتا ہے کہ یہ منتر ہم کو شاہ جلال نے بتایا ہے۔

اَنی حُسَینو جُلاہا

اَنی حُسَینو جُلاہا، نہ اِس مُول نہ لاہا
نہ اوہ منگیا نہ پرنایا
نہ اوس گنڈھ نہ سَاہا
نہ گھر باری ، نہ اوہ مُسافر
نہ اوہ مومن ، نہ اوہ کافر
جو آہا سو آہا

نی سکھیو، شاہ حسین تو ایک جولاہا ہے۔ نہ اُس نے کوئی سرمایہ کاری کی اور نہ ہی منافع حاصل کیا۔ نہ تو اُس کی کسی سے منگنی ہوئی اور نہ ہی اُس کی شادی ہوئی۔ نہ ہی اُس کے شادی کے لیے دِن مقرر ہوئے اور نہ ہی کوئی خوشی ملی۔ نہ تو اُس کا گھر بار ہے اور نہ ہی وہ مسافر ہے۔ نہ تو وہ مومن ہے اور نہ ہی کافر۔ وہ جو ہے بس وہی ہے۔

نال سجّن دے رَہیے

رہیے وو نال سجّن دے رَہیے
جھِڑکاں جھنباں تے تقصیراں، سوبھی سِر تے سَہیئے
توڑ سِر وِنجے دَھڑ نالوں ، تاں بھی آہ نہ کہیئے
چنّدن رُکھ لگّا وِچ ویہڑے ، روز دَھگانے کھہیئے
کہے حسین فقیر سائیں دا ، رَبّ دا دِتّا سَہیئے

ہمیشہ محبوب کے ساتھ رہنا چاہیے۔ جھڑکیاں، ڈانٹ ڈپٹ اور غلطیاں کوتاہیاں سب اپنے سر پر برداشت کرنی چاہییں۔ اگر وہ سر بھی جسم سے علیحدہ کر لیں تو پھر بھی اُف نہیں کرنی چاہیے۔ آنگن میں صندل کا پودا لگایا ہے اس کے ساتھ خواہ مخواہ لگ کر گذرنا چاہیے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو بھی اچھا بُرا وقت آئے اُسے ہنس کر برداشت کرنا چاہیے۔

بندے آپ نوں پہچان

بندے آپ نوں پچھان

جے تیں اپنا آپ پچھاتا ،سائیں ملن اَسان
سوئنے کوٹ روپیری چھجے ، ہَر دن جان مَسان
اِیتھے رَہن کسے دا ناہیں ، کاہے کو تانے تان
کہے حسین فقیر رَبانا ، فانی سمجھ جہان

اے بندے! اپنے آپ کو پہچان۔ اگر اے انسان تم نے خود کو پہچان لیا تو تمھارا اپنے صاحب سے مِلنا آسان ہو جائے گا۔ سونے کے محل پر سنہری جھروکوں کو خدا کے بغیر قبرستان سمجھ۔ یہاں تو کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا کیوں اِتنے بڑے بڑے محل بناتا ہے۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ...... اِس دُنیا کو فانی سمجھ...... اے انسان۔

ڈاڈھا بے پروا

ڈاڈھا بے پروا، میںنڈی لاج تَیں پر آہی

ہتھیں مَندی پیریں مندی ، کھارے چا بہائی
سَس ننانان دِیندیاں طعنے ، دَاج وہُونی آئی
سُتے مُتے دائم رُنے ، چَرخے جیو کھپایا !
لی بی پچھی دائم ہچّی ، گت تُمب جس وِچ پایا
کھوندیاں جھوندیاں چھلّی گتی کاگ پیائے جایا
رات اَندھیری کلیکیں چکّر مِلیا یار سپاہی
کہے حسین فقیر نمانا ، اِیہہ گل سمجھدی آہی

اے بے نیاز! میری لاج اب تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔ مجھے ہاتھوں اور پیروں کو منہدی لگا کر غُسل کے لیے بٹھا دیا گیا ساس اور نندیں طعنے دیتی ہیں کہ بغیر جہیز والی آ گئی ہے۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہا کہ تم نے چرخے کے ساتھ دِل نہیں لگایا۔ میری ٹوکری بہت اچھی ہے جس میں مَیں کات بنا کر سوت رکھتی رہی ہوں۔ مَیں نے گھومتے گھامتے جو پونی کات کر رکھی تھی وہ کوا جھپٹ کر لے گیا۔ اندھیری رات ہے راستے بھی کیچڑ زدہ ہیں، اور محبوب بھی بہت سخت ہے۔ اپنے مالک کے فقیر شاہ حسین کو تو بس یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

جیتی دُنیا رام جی

جیتی دُنیا رام جی، تیرے کولوں منگدی:

گونڈا دئیں، سوٹا دئیں، کوٹھی دئیں بھنگ دِی
صَافی دئیں، مَرچاں دئیں، بے مِتی دئیں رَنگ دِی
پوست دئیں، باٹی دئیں، چاٹی دئیں، کھَنڈ دِی
گیان دئیں، دھیان دئیں، مَہما سَادُھو سَنگ دِی
شاہ حسین فقیر سائیں دا، اِیہہ دُعا مَلنگ دِی

اے رام! جتنی بھی یہ دُنیا ہے، سب تجھ سے مانگتی ہے۔ مٹی کا برتن (کونڈا) دے ڈنڈا دے۔ (بھنگ گھوٹنے والا) اور بھنگ کا بھرا ہوا کوٹھڑا دے۔ صافی (بھنگ صاف کرنے والا کپڑا) دے، کالی مرچیں دے۔ اور بے حساب رنگ بھی دے (مستی)۔ پوست دے، باٹی دے، چاٹی (گھڑا) دے (جس میں کھانڈ بھری ہو)۔ معرفت دینا، عرفان دینا، اور ایک سادھو کی سنگت بھی دینا۔ اپنے مالک کا فقیر شاہ حسین تو بس یہی دُعا مانگتا ہے۔

دِن لتھڑا ہَرٹ نہ گیڑنی

دِن لتھڑا ہَرٹ نہ گیڑنی

اِک بھَر آئیاں اِک بھَر چلّیاں، اِکناں لائی ڈیرنی!
تجھے بگانی کیا پڑی، تُو اپنی آپ نبیڑ نی
کہے حسین فقیر سائیں دا، ایتھے کدی نہ آون پھیر نی

دِن بیت چُکا ہے اب راہٹ (کنواں) چلانے سے کیا فائدہ؟ کچھ تو پانی بھر کر آ گئی ہیں، کچھ جا چُکی ہیں، کچھ نے یونہی دیر لگا دی تھی۔ تجھے کسی کی کیوں فکر ہے، تو خود اپنے بارے سوچ۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، یہاں بھی دوبارہ آنا نہیں ہوگا۔

سَبھ وَل چھاڈ کے تُوں اِک وَل ہوئے

سَبھ وَل چھاڈ کے تُوں اِک وَل ہوئے

وَل وَل دے وِچ کئی وَل پیندے، اِک دِن وَیسیں روئے
اَوکھی گھاٹی، بِکھڑا پَینڈا، ہُن ہی سَمجھ کھلوئے!

چھوڑ تکبّر ، پکڑ حلیمی ، پوی تداہیں سوئے !
کڑکن کپڑ شَوہ دَریاواں ، تھیو مُہانا بیڑی ڈھوئے
کہے حسین فقیر نمانا ، جو ہونی سو ہوئے

تم سارے سہارے چھوڑ کر بس ایک طرف ہو جاؤ۔ ایک اُلجھن سے ہی تو کئی اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں، پھر تمھیں ایک دِن پچھتانا پڑے گا۔ مشکل منزل ہے، راستہ بھی کٹھن ہے، اب تو یہ بات سمجھ لے۔ غرور و تکبر کو چھوڑ کر حلیمی اختیار کر، تجھے تبھی تو منزل ملے گی۔ اب شوہ دریا میں وہ تندی و تیزی نہیں، ملاح بیڑی کو پار لگا سکتا ہے۔ یہ عاجز فقیر، شاہ حسین کہتا ہے کہ، جو بھی خدا کی مرضی ہو وہی ہو کر رہتا ہے۔

روندا مُول نہ سَوندا اِی

روندا مُول نہ سَوندا اِی

جِس تَن دَرد دی آہ ہے سو اِی تَن روندا اِی
کنڈیاری دی اُپّر ، سُکھیا کوئی نہ سَوندا اِی
چارے پلّے سیجے چِکّڑ بوڑے، کیہڑا مَل مَل دھوندا اِی
درد دا دارُو اندر وسدا ، کوئی سنت طبیب بلوندا اِی
کہے حسین فقیر رَبانا ، جو لِکھیا سو اِی ہوندا اِی

روتا ہی رہتا ہے ایک پل بھی آرام نہیں کرتا۔ جس جسم میں کوئی تکلیف ہو وہی جسم تو روتا ہے۔ کانٹوں کی سیج پر کوئی خوشی سے تو نہیں سوتا۔ میری چادر کے چاروں پلّو کیچڑ سے بھرے ہوئے ہیں کون مَل مَل کر اِنھیں دھوتا ہے۔ ان تمام دُکھوں دردوں کا علاج تیرے اندر ہی موجود ہے، کوئی بھی سَنت طبیب بُلا لے رب کا فقیر شاہ حسین کہتا ہے، جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہی کچھ ہوتا ہے۔

وَت نہ دُنیا آوَن

وَت نہ دُنیا آوَن

سَدا نہ پھُلّے توریا ، سَدا نہ لگّے سَاوَن
اِیہہ جوبن چار دیہاڑے ، کاہے جھُوٹھ کماوَن
پیو گھرے دِن چار دیہاڑے اَلبت سوہرے جاوَن

شاہ حسین فقیر سائیں دا ، جنگل جائے سماوَن

پھر پلٹ کر اِس دنیا میں آنا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ سرسوں پر پھول لگتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ ساون کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ تمھاری یہ جوانی تو چار دِن کی ہے اس پر کیوں جھوٹ کے پہاڑ کھڑے کرتی ہو۔ مائیکے میں چار دِن کا بسیرا ہے بالآخر سسرال ہی جانا ہے۔ شاہ حسین تو اپنے مالک کا فقیر ہے...... (بالآخر) جنگل میں جا کر ہی آباد ہونا ہے۔

سُرت کا تانا، نرت کا بانا

سُرت کا تانا، نرت کا بانا، سچ کا کپڑا اُن جِندے نی:

اِک عرض فقیراں دِی سُن جِند نی!
کاہے جھوریں تے جھکھ ماریں ، رام بھجن بن بازی ہاریں
بیجیا ہی ، سو لُن جِند نی!
خان خوانی تے سُلطانی ، کال لُٹیا سبھ چُن جِند نی
شاہ حسین فقیر گدائی ، پچھی پُونی سبھ لُٹائی
شَوہ نُوں ملنی ایں ، ہُن جِند نی !

شعور کا تانا اور شوق کا بانا رکھ کر، اے میری جان سچ کا کپڑا بُن لے۔ اے میری جان! ہم فقیروں کی یہ گزارش مان۔ کاہے کو پشیمان ہوتی اور بے وقوفیاں مارتی ہو...... رام نام کے بغیر تم یہ بازی ہار رہی ہو۔ جو بویا تھا وہی تو کاٹنا ہے، میری جان۔ یہ سرداری، یہ خانی اور سلطانی سب عزرائیل چُن چُن کر اپنے ساتھ لے گیا ہے میری جان۔ شاہ حسین گدائی فقیر نے بھی اپنی ٹوکری اور پونیاں سب لُٹا دی ہیں اب وہ بھی محبوب سے ملنا چاہتا ہے میری جان۔

کیں باغے دِی مُولی

کیں باغ دی مولی حُسینا، کیں باغے دی مولی

باغاں دے وچ چنبا مَروا ، مَیں وِی وِچ گندھولی
کُوڑی دُنیا ، کُوڑا مانا ، دُنیا پھِر دِی پھُولی
چھوڑ تکبّر ، پکڑ حلیمی ، پائے حُسین سمجھولی

شاہ حسین بے چارا، کِس باغ کی مولی ہے۔ باغوں میں چنبیلی اور مروا کے پھول کھلے ہیں

مگر مَیں تو اُن میں نیم کی ایک گندھولی ہوں۔ یہ دُنیا بھی دھوکا ہے اور اس پر فخر بھی ایک فریب ہے مگر بھول میں جکڑی یہ دُنیا پھولی نہیں سماتی غرور و تکبر چھوڑ کر حلیمی اختیار کر، شاہ حسین کا یہی مشورہ ہے۔

عِشق فقیراں دا قائم دَائم

عِشق فقیراں دا قائم دَائم، کھُو نہ تھیوے بیہا!

نی تینوں رَبّ نہ بھُلّی ، دُعاے فقیراں دی اِیہا
ہوراں نال ہسدی کھڈیندی ، شاہاں توں گھونگھٹ کیہا
شوہ نال تُوں مول نہ بولیں ، اِیہہ گمان ہے کیہا
چارے نین گڈاوڈ ہوئے وِچ وچولا کیہا
اُچھل ندیاں تارُو ہوئیاں وِچ برتیا کیہا
آپ کھانی ایں دُدھ ملیدہ ، شاہاں نُوں ٹکّر بیہا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، مَر جانا تے مَانا کیہا

فقیروں کا عشق ہمیشہ قائم رہتا ہے وہ کبھی پرانا (باسی) نہیں ہوتا۔ تجھے خدا کبھی نہ بھولے، ہم فقیروں کی یہی دعا ہے۔ تم اوروں کے ساتھ تو ہنستی کھیلتی ہو مگر شاہوں سے بھلا حجاب کیوں رکھتی ہو؟ محبوب کے ساتھ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ یہ تم کِس گمان میں ہو۔ جب یہ چاروں آنکھیں ایک دوسرے سے مِل چکی ہیں تو پھر کِسی وکیل کی کیا ضرورت ہے۔ طوفانی ندیاں اب تیر کر پار کرنے کے قابل ہو گئی تو پھر اُس میں ریت کا چھوٹا سا جزیرہ کیوں۔ خود تو دُودھ اور بالائی کھاتی ہو لیکن شاہوں کو باسی ٹکڑوں پر ٹالتی ہو۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ جب مر ہی جانا ہے تو اِتنا غرور و تکبر کیسا؟

تیرے شَوہ رَانون دا ویرا

تیرے شَوہ رَانون دا ویرا ، سُتی ہیں تاں جاگ !
مونڈھے تیرے دوئے جنے ، لِکھدے عیب ثواب
اِیہہ وِیلا نہ لَیسیں گُوئیے ، تھِیسیں بہُت خراب
کہے حسین شَوہ لیکھا پچھسی دے سیں کیہ جواب

تیرا محبوب سے ملاپ کا وقت آ گیا ہے تُو اگر سو رہی ہے تو جاگ جا۔ تیرے کاندھوں پر دو

سوار موجود ہیں جو تمام گناہ وثواب کا اندراج کر رہے ہیں۔ اگر تم نے اس وقت کا اِحساس نہ کیا تو پھر تُو بہُت خراب ہوگی۔ حسین فقیر کہتا ہے کہ، جب وہ مالک حساب مانگے گا تو اُسے کیا جواب دے گی۔

دَردوَ چھوڑے دا حال

دَردوَ چھوڑے دا حال، نی مَیں کہنُوں آ کھاں؟
سُولاں مار دِیوانی کیتی ، برہُوں پیا ساڈے خیال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟
دُھکھن دھوئیں شاہاں والے جاں پھولاں تاں لال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟
سُولاں دی روٹی دُکھاں دا لاون ، ہڈّاں دا بالن بال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟
جنگل جنگل پھراں ڈُھونڈیندی، اجے نہ مِلیا مہینوال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟
رَانجھن رَانجھن پھراں ڈُھونڈیندی، رَانجھن میرے نال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟
کہے حسین فقیر سائیں دا ، ویکھ نمانیاں دا حال نی مَیں کینہوں آ کھاں؟

اے سکھی! مَیں اس جدائی کے درد کا حال کِس کو جا کر سُناؤں؟ درد کی ٹیسوں سے دیوانی ہو رہی ہوں۔ جدائی ہمارے ذہن تک پہنچ گئی ہے۔ مَیں کِس سے کہوں۔ شاہوں کے الاؤ جل رہے ہیں۔ جب بھی اُن کو چھیڑتے ہیں وہ اور بھی سرخ ہو جاتے ہیں۔ مَیں کِس سے کہوں۔ درد کی روٹی اور دُکھوں کا سالن تیار کرنے کے لیے، ہڈیوں کو ایندھن بنا کر جلانا پڑتا ہے، مَیں کِس سے کہوں۔ مَیں جنگل جنگل ڈُھونڈتی پھرتی ہوں لیکن مجھے ابھی تک مہینوال نہیں مِلا۔ مَیں کِس سے کہوں۔ مَیں اپنے رانجھے کو اِدھر اُدھر تلاش کرتی پھرتی ہوں لیکن رانجھا تو میرے ساتھ ہے۔ مَیں کِس سے کہوں۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، ہم عاجزوں پر بھی تو کبھی توجُہ مرکوز کر۔ مَیں کِس سے کہوں۔

سجّن دے گل بانہہ اَساڈی

سجّن دے گل بانہہ اَساڈی ، کیوں کر آ کھاں چھڈّ وے اَڑیا
پوسَتیاں دے پوست وانگوں ، عَمل پیا میرے ہڈّ وے اَڑیا
نام رام دے سِمرن باجھوں ، جیوَن دا کیہہ حظ وے اَڑیا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، صاحِب دے لڑ لگّ وے اَڑیا

میری بانہیں تو محبوب کے گلے میں ہیں مَیں اُسے کیسے کہوں کہ چھوڑ دے۔ جیسے پوستیوں کو پوست کا نشہ لگ جاتا ہے، اسی طرح یہ نشہ میری ہڈیوں میں رچ گیا ہے۔ رام کے نام کا ورد کیے بغیر، اِس جینے میں بھلا کیا مزہ ہے؟ اپنے مالک کا فقیر یہ حسین کہتا ہے کہ، صاحب کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے۔

مِتراں دی مجمانی کارَن

مِتراں دی مجمانی کارَن دِل دا لوہُو چھانی دا
کَڈھ کلیجا کیتم بیرے ، سو بھی لائق ناہیں تیرے
ہور توفیق نہیں کُجھ میرے ، اِک کٹورا پانی دا
سیجے سُتّی نیندنہ آوے، ظالم برہوں آن ستاوے
لِکھاں کِتابت بھیجاں ول تیرے ، دِلدا حرف پچھانی دا
راتیں دَرد دِیہیں دَر ماتی ، ہُن نیناں دی لائی کاتی
کدی تے موڑ لئے پا وو جھاتی ، ویکھو ! حال نمانی دا
جیوں بھاوے تیوں کرے پیارا ، اِینہاں لگّیاں پنتھ نیارا
رَاتیں دِیہیں دھیان تُمھارا ، جیوں بھاوے تیوں تاری دا
تیرے کارَن پھراں آزازی ، جنگل ڈُھونڈاں پَیر پیادی
رو رو نین کرن فریادی ، کیہا دوس نمانی دا
دُکھاں سُولاں کِیتا ایکا ، نہ کوئی سَوہرا نہ کوئی پیکا
آس رہی ہُن تیری ایکا ، پَلا پکّڑ اَیانی دا
کہے حسین فقیر گراری ، دَردونداں دی چال نیاری
اِیہا وَیدن مَیں تَن بھاری ، اَگّے سچ پچھانِی دا

دوستوں کی مہمان نوازی کے لیے ہم نے دِل کا لہو پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ہم نے کلیجہ نکال کر اُس کے ٹکڑے کیے لیکن وہ بھی شاید تمھارے لائق نہیں تھے۔ اور تو مجھ میں کوئی توفیق نہیں بس ایک کٹورہ پانی ہی تو تھا۔ مَیں سیج پر سو رہی تھی آنکھوں میں نیند بھی نہیں آ رہی تھی ظالم جدائی تنگ کر رہی تھی۔ یہ ساری رُوداد لکھ کر بھیجوں تو شاید تم اِس دِل کی حالت کا اندازہ کر سکو۔

راتوں کو جدائی کا درد سونے نہیں دیتا۔ دن کو تیری یاد ستاتی ہے۔ تم نے یہ کیسی نینوں کی چھریاں چلائی ہیں کبھی تو اپنا چہرہ اِس طرف موڑ کر ایک نظر دیکھ، اور اِس عاجز مسکین کا حال دیکھ۔ جو محبوب کو پسند ہو وہ وہی کرتا ہے۔ اس محبت کا مذہب ہی انوکھا ہے۔ دن رات صرف تم ہی میرے دھیان میں رہتے ہو۔ جیسے بھی تُو چاہتا ہے اُسی طرح پار لگا دے۔ تمھاری وَجہ سے ہی مَیں تکلیف میں مبتلا ہوں اور ننگے پاؤں تمھیں جنگلوں میں ڈُھونڈ رہی ہوں۔ رو رو کر یہ آنکھیں آہ و فریاد کر رہی ہیں، اِس عاجز مسکین کا کیا قصور ہے۔ دُکھوں اور درد کی ٹیسوں نے اتحاد کر لیا ہے نہ تو کوئی سسرال اور نہ ہی مائیکہ باقی رہا ہے۔ اب تو صرف تمھاری ہی آس ہے۔ مجھ نادان اور معصوم کا دامن تھام لے یہ کراری فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ دردمندوں کے طور طریقے ہی عجیب ہوتے ہیں۔ یہی وہ بیماری ہے جو میرے لیے بہت بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے۔ لیکن اگلے جہان تو صرف سچ کا بول بالا ہوگا۔

رانجھن رانجھن کُوکدی

رانجھن رانجھن کُوکدی ، مَیں آپے رَانجھن ہوئی
رَانجھن مَینوں سَبھ کوئی آکھو ، ہیر نہ آکھو کوئی
جِس شَوہ نُوں مَیں ڈُھونڈ وتاں ، لدھا ہی شوہ سوئی
کہے حسین سَادھاں دِے مِلیاں ، نِکل کھُل گیو اِی

ماہی، ماہی پُکارتی مَیں خود ہی رانجھا ہوگئی ہوں۔ اب مجھے ہر کوئی، رانجھا کہہ کر ہی پکارے، کوئی بھی ہیر نہ کہے۔ جس محبوب کو مَیں تلاش کر رہی ہوں وہی میرا محبوب ہے۔ حسین کہتا ہے کہ، سادُھوؤں کے ملنے سے سب غلط فہمیاں دُور ہوگئی ہیں۔

مَینڈے بجّنا وو

مَینڈے بجّنا وو! مولیٰ ناں بنی:

دُنیا والے نُوں دُنیا دا مانا ، ننگاں نوں ننگ مَنی
نہ اَسیں ننگ نہ دُنیا والے ، ہَسدی جَنی کھَنی !
دُنیا چھوڑ فقیر تھیاسے ، جاگی پریم کَنی !
کہے حسین فقیر سائیں دا ، جانے آپ دَھنی !

اے میرے دوست! کبھی خدا نہ بننا۔ دنیا داروں کو دنیا پر فخر ہوتا ہے اور فقیروں کو اپنی فقیری

پر۔ نہ تو ہم فقیر ہیں اور نہ ہی دُنیا دار، ہم پر ہر کوئی ہنستا ہے۔ دُنیا چھوڑ کر فقیر ہوئے تھے عشق کی چنگاری شعلہ بنی تھی۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ وہ مالک خود سب کچھ جانتا ہے۔

ڈِیہوں لتھّا اِی

ڈِیہوں لتھّا اِی ہَرٹ نہ گیڑنی:

سئیاں نال گھر وَنج سویرے ، گوڑے جھیڑ نہ جھیڑ نی !
اِکناں بھریا اِک بھر گئیاں ، اِکناں نُوں پَئی اَویر نِی !
پچھوں تُوں پچھتاسیں کڑیئے ، پَوسی گھُمن گھیر نِی !
کہے حسین فقیر سائیں دا ، ایتھے وَت نہیں آوَنا پھیر نِی !

دِن ڈھل چکا ہے۔ اب کنواں نہ چلا۔ سکھیوں کے ساتھ جلدی جلدی اپنے گھر چلی جا۔ یونہی خواہ مخواہ کی بحث وتکرار میں نہ اُلجھ۔ کچھ نے پانی بھر لیا ہے، کچھ بھر کر چلی گئی ہیں۔ کچھ کو دیر ہو گئی ہے۔ اے لڑکی! تُو اُس وقت پچھتائے گی جب تم منجدھار میں پھنس گئی۔ اپنے مالک کا فقیر یہ شاہ حسین کہتا ہے کہ یہاں پھر آنا نہیں ہوگا۔

گائی بات چلن دِی کر ووئے

گائی بات چلن دِی کر ووئے ، ایتھے رَہنا ناہیں !
ساڈھے تِرے ہتھ مِلکھ بَندے دی، گور نِمانی گھر ووئے
اُچّے مَندر ، سنہری چھجّے ، وِچ رَکھایا دَر ووئے
جس مایا دا مان کریندا ، سو دُوتاں دا گھر ووئے
جاں آئی آ گیا ، پَربھ بُلایا ، ہو نِمانا تُوں چَل ووئے
آگے صاحِب لیکھا مانگے ، تاں تُوں بھی کُجھ کر ووئے
کہے حسین فقیر رَبانا ، دُنیا چھوڑ ضُرورت جانا !
مَرن توں اَگّے مَر ووئے

اب کوئی یہاں سے جانے کا سامان بھی کر، تجھے یہاں تو بیٹھے نہیں رہنا۔ انسان کی کُل ملکیت ساڑھے تین ہاتھ زمین ہے اور بے چاری قبر اُس کا گھر ہے۔ اُونچے مندر، سنہری جھروکے بنا کر ان میں ایک دروازہ بھی رکھا ہوا ہے جس دولت پر تُو اِتنا غرور کرتا ہے وہ تو دوسروں کے کام

آ ئے گی ۔ جب اس جسم میں جان پڑی تو تُو آ گیا۔ پر بھو نے بلایا تو مسکینوں کی طرح چل پڑا۔ آ گے چل کر مالک حساب کتاب مانگے گا۔اس لیے تُو بھی تو کچھ کر لے۔رب کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، ہر صورت میں یہ دُنیا چھوڑ کر جانا ہے تو، بہتر ہے مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو مار لے۔(مُوْتُوْ قبْلَ اَنْتَ مُوْتُو)

سئیو میرا ماہی تاں آن مِلا وو

سئیو میرا ماہی تاں آن مِلا وو

بابل کولوں دَاج نہ منگدِی ، مال نہ منگدِی ماوَں
اِکّو رَانجھن پَل پَل منگدی ، چھُٹّے ہیر جنجالوں
روندی پکڑ بٹھائی کھارے ، زوری دِتیاں لاواں
خونی کھیڑے دے گل بدّھی ، کُوکاں تے کُرلاواں !
تاریاں گِن دی رات وِہاندی ، سُولاں دوس وِہائے
کرگ ہیر رَانجھن دی سیوا ، سُپنے مِل مِل آوے
رات بھی کالی مہیں بھی کالیاں ، چَریا لوڑن بیلے
کہے حسین فقیر نمانا ، وِچھڑیاں رَبّ میلے

نی سہیلیو! کِسی طرح مجھ سے میرے محبوب کو مِلا دو۔مَیں بابل سے جہیز کی مانگ بھی نہیں کرتی۔ نہ ہی ماں کی والہانہ محبت کی طلبگار ہوں۔مَیں تو پَل پَل بس اُس ایک رانجھن کو ہی مانگتی ہوں۔ تا کہ ہیر تمام جنجالوں سے آزاد ہو جائے۔ مجھ کو روتے ہوئے پکڑ کر زبردستی کھارے (غسل) کے لیے بٹھا دیا گیا اور پھر زبردستی پھیرے بھی دیے گئے مجھے زبرستی خونی کھیڑے کے گلے میں باندھ دیا گیا اور اب رو رو کر فریاد کناں ہوں۔ اب تارے گِن گِن کر رات گزارتی ہوں۔ دِن بھی کانٹوں پر گذرتا ہے۔اگر رانجھا خواب میں بھی ملنے آ جائے تو اُس کی خوب خدمت کروں گی۔ راتیں بھی کالی ہیں،اور بھینسیں بھی کالی ہیں جو بیلے میں چرنا چاہتی ہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، بچھڑے ہوؤں کو خدا ضرور ملائے گا۔

سجّناں بولن دِی جَا نا ہیں

سجّناں بولن دِی جَا نا ہیں

اَندر باہر اِکّا سائیں، کِس نوں آکھ سنائیں!
اِکّو دِلبر سبھ گھٹ رویا، دُوجا نہیں کُدائیں
کہے حسین فقیر نمانا، ست گر توں بل جائیں

یہ بولنے (بھید کھولنے) کا مقام نہیں اے دوست۔ اندر اور باہر میں وہ ایک ہی مالک ہے۔ کس کو یہ راز بتاؤں۔ ایک ہی دِلبر تو ہر جسم میں سمایا ہوا ہے کہیں کوئی دوسرا نہیں۔ یہ عاجز فقیر حسین کہتا ہے کہ، ''ست گر'' (اُس خدا پر) اپنی جان قربان کردو۔

کوئی دَم جیوندیاں رُشنائی

کوئی دَم جیوندیاں رُشنائی، مویاں دِی خبر نہ کائی
چوںہہ جنیاں رَل ڈولی چائی، ساہورڑے پہنچائی
سس ننانان دیون طعنے، دَاج وہوُنی آئی
قبر نمانی وَگن کیہیاں، بنھ چلایا ڈاڈھے دیاں وَہیاں
رَہیاں ہول ہوائی
کہے حسین فقیر نمانا، دُنیا چھوڑ ضرُوری جانا
رَبّ ڈاڈھے قلم وَگائی

جب تک یہ سانس چل رہی ہے، روشنی بھی ہے۔ مرجانے والوں کی کوئی خبر نہیں آتی۔ چار جوانوں نے مِل کر ڈولی کو اُٹھایا اور سسرال پہنچا دیا۔ ساس اور نندیں طعنے دینے لگیں کہ بغیر جہیز ہی آ گئی ہے۔ بے چاری قبر میں کیا گذرتی ہے، وہاں تو صرف اُس زبردست کا حساب کتاب ہی چلتا ہے۔ تب چہرے پر ہوائیاں ہی اُڑتی ہیں۔ یہ عاجز فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، اِس دُنیا کو بہ ہر صورت چھوڑ کر جانا ہے۔ اُس خدائے بزرگ و برتر کا حکم ہے۔

تُسیں ہئی نہ بھلّو کاۓ

تُسیں ہئی نہ بھلّو کاۓ، جے مَیں بھلّی آں
پریم پیالہ ست گر والا، ہیوت اِی مَیں جھلّی آں
لوک لاج کُل کی مریادہ، بال بجن وَل چلّی آں
کہے حسین فقیر سائیں دا، نام تیرے مَیں ہلّی آں

میرے محبوب! اگر مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے تو آپ مجھے نہ بھول جانا۔ ''ست گر'' کے عشق کا پیالہ پیتے ہی مَیں تو مست و بےخود ہوگئی تھی۔ دُنیاوی عزت اور خاندانی وقار سب دُور پھینک کر محبوب کی طرف چلی آئی تھی۔ اپنے مالک کا یہ فقیر شاہ حسین کہتا ہے کہ، مَیں تو اُس کے نام پر ہی قربان ہوں۔

۔☆۔

سلطان باھُو

پنجابی زبان کے تیسرے کلاسیک صوفی شاعر حضرت سلطان باھُو المعروف سلطان العارفین ضلع جھنگ تحصیل شورکوٹ کے ایک مضافاتی گانو "قہرگان" میں 1039 ہجری بمطابق 1631 عیسوی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام بازید محمد تھا جو مغلیہ خاندان کے پانچویں بادشاہ شاہجہان کی فوج میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ ایک روایت کے مُطابق شاہجہان کے خلاف ہونے والی بغاوت کو کچلنے کے صلہ میں اُنھیں "قہرگان" کا گانو جاگیر کے طور پر ملا تھا بادشاہ کے درباری اور منصب دار ہونے کے باوجود اُن کی طبیعت اور مزاج میں درویشی اور فقیری غالب تھی۔ اسلم لودھی نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

> شاہ جہاں کے لیے بہادری کے بہت سے کارنامے انجام دینے والا نوجوان بازید محمد عشقِ حقیقی میں اِتنا ڈُوب چُکا تھا کہ اُس نے شاہی دربار میں یہ عریضہ بھیجا کہ مَیں نے اپنی آیندہ زندگی صرف اور صرف خدا کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ چناں چہ مَیں اب کسی ذمہ داری اور خدمت کو سرانجام دینے سے قاصر ہوں۔ چاروناچار اس کی یہ درخواست منظور کر لی گئی مگر ہند کے حاکم شاہجہان کے اصرار پر اپنی معاشی کفالت کے لیے اسے شورکوٹ کے نزدیک ایک جاگیر قبول کرنا ہی پڑی جو بازید محمد نے وہاں کی ایک خانقاہ اور مدرسے کے اخراجات کے لیے وقف کر دی۔ گھر والوں کو جب بازید کی طویل گمنامی کے بعد اتا پتا معلوم ہوا تو وہ اُسے واپس لانے کے خواہشمند ہوئے مگر بازید کی زوجہ بی بی راستی جو ایک پرہیزگار اور دنیاوی آلایشوں سے پاک خاتون تھیں۔ ان پر واضح کِیا کہ اب وہ واپس کبھی نہ آئیں گے۔

ہم خدا کی رضا سے اِس فانی دنیا کو ترک کر چکے ہیں۔ میرے پاس اللہ کی ایک مقدس امانت پرورش پا رہی ہے جو مادرزاد ولی ہوگا اور جس کا ظہور چناب کے علاقہ میں ہوگا۔ سوتم انھیں واپس لانے کا خیال ترک کردو بلکہ مجھے بھی اُن کے پاس پہنچا دو۔ چناں چہ جلد ہی بی بی راستی بھی اپنے شوہر بازید محمد کے پاس شورکوٹ پہنچ گئیں اور شورکوٹ کی فضا اللہ ہو! اللہ ہو کے ورد سے جھومنے لگی۔ دونوں میاں بیوی دن رات اللہ ہو کا ورد کرتے۔ پھر ایک دن اُن کے اللہ ہُو! کے ورد میں ایک نوزائیدہ بچے کی معصوم کلکاریوں کی گونج بھی ہم آہنگ ہوگئی۔

سلطان باہُو کا اصلی نام باہُو اور سلطان تھا اور یہ نام اُن کی والدہ راستی بی بی کا تجویز کردہ تھا جو اللہ کے صفاتی نام ''وہاب'' کی مقلوبی صورت ہے کہ...... وہاب کے حروف کو اُلٹ کر پڑھا جائے تو ''باہُو'' بنتا ہے سلطان باہُو کے والد اُن کے زمانہءِ کمسنی میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ اس لیے سلطان باہُو کی تعلیم وتربیت اُن کی والدہ نے کچھ اِس طرح کی کہ اُنھیں کسی مکتب مدرسہ یا درسگاہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے علوم کے حصول کے لیے کوچہ گردی اور صحرانوردی کا سلسلہ اختیار کیے رکھا۔ آپ تجسُّس کی مسافت کے راستوں کو طے کرتے مختلف درویشوں اور فقیروں سے ملے، لیکن کوئی بھی آپ کی کسوٹی پر پورا نہ اُترا۔ علم کے سفر میں آپ نے لاتعداد فقرا سے بغداد کے شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ سنا تو اُن سے ملاقات کی خواہش دِل میں مچلی۔ سو اِس شوق کی تکمیل کی خاطر آپ نے ہندوستان سے عراق تک کا طویل سفر طے کرنے کے لیے رختِ سفر باندھا اور بغداد جا پہنچے۔

شیخ حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان باہُو کو اپنے شیخ عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جانے کی ہدایت کی جو دِلی میں فروکش تھے۔ سلطان باہُو نے اُسی وقت رختِ سفر باندھا۔ بغداد کو خدا حافظ کہا اور ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ ابھی دِلی سے دُور ہی تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور آگے بڑھ کر سلطان باہُو کے پانو عزت سے چھونے کے بعد احتراماً اُن سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر خانقاہ کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا، ''حضرت! ادھر چلنا ہے''۔

یہ شیخ عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کا بھیجا ہوا خادم تھا جنھوں نے مراقبہ میں سلطان باہُو کو

اپنی طرف آتا ہوا دیکھ لیا تھا چناں چہ اُنھوں نے ایک خادم کو آپ کی راہنمائی کے لیے روانہ کر دیا۔ جیسے ہی خادم کی معیت میں سلطان باہُو شیخ عبدالرحمٰن کے رُوبُرو پہنچے تو شیخ بِنا کچھ کہے اُنھیں تخلیے میں لے گئے اور ایک بھرپور نِگاہ مرکوز کی۔ اُن کی نِگاہ میں ایک عجیب سی تاثیر تھی اور اُس وقت سلطان کو وہ سب کچھ حاصل ہو گیا جس کی چاہ میں وہ برسوں سے خاک چھانتے پھر رہے تھے جس نعمت کے لیے وہ دردر سرگرداں تھے۔ وہ سب کچھ ایک لمحے میں اُن پر منکشف ہو گیا۔ اَسرار و رموز کا سمندر اُن کی آنکھوں میں اُتر گیا۔ شیخ کی اس ایک نِگاہ نے سلطان باہُو کو غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک بنا دیا۔

ایک طویل عرصہ کے بعد شیخ سلطان باہُو رحمتہ اللہ علیہ واپس لوٹے اور تبلیغ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خانقاہ درویشوں سے بھری رہتی۔ لنگر خانے کا انتظام بی بی راستی نے سنبھال لیا۔ راہوں سے بھٹکے بدنصیب افراد آتے اور آنکھوں میں مشعلیں روشن کر کے خانقاہ سے لوٹتے۔ سلطان باہُو نے آبائی جاگیر سے ایک تنکا تک کبھی نہ لیا۔ ضروریاتِ زندگی کی خاطر بیلوں کی جوڑی خرید کر کاشتکاری شروع کر دی مگر فصل کاٹنے سے پہلے ہی اُسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیا۔ رُوکھی سوکھی کھا کر اور موٹا لباس پہن کر گزارا کرتے۔

ایک روایت کے مُطابق اُنھوں نے چار شادیاں کیں جن سے آٹھ بیٹے ہوئے جب کہ دُوسری روایت میں دو بیٹیاں اور چار بیٹے درج ہیں اِس طرح اُن کے بھرپور دنیاوی زندگی گزارنے کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ لیکن ایک اور روایت یوں بھی ہے کہ جب سلطان باہُو فقر و درویشی کی راہ چلے تو اُنھوں نے والدہ محترمہ کی اجازت سے اپنی بیویوں سے کچھ اِس طرح علیحدگی اختیار کی کہ اُنھیں طلاق بھی نہیں دی اور وہ اُن کے حق میں رہیں۔

آپ کا وصال 1697 عیسوی میں ہوا اور آپ کو قہرگان میں ہی دفن کِیا گیا اور بعد میں جب دریائے چناب نے رُخ تبدیل کِیا تو اُن کے جسدِ خاکی کو قہرگان سے نکال کر گڑھ مہاراجہ میں موجودہ مقام پر دفن کِیا گیا جو تھانہ گڑھ مہاراجہ سے چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اب اس مقام کو موضع سلطان باہُو کے نام سے ہی جانا جاتا ہے۔ اُن کا مزار مرجعِ خلائق اور روحانیت کا بہُت بڑا مرکز ہے عقیدت مند اُن کی وصیت کے مُطابق پہلے شورکوٹ پہنچ کر اُن کے والدین کے مقابر پر حاضری دیتے ہیں اور پھر دریائے چناب پار کر کے گڑھ مہاراجہ اُن کے مزار مبارک پر سلام کے

لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اُن کا مزار ایک عالیشان محل کی صورت میں اعلیٰ کانسی گری کے فن کا شاندار نمونہ ہے۔

سلطان باہُو نے کسی قسم کا کتابی علم حاصل نہیں کیا تھا لیکن اُن کے سینے میں روحانی علم کا ایک سمندر موجزن تھا۔ فقر، تصوّف، معرفت پر آپ کے ملفوظات کا ذخیرہ ایک بیش قیمت خزانہ ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت جیسے مشکل اور نازک موضوعات پر لاتعداد تصانیف اُن سے منسوب ہیں!

حضرت سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ کی قریباً 32 کُتب فارسی میں ملتی ہیں۔

1۔	رسالہ روحی شریف	2۔	دیوانِ باہُو
3۔	شیخ برھنہ	4۔	کلید التواریخ خورد
5۔	گنج الاسرار	6۔	فضل اللقاء
7۔	مجالسۃ النبی ﷺ	8۔	کشف الاسرار
9۔	اورنگ شاہی	10۔	کلید جنت
11۔	اسرار القادری	12۔	توفیق الہدایت
13۔	محبت الاسرار	14۔	دیدار بخش خورد
15۔	دیدار بخش کلاں	16۔	عین العارفین
17۔	عین الفقر	18۔	عرب دیار
19۔	محکم الفقراء	20۔	مفتاح العارفین
21۔	عقل بیدار	22۔	نور الہدیٰ خورد
23۔	نور الہدیٰ کلاں	24۔	محکم الفقر خورد

سلطان باہُو ...... نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن وہ عربی اور فارسی کے بلند پایہ عالم تھے اور اُنھیں نظم و نثر دونوں پر عبور حاصل تھا بعض روایات میں اُن کی کتابوں اور رسائل کی تعداد ایک سو سے زائد بتائی جاتی ہے لیکن اِس بات میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ اُنھیں جو مقبولیت اور پذیرائی ''ابیات'' کے ذریعے حاصل ہوئی وہ اعلیٰ ترین دیگر کُتب و رسائل سے بھی نہیں ہوئی کیوں کہ یہ ابیات اُنھوں نے عوام کی زبان میں لکھے ہیں یہ ابیات ''سی حرفی'' کے انداز میں دو سو کے قریب

ہیں جن میں سے کچھ منتخب کر کے شامل کیے گئے ہیں۔

سلطان باہُو کو ''سی حرفی'' کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔سی حرفی حروفِ تہجی کے اعتبار سے پہلے حرف کے ساتھ شروع ہوتی ہے جب کہ سلطان باہُو نے 'ہُو' کو ہر مصرع میں ردیف کے طور پر استعمال کِیا ہے یہی ردیف اُن کے کلام کی سب سے بڑی پہچان بھی ہے۔'ہُو' اللہ کا صفاتی نام ہے اور اِس کا مطلب بھی ''اللہ ہی سب کا خالق' ہے......ہُو کی ردیف سلطان باہُو کے ''نظریہ فن'' ہی نہیں مقصدِ حیات کی بھی نشاندہی کرتی ہے تو دُوسری طرف اُن کے ''وجودی نظریہ'' کی بھی عکاس ہے۔

-☆-

منتخب کلام (سلطان باہُو)

الف اللہ چنبے دی بُوٹی ، مرشد من وچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیوس ہر رگے ہر جائی ہُو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلن تے آئی ہُو
جیوے مرشد کامل باہُو جیں ایہ بوٹی لائی ہُو

اللہ نام کا چنبیلی کا پودا مرشد نے میرے دِل میں لگایا اور نفی اثبات کا پانی اس کی رگ وپے کو دیا جب اس پودے پر پھول آئے تو ان کی خوشبو سے میرا سارا باطن مہک اُٹھا......اے باہُو ! میرا مرشد کامل ہمیشہ سلامت رہے جس نے یہ پودا لگایا تھا۔

الف احد جددتی دکھالی از خود ہویا فانی ہُو
قرب وصال مقام نہ منزل اوتھے جسم نہ جانی ہُو
نہ اوتھے عشق محبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ہُو
عینوں عین تھیوسے باہُو ، سر وحدت سبحانی ہُو

جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ظہور ہوا تو باقی ہر شے خود بخود فنا ہو گئی۔ نہ تو قرب اور نہ ہی وصال کا کوئی مقام رہا اور نہ ہی جسم وجاں کی کوئی منزل، نہ ہی وہاں کہیں عشق ومحبت رہے اور نہ ہی کون ومکاں۔ ہر طرف عین ذات ہی کا جلوہ تھا۔ وحدتِ سبحانی کے ہی سب راز تھے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُم سُنیا دِل میرے نِت قَالُوا بلٰی کوکیندی ہُو
حُب وطن دی غالب ہوئی ہک پل سون نہ دیندی ہُو

قہر پوے تینوں رہزن دنیا توں تاں حق دا راہ مریندی ہُو
عاشقاں مول قبول نہ کیتی باہُو توڑے کر کر زاریاں روندی ہُو

جب سے میرے دِل نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز سُنی ہے۔ میری روح قَالُوْا بَلٰی ہی کہتی رہتی ہے۔ اپنے وطن کی محبت غالب رہتی ہے اور ایک پل بھی چین سے سونے نہیں دیتی۔ اے راہزن دُنیا تم پر خدا کا قہر نازل ہو تم سچائی کے راستے پر گھات لگائے بیٹھی رہتی ہو...... تمھیں سچے عاشقوں نے کبھی قبول نہیں کیا حال آں کہ باہُو یہ ہنستی روتی کئی طرح کے مکروفریب کرتی رہتی ہے۔

ایہہ دُنیا زن حیض پلیتی کتنی مَل مَل دھوون ہُو
دُنیا کارن عالم فاضل گوشے بہہ بہہ روون ہُو
جیندے گھر وِچ بوہتی دُنیا اوکھے گھوکر سوون ہُو
جنہاں ترک دُنیا تھیں کیتی باہُو واہندی نکل کھلوون ہُو

یہ دُنیا عورت کے خونِ حیض جیسی ہے۔ کتنا بھی مَل مَل دھوئیں اس کی پلیدی نہیں جاتی۔ اِس دُنیا کی وَجہ سے ہی عالم فاضل لوگ بھی گوشہء تنہائی میں روتے ہیں۔ جن گھروں میں جتنی دُنیا زیادہ ہوتی ہے وہ اُتنا ہی پُرسکون نیند سے محروم ہوتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اے باہُو! ترکِ دُنیا اختیار کر لی وہ تمام حدود سے باہر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

ایہو نفس اساڈا بیلی جو نال اساڈے سِدھا ہُو
زاہد عالم آن نوائے جتھے ٹکڑا ڈِٹھا تھدّھا ہُو
جو کوئی اس دی کرے سواری اس نام اللہ دا لدھا ہُو
راہ فقر دا مشکل باہُو، گھر ماں نہ سیرا رِدھا ہُو

اگر تو یہ نفس ہمارے ساتھ معاون ہو تو یہ ہمارا سب سے اچھا دوست ہے۔ مگر یہی نفس عالم فاضل لوگوں کو ایک لقمہء تر کے سامنے جھکنے پر بھی مجبور کر دیتا ہے۔ لیکن جو کوئی بھی اللہ کا نام لے کر اس ''مُنہ زور'' پر سواری کرتا ہے وہی مقامِ فقر تک پہنچتا ہے۔ ورنہ، اے باہُو! فقر کا راستہ بہت کٹھن ہے۔ یہ کوئی ماں کا گھر نہیں جہاں میٹھا حلوا ملتا ہو۔

اندر ہُو تے باہر ہُو، ایہہ دم ہُو دے نال جلیندا ہُو
ہُو دا داغ محبت والا ہر دم پیا سڑیندا ہُو

جتھے ہُو کرے رُشنائی ، چھوڑ اندھیرا دیندا ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جیہڑا ہُو نوں صحیح کریندا ہُو

اندر بھی وہ (اللہ) ہے اور باہر بھی وہی ہے۔ یہ سانس بھی خدا کے نام سے ہی چلتی ہے۔ اللہ کی محبت کا داغ ہر پَل جلتا رہتا ہے اور جہاں ہُو روشنی کرتا ہے وہاں سے اندھیرا بھاگ جاتا ہے۔اے باہُو !مَیں اُس پر قربان جاؤں،جن کو ہُو کا صحیح عرفان حاصل ہوگیا۔

اڈھی لعنت دُنیا تائیں تے ساری دُنیاداراں ہُو
جِنّیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ہُو
پیوواں کولوں پُتر کُہاوے ، بھٹھ دُنیا مکّاراں ہُو
جنہاں ترک دُنیا دی کیتی باہُو ، لیسن باغ بہاراں ہُو

اِس دُنیا پر آدھی اور اِس کے چاہنے والوں پر پوری لعنت ہے۔جنھیں دُنیاوی دولت نصیب ہوئی مگر اُنھوں نے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کِیا اُن کے لیے شدید سزائیں ہیں...... یہ دُنیا تو باپ سے بیٹوں کو قتل کروادیتی ہے ایسی مکّار دُنیا بھاڑ میں جائے لیکن وہ جنھوں نے اے باہُو ! دُنیا کو چھوڑ دیا وہ باغِ بہشت میں بہاروں کے مزے لیں گے۔

ایہہ دُنیا زن حیض پلیتی ہرگز پاک نہ تھیوے ہُو
جیں فقر گھر دُنیا ہووے،لعنت اُس دے جیوے ہُو
حُب دُنیا دِی رب تھیں موڑے، ویلے فکر کچیوے ہُو
سہ طلاق دُنیا نوں دیئے جے باہُو سچ پُچھیوے ہُو

یہ دُنیا عورت کے حیض جیسی ہے جو کِسی بھی طرح پاک نہیں ہوسکتی۔جس فقیر کے گھر اس دُنیا کا مسکن ہے اُس کی زندگی پر لعنت ہے۔دُنیا کی محبت خدا سے غافل کردیتی ہے اُس کی بروقت فکر کرنی چاہیے۔اے باہُو سچ پوچھو تو اِس دُنیا کو فوری تین طلاق دے دینی چاہییں۔

ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ہُو
منگن ایمان شرماون عشقوں دِل نوں غیرت ہوئی ہُو
جس منزل نوں عشق پچاوے ، ایمان نوں خبر نہ کوئی ہُو
میرا عشق سلامت رکھیں باہُو ، ایمانوں دیاں دھروئی ہُو

یہاں ہر کوئی ایمان کی سلامتی کے لیے دُعا گو ہے مگر عشق کی سلامتی کوئی کوئی ہی خدا سے مانگتا ہے ان کے دِل میں ذرا غیرت نہیں آتی جو عشق کی طلب سے تو شرماتے ہیں مگر ایمان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ حال آں کہ، عشق جس منزل تک پہنچا سکتا ہے ایمان کو اُس کی ذرا خبر بھی نہیں اے باہُو! تم میرا عشق سلامت رکھنا مَیں اِس کے لیے ایمان کی دُہائی دیتا ہوں۔

ایہ تن میرا چشماں ہووے تے مَیں مرشد ویکھ نہ رجّاں ہُو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں ہِک کھولاں ہِک کجّاں ہُو
اِتنیاں ڈِٹھیاں صبر نہ آوے، ہور کِتے وَل بھجّاں ہُو
مرشد دا دیدار ہے باہُو مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہُو

اے کاش! یہ میرا بدن صرف آنکھیں ہوتا اور مَیں اپنے مرشد کا دیدار کرتے کبھی سیر نہ ہوتا بل کہ میرے روئیں روئیں کی بنیاد میں لاکھوں کی تعداد میں آنکھیں ہوتیں ایک کھولتا اور ایک بند کر لیتا۔ اِتنی بار دیکھ کر بھی میری پیاس نہ بجھتی تو پھر مَیں بھلا اور کِس طرف دیکھتا۔ مرشد کا دیدار تو اے باہُو! میرے لیے کئی لاکھ کروڑ حج کے برابر ہے۔

اندر وِچ نماز اساڈی ہِکسے جا نیتوے ہُو
نال قیام رکوع سجودے کر تکرار پڑھیوے ہُو
ایہ دِل ہجر فراقوں سڑیا ایہ دم مرے نہ جیوے ہُو
سچّا راہ محمدؐ والا باہُو جیں وَچ رب لبھیوے ہُو

ہم تو اپنے دِل کے حجرے میں نماز ادا کرتے اور اُس کی ایک ہی جگہ نیّت کرتے ہیں وَہیں ہمارا رکوع، قیام اور سجدہ ہوتا ہے اور ہم اس کی بار بار تکرار کرتے ہیں...... یہ دِل تو ہجر و فراق سے جل چُکا ہے اور اب یہ جان جیتی ہے نہ مرتی ہے۔ اے باہُو! سچّا راستہ تو حضرت محمدؐ والا ہے، جس پر چل کر خدا بھی مِل جاتا ہے۔

اندر کلمہ کل کل کردا عشق سکھایا کلماں ہُو
چوداں طبق کلمے دے اندر قرآن کتاباں علماں ہُو
کانے کپ کے قلم بناون لکھ نہ سکن قلماں ہُو
باہُو ایہ کلمہ مینوں پیر پڑھایا ذرا نہ رہیا الماں ہُو

کلمہ طیبہ نے میرے اندر ہلچل مچا رکھی ہے مجھے یہ کلمہ عشق نے سکھایا ہے اِسی کلمے میں ہی چودہ طبق ہیں اور اِسی میں قرآنِ پاک، دیگر کتابیں اور علوم ہیں، اگر تمام سرکنڈے کاٹ کر قلم بنائے جائیں تو بھی اِس کلمے کی فضیلت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اے باہُو! مجھے یہ کلمہ میرے مرشد نے پڑھایا ہے اب مجھے کوئی غم کوئی الم باقی نہیں رہا۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ ، وِچ پا فقیرا جھاتی ہُو
ناں کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہُو
شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھی وست کھڑاتی ہُو
مرن تھیں اگے مر رہے باہُو جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہُو

یہ جسم اُس سچے خدا کا حجرہ ہے اِس میں اے فقیر! کبھی جھانک کر تو دیکھ۔ حضرت خضر علیہ السلام کی یونہی منّت سماجت نہ کر، آبِ حیات کا چشمہ تو تمھارے اندر ہے۔ اندھیرے میں شوق کا چراغ روشن کر شاید تمھاری گمشدہ چیز تمھیں مِل جائے۔ اے باہُو! جنھوں نے حق کی رمز پہچان لی وہ موت سے پہلے ہی خود کو مار لیتے ہیں۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ ، دِل کھڑیا باغ بہاراں ہُو
وِچے کوزے وِچے مصلّے وِچے سجدے دیاں تھاراں ہُو
وِچے کعبہ ، وِچے قبلہ ، وِچے اِلاّاللہ پُکاراں ہُو
کامل مرشد ملیا باہُو اوہ آپے لیسی ساراں ہُو

یہ بدن تو سچے خدا کا حجرہ ہے۔ اِس دِل میں ہزاروں باغ بہاریں کھلی ہوئی ہیں۔ اِسی میں پانی کے کُوزے، اِسی میں مصلّے اور اِسی میں سجدہ گاہیں بھی ہیں۔ اِسی میں خانہ کعبہ، اِسی میں قبلہ ہے اِسی میں الا اللہ کی صدائیں گونجتی ہیں۔ اے باہُو! وہ مرشد کامل مِل گیا ہے اب وہ خود ہی خبر خیریت لیتا رہے گا۔

آپ نہ طالب ہین کہیں دے، لوکاں نوں طالب کردے ہُو
چاون کھیپاں کردے سیپاں، اللہ دے قہر توں ناہیں ڈردے ہُو
عشق مجازی تلکن بازی ، پیر اوتے دھر دے ہُو
اوہ شرمندہ ہوسن باہُو ، اندر روز حشر دے ہُو

وہ خود تو کِسی کے طالب نہیں لیکن لوگوں کو اپنا طالب بناتے ہیں۔ وہ خدمات کا بوجھ اُٹھاتے اور پھر اس کی اُجرت وصول کرتے ہوئے خدا کے غضب سے بھی ذرا نہیں ڈرتے...... عشق مجازی میں تو قدم قدم پر پھسلن ہے لیکن یہ یونہی قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اے باہُو! قیامت کے دِن یہ لوگ بہت شرمندہ ہوں گے۔

اندر بھی ہُو ، باہر بھی ہُو ، باہُو کتھاں لبھیوے ہُو
سئے ریاضتاں کر کراہاں ، توڑے خون جگر دا پیوے ہُو
لکھ ہزار کتاباں پڑھ کے دانش مند سدیوے ہُو
نام فقیر تنہاں دا باہُو ، قبر جنہاں دی جیوے ہُو

اندر بھی خدا ہے، اور باہر بھی خدا ہے اے باہُو! مَیں پھر کیوں اِدھر اُدھر تلاش کروں۔ لوگ سیکڑوں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے اور اپنے جگر کا خون پیتے ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں کتابیں پڑھ کر دانشمند کہلواتے ہیں لیکن...... اے باہُو! فقیر تو وہی ہوتے ہیں جن کی قبریں بھی زندہ ہوتی ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی ، میرے من وِچ مرشد لاندا ہُو
جس گت اُتّے سوہنا راضی ہوندا ، اوہو گت سکھاندا ہُو
ہر دم یاد رکھے ہر ویلے سوہنا اُٹھاندا بہاندا ہُو
آپ سمجھ سمجھیندا باہُو ، آپ آپے بن جاندا ہُو

اللہ چنبیلی کا وہ پودا ہے جو میرا مرشد دِلوں کی زمین پر لگاتا ہے...... پھر وہ، اُسی حالت میں رہنا سکھا دیتا ہے جس پر محبوب راضی ہوتا ہے۔ وہ مرشد ہی تو ہے جو ہر وقت یاد رکھتا اور اُٹھنا بیٹھنا سکھاتا ہے...... اے باہُو! مرشد جو کچھ کہتا ہے وہی سمجھاتا ہے اور پھر خود بھی وہی بن جاتا ہے۔

باہُو باغ بہاراں کھڑیاں ، نرگس ناز شرم دا ہُو
دِل وِچ کعبہ صحیح کیتو سے ، پاکوں پاک پرم دا ہُو
طالب طلب طواف تمامی ، حُب حضور حرم دا ہُو
گیا حجاب تھیوسے حاجی باہُو ، جدوں بخشیوس راہ کرم دا ہُو

اے باہُو! میرے اندر بہاروں کے وہ گلزار کھلے ہیں جن کے سامنے نرگس کے ناز نخرے بھی شرمندہ ہیں۔ مَیں نے جب دِل میں کعبہ کو صحیح طریقے سے پہچان لیا تو میرا سارا بدن پاکیزہ ہو گیا

اب مجھے میرے خدا کی طلب ہے جو اندر ہی اندر طواف سے پوری ہو جاتی ہے، جس کے بعد مَیں حضوری کی کیفیت میں ہُوں۔ میرے سامنے سے کئی پردے ہٹ گئے ہیں اور مَیں ایسا حاجی بن گیا ہوں باہُو، جس پر خدا کا خاص کرم ہوتا ہے۔

بغداد شہر دی کیا نشانی ، اُچیّاں لمّیاں چیراں ہُو
تن من میرا پُرزے پُرزے، جیوں درزی دیاں لیراں ہُو
اینہاں لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ہُو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں باہُو، کرساں میراں میراں ہُو

بغداد شہر کی مَیں کیا نشانی بتاؤں، وہاں اُونچی لمبی کھجوریں ہیں۔ اس شہر کی زیارت کے شوق میں میرا یہ جسم یوں پُرزے پُرزے ہو چکا ہے جیسے درزی کے کپڑے کی دھجّیاں ہوتی ہیں۔ مَیں تو ان دھجّیوں کی ''کفنی'' پہن کر فقیروں کے ساتھ مِل جاؤں گا۔ اور بغداد شہر میں جا کر اے باہُو! میراں میراں کرتے ہوئے اس کے نام کی بھیک مانگوں گا۔

باجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھن بانگ صلاتاں ہُو
روزے نفل نماز گزارن ، توڑے جاگن ساریاں راتاں ہُو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے توڑے کڈھن سۓ زکاتاں ہُو
باہُو باجھ فنا رب حاصل ناہیں ، ناں تاثیر جماتاں ہُو

خواہ کتنی ہی نماز وصلوٰۃ کی جائے حضوری کے بغیر عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ خواہ، دِن کو روزے رکھ کر اور ساری ساری رات جاگ کر نفل نمازیں ہی کیوں نہ پڑھی جائیں۔ دِل کی حضوری کے بغیر حضوری نہیں ہوتی اور خواہ مال و دولت میں سے کتنی ہی زکوٰۃ کیوں نہ ادا کر دی جائے۔ اے باہُو! فنا فی الذات ہوئے بغیر خدا ملتا ہے اور نہ ہی باجماعت نمازیں پڑھنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

بے ادباں ناں سار ادب دی گئے ادباں توں وانجھے ہُو
جیہڑے تھاں مٹی دے بھانڈے، کدی نہ ہوندے کانجے ہُو
جیہڑے مُڈھ قدیم دے کھیڑے، کدی نہ ہوندے رانجھے ہُو
جیں دِل حضور نہ منگیا باہُو ، گئے دوہیں جہانیں وانجھے ہُو

بے ادب لوگوں کو ادب کے مرتبہ و مقام کی بھلا کیا خبر۔ وہ ادب آداب سے محروم ہی چلے جاتے ہیں۔ مٹی کے برتن کبھی بھی شیشے کے نہیں ہو سکتے اور جو روزِ ازل سے ہی "کھیڑے" ہیں وہ کبھی رانجھے نہیں ہو سکتے۔ جس دِل نے اے باہُو! حضوری کی طلب نہیں کی وہ دونوں جہانوں سے ہی اکارت جائے گا۔

بسم اللہ اسم اللہ دا ، ایہہ بھی گہناں بھارا ہُو
نال شفاعت سرورِ عالمؐ چھٹسی عالم سارا ہُو
حدوں بے حد درود نبیؐ نوں جیندا ایڈ پسارا ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں ملیا نبی سوہارا ہُو

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اللہ تعالیٰ کا اسم ہے یہ بھی ایک بھاری قدر و قیمت والا زیور ہے حضور نبی اکرم، سرورِ عالم کی شفاعت سے تمام عالم قیامت کے دِن گناہوں کی پکڑ سے چھوٹ جائے گا اس نبی پاکؐ پر بے حد و حساب درود جس کے لیے یہ ساری کائنات بنائی گئی۔ مَیں قربان جاؤں ان لوگوں پر باہُو جن کو ایسا زیب و زینت والا نبی میسر آیا۔

بنھ چلایا طرف زمیں دے عرشوں فرش ٹکایا ہُو
گھر تھیں ملیا دیس نکالا ، اساں لکھیا جھولی پایا ہُو
رہ نی دنیا ، ناں کر جھیڑا ، ساڈا اگے دِل گھبرایا ہُو
اسیں پردیسی ساڈا وطن دراڈہ باہُو ، دم دم غم سوایا ہُو

اللہ نے ہم کو کچھ وعدوں کا پابند بنا کر آسمان سے زمین پر پھینک دیا، ہم کو اپنے گھر سے نکال دیا گیا اور یُوں تقدیر کا لکھا ہی ہمارے سامنے آیا۔ اب جانے بھی دے اے دُنیا ہم سے بحث و تکرار نہ کر۔ ہم تو پہلے ہی پریشان حال ہیں۔ ہم تو یہاں ویسے بھی پردیسی ہیں ہمارا وطن بھی بہُت دُور ہے اے باہُو! اور ہم کو ہر سانس کے ساتھ نئے غم سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔

بے تے پڑھ کے فاضل ہوئے ہک حرف نہ پڑھیا کسّے ہُو
جیں پڑھیا تیں شوہ نہ لدھا ، جاں پڑھیا کجھ تسّے ہُو
چوداں طبق کرن رشنائی ، انھیّاں کجھ نہ دِسّے ہُو
باجھ وصال اللہ دے باہُو ، سب کہانیاں قصّے ہُو

لوگ الف، ب، ت پڑھ کے عالم فاضل بن جاتے ہیں لیکن وہ الف کا اسمِ اعظم کوئی نہیں پڑھتا مگر لیکن افسوس جنھوں نے وہ حرف پڑھا وہ بھی خدا تک نہیں پہنچ سکے۔ کچھ پڑھنے کے باوجود وہ پیاسے ہی رہے۔ حال آں کہ یہ حرف چودہ طبقوں میں نور بکھیر رہا ہے مگر اندھوں کو کچھ نظر نہیں آتا۔ خدا کے وصل کے بغیر اے باہُو! سب یونہی قصّے کہانیاں ہیں۔

بوہتی مَیں اوگن ہاری لاج پئی گل اُسدے ہُو
پڑھ پڑھ علم کرن تکبّر شیطان جیہے اوتھے مُسدے ہُو
لکھاں نوں بھوء دوزخ والا، ہِک نت بہشتوں رُسدے ہُو
عاشقاں دے گل چھری ہمیشاں باہُو اگے محبوب دے کُسدے ہُو

مَیں تو بہُت زیادہ گنہگار ہُوں۔ لیکن میری لاج اُس کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں تو لوگ علم حاصل کر کے بہت مغرور ہو جاتے ہیں حال آں کہ شیطان جیسے عالم بھی اُس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لاکھوں ایسے ہیں جو دوزخ کی آگ سے ڈرتے ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ بہشت سے ناراض رہتے ہیں۔ عاشقوں کے گلے پر تو اے باہُو، ہمیشہ چھری رہتی ہے اور وہ محبوب کے سامنے ذبح بھی ہوتے ہیں۔

پڑھ پڑھ علم ملوک رجھاون، کیا ہویا اس پڑھیاں ہُو
ہرگز مکھن مُول نہ آوے پھٹے دُدھ دے کڑھیاں ہُو
آکھ چنڈورا ہتھ کیہ آئیو اس انگوری چنیاں ہُو
ہِک دل خستہ رکھیں راضی باہُو، لئیں عبادت ورھیاں ہُو

بہُت سارے لوگ ایسے ہیں جو اُمرا اور ملوک کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ ایسے علم کا کیا فائدہ؟ خراب دُودھ کو خواہ کتنا بھی اُبالا جائے اس میں سے کبھی مکھن نہیں نکلتا۔ اب تم ہی بتاؤ، اے چنڈال! ان کچے انگوروں کو چُننے سے کیا حاصل ہوا۔ اے باہُو! تم بس خستہ دِلوں کو راضی رکھنا، اس سے تم سالوں کی عبادت کا ثواب پاؤ گے۔

پڑھ پڑھ عالم کرن تکبّر، حافظ کرن وڈیائی ہُو
گلیاں دے وِچ پھرن نمانے وتن کتاباں چائی ہُو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا، اوتھے پڑھن کلام سوائی ہُو

دو ہیں جہانیں سوئی مٹھے باہُو جنہاں کھادی ویچ کمائی ہُو

عالم عِلم حاصل کر کے مغرور ہو جاتے ہیں اور حافظ قرآن بھی تکبر میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔ بے چارے، سر پر کتابوں کا بوجھ اُٹھائے اِدھر اُدھر گلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ جہاں اُنھیں اچھا کھانا پینا نظر آتا ہے وہاں خدا کا کلام زیادہ پڑھتے ہیں۔ اے باہُو! دونوں جہانوں میں اُنھی پر گرفت ہوگی جنھوں نے خدا کا کلام کمائی کا ذریعے بنایا۔

پڑھ پڑھ عِلم مشائخ سداون کرن عبادت دُہری ہُو
اندر جھگّی پئی لٹیوے، تن من خبر نہ موری ہُو
مولا والی سدا سکھالی، دِل توں لاہ تکوری ہُو
باہُو رب تنہاں نوں حاصل جنہاں جگ نہ کیتی چوری ہُو

بہُت سے لوگ ہیں جو علم حاصل کر کے مشائخ کہلواتے اور پھر دِن رات عبادتیں بھی کرتے ہیں لیکن اُنھیں یہ خبر نہیں کہ وہ جو ایک اندر چھوٹی سی جھونپڑی ہے وہ لُٹ رہی ہے افسوس کہ اُنھیں اپنے تن من کی کوئی خبر نہیں، وہ لوگ جنھوں نے خدا سے لَو لگائی ہے وہ ہمیشہ سکھی رہتے ہیں بس ذرا دِل سے حجاب ہٹانے کی ضرورت ہے۔ اے باہُو! خدا اُنھیں ہی ملتا ہے جنھوں نے اِس دُنیا میں کبھی کوئی چوری نہیں کی۔

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں، عالم ہوئے بھارے ہُو
اِک حرف عشق دا پڑھن نہ جانن بھلے پھرن بچارے ہُو
اک نگاہ جے عاشق ویکھے، لکھ ہزاراں تارے ہُو
لکھ نگاہ جے عالم ویکھے، کسے نہ کدھی چاہڑے ہُو
عشق عقل وِچ منزل بھاری سیّاں کوہاندے پاڑے ہُو
جنہاں عشق خرید نہ کیتا باہُو، اوہ دو ہیں جہانیں مارے ہُو

بہُت سارا علم اور ہزاروں کتابیں پڑھ کر لوگ بڑے بڑے عالم بن گئے لیکن وہ عشق کا ایک حرف پڑھنا نہیں جانتے وہ بے چارے بھولے ہوئے ہیں کہ اگر عاشق صرف ایک نگاہِ کرم سے دیکھے تو ہزاروں کے بیڑے پار اُتار سکتا ہے لیکن اگر عالم لاکھوں بار بھی نظر کرم کرے تو وہ کسی کو بھی ساحلِ مُراد تک نہیں پہنچا سکتا۔ عشق اور عقل کے درمیان سیکڑوں کوس کا فاصلہ اور کٹھن منزل کا فرق

ہے لیکن اے باہُو! جنھوں نے عشق حاصل نہیں کیا وہ دونوں جہانوں میں ہی بے مُراد رہتے ہیں۔

پڑھیا عِلم تے ودھی مغروری عقل بھی گیا تلوہاں ہُو
بھُلا راہ ہدایت والا نفع نہ کیتا دوہاں ہُو
سر دتیاں جے سِرّ ہتھ آوے سودا ہار نہ توہاں ہُو
وڑیں بازار محبت والے باہُو کوئی رہبر لے کے سوہاں ہُو

لوگ علم حاصل کر کے مغرور ہو جاتے ہیں تو اُن کی عقل بھی پست ہو جاتی ہے۔ وہ ہدایت کا راستہ بھول جاتے ہیں اُنھیں دِین و دُنیا سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر تو سر قربان کر کے معرفت کا راز حاصل ہو جائے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اے باہُو! عشق بازار میں کسی آشنائے حقیقت راہبر کے ساتھ ہی داخل ہونا چاہیے۔

پاک پلیت نہ ہندے ہرگز توڑے رہندے وِچ پلیتی ہُو
وحدت دے دریا اُچھلے ، ہِک دِل صحیح نہ کیتی ہُو
ہِک بُت خانے واصل ہوئے ہِک پڑھ پڑھ رہن مسیتی ہُو
فاضل سُٹ فضیلت بیٹھے باہُو عشق نماز جاں نیتی ہُو

پاکیزہ لوگ کبھی پلید نہیں رہتے خواہ وہ ہزار ناپاکیوں میں رہیں۔ دریائے وحدت ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن اِس دِل کو پاک نہیں کیا گیا کچھ لوگ بُتوں کی پوجا کر کے بھی واصل حق ہو جاتے ہیں اور کچھ مسجدوں میں نمازیں ادا کر کے بھی محروم ہی رہتے ہیں۔ لیکن اے باہُو! جب کوئی فاضل نماز عشق کی نیت باندھ لیتا ہے تو پھر وہ اپنی تمام فضیلت دُور پھینک دیتا ہے۔

پیر ملیاں جے پیڑ نہ جاوے اُس نوں پیر کیہ دھرنا ہُو
مرشد ملیاں ارشاد نہ من نوں ، اوہ مرشد کیہ کرنا ہُو
جس ہادی کولوں ہدایت ناہیں ، اوہ ہادی کیہ پھڑنا ہُو
جے سر دِتیاں حق حاصل ہووے باہُو ، اُس موتوں کیہ ڈرنا ہُو

اگر پیر کے ملنے سے دِل کا درد دُور نہ ہو تو ایسے پیر کو رہبر کیوں تسلیم کریں؟ اور اگر مرشد کے ملنے سے دِل کو رُشد اور راہنمائی نہ ملے تو اُس مرشد کا کیا کرنا؟ اور جس ہادی کے پاس ہدایت ہی نہیں اُس کو ہادی کیا بنانا؟ اگر، سر قربان کر کے حق حاصل ہو جائے تو اے باہُو! ایسی موت سے بھلا

کیوں خوفزدہ ہوں!

پاٹا دامن ہویا پُرانا ، کچرک سیوے درزی ہُو
حال دا محرم کوئی نہ ملیا ، جو ملیا سو غرضی ہُو
باجھ مربّی کسے نہ لدھی گجھی رمز اندر دی ہُو
اوسے راہ ول جایئے باہُو جس تھیں خلقت ڈردی ہُو

پھٹا ہوا دامن اب بہُت پرانا ہو چُکا کوئی درزی بھلا اِس کو کب تک سلائی کرتا رہے گا۔ مجھے میرے حال کا محرم کوئی نہیں مِلا جو بھی مِلا وہ خود غرض ہی ملا...... مربی کے بغیر میرے اندر کی پوشیدہ رمز بھلا کوئی کیسے جان سکتا ہے۔ اے باہُو! اُس راستے پر چلنا چاہیے جس پر چلنے سے تمام خلقت ڈرتی ہے۔

پنجے محل پنجاں وِچ چانن دیوا کت ول دھریئے ہُو
پنجے مہر ، پنجے پٹواری ، حاصل کت ول بھریئے ہُو
پنجے امام تے پنجے قبلے ، سجدہ کت ول کریئے ہُو
باہُو جے صاحب سر منگے ، ہرگز ڈھل نہ کریئے ہُو

پانچوں محل ہیں (حواس) اور پانچوں روشن ہیں۔ چراغ کہاں جلائیں۔ پانچوں ہی منصب دار، اور پانچوں ہی پٹواری ہیں محصول اور آبیانہ کِس کو ادا کریں؟ پانچوں امام ہیں اور پانچوں ہی قبلہ ہیں۔ کِس طرف سجدہ کریں اے باہُو! اگر مالک، سر نذرانہ مانگے تو ایک پل کی بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔

تن من یار مَیں شہر بنایا دِل وِچ خاص محلّہ ہُو
آن الف دِل وسوں کیتی میری ہوئی خوب تسلّہ ہُو
سب کجھ مینوں پیا سنیوے جو بولے مَا سِوا اللہ ہُو
دردمنداں ایہہ رمز پچھاتی باہُو بے درداں سر کھلّہ ہُو

مَیں نے جسم و جاں کو یار کا ایک شہر بنا دیا ہے جس میں دِل کا ایک خاص محلّہ ہے۔ اِس دِل میں ''الف'' نے آ کر رہائش اختیار کر لی تو میری خوب تسلّی ہوگئی۔ یک گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ اب اِس شہر میں مجھے اللہ کی باتوں کے سِوا کچھ صاف سنائی نہیں دیتا ہے دردمند دِل والوں نے تو یہ

رمز پہچان لی ہے لیکن بے دردوں کے سراے باہُو! جوتے ہی پڑتے ہیں۔

تُلّہ بنھ توکّل والا ، ہو مردانہ تریئے ہُو
جیں دُکھ تھیں سُکھ حاصل ہووے، اِس دُکھ تھیں نہ ڈریئے ہُو
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا آیا چیت اسے دل دھریئے ہُو
اوہ بے پرواہ درگاہ ہے باہُو ، اوتھے رو رو حاصل بھریئے ہُو

توکل کا ''تلہ'' (بانسوں کا گٹھڑ جس کے سہارے دریا پار کیا جاتا ہے) باندھ کر دریاے وحدت میں مردانہ وار تیرتے ہوئے پار اُتر جائیں جس دُکھ سے سُکھ حاصل ہوتا ہو اس سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد رکھنا چاہیے کہ ''ہر تنگی کے بعد آسانی بھی ہے''۔اے باہُو! اُس بے پروا کی بارگاہ میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے رہنا چاہیے۔

تسی دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیہاں ہُو
من دا منکا اک نہ پھیریں گل پائیں پنج ویہاں ہُو
دین لکیاں گل گھوٹو آوے ، لین لکیاں جھٹ شیہاں ہُو
پتھر چیت جنہاں دے باہُو ، اوتھے ضائع وساں مینہاں ہُو

تسبیح پھیرنے کا ہُنر مند ہو کر تُو خود کو ولی سمجھنے لگا ہے۔تُو گلے میں سیکڑوں تسبیحاں ڈالے پھرتا ہے لیکن من کا منکا ایک بھی نہیں پڑھتا۔کچھ دینے پر تو تیرے گلے میں پھانسی آ جاتی ہے لیکن جب لینا ہو تو تُو شیروں کی طرح جھپٹ لیتا ہے اے باہُو! جن کا دِل پتھر کا ہوتا ہے۔اُن پر تیز بارش بھی یونہی ضائع ہو جاتی ہے۔

تسی پھری تے دِل نہیں پھریا ، کیہ لینا تسی پھڑ کے ہُو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا ، کیہ لینا علم نوں پڑھ کے ہُو
چلّے کٹّے تے کجھ نہ کھٹیا ، کیہ لینا چلّیاں وڑ کے ہُو
جاگ بناں دُدھ جمدے ناہیں باہُو ، بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہُو

تم صبح وشام تسبیح پھیرتے ہو لیکن تمھارے دِل کا رُخ تو تبدیل نہیں ہوتا۔ایسی تسبیح پھیرنے سے کیا حاصل؟ علم تو پڑھ لیا مگر آداب نہیں سیکھے ایسا علم پڑھنے سے کیا فائدہ؟ چلّہ کشی کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کیا تو ایسی چلّہ کشی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اے باہُو! جاگ کے بغیر دُودھ دہی

نہیں بنتا۔ خواہ وہ پک پک کر سرخ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ثابت صدق تے قدم اگیرے تائیں رب لبھیوے ہُو
لُوں لُوں دے وِچ ذکر اللہ دا ہر دم پیا پڑھیوے ہُو
ظاہر باطن عین عیانی ہُو ہُو پیا سنیوے ہُو
نام فقیر تنہاندا باہُو قبر جنہاندی جیوے ہُو

جب صدق و یقین پختہ ہو جاتا ہے تو پھر قدم بھی آگے بڑھتے ہیں اور خدا بھی مِل جاتا ہے۔ رواں رواں ہر دم خدا کا ذِکر کرنے لگتا ہے۔ ظاہر و باطن ایک ہو جاتے ہیں ہر طرف سے "ہُو ہُو" کی صدائیں سنائی دینے لگتی ہے۔ اے باہُو! فقیر تو نام ہی اُن کا ہے، جن کی قبریں زندہ اور روشن ہیں۔

ثابت عشق تنہاں نے لدھا جنہاں ترٹی چوڑ چا کیتی ہُو
نہ اوہ صوفی نہ اوہ صافی ناں سجدہ کرن مسیتی ہُو
خالص نیل پُرانے اُتے نہیں چڑھدا رنگ مجیٹھی ہُو
قاضی آن شرع ول باہُو، کدی عشق نماز نہ نیتی ہُو

انھی لوگوں کا عشق قائم و دائم رہتا ہے جنھوں نے اپنی نیک کمائی کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ وہ نہ تو صوفی ہوتے ہیں نہ صافی، اور وہ نہ ہی مسجدوں میں جا کر سجدہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ جو پُرانا اور خالص نیل ہوتا ہے اُس پر مجیٹھ کا سُرخ رنگ نہیں چڑھتا قاضی صرف شرع کی روایتی باتیں کرتے ہیں۔ اے باہُو! اُنھوں نے تو نمازِ عشق کی کبھی نیت ہی نہیں کی (انھیں کیا خبر عشق کِس حقیقت کا نام ہے)

جے توں چاہیں وحدت رب دی، مل مرشد دیاں تلیاں ہُو
مرشد لفظوں کرے نظارہ، گُل تھیون سب کلیاں ہُو
انہاں گلاں وچوں ہِک لالہ ہوسی گل نازک گل پھلیاں ہُو
دو ہیں جہانیں مٹھے باہُو جنہاں سنگ کیتا دو ولیاں ہُو

اگر تو خدا کی وحدت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے مرشد کی خدمت گزاری کر۔ مرشد کی قدم بوسی کیا کر، مرشد ایک نظرِ کرم کرلے تو سب غنچے کھل اُٹھیں اور وہ پھول بن جائیں گے۔ انھی پھولوں میں ایک گُلِ لالہ بھی ہوگا، جو سب پھولوں میں نازک تر ہوتا ہے۔ لیکن اے باہُو! وہ تو

دونوں جہانوں میں ہی خانماں برباد رہتے ہیں، جو دوولیوں کی سنگت میں رہتے ہیں۔ (دو کشتیوں کے سوار ہوتے ہیں)

جس الف مُطالعہ کیتا بے دا باب نہ پڑھدا ہُو
چھوڑ صفاتی لدھس ذاتی ، اوہ عامی دُور چا کردا ہُو
نفس امارہ کُترا جانے ناز نیاز نہ دھردا ہُو
کیا پرواہ تنہاں نوں باہُو جنہاں گھاڑو لدھا گھر دا ہُو

جو الف کا حرف پڑھ لیتے ہیں وہ کوئی اور باب (سبق) نہیں پڑھتے۔ وہ صفات کو چھوڑ کر ''ذات'' سے منسلک ہو جاتے ہیں وہ سب دیگر چیزوں کو خود سے دُور کر دیتے ہیں وہ نفسِ امارہ کو ''کتا'' سمجھتے، اور اُس کے ناز نخرے برداشت نہیں کرتے۔ اے باہُو! جنھیں گھر میں ہی 'مرشد کامل'' مل جائے اُنھیں بھلا کسی اور کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔

جیں دِل عشق خرید نہ کیتا سوئی خسرے مرد زنانے ہُو
خنسے خسرے ہر کوئی آکھے ، کون آکھے مردانے ہُو
گلیاں دے وِچ پھرن اربیلے جیوں جنگل ڈھور دیوانے ہُو
مرداں تے نمرداں دی گل تداں پوسی باہُو جداں عاشق بنھسن گانے ہُو

جس شخص کے دِل نے عشق کا سودا نہیں کِیا، وہ مرد، خسرے اور زنانوں کے مانند ہیں۔ اُنھیں ہر کوئی زنانے اور خسرے کہتا ہے لیکن کوئی مرد نہیں کہتا۔ وہ دیوانے گلیوں میں یوں پھرتے ہیں جیسے جنگل میں ڈھور ڈنگر (مویشی) پھرتے ہیں مردوں اور نامردوں کے درمیان تمیز تو باہُو اُس وقت ہو گی جب عاشق ان کی کلائی میں شادی کے ''گانے'' باندھیں گے۔

جو دم غافل سو دم کافر ، سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہُو
سُنیا سخن گئیاں کھل اکھیں ، اساں چت مولا ول لایا ہُو
کیتی جان حوالے رب دے ، اساں ایسا عشق کمایا ہُو
مرن توں اگے مر گئے باہُو ، تاں مطلب نوں پایا ہُو

جو پل بھی غفلت میں گذرا وہ کُفر میں شمار ہوا۔ ہمیں تو مرشد نے یہی بتایا ہے۔ ہم نے جب سے مرشد کا یہ کلام سُنا ہے ہماری تو آنکھیں کُھل گئی ہیں اور ہم نے اپنے مولا سے ہی دِل لگا لیا

ہے۔اپنی جان اُس کے حوالے کر کے عشق کی معراج کو پایا ہے۔اے باہُو! جب ہم موت سے پہلے مر گئے تو پھر وہ مقصد حاصل ہوا تھا۔

جو پاکی بن پاک ماہی دے ، سو پاکی جان پلیتی ہُو
ہِک بُت خانے جا واصل ہوئے ، ہِک خالی رہے مسیتی ہُو
عشق دی بازی تنہاں لیتی جنہاں سر دیندیاں ڈِھل نہ کیتی ہُو
ہرگز دوست نہ ملدا باہُو جنہاں ترٹی جوڑ نہ کیتی ہُو

جو پاکیزگی اُس پاک محبوب کے بغیر حاصل ہو اُس پاکیزگی کو بھی پلیدگی ہی سمجھنا چاہیے۔ ایک وہ ہیں جو بُت خانے میں جا کر وصالِ ذات سے آشنا ہوئے جب کہ کچھ مساجد میں نمازیں ہی ادا کرتے رہے۔لیکن عشق کی بازی میں وہ کامیاب ہوئے جنھوں نے سر نذرانہ پیش کرنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔اے باہُو! اُنھیں کبھی محبوب نہیں ملتا، جنھوں نے اپنی حیثیت پر ناز کیا ہو اور جو اپنی ذات میں فنا نہیں ہوتے۔

جنگل دے وِچ شیر مریلا باز پوے وِچ گھر دے ہُو
عشق جیہا صرّاف نہ کوئی ، کُجھ نہ چھوڑے وِچ زر دے ہُو
عاشقاں نیندر بھُکھ نہ کائی ، عاشق دِل نہ مردے ہُو
عاشق جیندے تداں ڈِٹھوس باہُو جداں صاحب اگے سر دھر دے ہُو

جنگل میں خونیں شیروں کی زد میں ہوتے ہیں اور گھر میں عقابوں کے جھپٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔عشق وہ صرّاف ہے جو سونے میں ایک رتی بھی ملاوٹ نہیں رہنے دیتا۔عاشقوں کو نہ نیند آتی ہے نہ بھوک لگتی ہے عاشقوں کو تو موت بھی نہیں آتی۔لیکن اے باہُو! عاشقوں کی زندگی کا تب پتا چلتا ہے جب وہ اپنا سر بطور نذرانہ مالک کے قدموں میں پیش کرتے ہیں۔

جنہاں عشق حقیقی پایا موںہوں نہ کُجھ الاون ہُو
ذِکر فکر وِچ رہن ہمیشا ، دم نوں قید لگاون ہُو
نفسی ، قلبی ، روحی ، سری ، خفی ، اخفیٰ ذِکر کماون ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جیہڑے اکس نگاہ جواون ہُو

وہ جو عشق حقیقی پا لیتے ہیں زبان سے پلٹ کر ایک لفظ بھی ادا نہیں کرتے۔وہ ہر وقت خدا

کے ذکر وفکر میں رہتے ہوئے اپنی ہر سانس کو بھی تابع کر لیتے ہیں۔ وہ نفسی قلبی، روحانی، رازداری، خفیہ، مخفی طور پر ہی نہیں کھلے عام بھی اُس کے نام کا وِرد کرتے ہیں۔اے باہُو !مَیں اُن پر قربان جاؤں جو ایک ہی نگاہ میں زندگی کا رُخ تبدیل کر دیتے ہیں۔

جیوندے کیہ جانن سار مویاں دی سو جانے جو مردا ہُو
قبراں دے وِچ اَن نہ پانی اتھے خرچ لوڑیندا گھر دا ہُو
اک وچھوڑا ماں پیو بھائیاں ، دُوجا عذاب قبر دا ہُو
واہ نصیب انہاں دا باہُو جیہڑا وِچ حیاتی مردا ہُو

زندہ لوگوں کو مر جانے والوں کی بھلا کیا خبر ہو سکتی ہے وہی جانتا ہے جو مر جاتا ہے۔قبروں میں کوئی کھانا پینا نہیں ہوتا وہاں صرف وہی چیزیں کام آتی ہیں جو ''گھر'' سے تیار کر کے لے جائی جاتی ہیں۔ایک تو ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بچھڑنے کا غم ہوتا ہے دُوسرا مزید ستم یہ کہ، عذاب قبر بھی شروع ہو جاتا ہے۔لیکن اے باہُو !وہ کتنے نصیب والے ہیں جو موت سے پہلے ہی مر گئے اور اُنھوں نے موت کا راز جان لیا۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا تاں ملدا ڈڈواں مچھیاں ہُو
جے رب لمیاں والاں ملدا تاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہُو
جے رب راتیں جاگیاں ملدا تاں ملدا کال کڑچھیاں ہُو
جے رب جتیاں ستیاں ملدا تاں ملدا انداں خصیاں ہُو
انہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہُو ، رب ملدا ولیاں اچھیاں ہُو

اگر خدا نہانے دھونے سے ملتا تو مچھلیوں اور مینڈکوں کو ملتا جو ہر وقت پانی میں رہتے ہیں۔ اگر خدا لمبے بالوں والوں کو ملتا تو بھیڑوں بکریوں کو ملتا۔ اگر خدا راتوں کو جاگنے سے ملتا تو چمگادڑوں کو ملتا۔اور اگر خدا ''جتی ستی'' (عورت سے دُور رہنے والے) لوگوں کو ملتا تو خصیوں اور مخنثوں کو ملتا۔لیکن اے باہُو !ان طور طریقوں سے خدا نہیں ملتا بلکہ وہ اچھے اولیا کو ملتا ہے۔

جیکر دِین عِلم وِچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ہُو
اٹھاراں ہزار جو عالم آہا، اوہ اگے حسین دے مردے ہُو
جے کجھ ملاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ہُو

جیکر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کر دے ہُو
پر صادق دین تنہاندے باہُو جو سر قربانی کر دے ہُو

اگر دینِ مبین محض علم میں ہوتا تو نیزوں پر سر چڑھانے کی کیا ضرورت تھی! اٹھارہ ہزار علمائے دین حضرت حسینؓ کے ساتھ قربان ہو جاتے۔ اگر، وہ حضور نبی کریمؐ کا ہی چہرہ سامنے رکھتے تو خیمے کیوں جلاتے۔ اور اگر وہ بیعت رسول کو ہی تسلیم کر لیتے تو آلِ رسول کے لیے پانی کیوں بند کرتے؟ لیکن اے باہُو! دین تو انھی کا ہی سچا ہے جو اللہ کی راہ میں سروں کو قربان کرتے ہیں۔

جنہاں شوہ الف تھیں پایا پھول قرآن نہ پڑھدے ہُو
اوہ مارن دم محبت والا ، دُور ہویو نیں پردے ہُو
دوزخ بہشت غلام تنہاندے چا کیتو نے بردے ہُو
مَیں قربان تنہاں دے باہُو جیہڑے وحدت دے وِچ وڑدے ہُو

جن لوگوں نے الف کے توسّط سے محبوب کو پایا ہے وہ قرآنِ پاک نہیں پڑھتے۔ وہ تو ہر قدم اُس کے عشق میں مست رہتے ہیں کیوں کہ اُن کے سامنے کوئی حجاب نہیں رہا، خدا نے دوزخ اور بہشت بھی اُن کے غلام اور نوکر چاکر بنا دیے ہیں۔ اے باہُو! مَیں اُن لوگوں پر قربان جاؤں جو دریائے وحدت میں غوطہ زن ہیں۔

چڑھ چناں تے کر رُشنائی ، ذِکر کریندے تارے ہُو
گلیاں دے وِچ پھرن نمانے لعلاں دے ونجارے ہُو
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے ککھ جنہاں توں بھارے ہُو
تاڑی مار اُڈا نہ باہُو ، اساں آپے اُڈن ہارے ہُو

اے چاند! آسمان پر نمودار ہو اور روشنی کر ستارے تمھیں یاد کرتے ہیں۔ ہیرے موتیوں کا کاروبار کرنے والے عاجز و مسکین بن کر گلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ اے کاش! کوئی مسافر نہ ہو، ان سے تو گلیوں کے تنکے بھی باوزن ہوتے ہیں۔ اے باہُو! ہم کو تالی بجا کر اُڑانے کی کوشش نہ کرو۔ ہم تو پہلے ہی اُڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

چڑھ چناں تے کر رُشنائی تارے ذِکر کریندے تیرا ہُو
تیرے جہے چن کئی سَے چڑھدے سانوں سجناں باجھ ہنیرا ہُو

جتھے چن اساڈا چڑھدا ، اوتھے قدر نہیں کجھ تیرا ہُو
جس دے کارن اساں جنم گوایا باہُو ، یار ملے اک پھیرا ہُو

اے چاند! طلوع ہو، اور روشنی کر، ستارے بھی تیری ضرورت کا تذکرہ کر رہے ہیں تمھارے جیسے سیکڑوں چاند نمودار ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمارے لیے تو محبوب کے بغیر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ وہ ہمارا چاند جہاں طلوع ہوتا ہے وہاں تیری کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جس کے لیے ہم نے اے باہُو! زندگی گنوا دی ہے (اے کاش) وہ محبوب ہمیں ایک بار پھر مل جائے۔

دِل دریا سمندروں ڈُونگھے، کون دِلاں دیاں جانے ہُو
وِچے بیڑے ، وِچے جھیڑے ، وِچّے ونجھ مُہانے ہُو
چوداں طبق دِلے دے اندر عشق تمبو وانگن تانے ہُو
جو دِل دا محرم ہووے باہُو ، سوئی رب پچھانے ہُو

دِل کا دریا تو سمندروں سے بھی گہرا ہوتا ہے اس کے بھید کوئی نہیں جان سکتا۔ کیوں کہ، اس کے اندر سچائی کے بیڑے بھی ہوتے ہیں جھگڑے جھیڑے بھی ہوتے ہیں۔ چپو اور ملاح بھی ہوتے ہیں اِسی دِل میں چودہ طبق بھی ہوتے ہیں اور عشق بھی اِسی میں خیمہ زن ہوتا ہے......اے باہُو! جو اِس دِل سے آشنا ہو وہی خدا کو پہچان سکتا ہے۔

دِل دریا سمندروں ڈُونگھا ، غوطہ مار غواصی ہُو
جیں دریا ونج نوش نہ کیتا ، رہسی جان پیاسی ہُو
ہر دم نال اللہ دے رکھن ذِکر فکر دے آسی ہُو
اُس مرشد تھیں زن بہتر باہُو ، جو پھند فریب لباسی ہُو

دِل کا دریا تو سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے۔ اے غوطہ خور، غوطہ زن ہو اور اس کی تہہ سے موتی نکال۔ جس نے اِس دریا کے پاس جا کر بھی پانی نہیں پیا اُس کی رُوح ہمیشہ پیاسی ہی رہے گی کچھ لوگ ہر سانس کے ساتھ خدا کا ذِکر کرتے اور اُسی سے اُمیدیں وابستہ رکھتے ہیں......اے باہُو! اُس مرشد سے تو عورت بہتر ہے جو مختلف لبادے اوڑھ کر فریب کے جال بچھاتا ہے۔

دِل کالے کولوں مونہہ کالا چنگا جے کوئی اس نوں جانے ہُو
مونہہ کالا دِل اچھا ہووے تاں دِل یار پچھانے ہُو

ایہہ دِل یار دے پچھے ہووے متاں یار وی کدی پچھانے ہُو
سئے عالم چھوڑ مسیتاں نٹھے باہُو جد لگے نیں دِل ٹکانے ہُو

دِل کے کالا ہونے سے مُنہ کا کالا ہونا بہتر ہے اگر کوئی اِس بات کو سمجھے تو، اگر مُنہ کالا اور دِل خوب صورت ہے تو محبوب بھی دِل کو ہی دیکھتا ہے اس دِل کو محبوب کے پیچھے پیچھے ہونا چاہیے ہو سکتا ہے وہ اُسے پہچان ہی لے۔ اے باہُو! جب دِل اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سیکڑوں عالم مسجدیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

دِل تے دفتر وحدت والا دائم کریں مطالیا ہُو
ساری عمراں پڑھدیاں گذری جہلاں دے وِچ جالیا ہُو
اکو اِسم اللہ دا رکھیں اپنا سبق مطالیا ہُو
دوہیں جہان غلام تنہاندے باہُو جیں دِل اللہ سنبھالیا ہُو

یہ دِل تو وحدت کا ایک پورا کتب خانہ ہے اس کا صبح و شام مُطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی تمام عمر مختلف علوم پڑھتا بھی رہے تو اُس کی عمر جہالت کے ساتھ ہی بسر ہو جاتی ہے لیکن تُو ...... صرف ایک خدا کے نام کو ہی سبق بنا کر پڑھتے رہنا اے باہُو! دونوں جہان اُن کے غلام ہو جاتے ہیں جو اللہ کے نام کو دِل میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

دردمنداں دے دھوئیں دُھکھدے، ڈردا کوئی نہ سیکے ہُو
ایہناں دھوئیاں دے تاء تکھیرے، محرم ہووے تاں سیکے ہُو
چھک شمشیر کھڑا ہے سر تے، ترس پوس تاں تھیکے ہُو
ساہورے گُرئیے اپنے ونجناں باہُو سدا ناں رہنا پیکے ہُو

دردمندوں نے جو دُھونی رما رکھی ہے اُنھیں تاپتے ہوئے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ کیوں کہ، اِن دُھونیوں کی تپش بہُت زیادہ ہے کوئی واقفِ حال ہی سینک سکتا ہے۔ جلاد شمشیر تانے سر پر کھڑا ہے وہ ترس کھا جائے تو بچ سکتے ہیں۔ اے لڑکی! تمھیں بالآخر اپنے سسرال جانا ہے۔ اُسے باہُو! مائیکے میں نہیں پڑے رہنا۔

دِین تے دُنیا سکیاں بھیناں تینوں عقل نہیں سمجھیندا ہُو
دونویں اکس نکاح وِچ آون، تینوں شرع نہیں فرمیندا ہُو

جیویں اگ تے پانی تھاں اِکّے وِچ واسا نہیں کریندا ہُو
دوہیں جہانیں مٹھا باہُو جیہڑا دعوے کوڑ کریندا ہُو

دِین اور دُنیا دونوں سگی بہنیں ہیں لیکن یہ بات تمھاری عقل میں نہیں آ رہی۔ شریعت کے حکم کے مُطابق دونوں ایک ہی شخص کے نکاح میں نہیں آ سکتیں جیسے آگ اور پانی ایک ہی جگہ پر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اے باہُو! جو خواہ مخواہ کے جھوٹے دعوے کرتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں ہی بے مرادر ہتا ہے۔

دُنیا گھر منافق دے یا گھر کافر دے سوہندی ہُو
نقش نگار کرے بہتیرے، زن خوباں سب مُونہدی ہُو
بجلی وانگوں کرے لشکارے سر دے اُتوں چھوندی ہُو
حضرت عیسیٰ دی سلھ وانگوں باہُو راہ ویندیاں نوں کوہندی ہُو

یہ دُنیا منافق یا کافر کے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے۔ یہ عورت بہُت سا ہار سنگار کر کے اپنے طالبوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ یہ بجلی کی طرح سروں پر چمکتی اور مچلتی ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کی طرح ہے جو اے باہُو! راہ چلتے بے گناہوں کو بھی مروا دیتی ہے۔

دُنیا ڈُھونڈن والے کتّے، در در پھرن حیرانی ہُو
ہڈی اُتّے ہوڑ تنہاں دی، لڑدیاں عمر وہانی ہُو
عقل دے کوتاہ سمجھ نہ جانن، پیون لوڑن پانی ہُو
باجھوں ذِکر ربّے دے باہُو، کوڑی رام کہانی ہُو

دُنیا کی سہولتوں کے طالب کُتّے ہر دروازے پر حیران و پریشان پھرتے ہیں اُن کی تمام توجُّہ ہڈی پر ہوتی ہے اور وہ اِس کے لیے لڑتے عمر گزار دیتے ہیں۔ یہ کم عقل نہیں جانتے اور صرف روٹی پانی کی ہی خواہش کرتے ہیں۔ حال آں کہ، خدا کے ذِکر کے بغیر اے باہُو! باقی سب کہانیاں جھوٹی ہیں۔

درد منداں دیاں آہیں کولوں پہاڑ پتھر دے جھڑ دے ہُو
درد منداں دیاں آہیں کولوں بھج ناگ زمیں وِچ وڑ دے ہُو
درد منداں دیاں آہیں کولوں اسمانوں تارے جھڑ دے ہُو

دردمنداں دیاں آہیں کولوں باہُو عاشق مول نہ ڈر دے ہُو

دردمندوں کی آہوں سے پہاڑوں کے پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ دردمندوں کی آہوں سے خوفزدہ ہو کر بڑے بڑے سانپ بھی بلوں میں چلے جاتے ہیں دردمندوں کی آہوں سے تو ستارے بھی آسمان سے جھڑ جاتے ہیں لیکن دردمندوں کی آہوں سے اے باہُو! عاشق ہرگز نہیں ڈرتے۔

دلیلاں چھوڑ وجوددوں ہو ہشیار فقیرا ہُو
بنھ توکل پنچھی اُڈدے ، پلے خرچ نہ زیرا ہُو
روز روزی اُڈ کھان ہمیشہ نہیں کردے نال ذخیرا ہُو
مولا خرچ پوہنچاوے باہُو جو پتھر وِچ کیڑا ہُو

اے فقیر! تُو اِدھر اُدھر کی دلیلوں پر توجُّہ مرکوز نہ کر اپنی ذات میں ہوشیار ہو جا۔ پرندے خدا کے توکّل پر اُڑنا شروع کرتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک ذرہ بھی خوراک کے لیے نہیں رکھتے۔ وہ روزانہ اُڑ کر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں اگلے دِن کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے۔ وہ مالک تو اے باہُو! پتھروں میں کیڑے کو بھی رِزق پہنچاتا ہے۔

دِل بازار تے مونہہ دروازہ سینہ شہر وسیندا ہُو
روح سوداگر نفس ہے راہزن جیہڑا حق دا راہ مریندا ہُو
جاں توڑی ایہہ نفس نہ ماریں تاں ایہہ وقت کھڑیندا ہُو
کردا ہے ضائع ویلا باہُو ، جان نوں تاک مریندا ہُو

یہ دِل ایک بازار کے مانند، مُنہ دروازہ اور سینہ شہر ہے۔ جب کہ روح سوداگر اور نفس ایک راہزن ہے جو حق کا راستہ روکنے کے لیے تاک میں رہتا ہے۔ جب تک اِس نفس کو نہیں مارو گے یہ تمھارا وقت ضائع کرتا رہے گا یہ نفس تو اے باہُو! جان کو نشانہ بنا کر اس زندگی کو ہی ضائع کر دیتا ہے۔

راتیں رتی نیندر نہ آوے ، دیہاں رہے حیرانی ہُو
عارف دی گل عارف جانے ، کیا جانے نفسانی ہُو
کر عبادت پچھو تاسیں تیری ضائع گئی جوانی ہُو
حق حضور انہاں نوں حاصل باہُو جنہاں ملیا شاہ جیلانی ہُو

اللہ کے بندوں کو رات بھر ذرا نیند نہیں آتی وہ دِن کو بھی حیرانی میں رہی رہتے ہیں۔ عارف کی بات کوئی عارف ہی جان سکتا ہے کوئی نفس کا بندہ نہیں جان سکتا...... تم عبادت کرو ورنہ پچھتاؤ گے کہ جوانی یونہی ضائع چلی گئی۔ خدا کی حضوری تو اے باہُو انھیں حاصل ہوتی ہے جن کو "شاہِ جیلانی" مل جاتے ہیں۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی)

راہ فقر دا پرے پریرے اوڑک کوئی نہ دِسّے ہُو
نہ اوتھے پڑھن پڑھاون کوئی نہ اوتھے مسئلے قصّے ہُو
ایہہ دُنیا بُت پرستی مت کوئی اس تے وِسے ہُو
موت فقیری جیں سر آوے باہُو معلم تھیوے تِسے ہُو

فقر کا راستہ بہُت لمبا اور طویل ہے اس کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ نہ تو وہاں کچھ پڑھنا پڑھانا کام آتا ہے اور نہ ہی مسئلے مسائل بیان کرنے سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔ یہ دُنیا تو محض "بُت پرستی" ہے کہیں کوئی اس پر اعتبار نہ کر بیٹھے۔ اے باہُو! جس کو بھی فقیری میں موت آ جاتی ہے وہی اس کا بھید جانتا ہے۔

روزے نفل نمازاں تقوے، سبھو کم حیرانی ہُو
انھیں گلیں رب حاصل ناہیں خودخوانی خودانی ہُو
قدیم ہمیش جلیندا ملیو، سو یار، یار نہ جانی ہُو
وِرد وظیفے تھیں چھٹ رہسی باہُو جد ہورہسی فانی ہُو

روزے، نفل نمازیں، تقویٰ، سب کام حیرانی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان باتوں سے خدا نہیں ملتا۔ خود کو سمجھ اور خود کو پہچان۔ وہ قدیم اور دائم ذات ہمیشہ اپنے بندے کے ساتھ رہتی ہے۔ لیکن، یار کو اِس کی خبر نہیں۔ اے باہُو! جب انسان فنا فی الذات ہو جائے گا تو وہ تمام ظاہری عبادات سے آزاد ہو جائے گا۔

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا، دِل دا پڑھدا کوئی ہُو
جتھے کلمہ دِل دا پڑھیئے، اوتھے ملے زبان نہ ڈھوئی ہُو
دِل دا کلمہ عاشق پڑھدے کیہہ جانن یار گلوئی ہُو
کلمہ پیر پڑھایا باہُو، سدا سہاگن ہوئی ہُو

زبان سے تو ہر کوئی کلمہ ادا کرتا ہے لیکن دِل کی گہرائیوں سے کلمہ پڑھنے والا کوئی کوئی ہوتا ہے۔ دِل سے کلمہ پڑھنے والوں کو جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ زبانی کلمہ پڑھنے والوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ دِل کا کلمہ تو عاشق پڑھتے ہیں اِس کے بارے میں گلے سے کلمہ پڑھنے والے دوست بھلا کیا جانیں۔ یہ کلمہ ہمیں ہمارے مرشد نے پڑھایا تھا جس کے بعد اے باہُو! مَیں ہمیشہ کے لیے سہاگن ہوگئی تھی۔

زاہد زہد کریندے تھکے روزے نفل نمازاں ہُو
عاشق غرق ہوئے وِچ وحدت اللہ نال محبت رازاں ہُو
مکھی قید شہد وِچ ہوئی کیہ اُڈ سی نال شہبازاں ہُو
جنہاں مجلس نال نبیؐ دے باہُو سوئی صاحب ناز نیازاں ہُو

زاہد زُہد کے لیے روزے اور نفل نمازیں ادا کرتے تھک گئے لیکن اُنھیں منزل نہیں ملی جب کہ عاشق وحدت میں غرق ہو کر اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرنے لگے۔ مکھی شہد میں ڈُوب گئی ہے اب وہ اپنے پروں سے شہبازوں کے ساتھ نہیں اُڑ سکتی......اے باہُو! جو حضور نبی کریمؐ کی محفل میں بیٹھتے رہتے ہیں وہی صاحبِ ناز و نیاز ہیں۔

سے روزے ، سے نفل نمازاں ، سے سجدے کر کر تھکے ہُو
سے واری مکے حج گزارن دِل دی دوڑ نہ مکّے ہُو
چلّے چلیئے ، جنگل بھوناں ، اس گل تھیں نہ پکّے ہُو
سبھے مطلب حاصل ہوندے باہُو جد پیر نظر اک تکّے ہُو

سیکڑوں روزے رکھتے سیکڑوں نمازیں پڑھتے۔ سجدہ کرتے کرتے تھک ہار گئے۔ وہ سو بار بھی حج کے لیے مکہ ہو آئیں لیکن اُن کے دِل کی دوڑ ختم نہیں ہو سکتی۔ چلّے بھی کاٹے۔ جنگل جنگل بھی گھومے۔ لیکن پھر بھی اِس بات سے پیچھے نہیں ہٹے، لیکن......اے باہُو! تمام مقاصد اُسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب مرشد کی صرف ایک نظرِ کرم ہو جائے۔

سُن فریاد پیراں دیا پیرا میری عرض سُنیں کن دھر کے ہُو
بیڑا اڑیا میرا وِچ کپر اندے جتھے مچھ نہ بہندے ڈر کے ہُو
شاہ جیلانی محبوب سبحانی میری خبر لیو جھٹ کر کے ہُو

پیر جہاندے میراں باہُو ، اوہ کدھی لگدے تر کے ہُو

اے پیرانِ پیر، شیخ عبدالقادر جیلانی! میری فریاد سنیں۔ میری عرض توجّہ سے سماعت فرمائیں میری کشتی دریا کی طوفانی لہروں میں پھنس گئی ہے جہاں مگر مچھ بھی ڈرتے ہوئے نہیں جاتے۔ اے شاہِ جیلانی! محبوبِ سبحانی! جلدی سے میری خبر لیجیے۔ اے باہُو! جن کے پیر میراں ہوتے ہیں وہ تیر کر کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔

سُن فریاد پیراں دیا پیرا ، مَیں آکھ سناواں کیہنوں ہُو
تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی ، مَیں جیہیاں لکھ تینوں ہُو
پھول نہ کاغذ بدیاں والے درتوں دھک نہ مینوں ہُو
مَیں وِچ ایڈ گناہ نہ ہوندے باہُو ، توں بخشیندوں کیہنوں ہُو

اے پیرانِ پیر، میری بھی فریاد سُن۔ مَیں آپ کے سِوا اور کِس کو اپنا حال سناؤں۔ میرے لیے تو آپ جیسا کوئی اور نہیں لیکن آپ کو میرے جیسے لاکھوں مِل جائیں گے۔ میری برائیوں کا دفتر نہ کھول اور مجھے اپنے در سے دُور نہ کر۔ اگر مجھ میں اِتنے زیادہ گناہ نہ ہوتے تو اے باہُو! آپ کِس کو بخشواتے۔

سینے وِچ مقام ہے کیندا ، سانوں مرشد گل سمجھائی ہُو
ایہو ساہ جو آوے جاوے ہور نہیں شے کائی ہُو
اس نوں اسم الاعظم آکھن ، ایہو سِرّ الٰہی ہُو
ایہو موت حیاتی باہُو ، ایہو بھیت الٰہی ہُو

سینے کے اندر کِس کا مقام ہے ہمیں یہ بات مرشد نے سمجھائی ہے۔ یہ سانس جو آتی جاتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور شے نہیں۔ اسی کو اسمِ اعظم کہتے ہیں۔ یہی اُلُوہیت کا راز ہے۔ اے باہُو! یہی زندگی ہے اور یہی موت، اور یہی خدائی بھید ہے۔

شریعت دے دروازے اُچّے راہ فقر دا موری ہُو
عالم فاضل لنگھن نہ دیندے جو لنگھدا سو چوری ہُو
پٹ پٹ اٹاں وٹّے مارن دردمنداں دے کھوری ہُو
راز ماہی دا عاشق جانن باہُو ، کیہہ جانن لوک اتھوری ہُو

شریعت کے دروازے بہُت بلند ہیں جب کہ راہِ فقر کے لیے ایک معمولی سی موری (سوراخ) ہے عالم و فاضل لوگ کِسی کو اِس راستے سے گذرنے ہی نہیں دیتے۔ جو گذرتا ہے وہ اُن سے چوری ہی گذرتا ہے یہ عالم فاضل لوگ اینٹیں اور پتھر اکھاڑ کر دردمندوں کے پانو میں مارتے ہیں لیکن اے باہُو! محبوب کا راز تو عاشق ہی جانتے ہیں یہ کم عقل لوگ بھلا کیا جانیں!

صورت نفس امارہ دی کوئی کُتا گلر کالا ہُو
کوکے، نُوکے تے لہو پیوے، منگے چرب نوالا ہُو
کھبّے پاسوں اندر بیٹھا دِل دے نال سنبھالا ہُو
ایہہ بد بخت ہے وڈّا ظالم باہُو، کرسی اللہ ٹالا ہُو

نفسِ امارہ کی صورت کالے پاگل کُتّے کی سی ہے۔ جو بھونکتا، نوچتا خون پیتا اور کھانے کے لیے گوشت مانگتا ہے یہ بائیں طرف چھپ کے دِل کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا ہے۔ اے باہُو! یہ بد بخت بہُت ظالم ہے خدا ہی اِس سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

ظاہر ویکھاں جانی تائیں نالے دِسّے اندر سینے ہُو
برہوں ماری مَیں رت پھراں مینوں ہسّن لوگ نابینے ہُو
مَیں دِل وِچّوں ہے شوہ پایا، لوک جاون مکّے مدینے ہُو
کہے فقیر میراں دا باہُو، سب دِلاں دے وِچ خزینے ہُو

اپنے محبوب کو ظاہراً بھی دیکھتی ہوں اور اُس کو اپنے سینے کے اندر بھی دیکھتی ہوں۔ مَیں ہجر و فراق کی ماری، ماری ماری پھرتی ہوں۔ اندھے لوگ مجھ پر ہنستے ہیں...... مَیں نے تو دِل میں سے ہی محبوب کو پایا ہے لوگ تو یونہی مکّے مدینے جاتے ہیں۔ میراں کا فقیر باہُو کہتا ہے کہ تمام خزانے دِلوں میں ہی چھپے ہوئے ہیں۔

علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہُو
سئے ورھیاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ہُو
غفلت کنوں نہ کھلیس پردے دِل جاہل بُت خانہ ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں ملیا یار یگانہ ہُو

شعُور کے بغیر جو بھی شخص فقر کے راستے پر چلتا ہے وہ یا تو دیوانہ یا پھر کافر ہو کر مرتا ہے۔

وہ سیکڑوں سال عبادت کر کے بھی اللہ سے بیگانہ ہی رہتا ہے غفلت کے باعث وہ حجاب نہیں ہٹا سکا اور اُس کا دِل بُت خانے کے مانند ہی رہا میں اُن پر قربان جاؤں باہُو، جنھیں وہ یگانہ محبوب مِل گیا۔

عقل فکر دِی جا نہ کائی جتھے وحدت سرّ سُبحانی ہُو
ناں اوتھے مُلّاں پنڈت جوشی ناں اوتھے عِلم قرآنی ہُو
جد احمد احد وکھالی دِتا تاں کل ہووے فانی ہُو
عِلم تمام کیتونے حاصل باہُو، کتاباں ٹھپ اسمانی ہُو

جو مقام وحدت الٰہی اور سِرِّ سبحانی کو حاصل ہے وہاں عقل وشعُور کی کوئی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ تو وہاں مُلّاں، پنڈت اور جوتشی پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی وہاں قرآنی عِلم کی پہنچ ہے۔ جب احد میں احمد دِکھائی دینے لگتے ہیں تو پھر باقی سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ سب آسمانی کتابوں کو بند کر کے ہی باہُو تمام عِلم حاصل ہوتا ہے۔

عشق مؤذن دِتیاں بانگاں، کنیں بُلبُل پیوسے ہُو
خونِ جگر دا کڈھ کراہاں، وضو صاف کیتوسے ہُو
سن تکبیر فنا فی اللہ دی مُڑن مہال تھیوسے ہُو
پڑھ تکبیر تھیوسے واصل باہُو تداں شکر کیتوسے ہُو

عشق مؤذن نے جب اذانیں دیں تو وہ بُلبُل کے کانوں میں بھی پہنچیں۔ عاشق خود اپنے ہاتھوں خونِ جگر نکال کر اُس سے وضو کرتے اور پھر فنا فی اللہ کی تکبیر سُن کر نماز ادا کرتے ہیں اُن کا واپس پلٹنا مشکل ہوتا ہے، باہُو وہ تکبیر پڑھ کر واصلِ حق ہو جاتے اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

عاشق پڑھن نماز پرم دی جیں وِچ حرف نہ کوئی ہُو
جیہا کیہا نیت نہ سکے اوتھے درمنداں دِل ڈھوئی ہُو
اکھیں نیر تے خون جگر دا اوتھے وضو پاک کیتوئی ہُو
جیبھ نہ ہلّے تے ہونٹھ نہ پھڑکن باہُو خاص نمازی سوئی ہُو

عاشق پریم کی وہ نماز پڑھتے ہیں جس میں کوئی حرف نہیں ہوتا۔ ہر ایسا ویسا شخص اِس نماز کی نیت بھی نہیں باندھ سکتا یہ اعزاز دردمند دِل رکھنے والوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اُن کی آنکھوں میں

آنسُو ہوتے ہیں اور وہ خونِ جگر سے وضو کرتے ہیں اے باہُو! عشق کا خاص نمازی وہی ہے جس کے ہونٹ بھی نہ کانپیں اور زبان بھی نہ ہلے۔

عاشق ہوویں تے عشق کماویں دِل رکھیں وانگ پہاڑاں ہُو
لکھ لکھ بدیاں تے ہزار الاہمے کر جانیں باغ بہاراں ہُو
منصور جیہے چک سولی دتے جیہڑے واقف کل اسراراں ہُو
سجدیوں سر نہ چاہیے باہُو توڑے کافر کہن ہزاراں ہُو

عاشق ہونے اور عشق کمانے کے لیے دِل کو پہاڑوں کی طرح مضبوط سخت اور بلند ہونا چاہیے۔ لاکھوں برائیوں، الزامات اور ہزار طعنوں کو بھی کُھلے دِل سے خوشی کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ یہاں تو منصور جیسوں کو سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے جو تمام اُلُو ہی اَسرار سے واقف تھے۔ اے باہُو! خواہ ہزاروں لوگ تمھیں کافر کہیں۔تم سجدے سے کبھی سر نہ اُٹھانا۔

عاشقاں ہکو وضو جو کیتا، روز قیامت تائیں ہُو
وِچ نماز رکوع سجودے رہندے سنج صبائیں ہُو
اِتھے اوتھے دوہیں جہانیں سب فقر دیاں جائیں ہُو
عرش کولوں سےَ منزل اگے باہُو پیا کم تنہائیں ہُو

عاشق ایک ہی بار وضو کرتے ہیں جو قیامت تک برقرار رہتا ہے اور پھر وہ اسی وضو میں نمازِ عشق ادا کرتے اور رکوع و سجود کرتے رہتے ہیں یہ زمین اور وہ آسمان، دونوں جہان فقر کے ہی مقامات ہیں۔ اے باہُو! فقیروں کی پروازیں تو عرشِ بریں سے بھی سیکڑوں منازل آگے ہوتی ہیں۔

عشق دریا محبت دے وِچ تھی مردانہ تریئے ہُو
جتھے لہر غضب دیاں ٹھاٹھاں قدم اتھائیں دھریئے ہُو
اوجھڑ جھنگ بلائیں بیلے ویکھو ویکھ نہ ڈریئے ہُو
نام فقیر تد تھیندا باہُو جد وِچ طلب دے مریئے ہُو

عشق و محبت کے دریا میں مردانہ وار تیرنا چاہیے بل کہ جہاں غضب کی طوفانی لہریں ہوں وہاں غوطہ زن ہونا چاہیے۔ ویران جنگلوں اور ہیبت ناک راستوں سے یونہی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اے باہُو! لوگ فقیر کے نام سے اُس وقت یاد کرتے ہیں جب محبوب کی طلب میں موت

سے ہمکنار ہوا جائے۔

عشق جنہاندے ہڈیں رچیا رہندے چپ چپاتے ہُو
لوں لوں دے وِچ لکھ زباناں، پھردے گنگے باتے ہُو
اوہ کردے وضو اسم اعظم داتے دریا وحدت وِچ نہاتے ہُو
تدوں قبول نمازاں باہُو جد یاراں یار پچھاتے ہُو

عشق جن کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے وہ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حال آں کہ روئیں روئیں میں لاکھوں زبانیں ہوتی ہیں لیکن وہ گونگے اور بہرے بن کر گھومتے پھرتے ہیں وہ اسمِ اعظم سے وضو کر کے دریائے وحدت میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں۔ اے باہُو! نمازیں اُس وقت قبول ہوتی ہیں جب یار یار کو پہچان لیتے ہیں۔

عاشق سوئی حقیقی جیہڑا قتل معشوق دے منّے ہُو
عشق نہ چھوڑے، مکھ نہ موڑے، توڑے سے تلواراں کھنّے ہُو
جِت ول ویکھے راز ماہی دے، لگے اوسے بنّے ہُو
سچّا عشق حسین علی دا باہُو، سر دیوے راز نہ بھنّے ہُو

وہی سچّا عاشق ہے جو محبوب کے ہاتھوں قتل ہو جانا بھی باعثِ شرف سمجھے۔ خواہ سیکڑوں تلواریں بھی اُس کے سر پر برس جائیں۔ وہ محبوب سے مُکھ موڑے اور نہ ہی عشق سے دستبردار ہو۔ وہ جس طرف بھی محبوب کا اَسرار دیکھے اُس طرف خود کو بھی لگا دے۔ اے باہُو! سچّا عشق تو حسینؓ ابنِ علی کا تھا سر تو قربان ہو جائے مگر رازِ حقیقت افشا نہ کرے۔

عشق دیاں اولڑیاں گلاں جیہڑا شرع تھیں دُور ہٹاوے ہُو
قاضی چھوڑ قضائیں جاون جد عشق طمانچا لاوے ہُو
لوک ایانے متیں دیون عاشقاں مت ناں بھاوے ہُو
مُڑن محال تنہانوں باہُو جنہاں صاحب آپ بلاوے ہُو

عشق کی باتیں ہی انوکھی ہیں، یہ تو شریعت سے دُور کر دیتا ہے۔ جب عشق کا طمانچہ لگتا ہے تو قاضی بھی اپنے منصبِ قضا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ معصوم لوگ نصیحتیں کرتے ہیں لیکن عاشقوں کو ایسی کوئی بات پسند نہیں آتی...... وہ جن کو صاحب خود اپنی طرف بُلا لیتا ہے اے باہُو! اُن کے

لیے واپس پلٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

عاشق نیک صلاحیں لگدے تاں کیوں اُجاڑدے گھر نوں ہُو
بال مواتا برہوں والا نہ لاندے جان جگر نوں ہُو
جان جہاں سب بھل گیونیں پئی لوٹی ہوش صبر نوں ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں خوں بخشیا دلبر نوں ہُو

عاشق اگر لوگوں کے نیک مشوروں کے پیچھے لگ جاتے تو پھر اپنے گھروں کو کیوں اُجاڑتے۔ جدائی کی آگ کے بھانبھڑ جلا کر اپنی جان وجگر کو نہ لگاتے، جان اور جہان دونوں بھی بھول گئے اور صبر وقرار بھی لٹوا بیٹھے...... مَیں اُن پر اے باہُو! قربان جاؤں جنھوں نے اپنے محبوب کو اپنا "قتلِ عمد" بھی بخش دیا۔

غوث قُطب رہن ارے اریرے عاشق جان اگیرے ہُو
جیہڑی منزل عاشق پہنچن اوتھے غوث نہ پاون پھیرے ہُو
عاشق وِچ وصال دے رہندے جنہاں لا مکانی ڈیرے ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ہُو

غوث اور قُطب تو بہُت نزدِیک اس پار ہی رہ جاتے ہیں جب کہ عاشق تو بہُت آگے نکل جاتے ہیں جس منزل تک عاشق پہنچتے ہیں وہاں تو غوث کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ عاشق تو ذاتِ حق کے وصل میں رہتے اور اُن کے ڈیرے تو لامکان میں ہوتے ہیں۔ مَیں اُن پر قربان جاؤں باہُو! جن کے قیام اُس ذاتِ الٰہی میں ہو جاتے ہیں۔

فجری ویلے وقت سویلے آن کرن مزدُوری ہُو
کاواں اِلّاں ہکسی گلاں تریجی رلی چنڈوری ہُو
مارن پنجاں تے کرن مشقت پٹ پٹ سٹن انگوری ہُو
ساری عمر پٹیندیاں گذری باہُو، کدی نہ پئی آ پُوری ہُو

لوگ صبح سویرے اُٹھ کر مزدُوری کرنے لگ جاتے ہیں۔ کوّے، چیلیں ایک ہی جیسی ہیں تیسری اُن میں چنڈول چڑیل بھی شامل ہو جاتی ہے سب پرندے زمین میں چونچیں مار کر مشقت کرتے اور نئی کونپلوں کو اُکھاڑ پھینکتے ہیں اُن کی ساری عمر اکھاڑ پچھاڑ میں ہی اے باہُو! گذر گئی ہے

لیکن ان کی کبھی پوری نہیں پڑتی۔

کل قبیل کو یُسر کہندے کارن دُر بحر دے ہُو
شش زمین تے شش فلک تے شش پانی تے تر دے ہُو
چھیاں حرفاں وِچ سخن اٹھاراں دو دو معنی دھر دے ہُو
مرشد ہادی صحیح کر سمجھایا باہُو اِس پہلے حرف سطر دے ہُو

دُنیا کی کُل مخلوقات عرفانِ ذات کے لیے سمندر سے موتی نکالنے کی دُھن میں ہے۔ چھے زمینوں، چھے آسمانوں اور چھے سمندروں میں اِس مقصد کے لیے تگ ودو جاری ہے ان چھے حرفوں میں اٹھارہ سخن ہیں اور ہر سخن کے دو دو معانی ہیں (ایک ظاہری ایک باطنی) یہ سارے حروف مرشدِ ہادی نے ہم کو باہُو اچھی طرح سمجھائے ہیں۔

کلمے دی کل تد پیوسے جداں کل کلمے وِنج کھولی ہُو
عاشق کلمہ اوتھے پڑھدے جتھے نور نبیؐ دی ہولی ہُو
چوداں طبق کلمے دے اندر کیا جانے خلقت بھولی ہُو
اسانوں کلمہ پیر پڑھایا باہُو ، جند جان اوسے توں گھولی ہُو

کلمے کی گرہ اُس وقت کُھلتی ہے جب یہ گرہ کلمہ خود جا کر کھولتا ہے۔ عاشق کلمہ وہاں پڑھتے ہیں جہاں "نور نبیؐ" کی ہولی ہوتی ہے۔ یہ چودہ طبق کلمے کی حدود میں ہیں، یہ معصوم مخلوق نہیں جانتی، ہمیں تو یہ کلمہ اے باہُو! ہمارے پیر نے پڑھایا ہے۔ ہماری تو یہ جان بھی اُس پر قربان ہے۔

کلمے دی کل تداں پیوسے جداں مرشد کلمہ دسیا ہُو
ساری عُمر وِچ کُفر دے جالی ، بن مرشد دے وسیا ہُو
شاہ علی شیر بہادر وانگن وڈّھ کلمے کُفر نوں سٹیا ہُو
دِل صافی تاں ہووے باہُو ، جاں کلمہ لُوں لُوں رسیا ہُو

اِس کلمہ کی گرہ اُس وقت کُھلی جب مرشد نے ہم کو اِس کلمہ کا بھید بتایا۔ ہم نے تو یہ ساری عُمر کُفر کی حالت میں ہی گزار دی تھی اور ہم مرشد کے بغیر ہی زندگی بِتا رہے تھے۔ جب مرشد نے بتایا تو...... حضرت علیؓ شیر بہادر کی طرح کلمہ نے اس کُفر کو کاٹ کر پھینک دیا اے باہُو! دِل تو تب صاف ہوتا ہے جب کلمہ رُوم رُوم میں بس جاتا ہے۔

کلمے نال مَیں نہاتی دھوتی کلمے نال ویاہی ہُو
کلمے میرا پڑھیا جنازہ ، کلمے گور سہائی ہُو
کلمے نال بہشتیں جانا ، کلمہ کرے صفائی ہُو
مڑن محال تنہاں نوں باہُو ، جنہاں صاحب آپ بلائی ہُو

مَیں نے کلمہ کے ساتھ ہی غُسل کِیا ہے۔ اور میری کلمے کے ساتھ ہی شادی ہوچُکی ہے۔ اِس کلمہ نے میرا جنازہ پڑھایا اور اِسی کلمہ نے مجھے قبر میں لٹایا تھا۔ اِس کلمہ کے ساتھ ہی مَیں نے بہشت میں جانا ہے یہی کلمہ میری شفاعت کرے گا...... اِن لوگوں کے لیے واپس پلٹنا اے باہُو! مشکل ہوتا ہے جنھیں ''صاحب'' خود بلاتے ہیں۔

کُن فَیَکُون جدوں فرمایا ، اساں بھی کولوں ہاسے ہُو
ہِکے ذات صفات ربے دی آہی ، ہِکے جگ ڈھنڈیاسے ہُو
ہِکے لامکان مکان اساڈا ہِکے آن بُتاں وِچ پھاسے ہُو
نفس پلیت پلیتی کیتی باہُو ، کوئی اصل پلیت تاں ناسے ہُو

جب اللہ تعالیٰ نے کُنْ فَیَکُوْن کہا تھا۔ تو ہم بھی وہاں نزدِیک ہی موجود تھے۔ ایک تو خدا اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود تھا اور دُوسرا اِس جہان کا متلاشی...... کہاں ہم لامکان میں رہائش پذیر تھے اور کہاں ہم اِس خاکی جسم میں قید ہوگئے۔ اصل میں ''نفسِ پلید'' نے ہی اے باہُو! پلیدگی کی تھی جس کی وَجہ سے یہ سزا ملی ورنہ ہم بھی کوئی شروع سے پلید تو نہیں تھے۔

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ہُو
نال نگاہ دے پاک کریندا ، وِچ سجی صبون نہ گھتے ہُو
میلیاں نوں کر دیندا چٹا وِچ ذرّہ میل نہ رکھے ہُو
ایسا مرشد ہووے باہُو جیہڑا لُوں لُوں دے وِچ وسّے ہُو

اے باہُو! مرشد کامل ایسا ہونا چاہیے جو دھوبی کی طرح کپڑے کو چھٹک کر صاف کردے۔ کوئی سجی اور صابن استعمال کیے بغیر بس ایک نگاہ سے ہی پاک صاف کردے۔ وہ گندے کپڑے کو صاف سفید کردے اور ایک ذرّہ برابر بھی مَیل باقی نہ رہنے دے...... اے باہُو! ایسا مرشد ہونا چاہیے جو رُوم رُوم میں ہمیشہ کے لیے بس جائے۔

گجھے سایے رب صاحب والے کجھ نہیں خبر اصل دی ہُو
گندم دانہ بہتا چگیا ، ہُن گل پئی ڈور ازل دی ہُو
پھاہی دے وِچ مَیں پئی تڑفاں بُلبُل باغ مثل دی ہُو
غیر دِلے تھیں سٹ کے باہُو ، رکھیئے اُمید فضل دی ہُو

اللہ تعالیٰ کے اَسرار بہت گہرے ہیں کِسی کو کم کم ہی خبر ہوتی ہے۔ گندم کا دانہ کچھ زیادہ ہی کھالیا تھا۔ لیکن اُس کے نتیجہ میں ازل کی ڈور پڑگئی اور اب بُلبُل کے مانند گلے میں طوق پڑنے پر باغ میں تڑپتی رہتی ہُوں دِل سے ''غیریت'' کو دُور کر کے اے باہُو! ہمیشہ اِس کے فضل کی اُمید رکھنی چاہیے۔

گیا ایمان عشقے دیوں پاروں ، ہو کر کافر رہیئے ہُو
گھت زنّار کفر دا گل وِچ بُت خانے وِچ بہیئے ہُو
جس خانے وِچ جانی نظر نہ آوے اوتھے سجدہ مُول نہ دیئے ہُو
جاں جاں جانی نظر نہ آوے ، توڑے کلمہ مُول نہ کہیئے ہُو

اِس عشق کی وَجہ سے ایمان بھی جاتا رہا ہے اب تو کافر بن کر ہی رہنا پڑے گا اب تو گلے میں کُفر کا ''زُنّار'' پہن کر بُت خانے میں جا کر بیٹھ جانا چاہیے۔ جس ''گھر'' میں محبوب نظر نہ آئے اس گھر میں سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ بل کہ اے باہُو! جہاں محبوب کا جلوہ نظر نہ آئے۔ وہاں تو کلمہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔

گودڑیاں وِچ جال جنہاندی اوہ راتیں جاگن ادھیاں ہُو
سِک ماہی دی ٹِکن نہ دیندی لوک انجھے دیندے بدیاں ہُو
اندر میرا حق تپایا ، اساں کھلیاں راتیں کڈھیاں ہُو
تن تھیں ماس جُدا ہویا باہُو کھان جھلارے ہڈیاں ہُو

گودڑیوں میں گذران کرنے والے آدھی رات کو اُٹھ جاتے اور خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اُنھیں محبوب کی طلب ایک پل بھی آرام نہیں کرنے دیتی کور چشم لوگ ان سے برائیاں منسوب کرتے رہتے ہیں۔ میرا باطن تو حق نے تپا رکھا ہے، ہم تو کھڑے کھڑے راتیں گزارتے ہیں۔ اب تو جسم سے گوشت بھی علیحدہ ہو چُکا ہے اور اے باہُو! ہڈیوں پر بھی رعشہ طاری ہے۔

لکھن سکھیوئی تے لکھ ناں جاتا کیوں کاغذ کیتا ضایا ہُو
قط قلم نوں مار نہ جانیں تے کاتب نام دھرایا ہُو
سبھ صلاح تیری ہوسی کھوٹی جاں کاتب دے ہتھ آیا ہُو
صحی صلاح تہاندی باہُو جنہاں الف تے میم پکایا ہُو

تم نے لکھنا تو سیکھ لیا لیکن وہ جو لکھنا چاہیے تھا نہیں لکھا اور کاغذ کو ضائع کر دیا۔ تم قلم کو قط لگانا تو جانتے نہیں اور اپنا نام کاتب رکھا ہوا ہے۔ تمھاری تمام خوش خطی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ جب تمھارا واسطہ اصلی کاتب سے پڑے گا۔ اصل خوش خطی تو اے باہُو ! اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے الف اور میم کی مشق پُختہ کر رکھی ہے۔

لوک قبر دا کرسن چارا لحد بناون ڈیرا ہُو
چٹکی بھر مٹی دی پاسن ، کرسن ڈھیر اُچیرا ہُو
دے درود گھراں نوں وجن کوکن شیرا شیرا ہُو
بے پرواہ درگاہ رب باہُو ، نہیں فضلاں باجھ نبیڑا ہُو

موت کے بعد لوگ تمھارے لیے قبر کا اہتمام کر کے تمھاری ابدی رہایش کا بندوبست کریں گے۔ پھر چٹکی بھر مٹی ڈال کر اس ڈیرے کو اور اُونچا کریں گے تا کہ نشانی رہے۔ پھر وہ چند درود اور دعائیں پڑھتے گھروں کو پلٹ جائیں گے راستے میں تمھاری بہادری کے قصّے بھی بیان کرتے جائیں گے لیکن اے باہُو ! اُس بے پروا کی بارگاہ میں تو اُس کے فضل سے ہی نجات حاصل ہو گی۔

مُوتُو والی موت نہ مِلسی جیں وِچ عشق حیاتی ہُو
موت وصال تھیسی ہِکو جدوں اسم پڑھیسی ذاتی ہُو
عین دے وِچوں عین جو تھیوے دُور ہووے قرباتی ہُو
ہُو دا ذِکر ہمیش سڑیندا باہُو ، دیہاں سُکھ نہ راتی ہُو

''مُوتُوا قبلَ اَنتَ مُوتُو'' والی موت ہی اصل موت ہے۔ اِسی میں ''حیاتِ عشق'' ہے یہ موت اور وصالِ ذات اُس وقت ہوتی ہے جب اُس خدا کا مسلسل ذِکر کِیا جائے۔ جب عین ذات میں سے عین ذات واضح دِکھائی دینے لگے اور بندہ عین کا حصّہ بن جائے تو تمام قربتیں بے معنی ہو جاتی ہیں اے باہُو ! ہُو کا ذِکر ہر وقت جلتا رہتا ہے نہ دِن کو آرام ملتا ہے نہ رات کو چین۔

لوہا ہوویں ، پیا کٹیویں تاں تلوار سدیویں ہُو
کنگھی وانگوں پیا چریویں تاں زُلف محبوب پھریویں ہُو
منہدی وانگوں پیا گھوٹیویں تاں تلی محبوب رنگیویں ہُو
وانگ کپاہ پیا پنجیویں تاں دستار سدیویں ہُو
عاشق صادق ہووے باھُو تاں رس پریم دی پیویں ہُو

اگر تم لوہا ہو اور تمھیں گرم کر کے کُوٹ کُوٹ کر ڈھالا جائے تو پھر تم تلوار کہلاؤ گے۔ تمھیں کنگھی کی طرح چیرا جائے تو پھر تم محبوب کی زُلفوں میں پھیرے جاؤ گے۔ تمھیں منہدی کی طرح گھوٹا (پیسا) جائے تو پھر محبوب کے ہاتھوں کو رنگ سکو گے کپاس کی طرح پنجے (دُھنے) جاؤ گے تمھارا دھاگہ اور کپڑا بنے گا تو پھر دستار کہلاؤ گے۔ اگر اے باھُو! عاشقِ صادق بنو گے تو پھر ہی پریم رس پی سکو گے۔

مرشد مینوں حج مکّے دا ، رحمت دا دروازہ ہُو
کراں طواف دوالے قبلے نت ہووے حج تازہ ہُو
کُن فیکُون جدوکا سُنیا ڈِٹھا مرشد دا دروازہ ہُو
مرشد سدا حیاتی والا باھُو اوہو خضر تے خواجہ ہُو

مرشد کی زیارت میرے لیے حجِ کعبہ کے برابر اور رحمت کا دروازہ ہے۔ مَیں جب بھی اپنے قبلہ کے اردگرد طواف کرتا ہوں میرا حج ہمیشہ کے لیے تازہ ہو جاتا ہے۔ جب مجھے کُنْ فَیَکُوْن کا آوازہ سنائی دیا تھا تو مجھے اس وقت بھی مرشد کا دروازہ دِکھائی دیا تھا۔ میرا مرشد تو اے باھُو! میرے لیے ہمیشہ رہنے والا خواجہ خضر ہے۔

مرشد وانگ سُنارے ہووے جیہڑا گھت کُٹھالی گالے ہُو
پا کُٹھالی باہر کڈھے ، بُندے گھڑے یا والے ہُو
کنیں خوباں دے تدوں سہاون جدوں کھڑے یا اُجالے ہُو
نام فقیر تنہاندا باھُو جیہڑا دم دم دوست سنبھالے ہُو

مرشد کو سُنار کی طرح ہونا چاہیے جو کٹھالی میں ڈال پگھلا کر رکھ دے۔ پھر وہ کٹھالی سے باہر نکال کر بُندے بنائے یا کانوں میں پہننے والی بالیاں اس کی مرضی۔ لیکن وہ حسینوں کے کانوں میں

اُسی وقت خوب صورت لگیں گی جب اُنھیں "پیلنے" میں ڈالا جائے گا۔اے باہُو! فقیر انھی لوگوں کا نام ہے جو ہر پل محبوب کے ناز نخرے برداشت کرتے ہیں۔

مرشد مکہ تے طالب حاجی ، کعبہ عشق بنایا ہُو
وِچ حضور سدا ہر ویلے کریئے حج سوایا ہُو
ہر دم میتھوں جدا نہ ہووے دِل ملنے تے آیا ہُو
مرشد عین حیاتی باہُو میرے لُوں لُوں وِچ سمایا ہُو

مرشد مکّہ معظّمہ اور مرید حاجی ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان عشق خانہ کعبہ ہوتا ہے۔مرشد کی حضوری میں رہ کر ہر وقت حج کا مزہ لینا چاہیے وہ ایک پل بھی مجھ سے جدا نہیں ہوتا یوں اُس سے واصل ہوتا رہتا ہوں۔اے باہُو! مرشد میرے لیے عین حیات ہے وہ ہی میرے روئیں روئیں میں بسا ہوا ہے۔

مرشد وسے سَے کوہاں تے مینوں دِسے نیڑے ہُو
کیہ ہویا بُت اوہلے ہویا پر اوہ وسے وِچ میرے ہُو
جنہاں الف دی ذات صحیح جا کیتی اوہ رکھدے قدم اگیرے ہُو
نَحنُ اَقْرَبُ لبھ لیوس باہُو ، جھگڑے کل نبیڑے ہُو

میرا مرشد اگرچہ سیکڑوں کوس دُور رہتا ہے لیکن وہ مجھ کو میرے نزدیک تر ہی دِکھائی دیتا ہے۔کیا ہوا اگرچہ یہ جسم علیحدہ ہے مگر وہ مجھ میں ہی آباد ہے...... جنھوں نے الف کی ذات کو صحیح طریقے سے پہچان لیا وہ ہمیشہ آگے ہی قدم رکھتے ہیں۔اے باہُو! جو لوگ "نَحنُ اَقْرَبُ" کا راز جان لیتے ہیں وہ ہر طرح کے جھگڑوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

مال تے جان سب خرچ کیجوے ، کریئے خرید فقیری ہُو
فقر کنوں رب حاصل ہووے کیوں کیجے دلگیری ہُو
دُنیا کارن دین ونجاون کوڑی شیخی پیری ہُو
ترک دُنیا تھیں قادری کیتی باہُو شاہ میراں دی میری ہُو

تمام مال و جان خرچ کر کے بھی فقیری ملے تو خرید لینی چاہیے۔پریشان ہونے کی ضرورت نہیں فقر سے ہی خدا ملتا ہے لیکن وہ لوگ جو دُنیا کی خاطر دِین کو چھوڑ دیتے ہیں اُن کی بزرگی اور

پیری سب جھوٹی ہے۔ اے باہُو! میرے مرشد کامل، عبدالقادر جیلانی نے ترکِ دُنیا کر کے ہی ''سرداری'' اور ''پیری'' حاصل کی تھی۔

مَیں کوجھی میرا دِلبر سوہنا، مَیں کیوں کر اس نوں بھاواں ہُو
ویہڑے ساڈے وڑدا ناہیں پَئی لکھ ویلے پاواں ہُو
نہ مَیں سوہنی نہ دولت پلّے ، کیوں کر یار مناواں ہُو
ایہہ دُکھ ہمیشاں رہسی باہُو روندڑی ہی مر جاواں ہُو

مَیں بدصورت اور میرا محبوب اِنتہائی خوب صورت ہے مَیں اُسے بھلا کیسے پسند آ سکتی ہوں۔ مَیں لاکھ بہانے بناتی ہوں لیکن وہ پھر بھی میرے گھر کے آنگن میں پاؤں نہیں رکھتا۔ نہ تو مَیں خوب صورت ہوں اور نہ ہی میرے پاس کوئی دولت ہے پھر مَیں اپنے رُوٹھے ہوئے محبوب کو کیسے مناؤں۔ اے باہُو! یوں لگتا ہے، یہ دُکھ مجھے ہمیشہ رہے گا اور مَیں روتی ہی مر جاؤں گی۔

مذہباں دے دروازے اُچّے ، راہ رباناں موری ہُو
پنڈتاں تے ملوانیاں کولوں چھپ چھپ لنگھیئے چوری ہُو
اڈیاں مارن کرن بکھیڑے دردمنداں دے کھوری ہُو
باہُو چل اُتھائیں وسیئے جتھے دعویٰ ناں کسے ہوری ہُو

مذاہب کے اردگرد بڑی بڑی فصیلیں اور دروازے بنا دیے گئے ہیں جب کہ خدا کی طرف جانے والا راستہ ایک چھوٹے سے سوراخ کے برابر ہے، پنڈتوں اور ملوانوں سے چوری چھپے ہی گذرنا پڑتا ہے۔ دُنیا دار دردمندوں کے پاؤں میں ضربیں لگا کر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اے باہُو! وہاں جا کر بسیرا کرتے ہیں جہاں کسی اور کا کوئی دعویٰ نہ ہو۔

مَیں شہباز کراں پروازاں وِچ دریا کرم دے ہُو
زبان تاں میری کُن برابر موڑاں کم قلم دے ہُو
افلاطون ارسطو جیہے میرے اگے کِس کم دے ہُو
حاتم جیہے لکھ کروڑاں در باہُو دے منگ دے ہُو

مَیں وہ شہباز ہوں جو اُس کے کرم کے باعث آسمانوں پر پرواز کرتا ہے۔ میری زبان کا کہا بھی کُن کے برابر ہے اور مَیں تقدیر کا لکھا بھی موڑ سکتا ہوں افلاطون اور ارسطو جیسوں کی میرے

سامنے کیا حیثیت ہے۔حاتم جیسے لاکھوں کروڑ بھی باھو کے دَر کے منگتے ہیں۔

نال کوسنگی سنگ نہ کریئے کُل نوں لاج نہ لایئے ہُو
تُمّے تربُوز مول نہ ہوندے توڑے توڑ مکّے لے جایئے ہُو
کاواں دے بچّے ہنس نہ تھیندے توڑے موتی چوگ چگایئے ہُو
کوڑے کھوہ ناں مٹھے ہوندے باھُو توڑے سے مناں کھنڈ پایئے ہُو

بُرے شخص کا ساتھی نہیں بننا چاہیے خاندانی وقار کو داغ لگ سکتا ہے۔"تُمّے" کبھی تربوز نہیں بن سکتے خواہ انھیں مکہ شریف سے ہی کیوں نہ گھما کر لے آیا جائے۔کوؤں کے بچّے کبھی ہنس نہیں بن سکتے خواہ انھیں موتی ہی کیوں نہ کھلائے جائیں کڑوے کنویں بھی کبھی میٹھے نہیں ہوتے اے باھُو! خواہ ان میں سیکڑوں من کھانڈ (چینی) کیوں نہ ڈال دی جائے۔

نہیں فقیری جھلیاں مارن سُتیاں لوک جگاون ہُو
نہیں فقیری وہندیاں ندیاں سکیاں پار لنگھاون ہُو
نہیں فقیری وِچ ہوا دے مصلّٰے پا ٹھہراون ہُو
فقیری نام تنہاندا باھُو دِل وِچ دوست ٹکاون ہُو

نہ تو فقیری پاگل پنے کی باتیں کرنے کا نام ہے اور نہ ہی فقیری شور مچا کر سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کا نام ہے......نہ تو فقیری بہتی ہوئی ندیوں سے خشک پار اُتارنے کا نام ہے۔اور نہ ہی فقیری فضاؤں میں مصلے کو ساکت کرنے کا نام ہے۔فقیری تو اے باھُو! دِل میں محبوب کو ہمیشہ کے لیے بسا لینے کا نام ہے۔

نہ رب عرش مُعلّٰے اُتے نہ رب خانے کعبے ہُو
نہ رب عِلم کتابیں لبھّا نہ رب وِچ محرابے ہُو
گنگا تیرتھیں مول نہ ملیا مارے پینڈے بے حسابے ہُو
جد دا مرشد پھڑیا باھُو چھٹے سب عذابے ہُو

نہ تو خدا عرشِ مُعلّٰی پر ہے اور نہ ہی وہ خانہ کعبہ میں ہے۔نہ تو خدا کتابوں کے عِلم میں مِلا اور نہ ہی خدا مسجد و محراب میں پایا۔گنگا اور تیرتھ میں تو وہ ہرگز نہیں مِلا حالانکہ بہت مسافتیں برداشت کیں۔جب سے مرشد کی بیعت ہوئی ہے باھُو! سب عذابوں سے چھٹکارا حاصل ہو گیا ہے۔

نہ مَیں عالم نہ مَیں فاضل نہ مفتی ناں قاضی ہُو
نہ دِل میرا دوزخ منگے نہ شوق بہشتیں راضی ہُو
نہ مَیں تریہے روزے رکھے نہ مَیں پاک نمازی ہُو
باجھ وصال اللہ دے باہُو دنیا کُوڑی بازی ہُو

نہ تو مَیں عالم ہوں، نہ فاضل، نہ ہی مفتی اور نہ قاضی۔ نہ تو میرا دِل دوزخ سے ڈرتا ہے نہ ہی مجھے جنت کا ہی کوئی شوق ہے۔ نہ تو مَیں نے کبھی تیس روزے رکھے ہیں اور نہ ہی کوئی پاک باز اور نمازی ہوں۔ لیکن اے باہُو! اللہ کے وصال کے بغیر یہ دُنیا جھوٹی بازی ہے۔

نہ مَیں سُنّی نہ مَیں شیعہ، میرا دوہاں توں دِل سڑیا ہُو
مُک گئے سبھ خشکی پینڈے جدوں دریا رحمت وِچ وڑیا ہُو
کئی من تارے تر تر ہارے، کوئی کنارے چڑھیا ہُو
صحیح سلامت چڑھ پار گئے باہُو جنہاں مرشد دالڑ پھڑیا ہُو

نہ تو مَیں سُنّی ہوں اور نہ ہی شیعہ۔ میرا دِل تو دونوں سے ہی بیزار ہے۔ مَیں جب رحمت کے دریا میں اُترا تو سب صحرائی سفر ختم ہو گئے۔ کئی تیراک تیر تیر کر تھک گئے لیکن کوئی کنارے تک نہیں پہنچ سکا۔ مگر اے باہُو وہ لوگ جنھوں نے مرشد کا دامن پکڑ لیا وہ صحیح سلامت پار اُتر گئے۔

نہ اوہ ہندو نہ اوہ مومن نہ سجدہ دِین مسیتی ہُو
دم دم دے وِچ ویکھن مولا جنہاں قضا نہ کیتی ہُو
آہے دانے تے بنے دیوانے جنہاں ذات صحیح ونج کیتی ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں عشق بازی چُن لیتی ہُو

نہ تو وہ ہندو ہیں اور نہ ہی مومن، وہ مسجدوں میں جا کر سجدہ بھی نہیں کرتے وہ ہر سانس، ہر پل میں خدا کو دیکھتے ہیں اُنھوں نے کبھی نمازِ توحید قضا نہیں کی۔ وہ دانشمند ہیں لیکن دیوانے بنے ہوئے ہیں اُنھوں نے اُس ذات کو صحیح طرح پہچان لیا ہے۔ اے باہُو! مَیں اُن پر قربان جاؤں جنھوں نے اپنے لیے عشق کی بازی انتخاب کی ہے۔

نفل نمازاں کم زنانا ، روزے صرفہ روٹی ہُو
مکے دے ول سوئی جاندے گھروں جنہاں تروٹی ہُو

اُچیاں بانگاں سوئی دیون نیت جنہاں دی کھوٹی ہُو
کیہہ پرواہ تنہاں نوں باہُو ، جنہاں گھر وِچ لدھی بوہٹی ہُو

نفل نمازیں زنانوں اور کم ہمت لوگوں کا کام ہے۔ اور روزے محض روٹی کی بچت ہے۔ مکے کی طرف بھی وہی جاتے ہیں جن کا اپنے اندر سے رابطہ مضبوط نہیں رہتا۔ اُونچی اُونچی اذانیں بھی وہی دیتے ہیں جن کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے۔ لیکن اے باہُو ! بھلا ان لوگوں کو کیا پروا ہے جن کے دِل میں ''محبوب'' کا ڈیرا ہو۔

نہ مَیں جوگی نہ مَیں جنگم نہ مَیں چلا کمایا ہُو
نہ مَیں بھج مسیتیں وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ہُو
جو دم غافل سو دم کافر ، مرشد ایہہ فرمایا ہُو
مرشد سوہنی کیتی باہُو ، پَل وِچ جا پہنچایا ہُو

نہ تو مَیں جوگی ہُوں اور نہ ہی کوئی سادُھو بیراگی ہُوں۔ مَیں نے کوئی چِلّہ کشی کی ہے اور نہ ہی مَیں مسجد کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتا ہوں اور نہ ہی مَیں زور زور سے تسبیح پڑھتا ہوں...... میرے مرشد کا کہنا ہے کہ، جو دم غافل سو دم کافر ہوتا ہے۔ یہ میرے مرشد کا کمال ہے باہُو کہ اُس نے مجھے ایک پل میں ہی منزل پر پہنچا دیا۔

نہ مَیں سیر ناں پاء چھٹا کی ، نہ پوری سرساہی ہُو
نہ مَیں تولہ نہ مَیں ماسا ، ہُن گل رتیاں تے آئی ہُو
رتّی ہوواں ونج رتیاں ٹُلاں اوہ بھی پُوری ناہی ہُو
وزن تول پُورا ونج ہوسی باہُو جداں ہوسی فضل الٰہی ہُو

نہ تو مَیں ایک سیر ہوں، نہ پاؤ، نہ چھٹانک بھر۔ نہ ہی پوری سرساہی ہوں۔ نہ تو مَیں تولہ ہوں اور نہ ہی ماشہ۔ اب تو بات رتی پر آ چکی ہے۔ اگر رتی بھر ہوں گا تو پھر موتیوں کے ساتھ تُلوں گا لیکن مَیں تو رتی بھی پوری نہیں اے باہُو ! وزن تول تو میزان میں تب پورا ہوگا جب اس میں خدا کا فضل شامل ہوگا۔

نیڑے وسن دُور دسیون ویہڑے ناہیں وڑدے ہُو
اندروں ڈُھونڈن داول نہ آیا مورکھ باہروں ڈُھونڈن چڑھدے ہُو

دُور گیاں کجھ حاصل ناہیں شوہ لبھے وِچ گھردے ہُو
دِل کر صیقل شیشے وانگوں باہُو دُور تھیون کل پردے ہُو

محبوب نزدِیک رہتا ہے مگر دُور نظر آتا ہے، وہ گھر میں بھی داخل نہیں ہوتا۔ محبوب کو اندر ڈُھونڈنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ بے وقوف لوگ اُسے باہر تلاش کرتے ہیں۔ دُور جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا محبوب تو گھر میں ہی مِل سکتا ہے صرف اے باہُو! دِل کو شیشے کی طرح صیقل کرتا کہ تمام ''دُھند لکے'' دُور ہو جائیں۔

وحدت دا دریا الٰہی جتھے عاشق لیندے تاری ہُو
مارن ٹُبھیاں کڈھن موتی آپو اپنی واری ہُو
دُرِّ یتیم وِچ لئے لشکارے جیوں چن لاٹاں ماری ہُو
سو کیوں نہیں حاصل بھردے باہُو جیہڑے نوکر نیں سرکاری ہُو

اللہ تعالیٰ کے دریائے وحدت میں عاشق تیرتے رہتے ہیں۔ وہ اِس میں ڈُبکیاں لگاتے اور اپنی اپنی باری پر موتی نکالتے رہتے ہیں......ان میں ایک ''دُرِّ یتیم'' بھی ہے جو چاند کی طرح روشن اور چمکدار ہے۔ اُنھیں تو اے باہُو! کبھی کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑتا جو سرکاری ملازم ہیں۔ جنھیں سرکار کی چاکری حاصل ہے۔

ہُو دا جامہ پہن کراہاں اسم کماون ذاتی ہُو
کُفر اسلام مقام نہ منزل نہ اوتھے موت حیاتی ہُو
شاہ رگ تھیں نزدیک لدھوس پا اندرونے جھاتی ہُو
اوہ اساں وِچ اسیں انہاں وِچ باہُو دُور رہی قرباتی ہُو

اللہ کے بندے ہُو کا جامہ پہن کر اسمِ ذات کا وِرد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے کُفر و اسلام کوئی مقام رہتا ہے اور نہ ہی انھیں موت وحیات سے کوئی غرض رہتی ہے۔ بس ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھیں تو خدا شاہ رگ سے بھی نزدیک نظر آ جاتا ہے۔ ہم اُس میں اور وہ ہم میں ہوتے ہیں، یہی وہ مقام ہے باہُو جہاں کوئی فاصلہ درمیان میں نہیں رہتا۔

ہِک جاگن ہِک جاگ نہ جانن ہِک جاگدیاں ہی سُتے ہُو
ہِک سُتیاں ہی جا واصل ہوئے ہِک جاگدیاں ہی مُٹھے ہُو

کیہ ہویا جے گھگھو جاگے جیہڑا لیندا ساہ اپٹھے ہُو
مَیں قربان تنہاں توں باہُو جنہاں کھوہ پریم دے جُتے ہُو

کچھ ایسے لوگ ہیں جو اُس کی یاد میں جاگتے رہتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنھیں جاگنا چاہیے مگر وہ جاگ نہیں رہے اور کچھ جاگتے ہوئے بھی خوابِ غفلت میں ہیں۔ اور کچھ سوئے ہوئے اللہ سے واصل ہو چکے ہیں اور کچھ جاگتے ہوئے بھی محروم ہیں۔ کیا ہوا اگر کچھ گھگھو کی طرح جاگ رہے ہیں جو سانس ہی اُلٹا لیتا ہے۔ اے باہُو! مَیں ان پر قربان جاؤں جنھوں نے پریم کے کنویں جوتے ہوئے ہیں۔

ہِک دم سجّن تے لکھ دم ویری، ہِک دم دے مارے مردے ہُو
ہِک دم پچھے جنم گوایا چور بنے گھر گھر دے ہُو
لائیاں دا اوہ قدر کیہ جانن جیہڑے محرم ناہیں سردے ہُو
سوکیوں دھکّے کھاون باہُو، جیہڑے طالب سچّے در دے ہُو

ایک دوست ہے اور اُس کی وجہ سے لاکھوں ہمارے دُشمن بن گئے ہیں۔ اور ہم ایک محبوب کے مارے ہوئے پَل پَل مر رہے ہیں۔ اس ایک محبوب کی خاطر ہم نے زندگی ضائع کر دی ہے اور ہم ہر کسی کے چور بن گئے ہیں۔ وہ بھلا عشق کی قدر و قیمت کیا جانیں جو سروں کے نذرانے سے واقف نہیں۔ اے باہُو! وہ جو ''سچے در'' کے طالب ہیں انھیں دھکے کھانے کی کیا ضرورت ہے؟

ہسّن دے کے رووَن لیوئی تینوں دِتا کِس دلاسا ہُو
عمر بندے دی ایویں وہانی جیویں پانی وِچ پتاسا ہُو
سوڑی اسامی سٹ گھتیسن پلٹ نہ سکسیں پاسا ہُو
تیتھوں صاحب لیکھا منگسی باہُو رتّی گھٹ نہ ماسا ہُو

کس فریب میں آ گیا تھا کہ تُو نے خوشیاں دے کر دُکھ قبول کر لیے۔ بندے کی عمر تو بس اِتنی سی ہے جب تک پانی میں بتاشہ رہتا ہے۔ تجھے مرنے کے بعد تنگ سی قبر میں پھینک دیں گے جہاں تو کروٹ بھی تبدیل نہیں کر سکے گا۔ تجھ سے اے باہُو! مالک حساب کتاب مانگے گا۔ ایک رتی اِدھر ہو گی نہ ایک ماشہ اُدھر۔ پورا پورا ناپ تول ہو گا۔

یار یگانہ ملسی تینوں جے سر دی بازی لائیں ہُو

عشق اللہ وِچ ہو مستانہ ہُو ہُو سدا الائیں ہُو
نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگائیں ہُو
ذاتے نال جاں ذاتی رلیا تد باہُو نام سدائیں ہُو

اگر سر کی بازی لگاؤ گے تو وہ محبوبِ یکتا بھی تمھیں مِل جائے گا۔ عشقِ الٰہی میں سرمست ہو جا، اور دم دم ''اللہ ہُو'' کا وِرد شروع کر دے اسم اللہ کے تصور سے اپنی سانسوں کو پابند بنا لے اللہ تعالیٰ کی ذات سے جب تمھاری ذات واصل ہو گی تب ہی تم ''باہُو'' کہلاؤ گے۔

۔☆۔

بُلھّے شاہ

بُلھے شاہ کے کلام کے بہت سے پہلُو بھی نمایاں طور پر سامنے نہیں آتے۔ اور بہت کچھ راز ہی رہ جاتا ہے "تاریخ اُچ" میں مولانا محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری جو کہ محبوب المطابع دِہلی نے شایع کی، میں گیلانی سیّدوں کا ذِکر کرتے ہوئے مولانا موصوف نے ان کا جدی تعلُّق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزندِ ارجمند سیّد عبدالوہابؒ سے بتایا ہے۔ اس خاندان کے جو سب سے پہلے آبادکار تھے وہ شیخ بندگی محمد غوثؒ تھے۔ جو 887 ہجری میں 54 سال کی عمر میں عرب سے ہجرت کر کے اُچ گیلانیاں میں آباد ہوئے۔ ان سے ڈھائی سو سال قبل بخاری سادات کے بڑے بزرگ سیّد جلال الدین میر سرخ بخاری، بخارہ سے ملتان آئے اور اُنھوں نے حضرت شیخ بہاءُ الدین زکریا ملتانیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ مدت تک آپ کی حاضری میں رہ کر خلافت کا جبہ حاصل کِیا اور اُن کی اجازت سے آپ اُچ گیلانیاں میں آ کر آباد ہو گئے۔ لیکن خاندانی تحقیق کے اعتبار سے سیّد بُلھے شاہ درج بالا دونوں خاندانوں کے ساتھ نہیں ملتے۔ اصل میں وہ حضرت غوث الاعظمؒ کے دوسرے فرزند سیّد عبدالرزاقؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ لیکن یہ تفصیل کہ اُن کے کون سے بزرگ یہاں کب آئے اور اُن کے کون سے بزرگ نے اُچ گیلانیاں میں آنے کی پہل کی، اِس بارے میں "تاریخ اُچ" میں کوئی ذِکر نہیں ملتا۔ ہاں البتہ اُچ سے سیّد بُلھے شاہؒ کے والد کا ساہیوال کے علاقے میں آنے کا ذِکر ضرور ملتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ آپ کے والد ماجد کا نام سیّد سخی محمد درویش تھا، لیکن اُچ سے یہ پہلے پہل کہاں آئے اور سیّد بُلھے شاہؒ کہاں پیدا ہوئے اس ضمن میں تمام محقق ایک دوسرے سے بِالکل اِتفاق نہیں کرتے۔ مثلاً...... تاریخ "سات ستارے" کے مصنف صفحہ 13 پر رقمطراز ہیں:

''لاہور سے جنوب کی جانب بیس میل کے فاصلے پر ایک بستی ''پانڈو کے'' نہر باری دوآب کے کنارے آباد ہے۔ یہاں بخاری سیّدوں کے خاندان میں 1148ء ہجری کے لگ بھگ بُلھے شاہؒ نے جنم لیا''۔

مصنف ''بُلھے شاہ'' مسٹر آسبورن نے سیّد بُلھے شاہؒ کی تاریخ پیدائش 1680ء اور وفات کی تاریخ 1785ء تحریر کی ہے۔ اِس حساب سے آپ کی عمر ایک سو پانچ برس بنتی ہے۔ لیکن آسبورن صاحب نے اپنے اِس دعوے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ سیّد بُلھے شاہؒ کے کلام کے مرتبین میں مولوی انور علی رہتکی اور خان صاحب عبدالرحمٰن اور بھائی پریم سنگھ زرگر قصوری سرفہرست ہیں لیکن انھوں نے بھی اپنے اپنے نسخوں میں سیّد بُلھے شاہؒ کی پیدائش اور وصال کے بارے میں کوئی تاریخی تفصیل بیان نہیں کی۔ مولوی انور علی رہتکی نے وصال کی تاریخ 1171 ہجری بہ مطابق 1785ء بیان کی ہے۔

''خزینۃ الاصفیا'' کے مصنف مولوی غلام سرور لاہوری نے سیّد بُلھے شاہؒ کی تاریخ وفات کا ایک فارسی قطعہ بھی نقل کیا ہے جو سیّد بُلھے شاہؒ کی بالینِ قبر کی زینت بنا ہوا ہے:

چوں بُلھے شاہؒ شیخ ہر دو عالم
مقام خویش اندر خلد ورزید
رقم کن ''شیخ اکرام'' ارتحالش
دگر ''ہادی اکبر مست توحید''

اِس قطعے کے آخر میں دونوں مصرعوں میں سے دو تاریخیں نکلتی ہیں اور بہ قول بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد پہلے مصرع کی تاریخ شیخ اکرام کی گنتی میں ایک عدد زیادہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ اصل میں شیخ اکرم ہو اور کاتب کی غلطی سے اکرام لکھا گیا ہو۔ بہ ہر حال اس قطعے کا سیّد بُلھے شاہؒ کی قبر کی بالین ہونا، اُن کی تاریخ وفات کا ایک واضح ثبوت ہے۔ سیّد بُلھے شاہؒ کے مرشد شاہ عنایت قادری لاہوری کی تاریخی تصنیف ''نافع السالکین'' میں اس سلسلے میں جو عبارت ملتی ہے اُس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''بُلھے شاہؒ کے والد سخی شاہ محمد درویش گانو اُچ گیلانیاں علاقہ سندھ میں رہتے تھے۔ یہ گانو گیلانی سیدوں نے آباد کیا تھا۔ شاہ محمد بھی ذات کے گیلانی سیّد تھے۔ سیّد بُلھے

شاہؒ نے اسی گانو میں اُن کے گھر جنم لیا اور اُن کے والد نے اُن کا نام عبداللہ شاہ رکھا۔ جو کہ اُن کی شاعری کی شہرت کی وَجہ سے بُلھے شاہؒ مشہور ہو گیا۔ اُنھوں نے اپنا یہ اصل نام کہیں بھی اپنی شاعری میں بھی استعمال نہیں کِیا ہے۔ (آپ کے نام کے بارے میں سبھی محقق و ادیب مُتفق ہیں کہ عبداللہ شاہ ہی تھا۔

جب بُلھے شاہؒ کی عمر چھے سال کی ہوئی تو اُن کے والد کچھ گھریلو مجبوریوں کی وَجہ سے اپنے گانو سے ہجرت کر کے ساہیوال کے علاقے ملک وال نامی گانو میں آ کر آباد ہو گئے۔

ملک وال کی آبادی میں ابھی اُنھیں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ چودھری پانڈو بھٹی اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں ملک وال کے نزدیکی گانو تلونڈی میں آیا تو اُس نے اپنے ملنے والوں کے ہاں قیام کِیا اور اُنھوں نے چودھری سے گانو کا حال احوال پوچھا جو چودھری نے بڑے مزے سے سنایا اور اُنھیں بتایا کہ گانو کی زمین بڑی زرخیز ہے اور خوب فصلیں ہوتی ہیں۔ خوشحالی کا دوردورہ ہے اور روپے پیسے کی ریل پیل ہے مگر ایک ہی گھاٹا ہے کہ مَیں نے بڑے چاؤ اور ارمان سے گانو میں مسجد تعمیر کی ہے جس میں کوئی امام نہیں ہے، کوئی اچھا عالم اگر مل جائے تو ہماری عاقبت بھی سنور جائے۔ گانو والوں نے اُنھیں بتایا کہ ہمارے ساتھ والے گانو میں اُچ شریف کے ایک بہت بڑے عالم فاضل جو کہ سیّد بھی ہیں، آئے ہیں، اُن کو پوچھنا چاہیے کیوں کہ وہ ضرورت مند بھی ہیں۔

اگلے روز چودھری پانڈو بھٹی تلونڈی کے نمبردار کو لے کر ملک وال میں شاہ محمد درویش سے ملا اور اُنھیں اپنے گانو کی مسجد میں آنے پر راضی کر لیا۔ مسجد کی امامت شاہ صاحب نے خُود سنبھالی اور اپنے بیٹے بُلھے شاہؒ کو پڑھائی لکھائی کے ساتھ ساتھ مال مویشی کی دیکھ بھال سونپ دی۔

اِس روشنی میں اُن کی عمر کا ایک اندازہ یہ قائم ہوتا ہے کہ اُن کے والد ماجد اُچ گیلانیاں سے ملک وال آئے تو سیّد بُلھے شاہؒ کی عمر اُس وقت چھے سال کے قریب تھی۔ اُن کی پوری عمر کی تحقیق کے لیے اگر اُن کی تاریخ وفات 1171 ہجری میں یہ چھے سال جمع کر لیے جائیں تو یہ کل اُٹھہتّر سال بنتے ہیں۔ لیکن ہمارے اِس اندازے کے خلاف ایک اور بہت بڑا علمی اور تحقیقی ثبوت بھی ملتا ہے جس کی موجودگی میں اس اندازے کو دُرُست تسلیم نہیں کِیا جا سکتا۔ یہ ثبوت بہ قول بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو اُنھوں نے پنجاب یونی

ورسٹی کے عربک پرشین سوسائٹی کے تیسرے سالانہ جلسے منعقدہ 22 اپریل 1939ء کو اوری اینٹل کالج کے پرنسپل اور اس جلسے کے صدر کی حیثیت سے پڑھا اور اوری اینٹل کالج میگزین کے ضمیمہ مئی 1939ء کے چھٹے صفحہ پر چھپا ہوا ملتا ہے۔ یہاں پر اس کی جوں کی توں نقل پیش کی جاتی ہے:

> ''خزینۃ الاصفیا'' مصنفہ مرحوم مفتی غلام سرور لاہوری طبع 1284ھ ص 99 پر ان کا مختصر حال دیا ہے کہ وہ بُلھے شاہؒ عنایت قادری لاہوری کے عظما خلفا میں سے تھے، قصور میں رہتے تھے۔ اُن کے پیروں کی نسبت چند واسطہ سے شاہ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتی ہے۔
>
> وہ عابد و زاہد تھے اور صاحب جذب و سکر و عشق و محبت و وجد و سماع تھے۔ توحید میں بلند مرتبہ مقام اور قیمتی تقریریں پیش کرتے تھے۔ اُن کے پنجابی اشعار کہ معارف و توحید سے پُر ہیں، خاص و عام کی زُبان پر ہیں۔ اُن کی کافیوں کو قوال اصفیا کی مجلسوں میں گاتے ہیں۔ سننے والوں کا ذوق و شوق ان سے بڑھتا ہے۔ ان کے خوارق اور کرامتیں زُبان زدِ خلائق ہیں۔ وہ 1171ھ میں فوت ہوئے''۔

مطلب یہ ہوا کہ سیّد بُلھے شاہؒ کا سن وفات جو ''خزینۃ الاصفیا'' میں درج ہے، وہ دُرُست نہیں لگا اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے بہ قول ہی ایک اور نسخہ جو کہ عبدالعزیز خان صاحب کلرک آف سیشن کورٹ فیروز پور کے پاس محفوظ ہے اور اس پر سیّد بُلھے شاہؒ کی مہر بھی ثبت ہے ''1181 قادری بُلھا شاہ'' اس میں اور دو وظائف بھی شامل ہیں اور سیّد بُلھا شاہ کا نام عبداللہ عشقی لکھا ہے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ 1181 ہجری (1767ء) میں آپ حیات تھے اور زِندگی کے آخری ایام تک وظائف میں مشغول رہے۔ اس مہر کی رُو سے کہ وہ 1181 ہجری میں حیات تھے تو اُن کی تاریخ وفات 1171ھ دُرُست تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اب ہمارے پاس ''خزینۃ الاصفیا'' اور لوحِ مزار سے آگے اور کوئی تحریری ثبوت نہیں رہ جاتا کہ جسے اُن کی تاریخ وفات کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ بہ ہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ بارھویں صدی ہجری میں حیات تھے اور وہ اٹھارھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ چوں کہ آپ کے والد ماجد مروجہ علوم عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم تھے اور موضع ملک وال کے امام مسجد بھی تھے۔ اس لیے غالب خیال یہی ہے کہ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے ہی حاصل کی ہوگی۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جب سیّد بُلھے شاہؒ

سن بلوغت کو پہنچے تو حصولِ تعلیم کے لیے قصور آ گئے۔ اُن دنوں پنجاب میں قصور میں حافظ غلام مرتضٰی قصوری کی مشہور دینی درس گاہ کا بڑا چرچا تھا اور آپ نے اُس میں داخلہ لے لیا۔ اس طرح اُنھیں ایک قابل و فاضل اور کہنہ مشق اُستاد کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ یہ وہی حافظ غلام مرتضٰی ہیں کہ وارث شاہ جیسا عظیم شاعر بھی اُن کا شاگرد تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سیّد بُلھے شاہؒ اَن پڑھ تھے اور محض اپنے تجربے کی بنا پر شاعری کرتے تھے۔ لیکن اُن کے کلام کے بہ غائر مُطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُنھوں نے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے علاوہ فارسی میں گلستان بوستان پڑھیں تھیں اور منطق و نحو و معانی، کنز قدوری، شرح وقایہ سبقاً پڑھ چکے تھے۔ یعنی آپ اپنے دور کے مروّجہ علوم سے مُکمّل طور پر بہرہ وَر تھے اِسی لیے اُن کے کلام میں عربی و فارسی اصطلاحات کا بے تکلفانہ استعمال ملتا ہے۔ اسلامی تصوُّف کی کُتب کے بارے میں بھی خصوصاً ابنِ عربی کی ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات المکیۃ'' کا بھی اُنھوں نے خوب مُطالعہ کر رکھا تھا۔ آپ کے ایک مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ''امرت کنڈ'' کا مُطالعہ بھی کِیا تھا جو کہ شیخ محمد غوث گوالیاری نے 1562ء میں ترجمہ کی تھی اس میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

یہ بات بہ ہر حال تاریخی شواہد میں موجود ہے کہ بُلھے شاہ نے مدرسہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی جب کہ اُن کے کلام میں قرآنی آیات، ہندو متھالوجی اور یوگ کے بارے بھی کھل کر بیان کِیا گیا ہے مان لیجیے کہ ہندو اُس وقت ایک سماجی حقیقت کے طور پر موجود تھے اور اس مذہب کے معاشرت پر بھی گہرے اثرات تھے۔ بُلھے شاہ بھی ان سے سماجی دانش وَر کی حیثیت سے علیحدہ نہیں رہ سکا۔ جب کہ ایک کافی میں تو ہندو متھالوجی کے استعمال کی ایک ارادی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ اور وہ خود بھی اِس کا اظہار کرتا ہے:

شبد اشلوک کی بنی کیا کافی بُلھے شاہ سُنائی

یہ محض حسنِ اِتفاق نہیں بل کہ وہ سچائی ہے جو ''تاریخ اَدَب'' کی کتابوں میں محفوظ ہوگئی ہے کہ حافظ غلام مرتضٰی قصوری کے دونوں شاگردوں نے منفرد کارنامے انجام دیے وارث شاہ نے ہیر لکھ کر ہیر کو رانجھے سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیا، آج لوگ رانجھے کی ہیر یا قصہ ہیر رانجھا کی بات نہیں کرتے بل کہ ''ہیر وارث شاہ'' کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وارث شاہ نے اس قصہ کو جس

رَنگ ڈھنگ اور اَنگ میں بیان کِیا اُسے جو اُسلُوب عطا کِیا وہ لافانی ہو گیا۔ اس شاہکار میں زبان و بیان کے ساتھ اُس عہد کی سماج اور ثقافت کو جس گہرائی اور گیرائی کے ساتھ شامل کِیا گیا ہے وہ پنجاب کی تصویر بن کر رہ گیا ہے یہی وہ پس منظر ہے جس میں وارث شاہ کو پنجاب کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف

سیّد بُلھے شاہؒ نے...... جس بے باک اور نڈر انداز میں عشقِ حقیقی کے رازعیاں کیے ہیں اور جس دبنگ اور بلند آواز میں وحدت الوجود کے خالصتاً صُوفیانہ معاملے کو طشت از بام کِیا ہے وہ سیّد بُلھے شاہؒ کا ہی خاصہ ہے۔ حال آں کہ، اس سے پہلے بابا فرید گنج شکر جیسے سیدھے سادے صُوفی بھی تھے جن کا کام اور کلام محض تبلیغ تک محدود تھا۔ شاہ حسین کے ہاں عشقِ حقیقی اور سلطان باہو کے ہاں اس عشق کی وارداتوں کا تذکرہ بھی موجود ہے ہر دو حضرات کہیں کہیں باغی بھی ہو جاتے ہیں لیکن......

بغاوت کا ایک با قاعدہ اعلان اور اِنقلاب کا دعویٰ

سیّد بُلھے شاہؒ کے ہاں ہی موجود ہے۔ اُنھوں نے تصوُّف میں جس فِکری انقلاب کی بنیاد رکھی اس کی واضح جھلک خواجہ غلام فرید کے کلام میں بھی ملتی ہے۔ اور یہ اعتراف تو میاں محمد بخش کے ہاں بھی موجود ہے کہ

بُلھے شاہ دی کافی سُن کے ٹُٹدا کُفر اندر دا

(ترجمہ: سیّد بُلھے شاہؒ کی کافی سُن کر باطن میں موجود کفر کے تالے بھی ٹوٹ جاتے ہیں)

اِس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ سیّد بُلھے شاہؒ کے کلام میں عشق کی موسیقیت، ہجر کا درد و سوز موجود ہے تو دوسری طرف وحدت کی مستی اور ہست و بود کی سرشاری سر چڑھ کر بولتی ہے...... بہ قول سرفراز قاضی سیّد بُلھے شاہؒ نے روحانیت اور فلسفہ کو ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا ہے۔

لیکن...... سچائی تو یہ ہے کہ......

سیّد بُلھے شاہؒ...... پنجاب کے رومی ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب...... اِس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ "عہدِ اکبری" نے ایک طرف تو مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا تو دوسری طرف مذہب کی باغیانہ فکر کو بھی تحفُّظ فراہم کِیا ایک طرف تو بھگتی تحریک زیادہ قوت اور طاقت کے ساتھ سامنے آئی تو دوسری طرف وہ مسلمان صُوفیہ جو "صلحِ کل"

کے پرچارک تھے اُنھیں بھی پذیرائی حاصل ہوئی۔خصوصاً ''شطاری'' دربار سے وابستہ ہونے کی بناپرزیادہ مؤثر انداز میں سامنے آئے ایک نقطہءنظر یوں بھی ہے کہ شطاریوں پر ہندو آنہ نظریات کا غلبہ تھا جس سے اس وقت کے عالم ناراض بھی ہوئے جس سے عوام میں شطاریوں کی پذیرائی میں بھی کمی آئی۔لیکن اس کے باوجود نوجوان دانش وراور صُوفی ان کے خیالات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔جن میں سے ایک ''شاہ عنایت قادری'' بھی تھے۔جن کے بُلھّے شاہ مرید ہوئے یہ شاہ عنایت محمد علی رضا شطاری کے مرید تھے...... یہ وہ زمانہ تھا جب قادری اور شطاری ایک دوسرے سے کچھ زیادہ دور نہیں تھے شاہ عنایت بھی دراصل ان دونوں سلسلوں کا امتزاج تھے۔یہی وہ ورثہ تھا جو بُلھّے شاہ کو حاصل ہوا تھا۔

اور پھر......مرشد کی پرستش میں وہ امیر خسرو سے بھی آگے نکل گئے۔

مرشد سے بُلھّے شاہ کا رِشتہء عشق وجنون پر مبنی تھا۔بُلھّے شاہ پکّے وجودی تھے اس لیے ہر شے میں مظہر نورِ خدا پاتے تھے۔شاہ عنایت بھی اُن کے لیے انسانِ کامل کا درجہ رکھتے تھے۔اس لیے وہ صفاتِ باری تعالیٰ کی تجسیم بھی تھے اور بُلھّے شاہ کے لیے رشد وہدایت کا منبع بھی تھے۔

قاضی جاید کے بہ قول:

بُلھّے شاہ کا نیا جیون مرشد کی ذات کی توسیع تھی۔یہ تعلُّق جنون آمیزِ عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا مرشد کی پرستش میں وہ امیر خسرو سے بھی آگے نکل گئے تھے۔

مرشد سے اُن کا تعلُّق مابعد الطبیعات سے پیدا ہوا تھا۔وہ پکّے وحدت الوجودی تھے اس لیے ہر شے کو مظہر نورِ خدا پاتے تھے۔شاہ عنایت اُن کے لیے ایک انسانِ کامل کا درجہ رکھتے تھے۔اس لیے صفاتِ باری تعالیٰ کی تجسیم بھی تھے۔یہی وَجہ ہے کہ...... بُلھّے شاہ کو خدا بھی شاہ عنایت کے روپ میں نظر آتا ہے اور اس کا اظہار بہت ساری کافیوں میں ہوتا ہے۔

۔☆۔

منتخب کلام (بُلھے شاہ)

الف اللہ دِل رَتا میرا
مینوں "ب" دی خبر نہ کائی
"ب" پڑھیاں کجھ سمجھ نہ آوے
الف دی لذت آئی!
"ع" تے "غ" دا فرق نہ جاناں
ایہہ گل الف سُجھائی
بُلھا قول الف دے پورے
جیہڑے دِل دی کرن صفائی

اللہ کے الف سے ہی میرا دِل لہو رنگ ہے (مَیں اُسی کے رنگ میں رنگا ہوا ہوں) مجھے ب کی بھی خبر نہیں ہے۔ جو الف کے بعد حروفِ تہجی میں دوسرا حرف ہے یعنی مجھے دوسرے کی کوئی خبر ہے نہ پروا...... مَیں جب بھی ب پر غور کرتا ہوں یا دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو مجھے الف کا ہی ادراک ہوتا ہے۔ مَیں تو ع اور غ (عین ذات اور غیر ذات) میں بھی کوئی فرق نہیں سمجھتا یہ راز بھی دراصل مجھے الف ہی نے بتایا ہے۔ اے بُلھے شاہ! (یاد رکھ) الف کے تمام قول (احکامات) مکمّل اور اٹل ہیں۔ یہی تو ہیں جو دِل کی صفائی کرتے ہیں۔

اِک الف پڑھو چھٹکارا اے

اِک الفوں دو تِن چار ہوئے
پھر لکھ کروڑ ہزار ہوئے

پھر اوتھوں باجھ شمار ہوئے
ہِک الف دا نکتہ نیارا اے
اِک الف پڑھو چھٹکارا اے

کیوں پڑھنائیں گڈ کِتاباں دی
سر چانائیں پنڈ عذاباں دی
ہُن ہوئیا شکل جلاّداں دی
اَگّے پینڈا مُشکل بھارا اے
اِک الف پڑھو چھٹکارا اے

بن حافظ حِفظ قرآن کریں
پڑھ پڑھ کے صاف زُبان کریں
پھر نعمت وِچ دھیان کریں
من پھردا جیئوں ہلکارا اے
اِک الف پڑھو چھٹکارا اے

بس ایک الف پڑھ لو، تمام اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ اِس ایک الف سے ہی دو تین اور چار ہوئے پھر وہیں سے ہزاروں لاکھوں اور کروڑ ہوئے اور پھر وہاں سے ان کا کوئی شمار نہیں رہا۔ ایک الف کا بھید بھی عجیب ہے۔ بس ایک الف پڑھ لو، تمام اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ کیوں بیل گاڑی پر لدی ہوئی کتابیں پڑھتے ہو (گڈ بھر بے شمار، ہزاروں) اور اپنے سر پر عذابوں کی بھاری گٹھڑی رکھتے ہو۔ اب تمھاری شکل بھی جلادوں جیسی ہو گئی ہے۔...... حال آں کہ اس سے آگے سفر بھی مشکل ہے۔ بس ایک الف پڑھو تمام اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل ہو گا۔ حافظ بن کر، قرآن حفظ کرتے ہو، اور پھر اُسے پڑھ پڑھ کر اپنی زُبان کو پاک کرتے ہو لیکن پھر نعمتوں پر بھی توجُہ مرکوز رکھتے ہو۔

احد احمد وِچ فرق نہ بُجھیا   رَتّی اِک بھیت مروڑی دا
اِک رانجھا مینوں لوڑیدا
اِک رانجھا مینوں لوڑیدا

احد اور احمد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بس ذرا اسام کی مروڑی کا فرق ہے۔
مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔ مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔

اساں اوہ پیالا تحقیق کِیا جو بھر کے شاہ منصورؒ پیا
اوہ پیا نے تاج معراج دِیا مَیں کھُوہ تھیں وضو سجایا اے
میرے ماہی کیوں چر لایا اے
میرا سانس لباں تے آیا اے

ہم نے بھی وہ جامِ عشق پوری جانچ پڑتال کے بعد پیا ہے، جو شاہ منصور نے لبریز کر کے پیا تھا۔ یہ وہ جام ہے جو محبوب (حضور نبی کریمؐ) نے پی کر معراج میں دیدار کِیا تھا۔ مَیں نے عشق کے اُسی چاہ سے وضو کِیا ہے۔ میرے ماہی تُو نے کیوں اِتنی دیر لگا دی ہے۔ میری تو جان لبوں پر آ گئی ہے۔

لا اِلٰہ دا ذِکر بتائیو اِلا اللہ اثبات کرائیو
محمد رسُول اللہ میل کرائیو بُکھا ایہہ تحفہ آدم نوں آوے
لاگی رہے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

محمدی جسم بنائیو داخل وِچ بہشت کرائیو
آپے مگر شیطان پُجائیو پھیر اوتھوں نِکل آدم آوے
لاگی رہے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

کلام نبی دی سچّی سر نبیاں دے سائیں صورت پاک نبی دی جیہا چند سورج بھی ناہیں
ہیرے موتی لعل جواہر پہنچے اوتھے ناہیں مجلس اوس نبیؐ دی بہ کے بُکھا کون کہاوے
لاگی رہے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

واہوا آپ محمد اپنی آدم شکل بناوے آپے روز ازل دا مالک آپے شفیع ہو آوے
آپے روز حشر دا قاضی آپے حُکم سناوے آپے چا شفاعت کردا آپ دیدار کراوے

لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

لااِلٰہ کا ذکر ''نفی کل'' بتایا پھر اس میں ''الااللہ'' کا اثبات شامل کِیا نفی اور اثبات کے اس ملاپ سے محمد الرسول اللہ کا کلمہ مکمّل کِیا......اے بُلھّے شاہ! یہ کلمہ آدم کے لیے تحفہء خداوندی ہے عِشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔سب سے پہلے حضرت محمدؐ کی جسمانی تخلیق ہوئی۔اُنھیں بہشت میں رکھا گیا، پھر خود ہی اُس کے پیچھے ابلیس کو لگا دیا......اور پھر، جنت سے اُسے باہر نکال دیا عِشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔حضور نبی کریمؐ کے توسّط سے سامنے آنے والا کلام (قرآن مجید) سچّا ہے۔وہ نبیوں کے سردار ہیں اور اُن کی پاک صورت جیسا تو سورج اور چاند بھی نہیں۔ہیرے لعل و جواہر اُس کی قدر و قیمت تک نہیں پہنچ سکے تو پھر......اُس نبی اکرم کی مجلس میں بیٹھنے والے بُلھّے شاہ کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا؟عِشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔واہ کیا خوب ادا ہے،خود آپ ہی حضرت محمدؐ آدم کی شکل میں آئے۔وہ خود ہی تو روزِ ازل کے خالق ہیں اور خود ہی روزِ قیامت ''شفاعت'' فرمائیں گے۔وہ خود ہی روزِ حساب کے قاضی ہیں اور خود ہی حکم بھی سنائیں گے۔وہ خود ہی شفاعت کریں گے اور خود ہی دیدار بھی کرائیں گے۔ عِشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔

کُن کہیا فَیَکُون کہایا بے چُونی دا چُون بنایا
خاطر تیری جَگت بنایا سِر پر چھتّر لولاکی دا
پردہ کِس توں راکھیدا
کیوں اوہلے بہ بہ جھاکیدا

کارن پیت مِیت بن آیا مِیم دا گھُونگھٹ مُکھ پر پایا
اَحَد تے اَحمد نام دھرایا سِر چھتر جھلّے لولاکی دا
پردہ کِس توں راکھیدا
کیوں اوہلے بہ بہ جھاکیدا

تم نے خود ہی کُن (ہوجا) کہا اور اُس کے جواب میں فَیَکُون بھی خود ہی کہلوایا۔آپ کی

خاطر ہی یہ جہان بنائے اور آپ ہی کے سر پر ''لولاک لما'' کا چھتر سجایا۔ اب یہ حجاب کس سے رکھتے ہو اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر تاک جھانک بھی کرتے ہو۔ محبت کی خاطر خود ہی محبوب بن کر آ گیا۔ چہرے پر میم کا نقاب ڈال لیا۔ اور احد سے احمد نام بھی رکھ لیا سر پر ''لولاک لما'' کا چھتر بھی جھولنے لگا۔ کیوں اوٹ میں بیٹھ کر تاک جھانک کرتے ہو۔ اور یہ پردہ کس سے رکھے ہوئے ہو۔

طلب دِیدار دی آہی کیتا کرم ستار
جلوہ پھیر الٰہی دِتا حضرت نُوں غفار
ہتھ نُورانی غیبوں آوے مندری دا چمکار
بُلھا خُلق محمدی کیتو تاں ایہہ کیہ کہاوے

حضور نبی کریم کو دیدار کی خواہش ہوئی تو اُس ستار نے نظرِ کرم کی، اور اُس غفار نے آپ کو اپنا جلوہ دکھایا ایک نورانی ہاتھ غیب سے نمودار ہوا جس میں ایک انگوٹھی چمک رہی تھی...... بُلھے شاہ، خدا نے خُلق محمدی کو سر بلند کیا تو کیا کیا مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔

ظاہر معلوم نہ کیتا ہویا دِیدار بُھلاوے
رل کے سیّاں کھانا کھاہدا ذرا انت نہ آوے
اوہ انگوٹھی آپ پچھاتی اپنی آپ جتاوے
بُلھا حضرت رخصت ہوئے اپنے یار سہاوے
لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

ذوق دنیا تے اِت نہ کرنا
خوف حشر دے تھیں نہ ڈرنا
چلنا نبی صاحب دی سرنا
اوڑک جا حساب کراوے

یہ دیدار ظاہری تو معلوم نہیں ہوتا وہ تو ایک تمثیل تھی...... دونوں سہیلیوں نے مل کر کھانا بھی کھایا۔ مگر اس حقیقت کا راز بھی گہرا ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر...... حضورؐ نے وہ پردے سے نکلنے والی انگوٹھی پہچان لی کیوں کہ یہ اُن کی اپنی ہی انگوٹھی تھی۔ بُلھے شاہ! حضور اپنے خوب صورت محبوب کے

ہاں سے رُخصت ہو کر واپس آ گئے۔ عشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔ لذاتِ دنیا میں یوں غرق نہ ہو جانا کہ یومِ حشر کا خوف ہی دِل سے جاتا رہے...... آخر تو نبی اکرمؐ کی پناہ میں جانا ہے، وہی ہمارے حساب میں مددگار ہوں گے۔

فقیراں فِکر جو کیتا وِچ درگاہ الٰہی
شفیع محمدؐ جا کھلوتے جتھے بے پرواہی
نیڑے نیڑے آ حبیبا ایہہ محبت چاہی
خرقہ پہن رسُول اللہ دا سر تے تاج لگاوے
لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

فقیروں کو روزِ حساب بارگاہِ الٰہی میں اگر کوئی فِکر لاحق ہوئی تو محمد مصطفیٰؐ ''شفیع'' بن کر اُس بے پروا کے دربار میں کھڑے ہو جائیں گے......تو خدائے عز و جل بھی اظہارِ محبت میں کہے گا: اے میرے محبوب! میرے نزدیک آ، اور بھی نزدیک آ۔ آپؐ کو خرقہء رسالت پہنایا جائے گا اور سر پر تاجِ شفاعت رکھا جائے گا۔ عشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔

تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
کھوہے دے پرچھاویں وانگوں گھوم رہیا من ماہیں
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
جاں بولاں تُوں نالے بولیں چُپ کراں مَن ماہیں
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
جاں سوواں تے نالے سوویں جاں ٹُراں تُوں راہیں
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا

تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
بُلھا شوہ گھر آیا ساڈے جندڑی گھول گھمائیں
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا
تونہیوں ہَیں مَیں ناہیں وے سجنا

اے ساجن! بس تُو ہی تُو ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تُو ہی تُو ہے مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ چلتے ہوئے کُنوئیں کے سایوں کی طرح تُو ہی میرے مَن میں گھوم رہا ہے۔ اے ساجن! بس تُو ہی تُو ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تُو ہی تُو ہے مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ مَیں جب بھی کوئی بات کرتا ہوں تو بھی میرے ساتھ کلام کرتا ہے چُپ ہو جاؤں تو میرے مَن میں چھپ جاتا ہے۔ اے ساجن! بس تُو ہی تُو ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تُو ہی تُو ہے مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ اگر مَیں سوتا ہوں تو تُو بھی میرے ساتھ سو جاتا ہے اور جب مَیں چلتا ہوں تو تُو ہی میرا ہم سفر ہوتا ہے۔ اے ساجن! بس تُو ہی تُو ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تُو ہی تُو ہے مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ اے بُلھا...... شوہ (مرشد) ہمارے گھر آیا ہے اُس پر جان قربان کر دینی چاہیے۔ اے ساجن! بس تُو ہی تُو ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ تُو ہی تُو ہے مَیں تو کچھ بھی نہیں۔

ڈھولا آدمی بن آیا
واہ واہ آیا چھپا چھپایا
آپے آہُو آپے چیتا آپے مارن دھایا
آپے صاحب آپے بردہ آپے مُل وکایا
ڈھولا آدمی بن آیا
واہ واہ آیا چھپا چھپایا
کدی ہاتھی تے اسوار ہویا کدی ٹھُوٹھا ڈانگ بھوایا
کدی رَاول جوگی بھوگی ہو کے سانگی سانگ بنایا
ڈھولا آدمی بن آیا
واہ واہ آیا چھپا چھپایا
بازی گر کیا بازی کھیلی مینوں پُتلی وانگ نچایا

مَیں اِس پڑتالے نچناں ہاں جِت گت مِت یار لکھایا
ڈھولا آدمی بن آیا
واہ واہ آیا چھپا چھپایا
ہابیل قابیل آدم دے جائے آدم کِیں دا جایا
بُلھا اوہناں توں بھی اگے آہا دادا گود کھڈایا
ڈھولا آدمی بن آیا
واہ واہ آیا چھپا چھپایا

میرا محبوب آدمی کے رُوپ میں آیا ہے۔کیا خوب چھپ چھپا کر آیا ہے۔وہ خود ہی ہرن ہے اور خود ہی چیتا......خود ہی ہرن کا شکار بھی کرتا ہے۔وہ خود ہی مالک ہے اور خود ہی زرخرید غلام۔اور پھر خود ہی اپنا مُول بھی لگاتا ہے۔میرا محبوب آدمی کے رُوپ میں آیا ہے۔کیا خوب چھپ چھپا کر آیا ہے۔کبھی تو وہ بادشاہوں کی طرح ہاتھی پر سوار ہوا۔اور کبھی ہاتھ میں لاٹھی اور کاسہ لے کر گداگروں کی طرح بھیک مانگتا ہے کبھی راول، جوگی اور بھوگی کا سوانگ بھر لیتا ہے۔میرا محبوب آدمی کے رُوپ میں آیا ہے۔کیا خوب چھپ چھپا کر آیا ہے۔اُس بازی گر نے کیا خوب بازی کھیلی ہے مجھے پُتلی کی طرح نچا دِیا ہے اور اب مَیں اُس تال پر رقص کرتا ہوں جس کی گت میرے محبوب نے بنائی ہے۔میرا محبوب آدمی کے رُوپ میں آیا ہے۔کیا خوب چھپ چھپا کر آیا ہے۔ہابیل اور قابیل تو حضرت آدم کے بیٹے ہیں۔لیکن حضرت آدم کو کس نے جنم دِیا؟ بلھے شاہ تو اُن سے بھی پہلے کا تھا۔اُس نے تو دادا (بابا آدم) خود اپنی گود میں کھلایا ہوا ہے۔میرا محبوب آدمی کے رُوپ میں آیا ہے۔کیا خوب چھپ چھپا کر آیا ہے۔

حاجی لوک مکّے نُوں جاندے میرا رانجھا ماہی مکّہ
نی مَیں کملی ہاں
مَیں تے منگ رانجھے دی ہوئیاں میرا بابل کردا دھکا
نی مَیں کملی ہاں
حاجی لوک مکّے نُوں جاندے میرے گھر وِچ شوہ مکّہ
نی مَیں کملی ہاں

حاجی لوک مکّے نوں جاندے اساں جانا تخت ہزارے
نی مَیں کملی ہاں
جِت وَل یار اوتے وَل کعبہ بھاویں پھول کِتاباں چارے
نی مَیں کملی ہاں

لوگ حج کرنے کے لیے مکّہ مکرمہ جاتے ہیں لیکن میرے لیے تو میرا محبوب رانجھا ہی مکّہ ہے۔نی سکھیو! مَیں تو دیوانی ہوں۔مَیں تو رانجھے کی منگیتر ہو چکی ہوں۔لیکن میرا بابل زبردستی کر رہا ہے۔نی سکھیو! مَیں تو دیوانی ہوں۔لوگ حج کرنے کے لیے مکّہ مکرمہ جاتے ہیں لیکن میرے گھر میں میرا تو ''دُولھا'' ہی مکّہ ہے۔نی سکھیو! مَیں تو دیوانی ہوں۔لوگ حج کرنے کے لیے مکّہ مکرمہ جاتے ہیں لیکن ہم نے ''تخت ہزارے'' (رانجھے کا وطن) جانا ہے۔نی سکھیو! مَیں تو دیوانی ہوں۔جس طرف محبوب ہو، اُسی طرف کعبہ ہوتا ہے۔بے شک تمام کتابوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لو۔نی سکھیو!...... مَیں تو دیوانی ہوں۔اپنے محبوب کی۔

کون آیا پہن لباس کُوے
تُسی پچھو نال اِخلاص کُوے

ہتھ کھُونڈی موہڈے کمبل کالا　　اکھیاں دے وِچ وسّے اُجالا
چاک نہیں کوئی ہے متوالا　　پچھو دِھّا کے پاس کُوے

کون آیا پہن لباس کُوے
تُسی پچھو نال اِخلاص کُوے

چاکر چاک نہ اِس نُوں آکھوں　　ایہہ نہ خالی گھُرّی گھاتوں
وِچھڑیا ہویا پہلی راتوں　　آیا کرن تلاش کُوے

کون آیا پہن لباس کُوے
تُسی پچھو نال اِخلاص کُوے

نہ ایہہ چاک کہیں دا　　نہ اِس ذرّہ شوق مہیں دا
نہ مشتاق دُدّھ دہیں دا　　نہ اِس بھُکھ پیاس کُوے

کون آیا پہن لباس کُوے

تُسی پچھو نال اِخلاص کُڑے

بُلھا شوہ لک بیٹھا اوہلے دسّے بھیت نہ مُکھ سے بولے
بابل ور کھیڑیاں توں ٹولے ور مانڈا مانڈے پاس کُڑے

کون آیا پہن لباس کُڑے
تُسی پچھو نال اِخلاص کُڑے

یہ کون ہے جو آدمی کا لباس پہن کر آیا ہے۔تم سب سکھّیاں اُس سے خلوصِ نیت کے ساتھ پوچھو۔ہاتھوں میں عصا، شانوں پر کالی کملی ہے۔اور اُس کی آنکھوں میں نُور کا اُجالا ہے...... یہ کوئی چاک نہیں یہ تو کوئی مست متوالا ہے تم اُسے اپنے پاس بٹھا کر پوچھو۔یہ کون ہے جو آدمی کا لباس پہن کر آیا ہے۔تم سب سکھّیاں اُس سے خلوصِ نیت کے ساتھ پوچھو۔اُسے چاکر اور چاک کَہ کر نہ پکارو، یہ تو کوئی پوشیدہ راز ہے۔یہ تو پہلی رات کا بچھڑا ہوا ہے جو سکھیو کسی اپنے کی تلاش میں آیا ہے۔یہ کون ہے جو آدمی کا لباس پہن کر آیا ہے۔تم سب سکھّیاں اُس سے خلوصِ نیت کے ساتھ پوچھو۔یہ نہ تو کسی کا غلام اور نوکر ہے اور نہ ہی اس کو بھینسوں کا ہی کوئی شوق ہے نہ ہی یہ دُودھ اور دہی کا رسیا ہے۔یہ تو سکھی بھوک اور پیاس سے ہی بے نیاز ہے۔یہ کون ہے جو آدمی کا لباس پہن کر آیا ہے۔تم سب سکھّیاں اُس سے خلوصِ نیت کے ساتھ پوچھو۔اے بُلھا! شوہ، اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔نہ تو وہ اپنا راز بتاتا ہے اور نہ ہی کچھ مُنہ سے بولتا ہے۔میرا بابل میرے لیے کھیڑوں میں ''خاوند'' تلاش کر رہا ہے جب کہ میرا بَر تو سکھی میرے پاس ہی ہے۔یہ کون ہے جو آدمی کا لباس پہن کر آیا ہے۔تم سب سکھّیاں اُس سے خلوصِ نیت کے ساتھ پوچھو۔

کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو

کُن کہیو فَیکُون کہایو تَیں باجھوں ہور کیہڑا آیو
عِشقوں سب ظہور بنایو عاشق ہو کے وسدے ہو

کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو

پچھو آدمؑ کس نے آندا اے کِتھوں آیا کِتھے جاندا اے

اوتھے کِس دا تینوں لاندا اے اوتھے کھا دانہ اُٹھ نسدے او
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو
آپے سُنیں تے آپ سُناویں آپے گاویں آپ بجاویں
ہتھوں قول سرود سُناویں کِتے جاہل ہو کے نَسدے ہو
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو
تیری وحدت توہیں پچاویں اَنَاالحق دِی تار ہلاویں
سُولی تے منصُور چڑھاویں اوتھے کول کھلو کے ہسدے او
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو
جویں سکندر طرف نوشاباں ہو رسُول لے آیا کتاباں
یُوسُفؑ ہو کے اندر خواباں زُلیخا دا دِل کھسدے او
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو
کِتے رُومی ہو کِتے زنگی ہو کِتے ٹوپی پوش فرنگی ہو
کِتے مَے خانے وِچ بھنگی ہو کِتے مہر مہری بن وسدے ہو
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو
بُلھا شاہ عنایت آرس اے اوہ دِل میرے دا وارث اے
مَیں لوہا تے اوہ پارس اے تُسی اوسے دے سنگ گھسدے ہو
کہنوں لا مکانی دسدے ہو
تُسی ہر رنگ دے وِچ وسدے ہو

یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔تم نے کُن کہا اور خود ہی فیکون

کہلوایا۔ تمھارے بغیر اور کون ظہور میں آیا تھا۔ سب کچھ عشق سے ہی ظہور میں آیا اور اب خود ہی عاشق بنے پھرتے ہو۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ ذرا یہ تو بتاؤ، آدم کو یہاں کون لایا۔ وہ کہاں سے آیا اور کہاں پلٹ کر جاتا ہے وہاں کس نے اُسے بہکایا تھا جو دانہ گندم کھا کر بھاگ نکلا۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ خود ہی کہتے ہو اور خود ہی سنتے ہو۔ خود ہی گاتے ہو اور خود ہی بجاتے ہو بند مٹھی میں قول حقیقت (کلمہ طیبہ) بھی سناتے ہو اور کہیں جاہل بن کر بھاگ اُٹھتے ہو۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ تُم خود ہی اپنی توحید کی پوجا بھی کرواتے ہو پھر "اناالحق" کی تار بھی ہلاتے ہو اور سولی پر منصور کو چڑھاتے ہو اور پھر سامنے کھڑے ہو کر مسکراتے ہو۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ جس طرح سکندر رومی ملکہ نوشابہ کے پاس ایلچی بن کر گیا۔ کبھی خود ہی رسول بن کر کتابیں بھی لے آتے ہو۔ اور کبھی یوسفؑ بن کر زلیخا کے خوابوں میں آ کر اُس کا دِل چھین لیتے ہو۔

یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ کہیں تم رومی کے بھیس میں ہو تو کہیں تم سیاہ حبشی بنے ہوئے ہو۔ اور کہیں کلاہ پوش فرنگی، اور کہیں مے خانے کے بدمست بھنگی شرابی ہو اور کہیں میاں بیوی بن کر رہتے ہو۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔ اے بُلھا!...... شاہ عنایت تو ہیرا ہے اور وہ میرے دِل کا مالک ہے۔ مَیں لوہا اور وہ پارس پتھر ہے جس نے مجھے سونا بنا دِیا ہے۔ تم بھی اُسی کے ساتھ گھتے ہو۔ یہ تم کس کو لامکانی بتاتے ہو! تم تو ہر رنگ میں بستے ہو۔

کیہہ کردا بے پروائی جے
کیہہ کردا بے پروائی جے
کُن کہیا فَیکون کہایا — باطن ظاہر دے وَل آیا
بے چونی دا چُون بنایا — بکھڑی کھیڈ مچائی جے
کیہہ کردا بے پروائی جے
کیہہ کردا بے پروائی جے
سِرّ مخفی دا جِس دم بولا — گھُونگھٹ اپنے مُنہہ سے کھولا
ہُن کیوں کردا ساتھوں اوہلا — سب وِچ حقیقت آئی جے

کیہ کردا بے پروائی جے
کیہ کردا بے پروائی جے
کرّمنا بنی آدم کہیا کوئی نہ کیتا تیرے جیہا
شان بزرگی دے سنگ ایہا دفڑی خوب وجائی اے
کیہ کردا بے پروائی جے
کیہ کردا بے پروائی جے
آپے بے پرواہیاں کر دے اپنے آپ سے آپے ڈر دے
رہیا سما وِچ ہر ہر گھر دے بھلّی پھرے لوکائی جے
کیہ کردا بے پروائی جے
کیہ کردا بے پروائی جے

لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔اُس نے......خود ہی کُن کہا، اور پھر اُس کا فیکون جواب بھی دلوایا۔ باطن، ظہور کی طرف آیا۔ اور عدم سے وجود کو پیدا کیا اور یہ عجیب کھیل رچایا۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔ جب اُس نے مخفی راز عیاں کِیا اور اپنے رُخ سے نقاب ہٹا دیا ہے تو پھر اب ہم سے پردہ کیوں رکھتا ہے حال آں کہ تمام لوگ یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ وہ ہر شے میں موجود ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔ اُس نے بنی آدم کے لیے ''لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدم '' شرف بھی رکھا۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ '' کوئی تیرے جیسا اور نہیں'' اسے عظمت اور بزرگی بھی عطا کی۔ پھر اُس کی خوب ڈفلی بھی بجائی انسان کو رُسوا بھی کِیا۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔ وہ خود ہی اپنی بے پرواہی کا سامان بھی کرتا ہے۔ پھر خود ہی اپنے آپ سے ڈرتا بھی ہے۔ خود ہی ہر وجود میں سمایا ہوا بھی ہے۔ لوگ اِس حقیقت کو بھول چکے ہیں۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔لوگو! وہ دیکھو، کیسی بے پرواہی کرتا ہے۔

کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
اِکسے گھر وِچ وسدیاں رسدیاں نہیں بندا وِچ پردہ

کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
وِچ مسیت نماز گزارے بُت خانے جا وڑدا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
آپ اِکّو کئی لاکھ گھراں دے مالک ایہہ گھر گھر دا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
جِت وَل ویکھاں اُت وَل اوہو ہر دی سنگت ہر دا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
موسیٰ تے فرعون بنا کے دو ہو کے کیوں لڑدا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
حاظر ناظر اوہو ہر تھاں سُو چک کِس نُوں کھڑدا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
ایسی نازک بات کیوں کہندا نہ کہہ سکدا نہ جردا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
اِت وَل آپے اُت وَل آپے ، آپے صاحب آپے بردہ
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
وحدت دا دریا سچاواں اوتھے دِسّے ہر کوئی تردا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا
بُلھا شوہ دا عِشق بگھیلا رت پیندا گوشت چردا
کیہ کردا نی کیہ کردا نی - کوئی پچھو کھاں دِلبر کیہ کردا

کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔جب ہم ایک ہی گھر میں ہنستے بستے ہیں تو پھر دونوں میں پردے کا تو کوئی جواز نہیں۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔مسجد میں نماز بھی پڑھتا ہے اور پھر بت خانے میں بھی چلا جاتا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔خود تو ایک ہی ہے لیکن اُس کے لاکھوں گھر ہیں۔اور یہ ہر گھر کا مالک بھی ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو

پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔مَیں جس طرف بھی دیکھوں اُسی طرف وہی دکھائی دیتا ہے وہی ہر کسی کی سنگت کرتا ہے اور سب کا اپنا بھی ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔خود ہی موسیٰ اور فرعون کی تخلیق کرتا اور پھر علیحدہ علیحدہ ہو کر آپس میں لڑتا بھی ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔وہی ہر جگہ موجود بھی ہے۔حاظر و ناظر ہے تو پھر کس کو اُٹھا کر لے جاتا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔ایسی نازک بات زُبان پر کیوں لاتا ہے جو وہ نہ کہہ سکتا ہے اور نہ ہی برداشت کر سکتا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔اِس طرف بھی وہ ہے اُس طرف بھی وہ ہے خود ہی مالک ہے اور خود ہی غلام بھی بنا ہوا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔وہی توحید خالص کا بہتا دریا ہے۔جس میں ہر کوئی تیرتا دکھائی دیتا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔اے بُلھے !شوہ (مالک) کا عِشق تو شیر کا بچہ ہے۔جو خون پیتا اور گوشت کھاتا ہے۔کیا کرتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔کوئی تو پوچھے کہ آخر دِلبر یہ کیا تماشے کرتا ہے۔

دُوئی دُور کرو کوئی شور نہیں　　ایہہ تُرک ہندو کوئی ہور نہیں
سب سادھ کہو کوئی چور نہیں　　ہر گھٹ گھٹ آپ سمایا اے
ٹک بُوجھ کون چھپ آیا اے
کِس بھیکھی بھیکھ وٹایا اے

دُوئی کا تصوّر دِل سے نکال دو۔یہ ترک مسلمان اور ہندو کوئی اور نہیں ہیں۔سب نیک ہیں اور اُسی کی مخلوق ہیں' کوئی چور نہیں۔خدا خود ہر جسم میں سمایا ہوا ہے۔ذرا بوجھو،کون چھپ کر آیا ہے اور کس بھیس بدلنے والے نے بھیس بدل رکھا ہے۔

مَیں پایا ہے مَیں پایا ہے
تَیں آپ سرُوپ وٹایا ہے
کِتے تُرک کِتاباں پڑھتے ہو　　کِتے بھگت ہندو جپ کرتے ہو
کِتے گوڑھ گنڈے میں پڑتے ہو　　ہو گھر گھر لاڈ لڈایا ہے
مَیں پایا ہے مَیں پایا ہے

تَیں آپ سرُوپ وٹایا ہے

کِھوں غافل کِھوں نمازی ہو کِھوں منبر تے بہ وعظی ہو
کِھوں تیغ بہادر غازی ہو کِھوں اپنا پنتھ بنایا ہے

مَیں پایا ہے مَیں پایا ہے
تَیں آپ سرُوپ وٹایا ہے

کِھوں مسجد کا ورتارا ہے کِھوں بنیا ٹھاکر دوارا ہے
کِھوں بیراگی جٹ دَھارا ہے کِھوں شیخن بَن بَن آیا ہے

مجھے سب پتا چل گیا ہے، مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ تم نے ہی یہ خوب صورت رُوپ دھار رکھے ہیں۔ کہیں مسلمان بن کر قرآن پاک پڑھتے ہو، کہیں ہندو بن کر بھگتی جاپ کرتے ہو اور کہیں اندھے کنُویں میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہو۔ خدا نے ہی ہر گھر میں پیار محبت کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ مجھے سب پتا چل گیا ہے، مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ تم نے ہی یہ خوب صورت رُوپ دھار رکھے ہیں۔ کہیں غافل بنے ہوئے ہو اور کہیں نمازی ہو۔ کہیں منبر پر بیٹھ کر وعظ کرتے ہو۔ کہیں گرو تیغ بہادر غازی کی طرح اپنا علیحدہ پنتھ بنا کر تبلیغ کرتے ہو۔ مجھے سب پتا چل گیا ہے، مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ تم نے ہی یہ خوب صورت رُوپ دھار رکھے ہیں۔ کہیں تو مسجد کا نظام چل رہا ہے تو کہیں دیوتا مندر بنے ہوئے ہیں۔ اور کہیں لمبی زلفوں والے بیراگی تو کہیں وہ مسلمان صُوفی بن کر آیا ہے۔

مینوں عِشق ہُلارے دیندا اے
مُنہ چڑھیا یار بُلیندا اے

کیہ پچھدا ہیں ذات صِفات میری اوہو آدمؑ والی ذات میری
نَحنُ اَقرَب دے وِچ گھات میری وِچ رب دا سِر جھلیندا اے
کِتے شیعہ اے کِتے سُنّی اے کِتے جٹّا دھاری کِتے مُنّی اے

عِشق کی مستی مجھے جھولا جھلاتی رہتی ہے اور وہ محبوب جس کا مَیں ہمیشہ ذکر کرتا رہتا ہوں وہ مجھے بلاتا ہے۔ میری ذات صفات کے بارے کیا پوچھتے ہو؟ وہی آدم والی میری ذات ہے "نَحنُ اَقرَب" میں پوشیدہ ہوں مجھ میں ہی خدا کا بھید جھول رہا ہے۔ کہیں تو شیعہ ہے اور کہیں سُنّی

ہے..... کہیں تو اُس نے لمبی زُلفیں رکھی ہوئی ہیں اور کہیں سر منڈوایا ہوا ہے۔

نی سئیو مَیں گئی گواچی
کھول گھُنگھٹ مُکھ ناچی

جِت وَل ویکھاں اُت وَل اوہی قسم اوسے دی ہور نہ کوئی
وَهُوَ مَعَكُمْ پھر گئی دھروئی جب گور پڑی باچی

نی سئیو مَیں گئی گواچی
کھول گھُنگھٹ مُکھ ناچی

سکھیو! میرے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ مَیں چہرے سے سب نقاب ہٹا کر ناچنے لگی۔ مَیں جس طرف بھی دیکھتی ہوں، اُس طرف وہی ہے۔ اُس کی قسم کوئی اور نہیں ہے۔ چاروں طرف ''وَهُوَ مَعَكُمْ'' کی پکار ہے (وہ تمھارے ساتھ ہے) جب سب گروؤں کی کتاب (قرآن مجید) میں یہ پڑھ لیا۔ سکھیو! میرے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ مَیں چہرے سے سب نقاب ہٹا کر ناچنے لگی۔

بُلھا جیسی صورت عین ہے تیسی غین پچھان
اِک نقطے دا پھیر ہے بھُلاّ پھرے جہان

بُلھے شاہ! جیسی صورت عین کی ہے (عین ذات) ویسی ہی صورت غین کی تسلیم کر، (غیر ذات) بس ایک نقطے کا تو فرق ہے جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔

بُلھا چل سنیار دے جتھّے گہنا گھڑیئے لاکھ
صورت آپو اپنی توں اِکّو رُپا آکھ

بُلھے شاہ! آؤ سنار کے پاس چلیں، جہاں طرح طرح کے زیور تیار ہوتے ہیں۔ اور اُن کی شکل وصورت بھی علیحدہ علیحدہ ہے لیکن ان سب میں چاندی تو قدرِ مشترک ہے، وہی اصل ہے۔

جے مَیں تینوں اندر ڈھونڈاں تے فیر مقید جاناں
جے مَیں تینوں باہر ڈھونڈاں تے میرے اندر کون سمایا
سب کجھ توں ایں سب وِچ توں ایں سب توں پاک پچھاناں
مَیں وی توں ہیں توں وِی مَیں ہیں وَت بُلھا کون نمانا

اے خدا! اگر مَیں تمھیں اپنے اندر تلاش کرتا ہوں، تو پھر مجھے تم کو ''مقید'' سمجھنا پڑتا ہے۔

اور اگر مَیں تمھیں باہر تلاش کرتا ہوں تو پھر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ میرے اندر کون سمایا ہوا ہے۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ "سب کچھ تُو ہے اور سب میں تُو ہے، تُو ہی ہر عیب سے پاک ہے۔ اگر مَیں بھی تُو ہے، تُو بھی مَیں ہوں تو پھر مسکین و عاجز بُلھا کون ہے؟"۔

گل سمجھ لئی تے رولا کیہ
ایہہ رام رحیم تے مولا کیہ

جب بات کی حقیقت سمجھ آ گئی تو پھر سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ پھر کیا رام، کیا رحیم اور کیا مولا! سب ایک ہی دکھائی دے گا۔

بُلھا شوہ توں وَکھ نہیں
پر ویکھن والی اَکھ نہیں

بُلھا......اپنے خدا سے علیحدہ نہیں لیکن کیا کریں، یہ دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں۔

اِس کا مُکھ اِک جوت ہے گھُونگھٹ ہے سنسار
گھُونگھٹ میں وہ چھپ گیا مُکھ پر آنچل ڈار

اُس کا مکھڑا اِک روشنی ہے اور یہ کائنات اُس کا حجاب ہے۔ وہ چہرے پر نقاب ڈال کر اس کائنات میں چھپا بیٹھا ہے۔

اِن کو مُکھ دِکھلائے ہے جن سے اس کی پیت
اِن کو ہی ملتا ہے جو اِس کے ہَیں مِیت

وہ محبوب، بس اُنھی کو اپنا دیدار دیتا ہے جن کے ساتھ اُس کی پریت ہے وہ اُنھی کو ملتا ہے جو اُس کے محبوب ہیں۔

اربع عناصر محل بنائیو وِچ وڑ بیٹھائیں آپے
آپے کُڑیاں آپے ننگر آپے بنتائیں ماپے
آپے مریں تے آپے جیویں آپے کریں سیاپے
بُلھیا جو کُجھ قدرت رب دی آپے آپ سنجھاپے

اربع عناصر (آگ، ہوا، پانی، مٹی) کا ایک محل بنایا اور پھر خود ہی اس میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ گیا تو خود ہی لڑکے لڑکیاں اور میاں بیوی ہے اور خود ہی ماں باپ بن جاتا ہے۔ تو خود ہی جیتا

ہے اور پھر خود ہی مر جاتا ہے اور پھر اس پر ماتم بھی خود ہی کرتا ہے۔ بُلھے شاہ! خدا کی قدرت کا بھی عجب راز ہے وہ خود ہی اپنی پہچان کا سامان بھی کرتا ہے۔

اپنے تن دی خبر نہ کائی ساجن دی خبر لیاوے کون
نہ ہوں خاکی نہ ہوں آتش نہ ہوں پانی پون
کُپّے دے وِچ روڑ کھڑکدے مُورکھ آکھے بولے کون
بُلھا سائیں گھٹ گھٹ رنویا جیوں آٹے وِچ لون

مجھے تو اپنے تن بدن کی کوئی خبر نہیں محبوب کی خبر پانے کون جائے۔ نہ تو مَیں خاکی ہوں اور نہ ہی ناری۔ اور نہ ہی پانی اور ہوا ہوں۔ خالی برتن میں کنکر بجتے ہیں مورکھ کہتے ہیں پتا نہیں کون بولتا ہے۔ اے بُلھے! وہ مالک تو ہر جسم میں یوں رچا ہوا ہے جیسے آٹے میں نمک ملا ہوتا ہے۔

بُلھا رب کہو نہ کہو
آئی صُورتوں سچّا رہو

بُلھا! تم اُس کو خدا کہو نہ کہو، لیکن جو کچھ صورتِ حالات تمھارے سامنے ہے اُس میں سچے رہو۔

تُسی آپے آپ اسی سارے ہو   کیوں کہندے اسیں نیارے ہو
آئے اپنے آپ نظارے ہو   وِچ برزخ رکھیا خاکی دا
پردہ کِس توں راکھیدا
کیوں اوہلے بہ بہ جھاکیدا

دُدھ باجھوں دوسرا کیہڑا ہے   کیوں پایا اُلٹا جھیڑا ہے
ایہہ ڈِٹھّا بڑا اندھیرا ہے   ہُن آپ نوں آپے آکھیدا
پردہ کِس توں راکھیدا
کیوں اوہلے بہ بہ جھاکیدا

تم خود ہی تو ہر شے میں موجود ہو۔ پھر خود کو علیحدہ کیوں کہتے ہو؟ خود آپ ہی اپنا نظارہ کرنے آئے لیکن...... درمیان میں یہ خاکی جسم کا پردہ رکھ لیا۔ کیوں اوٹ میں بیٹھ کر تاک جھانک کرتے ہو۔ اور یہ پردہ کس سے رکھے ہوئے ہو۔ تمھارے بغیر بھلا کوئی دوسرا کہاں ہے۔ لیکن خواہ مخواہ کی بحث میں بھی اُلجھایا ہوا ہے جب کہ حقیقت کو اندھیرے میں بھی چھپا رکھا ہے اِس لیے ہم

کوخود اپنے آپ سے ہی کہنا پڑتا ہے کہ: کیوں اوٹ میں بیٹھ کر تاک جھانک کرتے ہو۔اور یہ پردہ کس سے رکھے ہوئے ہو۔

گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
سچ آکھ مناں کیوں ڈرنا ایں اس سچ پچھے تُوں ترنا ایں
سچ سدا آبادی کرنا ایں سچ وست اچنبھا آئی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
باہمن آ جَھان ڈرائے پتّر پیڑ دَس بھرم دوڑائے
آپے دَس کے جتّن کرائے پُوجا شروع کرائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
پتّر تُساں دے اوپر پیڑا گُڑ چاول مُساوَ لیڑا
جنجو پاوَ لاہو بیڑا کُھلی ترُت پوائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
پیڑ نہیں ایویں نِکلن لگی روک روپیہ بھانڈے ڈھگی
ہووے لاکھی دُرُست نہ تگی بُکھا ایہہ بات بنائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
پرتم چنڈی مات بنائی جس نوں پُوجے سرب لُکائی
پاچھے وڈکی جنج چڑھائی ڈولی ٹُھم ٹُھم آئی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے

بُھل خُدا نُوں جان خدائی بُتاں اگے سِیس نوائی
جیہڑے گھڑ کے آپ بنائی شرم رتا نہ آئی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
شاہ رگ تھیں رب وسدا نیڑے لوکاں پائے لمے جھیڑے
واں کے جھگڑے کون نبیڑے بھج بھج عُمر گوائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
ہر چھ باغ وِچ نہیں جدائی بندہ رب توں بن آئی
پچھلے سوتے تے بُکھڑ آئی دُھبتا آن مٹائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
بُلھا آپے بُھل بُھلایا اے آپے چلیاں وِچ دبایا اے
آپے ہوکا دے سُنایا اے مجھ میں بھیت نہ کائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
جو کوئی دِسدا ایہو پیارا بُلھا آپے ویکھن ہارا
آپے بید قرآن پکارا جو سُفنے وست بُھلائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے
گل رَولے لوکاں پائی اے

لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔اے دِل کیوں ڈرتے ہو، جو بھی سچ ہے وہ بیان کرو۔اِسی سچ کی بنا پر ہی تو بیڑہ پار ہوتا ہے۔سچ ہی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔سچ بھی عجیب وغریب چیز جہان پر آئی ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔برہمنوں نے صاحبِ حیثیت لوگوں کو ڈرا کر رکھا

ہے۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ تمھارے آبا جو چلے گئے ہیں وہ سخت عذاب میں ہیں، پھر اُنھیں اس عذاب سے نجات کے جتن بتا کر پوجا پاٹ کرواتے ہیں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں......اولاد پر اُن کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ گُڑ، چاول اور کپڑا دان کرو زُنار پہنو اور چولے کے بٹن کھول دو اور چُلّو میں گنگا کا پانی پلاؤ یا چھڑکو۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ تمھارے بزرگوں پر سے یہ عذاب یونہی نہیں ٹلے گا۔ اس کو دور کرنے کے لیے نقدی، برتن، گائے کی سرخ بچھیا برہمن کو دان کرو وہ سفید نہیں ہونی چاہیے۔ بُلھے شاہ! یہ باتیں ایسے لوگ خود ہی تراش لیتے ہیں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ پرتم چنڈی (شو کی بدصورت بیوی) کو لوگوں نے ماں بنا رکھا ہے جس کی تمام مخلوق پوجا کرتی ہے اُس کی شادی کرتے ہیں بارات لاتے ہیں اور پھر ڈھول ڈھمکوں سے اُس کی ڈولی اُٹھاتے ہیں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ لوگ خدا کو بھول گئے ہیں۔ بُتوں کے آگے سر کو جھکاتے ہیں۔ جو خود آپ ہی بنائے ہوئے ہیں پھر بھی ذرا شرم نہیں آتی۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ خدا تو شہ رگ سے بھی نزدیک رہتا ہے لوگوں نے یونہی لمبے جھگڑے شروع کر رکھے ہیں۔ وہاں کے جھگڑے بھلا کون ختم کروا سکتا ہے۔لوگوں نے اِس بھید کو جاننے کے لیے عمریں گنوا دی ہیں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ درخت اور باغ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں درخت اور باغ کا تعلّق ایک ہی ہے جیسے خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے پتے جھڑتے ہیں تو اُن کی جگہ نئی کونپلیں آتی ہیں اس عمل نے تمام شکوک ختم کر دیے ہیں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ بُلھے کو خود ہی بھول بھلیّوں میں ڈالا پھر خود ہی چلّہ کشیوں میں اُلجھا دیا۔ پھر خود ہی یہ حُکم دے کر بھی سُنایا، مجھ میں تو ذرا کوئی راز نہیں۔ مَیں تو ایک حقیقت ہوں۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔ مجھے تو جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے اُس میں محبوب کے ہی جلوے ہیں۔ بُلھا خود ہی اُس کا نظارہ کر رہا ہے اور خود ہی وید قرآن پڑھنے والا ہے مگر اِنسان خوابِ غفلت میں ڈوبا سب کچھ بھولا ہوا ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا

ہے۔لوگوں نے خواہ مخواہ بات کو اُلجھا رکھا ہے۔

گھونگھٹ چُک اوئے سجنا
ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

زُلف کنڈل نے گھیرا پایا　بِشیئر ہو کے ڈنگ چلایا
دیکھ اساں وَل ترس نہ آیا　کر کے خُونی اکھیاں وے

گھونگھٹ چُک اوئے سجنا
ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

دو نیناں دا تیر چلایا　مَیں عاجز دے سینے لاہیا
گھائل کرکے مُکھ چھپایا　چوریاں ایہہ کِن دَسیاں وے

گھونگھٹ چُک اوئے سجنا
ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

نیونہہ لگا کے مَن ہر لیتا　پھیر نہ اپنا درشن دیتا
زہر پیالہ آپے پیتا　ساں عقلوں مَیں کچیاں وے

گھونگھٹ چُک اوئے سجنا
ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

شاہ عنایت مُکھوں نہ بولاں　صورت تیری ہر وَل ٹولاں
ثابت ہو کے پھیر کیوں ڈولاں　اَج قولوں مَیں سچیاں وے

گھونگھٹ چُک اوئے سجنا
ہُن شرماں کاہنوں رکھیاں وے

اے میرے محبوب! یہ نقاب ہٹا دے۔ اب یہ درمیان میں شرم کا پردہ کیوں رکھا ہوا ہے۔تیری زُلف کے بَل نے مجھے اپنی گرفت میں لیا۔ زہری ناگ بن کر ڈنک چلایا۔خونی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے اُسے ذرا بھی ترس نہیں آیا۔اے میرے محبوب! یہ نقاب ہٹا دے۔اب یہ درمیان میں شرم کا پردہ کیوں رکھا ہوا ہے۔تُو نے......دونینوں کا تیر ایک ساتھ چھوڑا۔ جو مَیں مسکین کے سینے میں اُتر گیا۔ مجھے زخمی کر کے خود اپنا چہرہ چھپا لیا۔تم نے اِن چوریوں

کا ہنر کہاں سے سیکھا ہے۔اے میرے محبوب! یہ نقاب ہٹا دے۔اب یہ درمیان میں شرم کا پردہ کیوں رکھا ہوا ہے۔ پریت لگا کر دِل جیت لیا۔ پھر اپنا دیدار بھی نہیں دیا۔ عشق کا زہر پیالہ تو مَیں نے خود ہی پیا ہے کہ مَیں ابھی کم عقل اور معصوم تھی۔اے میرے محبوب! یہ نقاب ہٹا دے۔اب یہ درمیان میں شرم کا پردہ کیوں رکھا ہوا ہے۔اے شاہ عنایت! مَیں مُنہ سے کچھ نہیں بول رہی، لیکن ہر ایک میں تمھاری ہی صورت کو دیکھ رہی ہوں۔ ثابت قدم ہو کے مَیں کیوں ڈگمگا رہی ہوں۔ مَیں تو ہمیشہ قول و قرار کی پابند رہی ہوں۔اے میرے محبوب! یہ نقاب ہٹا دے۔اب یہ درمیان میں شرم کا پردہ کیوں رکھا ہوا ہے۔

میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
سادھو کس نوں کُوک سُناواں میری بُکّل دے وِچ چور
چوری چوری نِکل گیا جگت وِچ پے گیا شور
میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
مسلمان سِویاں توں ڈردے ہندو ڈردے گور
دوویں ایسے دے وِچ مردے ایہو دوہاں دی کھور
میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
کِتے رام داس کِتے فتح محمد ایہو قدیمی شور
مِٹ گیا دوہاں دا جھگڑا نِکل پیا کجھ ہور
میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
عرش منوّر بانگاں مِلیاں سُنیاں تخت لہور
شاہ عنایت کُنڈیاں پائیاں لُک چھپ کھچدا ڈور
میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
پیر پیراں بغداد اَساڈا مُرشد تخت لہور
اوہ اسیں سب اِکّو کوئی آپے گڈی آپے ڈور
میری بُکّل دے وِچ چور نی میری بُکّل دے وِچ چور
ایہو تُسی وی آکھو سارے آپے گڈی آپ ڈور

مَیں دَسنا تُسی پکڑ لیاؤ بُلھے شاہ دا چور

سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ساڈھوؤ! مَیں کس سے فریاد کروں۔ میرا چور تو میرے پہلو میں ہی چھپا ہوا ہے...... لیکن جب وہ چوری چوری میرے پہلو سے نکل بھاگا، تو زمانے میں شور برپا ہوگیا۔ سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ مسلمان، شمشان گھاٹوں سے ڈرتے ہیں (جہاں مُردے جلائے جاتے ہیں) ہندو قبر سے خوفزدہ ہیں۔ دونوں کو ایک ہی طرح موت ہوتی ہے لیکن دونوں رسم ورواج پر ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ کہیں رام داس اور کہیں فتح محمد کے نام پر جھگڑا ہے صدیوں سے یہی ہنگامہ آرائی ہے۔ لیکن جب حقیقت کا علم ہوا تو دونوں کے وجود میں کوئی اور چھپا ہوا تھا۔ سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ عرش منور پر اذان ہوئی تو اُس کی گونج تخت لاہور میں بھی سنی گئی۔ شاہ عنایت نے ہی دریا میں مچھلیاں پکڑنے کے لیے کنڈیاں لگائی ہوئی تھیں وہی چوری چھپے ڈور بھی کھینچتا چلا جارہا تھا۔ سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ پیرانِ پیر تو ہمارا بغداد شریف میں ہے جب کہ ہمارا مرشد تختِ لاہور پر براجمان ہے وہ اور ہم سب ایک ہی تو ہیں خود ہی پتنگ ہیں اور خود ہی ڈور۔ سکھیو! میرے پہلو میں ہی میرا چور چھپا ہوا ہے۔ میرا چور تو میرے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ تم بھی سب مل کر یہی کہو وہ خود ہی پتنگ ہے اور خود ہی ڈور...... مَیں تمھیں بتاتا ہوں اور تم بُلھے شاہ کے چور کو پکڑ لاوَ۔

مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

جھوٹھ آکھاں تے کجھ بچدا اے   سچ آکھاں تے بھانبڑ مچدا اے
جی دوہاں گلاں توں جچدا اے   جچ جچ کے جیبھا کہندی اے

مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

جس پایا بھیت قلندر دا   راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اوہ واسی ہے سُکھ مندر دا   جتھے کوئی نہ چڑھدی لہندی اے

مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

اِک لازم شرط ادب دی اے سانوں بات معلومی سب دی اے
ہر ہر وِچ صورت رب دی اے کِتے ظاہر کِتے چھپیندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

ایہہ تِلکن بازی ویہڑا اے پیر تھم تھم رُو اندھیرا اے
وَڑ اندر ویکھو کیہڑا اے کیوں خلقت باہر ڈُھونڈیندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

ایتھے بھیکھا پانو پیارا اے ایہدا لکھنا بہت نیارا اے
اِک صورت دا چمکارا اے جیوں چنگ دارُو وِچ پیندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

کِتے ناز ادا دِکھلائیدا کِتے ہو رسُول مِلائیدا
کِتے عاشق بن بن آئیدا کِتے جان جدائی سہندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

کیوں مٹی لعل بناتا ہیں تُوں آپے دُرّ یگانہ ہیں
اِک نُقطے نال بیگانہ ہیں اَجے مرشد پیر ڈُھونڈیندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

جدوں ظاہر ہوئے نُور ہوری جَل گئے پہاڑ کوہ طُور ہوری
تدوں دار چڑھے منصور ہوری اوتھے شیخی پیش نہ ویندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

جے ظاہر کراں اِسرار تائیں سب بھُل جاون تکرار تائیں
پھر مارن بُلھے یار تائیں ایتھے مخفی گل سوہیندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

اساں پڑھیا علم تحقیقی اے اوتھے اِکّو حرف حقیقی اے
ہور جھگڑا سب ودھیکی اے ایویں رَولا پا پا بہندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

بُلھا شوہ اساں تھیں وَکھ نہیں بِن شوہ تھیں دُوجا کُکھ نہیں
پر ویکھن والی اَکھ نہیں تاں جان جُدائیاں سہندی اے
مُنہ آئی بات نہ رہندی اے

بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ جھوٹ بولوں، تو کچھ بچت ہوسکتی ہے، سچ کہوں تو شعلے بھڑک اُٹھیں گے۔ دِل دونوں طرف سے ہی محتاط رہنے کو کہتا ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد پھر بھی یہ زُبان کہتی ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ جس نے قلندر کا راز جان لیا۔ اُس نے خود اپنی ذات کے سفر کا راستہ تلاش کر لیا وہ سُکھ مندر کا باسی ہوگا جہاں عزت و شرم کی کوئی حیثیت نہیں۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ ادب آداب کی کچھ پابندیاں ہیں ورنہ ہم کو سب کے بارے تمام حقیقت کا پورا علم ہے۔ ہر کسی میں خدا کا ہی جلوہ ہے۔ کہیں وہ ظاہر ہے اور کہیں پوشیدہ ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ اِس دُنیا میں قدم قدم پر بہت پھسلن ہے سنبھل سنبھل کر چلنا چاہیے کہ اندھیرا ابھی ہے اپنی ذات میں داخل ہو کر تو دیکھو کہ وہاں کون بیٹھا ہوا ہے۔ خبطی عورت باہر پتا نہیں کیا ڈھونڈتی ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ یہاں ہر طرف روپ بہروپ کی وسعت ہے۔ ہر روپ انوکھا اور عجیب ہے۔ لیکن یہ سب ایک ہی صورت کی جھلک ہے۔ جیسے چنگاری شراب میں موجود ہوتی ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ کہیں وہ عشوہ و ناز کے کرشمے دکھاتا ہے تو کہیں رسول کی شکل میں ملتا ہے اور کہیں عاشق بن کر سامنے آتا ہے تو کہیں وہ جدا ہو کر دُکھ برداشت کرتا ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ کیوں لعل کو مٹی کا ڈھیلا بناتا ہے تُو تو خود ایک دُرِ یگانہ ہے۔ بس صرف ایک نکتے کی وَجہ سے بیگانہ ہے ابھی تمھیں کسی مرشد، کسی رہبر کی ضرورت ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ جب اُس نور کا ظہور ہوا تھا تو کوہِ طور پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا تھا...... جب منصور سولی پر چڑھا حقیقتاً اُس کے جلوے کے سامنے کوئی شیخی کامیاب نہیں ہوتی۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ اگر مَیں بھی اُس راز کو ظاہر کر دوں تو سب بحث و تکرار بھول جائیں گے۔ اور بُلھے شاہ کو بھی مارنے چلے آئیں گے۔ یہاں پوشیدہ بات ہی پسند کی جاتی ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر روکے نہیں رُکتی۔ ہم نے تو علم کو تحقیق اور جستجو سے پڑھا ہے وہاں صرف ایک ہی حرف حقیقت ہے

باقی سب جھگڑے اضافی ہیں دُنیا نے یونہی شور مچا رکھا ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر رو کے نہیں رُکتی۔ اے بُلھا!......شوہ مالک ہم سے کوئی الگ نہیں۔ اس مالک کے بغیر تو کوئی دوسرا تنکے برابر بھی نہیں۔ لیکن کسی کے پاس چشمِ بینا ہی نہیں......تبھی تو یہ جان جدائیوں کے دُکھ برداشت کر رہی ہے۔ بات لبوں تک آ جائے تو پھر رو کے نہیں رُکتی۔

مَیں گل اوتھے دی کردا ہاں
پَر گل کردا بھی ڈردا ہاں

نال رُوحاں دے لارا لایا　تُسی چلو مَیں نالے آیا
ایتھے بردہ چا بنایا　مَیں بھرم بھُلایا بھردا ہاں

مَیں گل اوتھے دی کردا ہاں
پَر گل کردا بھی ڈردا ہاں

کیہ سُکھ پایا مَیں آن اِتھے　نہ منزل نہ ڈیرے جتھے
گھنٹا کُوچ سناواں کِتھے　نِت اُوٹھ کجاوے کڑدا ہاں

مَیں گل اوتھے دی کردا ہاں
پَر گل کردا بھی ڈردا ہاں

بُلھا شوہ بے انت ڈُونگھائی　دو جگ بیچ نہ لگدی کائی
اُرار پار دی خبر نہ کائی　مَیں بے سر پیریں تردا ہاں

مَیں گل اوتھے دی کردا ہاں
پَر گل کردا بھی ڈردا ہاں

مَیں بات وہاں کی کرتا ہوں (تخلیق کائنات کی بات) لیکن بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ روزِ ازل خدا نے روحوں کو یہ "لارا" لگایا تھا کہ تم چلو مَیں بھی تمھارے ساتھ ہی چلوں گا۔ لیکن یہاں اُنھیں غلام بنا دیا مَیں اسی اعتبار کی سزا بھگت رہا ہوں۔ مَیں بات وہاں کی کرتا ہوں (تخلیق کائنات کی بات) لیکن بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ مَیں نے یہاں آ کر کون سا سُکھ پایا ہے۔ جہاں نہ تو مستقل قیام ہے اور نہ ہی کوئی منزل......مَیں سفر کا نقارہ کس کو سناؤں مَیں تو ہمیشہ اُونٹ پر کجاوا باندھتا رہتا ہوں۔ مَیں بات وہاں کی کرتا ہوں (تخلیق کائنات کی

بات) لیکن بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ اے بُلھا!...... شوہ وہ سمُندر ہے جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ اس کے دونوں کناروں کا کوئی پتا ہے اور نہ ہی آر اور پار کی کچھ نشاند ہی ہوتی ہے...... لیکن مَیں بغیر سر اور پانو کے ہی تیرتا چلا جاتا ہوں۔ مَیں بات وہاں کی کرتا ہوں (تخلیق کائنات کی بات) لیکن بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی قدم کریندی یار

ماٹی جوڑا ماٹی گھوڑا ماٹی دا اسوار
ماٹی ماٹی نوں دوڑائے ماٹی دا کھڑکار

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی قدم کریندی یار

ماٹی ماٹی نوں مارن لگی ماٹی دے ہتھیار
جس ماٹی پر بوہتی ماٹی تِس ماٹی ہنکار

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی قدم کریندی یار

ماٹی باغ بغیچہ ماٹی ماٹی دی گلزار
ماٹی ماٹی نُوں ویکھن آئی ماٹی دی اے بہار

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی قدم کریندی یار

چار سیئاں رَل کھیڈن گئیاں پنجویں وِچ سردار
ہَس کھیڈ مُڑ ماٹی ہویاں پونڈیاں پانو پسار

واہ واہ ماٹی دی گلزار
ماٹی قدم کریندی یار

مٹی نے کیا خوب گُل کھلا رکھے ہیں۔ مٹی ہی حرکت میں ہے سفر کر رہی ہے۔ مٹی جوڑا ہے مٹی ہی گھوڑا ہے۔ اور اس گھوڑے پر سوار بھی مٹی کا ہی ہے۔ مٹی ہی مٹی کو دوڑا رہی ہے اور یہ سارا

ہنگام بھی مٹی کا ہی ہے۔ مٹی نے کیا خوب گُل کھلا رکھے ہیں...... مٹی ہی حرکت میں ہے سفر کر رہی ہے۔ مٹی ہی مٹی کو مار رہی ہے مٹی کے ہی ہتھیار بنائے جا رہے ہیں۔ جس مٹی کو مٹی میں دب جانا ہے اُس مٹی پر کبر و ہنکار کیسا؟ مٹی نے کیا خوب گُل کھلا رکھے ہیں۔ مٹی ہی حرکت میں ہے سفر کر رہی ہے۔ مٹی ہی باغ ہے، مٹی ہی باغیچہ ہے۔ یہ سب گُل و گلزار مٹی کی وَجہ سے ہی ہے مٹی ہی مٹی کو دیکھنے آئی ہے اور یہ سب مٹی کی ہی بہار ہے۔ مٹی نے کیا خوب گُل کھلا رکھے ہیں۔ مٹی ہی حرکت میں ہے سفر کر رہی ہے۔ چار سہیلیاں کھیلنے گئی تھیں پانچویں ان میں سردار تھی آ گ، ہوا، پانی مٹی (چار عناصر) پانچویں (رُوح) سب ہنس کھیل کر بالآخر مٹی میں مل کر مٹی ہو گئیں۔ چاروں نے بہت پاؤں پھیلائے تھے۔ مٹی نے کیا خوب گُل کھلا رکھے ہیں۔ مٹی ہی حرکت میں ہے سفر کر رہی ہے۔

مَیں بے قید مَیں بے قید
نہ روگی نہ وَید
نہ مَیں مومن نہ کافر
نہ صیدی نہ صید
چودھیں طبقیں سَیر اساڈا
کِتے نہ ہوندا قید
خرابات میں جال اساڈی
نہ شوبھا نہ کید
بُلھا شوہ دی ذات کیہ پچھنائیں
نہ پیدا نہ پید

مَیں تو تمام پابندیوں سے آزاد ہوں۔ نہ تو مَیں مریض ہوں اور نہ ہی طبیب۔ نہ تو مَیں مومن ہوں اور نہ ہی کافر۔ نہ ہی شکاری ہوں اور نہ ہی شکار۔ ہمارا تو چودہ طبقوں (سات زمینیں، سات آسمان) میں آنا جانا رہتا ہے لیکن مَیں کہیں بھی کسی جگہ پابند نہیں ہوتا۔ شراب خانے میں بھی ہمارا آنا جانا رہتا ہے۔ نہ تو نیک نامی سے کوئی غرض ہے اور نہ ہی کوئی بدنامی کا خوف۔ بُلھا شوہ کی ذات کے بارے کیا کریدتے ہو نہ تو وہ پیدا ہوا اور نہ ہی اُس نے کسی کو جنم دِیا۔ (لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ)

بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون؟

نہ مَیں مومن وِچ مسیتاں
نہ مَیں وِچ کُفر دیاں رِیتاں
نہ مَیں پاکاں وِچ پلیتاں
نہ مَیں موسیٰ نہ فرعون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون؟

نہ مَیں اندر بید کتاباں
نہ وِچ بھنگاں نہ شراباں
نہ وِچ رِنداں مست خراباں
نہ وِچ جاگن نہ وِچ سَون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون؟

نہ وِچ شادی نہ غمناکی
نہ مَیں وِچ پلیتی پاکی
نہ مَیں آبی نہ مَیں خاکی
نہ مَیں آتش نہ مَیں پَون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون؟

نہ مَیں عربی نہ لاہوری
نہ مَیں ہندی شہر ناگوری
نہ مَیں ہندو تُرک پشوری
نہ مَیں رہندا وِچ ندون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون؟

نہ مَیں بھیت مذہب دا پایا
نہ مَیں آدم حوا جایا
نہ مَیں اپنا نام دھرایا

نہ وِچ بیٹھن نہ وِچ بھون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون ؟

اوّل آخر آپ نوں جاناں
نہ کوئی دُوجا ہور پچھاناں
میتھوں ہور نہ کوئی سیانا
بُلھا شوہ کھڑا ہے کون
بُلھیا کیہ جاناں مَیں کون ؟

بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ نہ تو مَیں مسجدوں میں صبح و شام گزارنے والا مومن ہوں، نہ ہی مَیں کفر کی رسموں پر چلنے والا ہوں نہ مَیں پلیدوں میں پاکیزہ زِندگی گزارنے والا ہوں۔ نہ تو مَیں موسیٰ ہوں اور نہ فرعون۔ بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ نہ تو مَیں قرآن پاک اور ویدوں میں ہوں، نہ تو بھنگ میں ہوں اور نہ ہی شراب میں ہوں۔ نہ تو مَیں رِندوں میں ہوں اور نہ ہی خراباتیوں میں ہوں۔ اور نہ ہی مَیں جاگنے والوں اور نہ سونے والوں میں شامل ہوں۔ بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ نہ مَیں خوشیاں منانے والوں میں ہوں اور نہ ہی غم کا شکار لوگوں میں ہوں۔ میرا پاکیزگی اور پلیدی سے بھی کوئی تعلّق نہیں نہ تو مَیں کوئی آبی مخلوق ہوں اور نہ ہی خاکی۔ نہ تو مَیں آگ ہوں اور نہ ہی ہوا۔ بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ نہ مَیں عربی ہوں، نہ لاہوری۔ نہ مَیں ہندی ہوں نہ ناگوری۔ نہ ہی مَیں ہندو ہوں اور نہ ہی پشاور کی طرف سے آنے والا ترک مسلمان ہوں۔ نہ تو مَیں ندون شہر میں رہتا ہوں۔ بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ نہ تو مَیں نے مذہب کا بھید پایا ہے۔ نہ ہی مَیں آدم وحوا کی اولاد ہوں۔ مَیں نے اپنا کوئی مخصوص نام بھی نہیں رکھوایا نہ مَیں بیٹھنے والوں میں ہوں اور نہ ہی گھومنے والوں میں (سیلانی) بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟ مَیں تو......اپنے آپ کو ہی اوّل و آخر سمجھتا ہوں۔ مجھے تو کسی دوسرے کی کوئی پہچان بھی نہیں۔ مجھ سے زیادہ باشعور کوئی اور نہیں...... اے بُلھے شاہ!......وہ شوہ تو تمھارے سامنے کھڑا ہے۔ بُلھیا......مَیں کیا جانوں، مَیں کون ہوں؟

پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے اب پیا کِس نوں کہیے
ہجر وصل ہم دونوں چھوڑے اب کس کے ہو رہیے

پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے اب پیا کس نوں کہیے
مجنوں لال دیوانے وانگوں اب لیلٰی ہو رہیے
پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے اب پیا کس نوں کہیے
بُلھا شوہ گھر میرے آئے اب کیوں طعنے سہیے
پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے اب پیا کس نوں کہیے

محبوب کا وِرد کرتے ہوئے ہم خود ہی محبوب ہو گئے ہیں اب ہم محبوب کس کو کہیں۔ ہم ہجر اور وصال دونوں سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور اب کس کے ہو کر رہیں۔ محبوب کا وِرد کرتے ہوئے ہم خود ہی محبوب ہو گئے ہیں اب ہم محبوب کس کو کہیں۔ اب تو مجنوں ایسے لال دیوانے کی طرح خود ہی لیلٰی بن کر رہتے ہیں۔ محبوب کا وِرد کرتے ہوئے ہم خود ہی محبوب ہو گئے ہیں اب ہم محبوب کس کو کہیں۔ بُلھے شاہ! مرشد تو میرے گھر میں ہی آن بسا ہے۔ اب کسی کے طعنوں کی کیوں پروا کریں۔ محبوب کا وِرد کرتے ہوئے ہم خود ہی محبوب ہو گئے ہیں اب ہم محبوب کس کو کہیں۔

کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
جو کوئی اندر بولے چالے ذات اساڈی سوئی
جس دے نال مَیں نیونْہہ لگایا اوہو جیہی ہوئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
چِٹی چادر لاہ سُٹ کُڑیئے پہن فقیراں لوئی
چِٹی چادر داغ لگّے گا لوئی نوں داغ نہ کوئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
الف پچھاتا ب پچھاتی ت تلاوت ہوئی
س پچھاتا ش پچھاتا صادق صابر ہوئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
کُو کُو کردی قُمری آہی گل وِچ طوق پیو ای
بس نہ کردی کُو کُو کولوں کُوکُو اندر موئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی

جو کجھ کر سی اللہ بھانا کیا کجھ کر سی کوئی
جو کجھ لیکھ متھے دا لِکھیا مَیں اس تے شاکر ہوئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
عاشق بکری معشوق قصائی مَیں مَیں کردی کوہی
جیوں جیوں مَیں مَیں بہتا کردی تیوں تیوں موئی موئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی
بُلھا شوہ عنایت کر کے شوق شراب دِتّو ای
بھلا ہویا سی اسی دُوروں چھُٹّے نیڑے آن لدھوئی
کیہ جاناں مَیں کوئی وے اڑیا کیہ جاناں مَیں کوئی

مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ جو کوئی ہمارے اندر بولتا چالتا ہے، وہی تو ہماری ذات ہے۔ جس کے ساتھ مَیں نے پریت لگائی اُس جیسی ہی ہوگئی۔ مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ اے لڑکی، سفید چادر اُتار کر، فقیروں کی کمبلی پہن لے۔ سفید چادر پر تو ہلکا سا داغ بھی لگ جائے تو نمایاں ہو جاتا ہے فقیری کمبل میں سب داغ چھپ جاتے ہیں...... مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ مَیں نے...... ''الف'' کو بھی پہچانا ''ب'' کی بھی شناخت کی اور پھر ''ت'' سے اس کی تلاوت بھی کی۔ ''س'' کو پہچانا، ''ش'' کی شناخت کی تو پھر صادق و صابر ہو کر بیٹھ گئی...... مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ قمری بہت کُوکُو کرتی تھی اس کے گلے میں بالآخر طوق ڈال دیا گیا وہ کُوکُو کرنے سے باز نہ آئی تو بالآخر کُوکُو کرتی ہی مر گئی...... مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ جو کچھ بھی ہوگا وہ اللہ کا پسندیدہ ہوگا۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اور بھلا کیا کر سکتا ہے؟ جو کچھ بھی مقدر کا لکھا ہوا تھا مَیں اُسی پر شاکر ہوگئی۔ مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں میرے محبوب مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ عاشق معشوق کے سامنے قصاب کے پاس بکری کی طرح ہوتا ہے بکری مَیں مَیں کرتی بالآخر ذبح کر دی جاتی ہے جیسے جیسے وہ مَیں مَیں زیادہ کرتی ہے تیسے تیسے اُس کی موت نزدیک آتی جاتی

ہے۔مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔ اے بُلھّے! مالک نے مہربان ہوکر شرابِ عشق کا جام پلا دیا یہ تو اچھا ہوا کہ ہم لمبی مسافت سے چھوٹ گئے اور نزدیک ہی منزل مل گئی......مَیں کیا جانوں، مَیں کون کوئی ہوں۔ میرے محبوب، مَیں کیا جانوں مَیں کون کوئی ہوں۔

رانجھا رانجھا کردی نی مَیں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دِھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
رانجھا مَیں وِچ مَیں رانجھے وِچ غیر خیال نہ کوئی
مَیں نہیں آوہ آپے اپنی آپ کرے دِلجوئی
رانجھا رانجھا کردی نی مَیں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دِھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
جو کوئی ساڈے اندر وسّے ذات اساڈی سوئی
جس دے نال مَیں نیونہہ لگایا اوہو جیہی ہوئی
رانجھا رانجھا کردی نی مَیں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دِھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
ہتھ کھُونڈی میرے اَگّے منگو موڈھے بھُورا لوئی
تخت ہزارے لے چل بُلھیّا سیالیں ملے نہ ڈھوئی
رانجھا رانجھا کردی نی مَیں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دِھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی

رانجھا رانجھا کا وِرد کرتے مَیں تو اب خود ہی رانجھا ہو چُکی ہوں۔ سکھیو! اب مجھے سب رانجھا کے نام سے پکارو، کوئی ہیر نہ کہے۔ رانجھا مجھ میں اور مَیں رانجھے کے وجود میں رہتی ہوں کوئی خیالِ غیر نہیں۔ وہ میری دِلجوئی نہیں خود اپنی ہی دِلجوئی کر رہا ہے۔ رانجھا رانجھا کا وِرد کرتے مَیں تو اب خود ہی رانجھا ہو چُکی ہوں۔ سکھیو! اب مجھے سب رانجھا کے نام سے پکارو، کوئی ہیر نہ کہے۔ جو کوئی ہمارے اندر بستا ہے اب وہی ہماری ذات ہے۔ مَیں نے جس کے ساتھ عشق کِیا ہے اُسی کے جیسی ہو گئی ہوں۔ رانجھا رانجھا کا وِرد کرتے مَیں تو اب خود ہی رانجھا ہو چُکی ہوں۔ سکھیو! اب مجھے

سب رانجھا کے نام سے پکارو، کوئی ہیر نہ کہے۔ میرے ہاتھ میں کھونڈی (عصا) ہے میرے آگے آگے مویشی چل رہے ہیں، اور کاندھے پر بھُورا کمبل ہے۔ اے بُلھے شاہ! اب مجھے تخت ہزارے لے چل، سیالوں میں تو کوئی میرا ہمدرد نہیں رہا۔ رانجھا رانجھا کا وِرد کرتے مَیں تو اب خود ہی رانجھا ہو چکی ہوں۔ سکھیو! اب مجھے سب رانجھا کے نام سے پکارو، کوئی ہیر نہ کہے۔

بُلھیا عاشق ہویوں رب دا ملامت ہوئی لاکھ
تینوں کافر کافر آکھدے توں آہو آہو آکھ

'اے بُلھے شاہ! تم سچے خدا کے عاشق ہوئے تو لوگوں نے تم پر لاکھ طرح سے طعن و ملامت کی۔ حتیٰ کہ تمھیں کافر بھی کہا گیا۔ لیکن تم برداشت کرو اور ان سے کہو کہ، ہاں مَیں کافر ہوں۔

بُلھے شاہ چل اوتھے وَسّیے جتھے سارے ہوون اَنّھے
نہ کوئی ساڈی قدر پچھانے نہ کوئی سانوں منّے

بُلھے شاہ!......اب ایسی جگہ چل کر آباد ہوتے ہیں۔ جہاں سب لوگ اندھے ہوں۔ نہ کوئی ہماری قدر جان سکے اور نہ ہی کوئی ہمیں عقیدت کی نگاہ سے دیکھے۔

بُلھیا من منجولا مُنج دا کِتے گوشے بہ کے کُٹ
ایہہ خزانہ تینوں عرش دا تُوں سنبھل سنبھل کے لُٹ

اے بُلھے! یہ دِل مونج کا گٹھا ہے اسے کسی علیحدہ گوشے میں بیٹھ کر کوٹ کر قابل استعمال بنا۔ یہ عرشِ بریں کا خزانہ ہے اسے آہستہ آہستہ لوٹنا چاہیے۔

بُلھیا غین غرورت ساڑ سُٹ ہوماں کھُوہے پا
تن من دی سُرت گوا دے گُر آپ ملے گا آ

بُلھے شاہ! تکبر اور گھمنڈ کو جلا دے اور حرص و ہوس کو کُنوئیں میں ڈال......اور، اپنے تن اور من سے بیگانہ ہو جا۔ گرو تمھیں خود بخود مل جائے گا۔

بُلھے نُوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجائیاں
مَن لئے بُلھیا ساڈا کہنا چھڈ دے پلّا رائیاں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؑ نُوں تُوں کیوں لیکاں لائیاں
"جیہڑا سانوں سیّد سدّے دوزخ ملن سزائیاں

جو کوئی سانوں رائیں آکھے بہشتیں پینگھاں پائیاں'
رائیں سائیں سبھنی تھائیں رب دیاں بے پرواہیاں
سوہنیاں پرے ہٹائیاں تے کوجھیاں لے گل لائیاں
جے توں لوڑیں باغ بہاراں چاکر ہو جا رائیاں
بُلھے شاہ دی ذات کیہ پچھنائیں شاکر ہو رضائیاں

بُلھے شاہ کو شاہ عنایت کی مریدی سے روکنے کے لیے، اُس کی بہنیں اور بھاوجیں مل کر سمجھانے آئیں...... اے بُلھے شاہ تُو ہمارا کہنا مان اور ارائیوں کا دامن چھوڑ دے۔ تُو نے یہ کیا ''اولادِ علی اور آلِ نبی'' کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے (جس پر بُلھے شاہ نے کہا) جو ہم کو سیّد کہہ کر پکارے گا اُسے خدا دوزخ کا عذاب دے گا۔ اور جو کوئی ہمیں ارائیں کہے گا۔ وہ جنت میں جھولے جھولے گا...... ذرا خدا کی بے پرواہی تو دیکھو، کہ میرا مالک، ارائیں ہر جگہ موجود ہے۔ اور اُس نے خوب صورت لوگوں کو پرے ہٹا کر، مجھ ایسے معمولی شکل وصورت کے فرد کو گلے لگا لیا ہے۔ اگر تُو بھی اس گلشن کی بہاریں چاہتا ہے تو ارائیں کا خادم ہو جا...... اور بُلھے شاہ کی ذات کیا پوچھتے ہو، اب جو بھی ہوا ہے، خدا کی مرضی پر شاکر ہو جاؤ۔

بُلھے نالوں چُلّھا چنگا جس پر طعام پکائیدا
رَل فقیراں مجلس کیتی بھورا بھورا کھائیدا

بُلھے سے تو چولھا بہتر ہے جس پر طعام تیار کیا جاتا ہے۔ فقیروں نے مل کر مجلس کی اور جو جس کے حصے میں تھوڑا تھوڑا آیا کھا لیا۔

بھاویں جان نہ جان وے ویہڑے آ وَڑ میرے
مَیں تیرے قربان وے ویہڑے آ وَڑ میرے
تیرے جیہا مَینوں ہور نہ کوئی
ڈُھونڈاں جنگل بیلا روہی
ڈُھونڈاں تاں سارا جہان وے ویہڑے آ وَڑ میرے
مَیں تیرے قربان وے ویہڑے آ وَڑ میرے
لوکاں دے بھانے چاک مہیں دا

رانجھا تاں وگّاں وِچ کھیندا

ساڈا تاں دِین ایمان وے ویہڑے آ وَڑ میرے

مَیں تیرے قربان وے ویہڑے آ وَڑ میرے

ماپے چھوڑ لگّی لَو تیرے

شاہ عنایت سائیں میرے

لائیاں دِی لَج پال وے ویہڑے آ وَڑ میرے

مَیں تیرے قربان وے ویہڑے آ وَڑ میرے

تُو میری کوئی پروا کریا نہ کر...... لیکن کبھی ہمارے گھر میں بھی مہمان بن کر آ۔ مَیں تم پر قربان جاؤں، کبھی ہمارے گھر میں بھی مہمان بن کر آ جا۔ مجھے تم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہے۔ مَیں تمہیں جنگلوں، ویرانوں اور صحراؤں میں تلاش کرتی پھرتی ہوں مَیں نے سارے جہان میں تجھے تلاش کِیا ہے...... بس اب تُو ہمارے گھر میں مہمان بن کر آ ہی جا۔ مَیں تم پر قربان جاؤں۔ کبھی ہمارے گھر میں بھی مہمان بن کر آ۔ لوگوں کی نظر میں تو وہ صرف بھینسیں چرانے والا ماہی ہے اور وہ بھینسیں چرانے والوں میں رانجھے کے نام سے مشہور ہے...... لیکن وہ تو ہمارا دِین ایمان ہے۔ اب ہمارے گھر مہمان بن کر آ جا۔ مَیں تم پر قربان جاؤں۔ کبھی تو ہمارے گھر میں بھی مہمان بن کر آ۔ مَیں نے والدین چھوڑ کر تمہارا دامن پکڑا ہے۔ اے شاہ عنایت! تُو ہی تو میرا مالک ہے۔ اب اِس محبت کی لاج رکھ اور ہمارے گھر آ جا۔ مَیں تم پر قربان جاؤں۔ کبھی ہمارے گھر میں بھی مہمان بن کر آ۔

رانجھا جوگیڑا بَن آیا نی

واہ واہ سانگی سانگ رچایا نی

اَیس جوگی دے نَین کٹورے — بازاں وانگوں لیندے ڈورے

مُکھ ڈِٹھیاں دُکھ جاون جھورے — ایہناں اکھیاں لعل لکھایا نی

رانجھا جوگیڑا بَن آیا نی

واہ واہ سانگی سانگ رچایا نی

ایس جوگی دی کیہ نشانی — کَن وِچ مُندراں گل وِچ گانی

صورت اِس دی یُوسُف ثانی — ایس الفوں احَد بنایا نی

رانجھا جوگیڑا بَن آیا نی
واہ واہ سانگی سانگ رچایا نی

رانجھا جوگی تے مَیں جوگیانی		اس دی خاطر بھرساں پانی
ایویں پچھلی عُمر وِھانی		ایس ہُن مینوں بھر مایا نی

رانجھا جوگیڑا بَن آیا نی
واہ واہ سانگی سانگ رچایا نی

نی سکھیو!...... میرا محبوب رانجھا جوگڑا ابن کر آ گیا ہے، واہ کیا خوب، اُس رُوپ بدلنے والے نے سوانگ رچایا ہے۔ اُس جوگی کی آنکھیں شراب کے کٹورے ہیں ان آنکھوں میں بازوں کی طرح سُرخ ڈورے ہیں اُس کا دِیدار کر کے تمام دُکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔ ان آنکھوں نے ہی مجھے لعل دکھائے ہیں۔ نی سکھیو!...... میرا محبوب رانجھا جوگڑا ابن کر آ گیا ہے، واہ کیا خوب، اُس رُوپ بدلنے والے نے سوانگ رچایا ہے۔ اس جوگی کی کچھ خاص نشانیاں ہیں۔ اس کے کانوں میں بُندے اور گلے میں منکوں کی مالا ہے وہ اپنی خوب صورت شکل وصورت سے یُوسُفِ ثانی لگتا ہے...... اُسی نے الف سے احد کے بارے بتایا ہے۔ نی سکھیو!...... میرا محبوب رانجھا جوگڑا ابن کر آ گیا ہے، اُس رُوپ بدلنے والے نے یہ کیسا بھیس بنایا ہے۔ وہ میرا محبوب رانجھا جوگی ہے تو مَیں اُس کی جوگن ہوں۔ مَیں اُس کے لیے پانی بھرنے کو بھی تیار رہوں۔ میری پچھلی زِندگی تو یُونہی اکارت گئی ہے اُس نے اب مجھے اپنے عِشق میں گرفتار کِیا ہے۔ نی سکھیو!...... میرا محبوب رانجھا جوگڑا ابن کر آ گیا ہے، اُس رُوپ بدلنے والے نے یہ کیسا بھیس بنایا ہے۔

گھڑیالی دیو نِکال نی
اَج پی گھر آیا لال نی

گھڑی گھڑی گھڑیال بجاوے		رین وَصل دِی پیا گھٹاوے
میرے مَن دِی بات جے پاوے		ہتھوں چا سُٹّے گھڑیال نی

گھڑیالی دیو نِکال نی
اَج پی گھر آیا لال نی

انہد واجا وَجّے سُہانا		مُطرب سُگھڑا تان ترانہ

نماز روزہ بھُل گیا دوگانہ مدھ پیالہ دین کلال نی
گھڑیالی دیو نِکال نی
اَج پی گھر آیا لال نی
مُکھ ویکھن دا عجب نظارہ دُکھ دِلدّر اُٹھ گیا سارا
رین وڈی کیا کرے پسارا دِن اَگّے دھرو دیوال نی
گھڑیالی دیو نِکال نی
اَج پی گھر آیا لال نی
مینوں اپنی خبر نہ کائی کیا جاناں مَیں کِتھے گوائی
ایہہ گل کیوں کر چھپے چھپائی ہُن ہویا فضل کمال نی
گھڑیالی دیو نِکال نی
اَج پی گھر آیا لال نی

سکھیو!......گھڑیال بجانے والے کو یہاں سے نکال دو۔ آج وہ لعل جیسا محبوب میرے گھر میں آیا ہے۔ (آج وقت کی کوئی پابندی نہیں رہے گی) وہ گھڑی گھڑی گھڑیال بجا کر شبِ وصل کے لمحات کو کم کر دیتا ہے۔ وہ اگر میرے دِل کی بات مانے تو اس گھڑیال کو ہاتھ سے پرے پھینک دے۔ سکھیو!......گھڑیال بجانے والے کو یہاں سے نکال دو۔ آج وہ لعل جیسا محبوب میرے گھر میں آیا ہے۔ الوہی ساز بڑے ہی سُہانے سروں میں بج رہا ہے۔ اس کا مطرب بہت مہذب ہے اور اُس کا تان ترانہ بھی کمال ہے۔ مَیں نماز روزہ اور دوگانہ نفل بھی بھول چکی ہوں۔ کلالوں سے کہو وہ شراب کا جام چلائیں۔ سکھیو!......گھڑیال بجانے والے کو یہاں سے نکال دو۔ آج وہ لعل جیسا محبوب میرے گھر میں آیا ہے۔ اُس کے چہرے کا دیدار کرنے میں عجب نظارہ ہے۔ سارے دُکھ درد دور ہو جاتے ہیں......اب ضرورت اِس بات کی ہے کہ رات لمبی ہو جائے اور پاؤں پسار کر بیٹھ جائے۔ دِن کے سامنے کوئی دیوار کھڑی کر دو۔ سکھیو!......گھڑیال بجانے والے کو یہاں سے نکال دو۔ آج وہ لعل جیسا محبوب میرے گھر میں آیا ہے۔ مجھے تو خود اپنی کوئی خبر نہیں، خدا جانے مَیں کہاں کھو گئی ہوں۔ بھلا یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے کہ پیا کے آنے سے مرے رب کا کمال فضل ہوا ہے۔ سکھیو!......گھڑیال بجانے والے کو یہاں سے نکال دو۔ آج وہ لعل جیسا محبوب میرے گھر میں آیا ہے۔

میرا رانجھا ہُن کوئی ہور

تخت منوّر بانگاں مِلیاں سُنیاں تخت لاہور
عشقے مارے ایویں پھردے جیوں جنگل وِچ ڈھور
رانجھا تخت ہزارے دا سائیں ہُن اوتھوں ہویا چور
بُلھا شاہ اساں مرنا ناہیں قبر پئے کوئی ہور
میرا رانجھا ہُن کوئی ہور

اب میرا محبوب، کوئی اور ہے۔تخت منور(عرشِ مُعلّٰی) پر اذانیں ہوئیں جنھیں تخت لاہور میں بھی سُنا گیا۔عشق کے ستائے ہوئے یوں پھرتے ہیں جیسے جنگلوں میں ڈھورڈنگرآوارہ پھرتے ہیں۔وہ رانجھا جوتخت ہزارے کا مالک تھا۔اب وہاں کا مجرم بن چکا ہے۔اے بُلھے شاہ!......ہم نے تونہیں مرنا۔قبر میں بھی کوئی اورہی جائے گا۔اب میرا محبوب،کوئی اور ہے۔

ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ
آپے لائیاں کُنڈیاں تَیں تے آپے کھچدا ہیں ڈور
ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ
عرش کُرسی تے بانگاں ملیاں مکّے پے گیا شور
ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ
ڈولی پا کے لے چلّے کھیڑے نہ کُجھ عذر نہ زور
ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ
جے مائے تینوں کھیڑے پیارے ڈولی پاویں ہور
ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ
بُلھا شاہ اساں مرنا ناہیں گور پیا کوئی ہور
ساڈے وَل مُکھڑا موڑ وے پیاریا ساڈے وَل مکھڑا موڑ

اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ہماری طرف رُخ کر۔خودہی مچھلیوں کو پکڑنے کے لیے کنڈیاں لگاتا ہے اور پھران کی ڈوریں بھی کھینچتا ہے۔اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ہماری طرف رُخ کر۔عرشِ بریں پراذانِ حق بلند ہوئی تو اُس کی

آواز مکّے میں بھی سُنی گئی۔اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ ہماری طرف رُخ کر۔ڈولی میں ڈال کرکھیڑے لے جارہے ہیں۔کوئی عذر بہانہ کام آرہا ہے نہ کوئی زبردستی۔اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ ہماری طرف رُخ کر۔اگر تو اے ماں! تجھے کھیڑے ہی عزیز ہیں تو پھر کسی اور کو ڈولی میں بٹھا کر روانہ کردے۔اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ ہماری طرف رُخ کر۔ بُلھے شاہ!......ہم نے تو فنا نہیں ہونا۔ جو قبر میں پڑا ہے وہ کوئی اور ہے۔اے میرے پیارے محبوب! ہماری طرف مکھڑا موڑ۔ ہماری طرف رُخ کر۔ ہماری طرف بھی رُخِ زیبا کر، ہم پر بھی نظرِ کرم کر۔

وحدت دے دریا وہندے میری وحدت کتول دھائی
مُرشد کامل پار لنگھایا باجھ تُلھے سرناہی

وحدت کے دریا بہہ رہے ہیں لیکن میری وحدت پتا نہیں کس طرف چلی گئی تھی۔ پھر، مرشد کامل نے بغیر کسی وسیلے کے ہی پار اُتار دیا۔

اوہ میرے اندر بولیا رُڑھ پُڑھ گئے گناہ
جھاڑیں لگا باجرہ شہتوت لگے پھروانہہ

وہ محبوب، میرے اندر سے ہم کلام ہوا تو میرے سب گناہ اُس کے عشق کے سیلاب میں بہہ گئے۔جھاڑیوں میں باجرہ لگنے لگا اور ''پھروانہہ'' کے درخت پر شہتوت کا پھل آنے لگا۔

بُلھے شاہ اوہ کون ہے اُتم تیرا یار
اوسے ہتھ قرآن ہے اوسے گل زُنار

بُلھے شاہ!......وہ بلند و برتر تمہارا محبوب کون ہے۔جس کے ہاتھ میں قرآن ہے اور گلے میں ''زُنار'' بھی ہے۔

اِک نُقطہ یار پڑھایا اے اِک نُقطہ یار پڑھایا اے
ع غ دی ہکّا صُورت اِک نُقطے شور مچایا اے
اِک نُقطہ یار پڑھایا اے اِک نُقطہ یار پڑھایا اے
سسّی دا دِل لٹّن کارن ہوت پنّوں بَن آیا اے
اِک نُقطہ یار پڑھایا اے اِک نُقطہ یار پڑھایا اے

بُلّھا شوہ دِی ذات نہ کائی مَیں شوہ عنایت پایا اے

اِک نُقطہ یار پڑھایا اے اِک نُقطہ یار پڑھایا اے

میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ پڑھایا ہے، میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ ہی پڑھایا ہے۔ع اور غ کی ایک ہی صورت ہے بس ایک نقطے نے ہنگام کھڑا کر رکھا ہے۔ میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ پڑھایا ہے، میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ ہی پڑھایا ہے۔ سسّی کا دِل لوٹنے کے لیے پنّوں بلوچ محبوب بن کر آ گیا ہے۔ میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ پڑھایا ہے، میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ ہی پڑھایا ہے۔ اے بُلّھے شاہ! شوہ کی کوئی ذات نہیں۔ مَیں نے تو مرشد عنایت میں ہی شوہ پایا ہے۔ میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ پڑھایا ہے، میرے محبوب نے مجھے بس ایک نُقطہ ہی پڑھایا ہے۔

اِک نُقطے وِچ گل مُکدی اے

پھڑ نُقطہ چھوڑ حساباں نُوں　　کر دُور کُفر دیاں باباں نُوں

لاہ دوزخ گور عذاباں نُوں　　کر صاف دِلے دیاں خواباں نُوں

گل ایسے گھر وِچ ڈُھکدی اے

اِک نُقطے وِچ گل مُکدی اے

اینویں متھا زمیں گھسائیدا　　لمّا پا محراب دکھائیدا

پڑھ کلمہ لوک مُسائیدا　　دِل اندر سمجھ نہ لیائیدا

کدی بات سچّی بھی لُکدی اے

اِک نُقطے وِچ گل مُکدی اے

کئی حاجی بَن بَن آئے جی !　　گل نیلے جامے پائے جی

حج ویچ ٹکے لے کھائے جی !　　بھلا ایہہ گل کہنوں بھائے جی

کدی سچّی بات نہ لُکدی اے

اِک نُقطے وِچ گل مُکدی اے

پھڑ مُرشد عبد خدائی ہو　　وِچ مستی بے پروائی ہو

بے خواہش بے نوائی ہو　　وِچ دِل دے خوب صفائی ہو

بُلھا بات سچّی کدوں رُکدی اے
اِک نُقطے وِچ گل مُکدی اے

بس ایک نقطے میں ہی ساری بات مکمّل ہو جاتی ہے۔اس ایک نقطے کو پکڑ اور بے حساب کتابوں کو چھوڑ دے۔ کفر کے تمام اسباق کو ذہن سے دُور کر۔ دوزخ اور قبر کے عذابوں سے پیچھا چھڑا اور دِل کے خوابوں اور خواہشوں کو آلودگی سے پاک کر۔ بات اِسی ٹھکانے پر آ کر بیٹھتی ہے۔ بس ایک نقطے میں ہی ساری بات مکمّل ہو جاتی ہے۔ایسے ہی زمین پر ماتھا رگڑتے ہو، پھر ماتھے پر محراب بنا کر دکھاتے پھرتے ہو، کلمہ طیبہ پڑھ کر لوگوں کو لوٹتے ہو، لیکن دِل میں کبھی کوئی سمجھ کی بات نہیں لاتے۔ کبھی سچی بات بھی چھپتی ہے۔بس ایک نقطے میں ہی ساری بات مکمّل ہو جاتی ہے۔کئی تو حاجی بن کر آئے ہیں اور اُنھوں نے نیلے لباس بھی پہن رکھے ہیں وہ حج کو بیچ کر روٹی کھا رہے ہیں بھلا یہ بات کہاں کوئی پسند کرتا ہے۔ سچی بات کبھی نہیں چھپتی۔بس ایک نقطے میں ہی ساری بات مکمّل ہو جاتی ہے۔مرشد کا دامن پکڑ، اور مخلوق کا خدمت گار بن جا۔اور پھر اسی مستی میں دُنیا جہان سے بے پروا ہو کر بے خواہش اور بے نوا بن جا۔ تا کہ یہ دِل ہر قسم کی آلودگی سے صاف ہو جائے۔ اے بُلھے شاہ! سچی بات بھلا کہاں رُکتی ہے۔بس ایک نقطے میں ہی ساری بات مکمّل ہو جاتی ہے۔

ایہہ پڑھنا عِلم ضرور ہویا پر دسنا نامنظور ہویا
جس دسّیا سو منصور ہویا اُس سُولی پکڑ چڑھایا اے

ٹک بُوجھ کون چھپ آیا اے
کِس بھیکھی بھیکھ وٹایا اے

حقیقت کا علم ضروری ہے لیکن اُس کے سرِعام اظہار کی اجازت نہیں جس منصور نے یہ بتانے کی کوشش کی اُسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ذرا یہ تو بتاؤ، کون ہے جو چھپ کر آیا ہے اور یہ کس بھیس بدلنے والے نے بھیس بدلا ہوا ہے۔

تیرے عِشق نچائی آ کر تھیّا تھیّا
جھبدے آویں وے طبیبا نہیں تے مَیں مر گئیا
تیرے عِشق نچائی آ کر تھیّا تھیّا

تیرے عشقے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ مَیں تے آپے پیتا
جھبدے آویں وے طبیبا نہیں تے مَیں مر گئیا
تیرے عِشق نچائی آ کر تھیا تھیا

ایس عِشق دے کولوں سانوں ہٹک نہ مائے
لاؤ جاندڑے بیڑے موڑ کون ہٹائے
میری عقل بھُلّی نال موہانیاں دے گئیا
تیرے عِشق نچائی آ کر تھیا تھیا

ایس عشقے دی جھنگی وِچ مور بولیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ پیارا یار دسیندا
سانوں گھائل کر کے پھیر خبر نہ لئیا
تیرے عِشق نچائی آ کر تھیا تھیا

بُلھا شاہ عنایت دے چل بہے بُوہے
جس دے عشق پہنائے سانوں ساوے تے سُوہے
جاں میں ماری ہے اڈّی مِل پیا ہے وہیا
تیرے عِشق نچائی آ کر تھیا تھیا

اے میرے طبیب! جلدی آ کر، کوئی چارہ کرلو، ورنہ میرے حواس تو گم ہو رہے ہیں۔ تیرے عِشق نے مجھے تھیا تھیا ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تیرے عِشق نے میرے دِل میں اپنا مستقل قیام بنا لیا ہے۔ یہ زہر پیالہ تو مَیں نے خود اپنے ہاتھوں لبریز کر کے پیا ہے...... اے میرے طبیب! جلدی آ کر، کوئی چارہ کرلو، ورنہ میرے حواس تو گم ہو رہے ہیں۔ تیرے عِشق نے مجھے تھیا تھیا ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اے ماں! ہمیں اِس عِشق سے باز رہنے کی تلقین نہ کر۔ جب کشتی عِشق کے سیلاب میں بہنے لگی ہے تو پھر اُسے کون واپس لا سکتا ہے۔ مجھ سے بھُول ہو گئی کہ مَیں ملاّحوں کے ساتھ چل پڑی تھی۔ تیرے عِشق نے مجھے تھیا تھیا ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس عِشق کے جنگل میں مور بول رہے ہیں، لیکن ہم کو تو قبلہ وکعبہ ہمارا پیارا محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ جس

نے، ہم کو گھائل کر کے پھر ہماری خبر گیری ہی نہیں کی۔ تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اے بُلھے شاہ!...... چلو، شاہ عنایت کے در پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں جس کے عشق نے ہم کو سبز اور سرخ لباس (چولے) پہنائے ہیں۔ جب مَیں نے ناچ کی تال پر ایڑی زمین پر ماری تو مجھے میری منزل مل گئی۔ تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

آدمؑ کنکوں منع کرایا آپے مگر شیطان دوڑایا
کڈھ بہشتوں زمیں رُلایا کیڈ پسار پساریا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

عیسیٰؑ نُوں بِن باپ جمایا نُوحؑ پر طُوفان منگایا
نال پیو دے پُتّر لڑایا ڈوب اوہناں نُوں ماریا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

موسیٰؑ نُوں کوہ طُور چڑھائیو اسمٰعیلؑ نُوں ذبح کرائیو
یونسؑ مچھی توں نِگلائیو کیہ اوہناں نُوں رُتبے چاڑھیائی

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

خواب زُلیخا نُوں دِکھلائیو یُوسفؑ کھُوہ دے وِچ پوائیو
بھائیاں نُوں الزام دوائیو تاں مراتب چاڑھیا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

سلیمانؑ توں بھٹھ جھوکائیو ابراہیمؑ چِخا وِچ پائیو
صابرؒ دے تن کیڑے پائیو حسنؓ زہر دے ماریا ای

رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

منصور نوں چا سُولی دِتا راہب دا کڈھوایا پِتّا
زِکریاؑ سر کلوتر کیتا پھر اوہناں کم ساریا ای
رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

شاہ سرمد دا گلا کٹائیو شمس تے جاں سخن الائیو
قُم باِذنی آپ کہائیو سر پَیروں کھل اُتاریا ای
رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

ایس عِشق دے بڑے اڈمبر عِشق نہ چھپدا باہر اندر
عِشق کیتا شاہ شرف قلندر باراں ورھے دریا وِچ ٹھاریا ای
رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

فوجاں قتل کرائیاں بھائیاں مشکاں چوہیاں توں ٹکوائیاں
ڈِٹھی قُدرت تیری سائیاں سر تیغوں بُہاریا ای
رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

کیرو پانڈو کرن لڑائیاں اٹھاراں کھوہنیاں تدوں کھپائیاں
مارن بھائی سکیاں بھائیاں کیہ اوتھے نیانہہ توں نتاریا ای
رہو رہو اوئے عشقا ماریا ای
کہو کس نوں پار اُتاریا ای

نمرود نے بھی خُدا سدایا اِس نے رب نُوں تیر چلایا
مچھر توں اُس نوں مروایا قاروں زمیں نِگھاریا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

فرعون نے جدوں خدا کہایا اوسے نال اشٹنڈ جگایا
نیل ندّی دے وِچ ڈُبایا خودیوں کر ٹُدھ ماریا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

آپے جا امام بنایا اس دے نال یزید لڑایا
چودھیں طبقیں شور مچایا سر نیزے تے چاڑھیا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

مغلاں زہر پیالے پیتے بھُوریاں والے راجے کیتے
سب اشراف پھرن چُپ کیتے بھلا اوہناں نوں جھاڑیا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

بُلھا شاہ فقیر وچارا کر کر چلّیا کُوچ نقارہ
روشن جگ وِچ نام ہمارا نُوروں سرج اُتاریا ای

رہو رہو اوئے عِشقا ماریا ای
کہو کِس نُوں پار اُتاریا ای

اب بس بھی کر اے عِشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ حضرت آدم کو جنت میں گندم کا دانہ کھانے سے منع بھی کِیا اور پھر خود ہی اُس کے پیچھے شیطان کو بھی لگا دیا پھر اُسے جنت سے نکلوا کر زمین پر پھینک دیا گیا......اور پھر یہ کیسا طویل کھیل رچایا۔ اب بس بھی کر اے عِشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش کروائی، حضرت نوح علیہ السلام پر خود ہی طوفان بھیجا۔ پھر باپ کے ساتھ بیٹے کا اختلاف پیدا کِیا اور پھر

بیٹے کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ تُو نے ہی تو حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر چڑھایا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو باپ کے ہاتھوں ذبح کروایا تھا۔ حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں ڈلوایا تھا......اور پھر اُنھیں کیسے بلند مرتبے پر فائز کر دیا۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ زُلیخا کو خواب میں حضرت یُوسُفؑ کے حسن کا جلوہ دکھایا۔ یُوسُفؑ کو کُنویں میں ڈلوایا، بھائیوں پر الزام عائد کروایا۔ اور پھر اُنھیں جا کر کہیں کسی مرتبے پر فائز کِیا۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ حضرت سلیمانؑ کو بھٹی میں آگ جھونکنے پر لگا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھنکوا دیا، حضرت ایوبؑ کے جسم میں کیڑے ڈلوا دیے۔اور حضرت حسنؓ کو زہر دے کر مروا دیا۔ اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ منصور کو سولی پر چڑھا دیا۔ راہب (ابراہیم ادھم) کا پتّا نکلوا دیا، حضرت زِکریاؑ کے سر پر آرا چلوا دیا پھر کہیں جا کر اُن کے کاج سنور رہے تھے۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ تُو نے......حضرت شاہ سرمد کا گلا کٹوایا۔ حضرت شمس کے مُنہ سے قُم باذنی کا کلمہ بھی تُو نے نکلوایا پھر سر سے پانو تک اُن کی کھال بھی کھنچوا دی۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ اِس عشق کی بڑی شان و شوکت ہے۔ یہ ظاہر و باطن میں کہیں نہیں چھپا عشق نے ہی شاہ شرف الدین قلندر کو بارہ برس تک پانی میں کھڑا کر دیا تھا۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ بھائیوں سے فوجیوں کا قتلِ عام کروایا۔ چوہوں سے مشکیں کُتروا کر اُنھیں آزاد کِیا۔ ہم نے تیری قدرت کا میرے مالک یوں بھی نظارہ کِیا ہے کہ تیری راہ میں لاکھوں سر قربان کیے ہیں۔اب بس بھی کراے عشقِ خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ کورو اور پانڈو قریبی عزیز ہو کر بھی جنگیں لڑتے رہے جن میں اُن کی اٹھارہ نسلیں تباہ ہو گئیں۔ بھائی سگے بھائیوں کو مارتے رہے تُو نے وہاں کون سے انصاف کا مظاہرہ کِیا تھا۔اب بس بھی کراے عشقِ

خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ نمرود نے بھی خدا ہونے کا دعویٰ کِیا تھا اور اُس نے رب کی طرف تیر بھی چلایا تھا تُو نے اُس کو معمولی مچھر سے مروا دِیا اور قارون کو اُس کے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ اب بس بھی کر اے عِشق خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ فرعون نے بھی جب اپنے آپ کو خدا کہلوایا تو اُس کے ساتھ بھی مکّاری سے کام لیا گیا اُس کو دریائے نیل میں ڈبو دیا گیا یوں اُسے تکبر اور غرور کی موت مارا گیا۔ اب بس بھی کر اے عِشق خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ خود ہی تُو نے امام حسین علیہ السلام کو امامت کے مرتبے پر فائز کِیا اور پھر اُس کے ساتھ یزید کی جنگ بھی کروا دی جس پر چودہ طبقوں پر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لیکن تُو نے حضرت حسین کا سر نیزے پر چڑھوا دیا۔ اب بس بھی کر اے عِشق خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ...... مغل شہزادوں کو زہر کے پیالے پینے پڑے۔ اور اُن کی جگہ سکھوں کو حکمران بنا دیا گیا جس پر اشراف اپنی زُبانوں کو تالے لگانے پر مجبور ہو گئے۔ اُن کو کچھ ایسا جھاڑا کہ وہ خاموش ہو گئے۔ اب بس بھی کر اے عِشق خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟ بلھے شاہ! جیسا فقیر منش انسان تو دُنیا سے کوچ کا نقارہ بجا کے جا رہا ہے۔ دُنیا میں ہمارا ہی نام تو روشن رہے گا کہ خدا نے ہم کو اپنے نور سے بنایا ہے۔ اب بس بھی کر اے عِشق خانہ خراب! تُو نے تو ہم کو برباد کر کے رکھ دیا ہے ذرا یہ تو بتا تُو نے کبھی کسی کو پار بھی اُتارا ہے؟

چِر نہ عِشق مجازی لاگے
سوئی سِیوے نہ بِن دھاگے

عِشق مجازی داتا ہے جِس پِچھے مست ہو جاتا ہے
عِشق جہناں دے ہڈّیں پَیندا سوئی نر جیوت مروِیندا
عِشق پِتا تے ماتا ہے
عِشق مجازی داتا ہے جِس پِچھے مست ہو جاتا ہے
اِس وِچ نہ رَتّی اوہلا ہے ہر طرف دِسیندا مَولا ہے

بُلھا عاشق بھی ہُن تردا ہے جس فِکر پیارے گھر دا ہے
رب مِلدا ویکھ اُچڑدا ہے من اندر ہویا جھاتا ہے
عِشق مجازی واتا ہے
جس بھچھی مست ہو جاتا ہے

جب تک عِشقِ مجازی نہ ہو، عِشقِ حقیقی سے بہتر آشنائی ممکن نہیں۔ سوئی بھی تاگے کے بغیر کپڑا نہیں سیتی۔ بس عِشقِ مجازی بھی ایک راستہ ہے۔ جو اس کی لذت چکھتا ہے وہ بھی مست و بے خود ہو جاتا ہے عِشق جن کے وجود میں بس جاتا ہے وہ بہادر بھی جیتے جی مر جاتے ہیں۔ عِشق ہی مائی باپ ہے۔ بس عِشقِ مجازی بھی ایک راستہ ہے۔ جس نے بھی یہ لذت چکھی ہے وہ مست و بے خود ہو جاتا ہے۔ اِس میں تو معمولی سا بھی پردہ نہیں ہر طرف وہی مالک دکھائی دیتا ہے۔ اے بُلھے شاہ! وہی عاشق پار اُترتا ہے جس کو پیا کے گھر کی لگن ہوتی ہے رب ملتا ہے تو وہ ہم کلام بھی ہوتا ہے فضا میں اُس کے جھانکنے سے نُور سا پھیل جاتا ہے۔ یہ عِشقِ مجازی بھی ایک راستہ ہے۔ جس نے بھی یہ لذت چکھی وہ مست و بے خود ہو جاتا ہے۔

جس تن لگیا عِشق کمال ناچے بے سُر تے بے تال
درد منداں نُوں کوئی نہ چھیڑے آپے اپنا دُکھ سہیڑے
جم نہ جیو نہ مُول اگھیڑے اپنا بُوجھے آپ خیال
جس تن لگیا عِشق کمال ناچے بے سُر تے بے تال
جس نے ویس عِشق دا کیتا دُھر درباروں فتویٰ لیتا
جدوں حضوروں پیالہ پیتا کجھ نہ رہیا جواب سوال
جس تن لگیا عِشق کمال ناچے بے سُر تے بے تال
جس دے اندر وَسیا یار اُٹھیا یارو یار پُکار
نہ اوہ چاہے راگ نہ تار انویں بیٹھا کھیڈے حال
جس تن لگیا عِشق کمال ناچے بے سُر تے بے تال
بُلھا شوہ نگر سچ پایا جھوٹھا رَولا سب مُکایا
سچیاں کارن سچ سُنایا پایا اِس دا پاک جمال

جس تن لگیا عشق کمال

ناچے بے سُر تے بے تال

جس وجود میں عشق اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے وہ بے سُر اور بے تال ناچنے لگتا ہے۔ اہلِ درد سے کوئی چھیڑ خانی نہ کرے وہ تو خود اپنے دُکھ آپ قبول کیے ہوتے ہیں وہ جینے مرنے سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں وہ اپنی باتوں سے خود ہی آشنا ہوتے ہیں۔ کمالِ عشق جس وجود کا حصہ بن جاتا ہے وہ مست و بے خود ہو کر بے سُر اور بے تال ناچنے لگتا ہے۔ جس نے عشق کا روپ اختیار کیا دربارِ الٰہی سے اُس کے حق میں فتویٰ صادر ہو گیا۔ اور جب، اُس نے حضوری کا جام پی لیا پھر جواب سوال کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ کمالِ عشق جس وجود کا حصہ بن جاتا ہے وہ مست و بے خود ہو کر بے سُر اور بے تال ناچنے لگتا ہے۔ جس کے دِل میں محبوب بس جاتا ہے۔ وہ سوتے جاگتے ''محبوب محبوب'' کا ہی وِرد کرتا رہتا ہے اُسے کسی راگ اور تار والے ساز کی ضرورت نہیں رہتی وہ تو بیٹھا بیٹھا بھی مستی کا رقص کرتا رہتا ہے۔ کمالِ عشق جس وجود کا حصہ بن جاتا ہے وہ مست و بے خود ہو کر بے سُر اور بے تال ناچنے لگتا ہے۔ اے بُلھا!...... مرشد کے شہر میں سچ سامنے آیا ہے۔ جس نے سب جھوٹ فریب ختم کر دیے سچے لوگوں کے لیے ہی اُس نے سچ سُنایا۔ اور اُس کے جمالِ پاک سے فیض یاب ہوا۔ کمالِ عشق جس وجود کا حصہ بن جاتا ہے وہ مست و بے خود ہو کر بے سُر اور بے تال ناچنے لگتا ہے۔

سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
لعل نیں گہنے سوہنے ساتھی مائے نال لَے جاواں
سُنیا ہوکا مَیں دِل گزری مَیں بھی لعل لیاواں
اِک نہ اِک کتاں وِچ پا کے لوکاں نوں وِکھلاواں
لوک جانن ایہ لعلاں والی لیناں مَیں بھرمائے
سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
اوڑک جا کھلوتی اوہناں تھے مَیں منوں سدھرائیاں

بھائی وے لعلاں والیو مَیں بھی لعل لیون نوں آئیاں
اوہناں بھرے صندوق وکھائے مینوں رنجھاں آئیاں
ویکھے لعل سہانے سارے اِک توں اِک سوائے
نَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
بھائی وے لعلاں والیا ویرا ایہناں دا مُل دسائیں
جے تُوں آئی ہیں لعل خریدن دھڑ توں سیس لہائیں
ڈھم کدی سُوئی دا نہ سہیا سِر کِتھوں دِتا جائیں
لازم ہو کے مُڑ گھر آئی پچھن گواہنڈھی آئے
سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
تُوں جو گئی سَیں لعل خریدن اُچّی اڈّی چائی
کیہڑا مُہرہ اوتھوں رَتّے تُوں لے کے گھر آئی
لعل سی بھارے مَیں ساں ہلکی خالی کنّی سائی
بھارا لعل اَمُلّا اوتھوں میتھے چُکّیا نہ جائے
سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
کچی کچ وِہاج نہ جاناں لعل وہاجن چَلّی
پَلّے خرچ نہ ساکھ نہ کائی ہتھوں ہارن چَلّی
مَیں موٹی مشٹنڈی دِساں لعل نوں چاون چلی
جس شاہ نے مُل لے کے دینا سو شاہ مُنہ نہ لائے
سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے
لعل چوگیندی نازک ہوئی ایہہ گل کون نتارے

جاں مَیں مُل اوہناں نُوں پچھیا مُل کرن اوہ بھارے
ڈھم سُوئی دا کدے نہ کھادا اوہ آکھن سر بارے
جیہڑیاں گئیاں لعل وہاجن اوہناں سِیس لُہائے
سَے ونجارے آئے نی مائے سَے ونجارے آئے
لعلاں دا اوہ وَنج کریندے ہوکا آکھ سُنائے

اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔لعلوں کے بنے زیور خوب صورت ساتھی ہوتے ہیں ناں، میری یہ خواہش ہے کہ مَیں بھی اِنھیں اپنے ساتھ لے جاؤں، چناں چہ جب مَیں نے ان کی منادی سُنی تو میرے دِل میں خیال آیا کہ مَیں بھی اُن سے لعل خرید کر لاؤں۔مَیں بھی اُن میں سے ایک کانوں میں پہن کر سہیلیوں کو دکھاؤں اور اُس پر فخر کروں لوگ سمجھیں گے کہ یہ بھی لعلوں والوں کو پسند آ گئی ہے۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔بالآخر مَیں اُن کے پاس جا کھڑی ہوئی، میرے دِل میں سیکڑوں آرزوئیں تھیں۔مَیں نے اُن سے کہا، لعل بیچنے والے بھائیو! مَیں بھی لعل خریدنے آئی ہوں۔اُنھوں نے موتیوں سے بھرے صندوق کھول کر مجھے دکھائے تو میرا دِل بہت للچایا مَیں نے وہ تمام خوب صورت ہیرے دیکھے جو ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔لعلوں والے اے میرے بھائی! ذرا اِن کے دام تو بتانا......تو اُس نے کہا......اگر تُو لعل خریدنے آئی ہے تو اِس کے لیے تَن سے سر جُدا کروانا پڑتا ہے۔مَیں نے تو کبھی سوئی کی چبھن بھی برداشت نہیں کی تھی سر کا ''نذرانہ'' کیسے پیش کر سکتی تھی۔شرمسار ہو کر گھر واپس آئی تو اڑوس پڑوس والی عورتیں پوچھنے آ گئیں۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔تُو جوایڑیوں کے بَل چل کر خوشی خوشی لعل خریدنے گئی تھی، اے عورت! وہاں سے تُو کون سا منکا لے کر آئی ہے۔مَیں نے کہا، وہ لعل

تو بہت قیمتی تھے اور مَیں اِنتہائی کمزور، میری جیب میں پیسے بھی نہیں تھے۔ وہ قیمتی لعل بہت وزنی تھا مجھ سے اُٹھایا بھی نہیں گیا۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔ مَیں بھولی بھالی اور معصوم جو تجارت کی الف ب بھی نہیں جانتی تھی لعلوں کا کاروبار کرنے چلی تھی۔ نہ تو میرے پلّے میں رقم تھی اور نہ ہی کوئی کاروباری ساکھ تھی۔ مَیں تو کچھ خریدنے کے بجائے اُلٹا ہارنے کو ہی گئی تھی۔ مَیں جو موٹی تازی اور مشٹنڈی دکھائی دیتی تھی لعل اُٹھانے چلی تھی۔ حال آں کہ...... جس مالک نے وہ لعل لے کر دینا تھا وہ تو مجھے مُنہ ہی نہیں لگا تا تھا۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔ لعلوں کا انتخاب کرتے ہوئے مَیں بہت بے بس اور مایوس ہوئی کون ہے جو میرے انتخاب میں مددگار ہوتا۔ جب مَیں نے اُن سے قیمت پوچھی تو وہ بہت زیادہ مول بتاتے رہے...... مَیں نے تو کبھی سوئی کی چبھن بھی برداشت نہیں کی تھی وہ سر کے نذرانے کی بات کرتے تھے...... جو بھی لعل خریدنے گئی ہیں اُنھیں کو سر کٹانا ہی پڑا ہے۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ اے ماں! سیکڑوں کی تعداد میں بنجارے آئے ہیں۔ وہ موتیوں کا کاروبار کرتے رہے اور اِس کے لیے اعلان بھی کرتے رہے۔

مائے نہ مُڑدا عِشق دیوانہ شوہ نال پریتاں لا کے
عِشق شرع دی لگ گئی بازی کھیڈاں مَیں داؤ لا کے
مارن بولی تے بول نہ بولاں سُناں نہ کَن لا کے
ویہڑے وِچ شیطان نچیندا اِس نوں رکھ سمجھا کے
توڑ شرع نوں جت لئی بازی پھردی نک وڈھا کے
مَیں وے انجانی کھیڈ وگیاں کھیڈاں مَیں آ کے با کے
ایہ کھیڈاں ہُن لگدیاں جھیڈاں گھر پیا دے آ کے
سیّاں نال مَیں پاواں گِدھا دِلبر لک لک جھاکے
پچھو نی ایہ کیوں شرماندا ، جاندا نہ بھیت بتا کے

کافر کافر آکھن مینوں سارے لوک سُنا کے
مومن کافر مینوں دووِیں نہ دِسدے وحدت دے وِچ آ کے
چولی چُنّی تے پھُوکیا جھگّا دھونی شرک جلا کے
واریا کفر وڈّا مَیں دِل تھیں تلی تے سیس ٹکا کے
مَیں وڈ بھاگی ماریا خاوند ہتھّیں زہر پلا کے
وصل کراں مَیں نال سجّن دے شرم حیا گوا کے
وِچ چمن مَیں پلنگ وچھایا یار سُتّی گل لا کے
سروہی نال مِل گئی سروہی بُلھا شوہ نُوں پا کے
مائے نہ مُڑ دا عِشق دیوانہ شوہ نال پریتاں لا کے

نی میری مائے! یہ میرا عِشق دیوانہ محبوب سے پریت لگا کر پیچھے ہٹنے والا نہیں۔عِشق اور شرع میں بازی لگ گئی ہے اور مَیں "آر یا پار" کا داو لگا کر کھیل رہی ہوں۔لوگ طعنے دیتے ہیں مگر مَیں کسی کا بھی کوئی جواب دیتی ہوں اور نہ ہی کسی کی بات پر کوئی غور کرتی ہوں سب کی سُنی اَن سُنی کر دیتی ہوں...... صحن میں شیطان رقص کر رہا ہے اُس کو ذرا سمجھا کے رکھ۔شرع کو توڑ کر مَیں نے بازی جیت لی ہے لیکن ذلیل ورُسوا بھی ہوگئی ہوں۔مَیں اَنجان اور معصوم تو کھیلنا ہی نہیں جانتی تھی مَیں تو ابھی بچوں کے کھیل "آ کے باکے" ہی کھیلا کرتی تھی۔محبوب کے گھر آ کر اب وہ تمام کھیل محض ہنسی مذاق لگتے ہیں۔اب مَیں سہیلیوں کے ساتھ گِدھا ڈالتی ناچتی ہوں تو دِلبر مجھے چھپ چھپ کر دیکھتا ہے۔کوئی اُس سے بھلا یہ پوچھے کہ وہ بھلا مجھ سے بات کرتے ہوئے کیوں شرماتا ہے۔ اصل بھید کیوں نہیں بتاتا...... لوگ میری طرف اشارے کر کے، مجھے کافر کافر کہتے ہیں۔مجھے تو اس وحدت میں آ کر نہ کوئی کافر نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی مومن...... مَیں نے تو شرک کی ساری شناختیں چولی، دوپٹہ اور گھر بار سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا ہے۔مَیں نے ہتھیلی پر سر رکھ کر کفر کو دِل پر قربان کر دیا ہے۔مَیں خوش نصیب نے تو اپنا خاوند خود اپنے ہاتھوں زہر دے کر مار ڈالا ہے۔اب مَیں تمام شرم وحیا کو بھُلا کر اپنے محبوب کے ساتھ وصل کے مزے لے رہی ہوں۔مَیں نے باغ کے درمیان میں پلنگ بچھایا ہے اور اپنے محبوب کو گلے سے لگا کر سوتی ہوں۔اے بُلھے شاہ! شوہ کو پا کر یوں لگتا ہے کہ سروہی تلوار سروہی تلوار سے مل گئی ہے۔اے ماں! یہ میرا عِشق دیوانہ محبوب

سے پریت لگا کر پیچھے ہٹنے والا نہیں۔

نی کوٹیچل میرا ناں نی کوٹیچل میرا ناں

مُلاّں مینوں سبق پڑھایا
اَلفوں اَگّے کُجھ نہ آیا
اُسدیاں جُتّیاں کھاندی ساں

نی کوٹیچل میرا ناں نی کوٹیچل میرا ناں

رِکویں رِکویں دو اکھیاں لائیاں
رل کے سئیاں مارن آئیاں
نالے مارے بابل ماں

نی کوٹیچل میرا ناں نی کوٹیچل میرا ناں

ساہورے سانوں وڑن نہ دیندے
نانک دادک گھروں کڈھیندے
نی مَیں مُڑ کے کِت وَل جاں

نی کوٹیچل میرا ناں نی کوٹیچل میرا ناں

بُلھا شوہ کیہ لائیا مینوں
مت کجھ لگّے اوہ ہی تینوں
تد کریں گا توں نیاں

نی کوٹیچل میرا ناں نی کوٹیچل میرا ناں نی سکھیو!......میرا نام کوٹیچل (بہانے باز، ڈھیٹ، ضدی) ہے، میرا نام کوٹیچل ہے۔مُلاّں نے مجھے سبق پڑھایا لیکن مجھے الف سے آگے کچھ نہیں آیا۔مَیں اُس کے جوتے کھاتی رہی۔نی سکھیو!......میرا نام کوٹیچل (بہانے باز، ڈھیٹ، ضدی) ہے، میرا نام کوٹیچل ہے۔بڑی مشکل سے مَیں نے پریت لگائی تمام سکھیاں سہیلیاں مجھے مارنے آ گئیں۔بابل اور ماں نے بھی مجھے خوب مارا۔نی سکھیو!......میرا نام کوٹیچل (بہانے باز، ڈھیٹ، ضدی) ہے، میرا نام کوٹیچل ہے۔سسرالی ہمیں اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتے۔آباواجداد، ننھیال اور ددھیال والے گھر سے نکال دیتے ہیں اب تم ہی بتاؤ......مَیں پلٹ کر کدھر جاؤں۔نی

سکھیو!......میرا نام کوٹیچل (بہانے باز، ڈھیٹ، ضدی) ہے، میرا نام کوٹیچل ہے۔ اے بلھے! شوہ نے مجھے یہ کیسا روگ لگا دیا ہے اگر تمھیں بھی یہ روگ لگ جائے تو پھر تم میرا بھی انصاف کرو گے۔ نی سکھیو!......میرا نام کوٹیچل (بہانے باز، ڈھیٹ، ضدی) ہے، میرا نام کوٹیچل ہے۔

مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے
جوگی نہیں ایہہ دِل دا میتا   بُھل گئی مَیں پیار کیوں کیتا
مینوں رہی نہ کجھ سنبھال نی   اِس دا درشن پا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے
ایس جوگی مینوں کیہیاں لائیاں   ہاؤں کلیجے گنڈیاں پائیاں
عشقے دا پائیوس جال نی   مِٹھی بات سُنا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے
مَیں جوگی نُوں خُوب پچھاتا   لوکاں مینوں کملی جاتا
لٹیو سُو جھنگ سیال نی   کنّیں مُندراں پا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے
جے جوگی گھر آوے میرے   چُک جاون سب جھگڑے جھیڑے
لاں سینے دے نال نی   لکھ لکھ شگن منا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے
مائے نی اِک جوگی آیا   در ساڈے اِس دُھواں پایا
منگدا ہے ہیر سیال نی   بیٹھا بھیس وٹا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال

نی مَتھے تِلک لگا کے

ماہی نہیں کوئی نورِ الٰہی انہد دی جس مُرلی واہی
مُٹھیوس ہیر سیال نی ڈاڈھے کامن پا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے

لکھاں گئے ہزاراں آئے اِس دے بھیت کسے نہ پائے
گلّاں تے موسیٰ نال نی پر کوہ طور چڑھا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے

عبدہٗ رسول کہایا وِچ معراج بُراق منگایا
جبرائیل پکڑ لے آیا کارن استقبال نی حوراں منگل گا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے

ایس جوگی دے سُو اکھاڑے حسنؑ حسینؑ نبیؐ دے پیارے
ماریوس وِچ جدال نی پانی بِن ترسا کے
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے

ہادی مینوں سبق پڑھایا اوتھے غیر نہ آیا جایا
مطلق ذات جمال وکھایا وحدت پایا نی شور
مَیں ویساں جوگی دے نال
نی مَتھے تِلک لگا کے

اوّل ہو کے لامکانی ظاہر باطن دِسدا جانی
رہیا نہ میرا نام نشانی مِٹ گیا جھگڑا شور
مَیں ویساں جوگی دے نال

نی مَتّھے تِلک لگا کے

پیارا آپ جمال وکھالے مست قلندر ہوں متوالے

ہنساں دے ہُن دیکھ لے چالے بُگھا کانگاں دی بھُل گئی ٹور

مَیں ویساں جوگی دے نال

نی مَتّھے تِلک لگا کے

سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ جوگی نہیں، میرے دِل کا میت ہے۔ مجھ سے بھول ہوئی جو مَیں نے اُس سے پیار کِیا۔ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا، اس کا دیدار کر کے۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اس جوگی نے مجھے پریت کے انوکھے روگ لگائے ہیں۔ میرے کلیجے میں آگ کے کانٹے چبھو دیے اور پھر میٹھی میٹھی باتیں کر کے عشق کا خوب صورت جال بچھا دیا۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ مَیں نے جوگی کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اگرچہ لوگ مجھے پاگل دیوانی کہتے ہیں۔ اس جوگی نے سیالوں کا سارا شہر جھنگ ہی لوٹ لیا ہے...... کانوں میں مندرے پہن کر۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اگر یہ جوگی میرے گھر میں آئے تو سب اِدھر اُدھر کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مَیں اُسے سینے سے لگاؤں گی...... لاکھ طرح کے شگن منا کر۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اے ماں! ہمارے شہر میں ایک جوگی آیا ہے جو ہمارے ہی دروازے پر دُھونی رمائے بیٹھا ہے۔ اور بھیک میں ہیر سیال مانگتا ہے...... بھیس بدل کر آسن جما کر۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ...... کوئی ''ماہی'' نہیں نورِ الٰہی ہے۔ جس نے بانسری پر معرفت کا گیت سُنایا۔ ہیر سیال کی جان کو اپنے قبضے کر لیا اور پھر جادو منتر کر کے لوٹ لیا۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اس دُنیا میں...... لاکھوں آئے اور ہزاروں گئے ہیں لیکن اُس کے بھید کسی نے نہیں پائے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو تو کی مگر کوہِ طور پر چڑھا کر۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ بندہ بھی کہلایا اور رسول بھی۔ اور جس نے معراج پر جانے کے لیے براق بھی منگایا۔ اور اُس براق کو

جبرائیل پکڑ کر لے آیا تھا۔ جب کہ استقبال کے لیے حوروں نے خوشی کے نغمے گائے تھے۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اس جوگی نے عجب میدان سجائے ہیں۔ حسن اور حسین جو نبی کریم کے پیارے تھے اُنھیں لڑائی میں شہید کروایا...... پانی کے بغیر ترسا کر۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اُس ہادی نے مجھے ایسا سبق پڑھایا ہے جہاں کسی غیر کا آنا جانا نہیں۔ چناں چہ مجھے ذاتِ مطلق نے اپنا جلوہ دکھایا کہ وحدت کی ہر طرف دُھوم مچ گئی۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ اوّل تو وہ لا مکانی ہے لیکن پھر بھی ظاہر و باطن میں وہی دِل جانی دکھائی دیتا ہے۔ اب تو میرا کوئی نام و نشان ہی نہیں رہا سب اِدھر اُدھر کے جھگڑے ختم ہو گئے ہیں۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ محبوب پیارا، جب اپنا جمال دکھاتا ہے تو مست قلندر بھی متوالے ہو جاتے ہیں...... ہنسوں کی جب سے چال دیکھی ہے بُلھے شاہ کوؤں کی چال بھول گیا ہے۔ سکھیو! مَیں تو ماتھے پر تلک لگا کر (جوگن بن کر) اپنے جوگی کے ساتھ جاؤں گی۔

الف اِلہ جِس دِلبر ہووے
مُنّہ زردی اَکھ لہو بھر رووے
جیون اپنے توں ہتھ دھووے
جِس نُوں برہوں اَگ لگاوے
لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

الف الٰہ (معبود) جس کا محبوب ہو جاتا ہے، اُس کا چہرہ زرد اور آنکھیں لہو رونے لگتی ہیں وہ تو اپنی زِندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جس کو ہجر کی یہ آگ لگ جاتی ہے۔ عشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔

اُٹھ گئے گواہنڈھوں یار
ربّا ہُن کیہہ کریئے؟

اُٹھ گئے ہُن رہندے ناہیں

ہویا ساتھ تیار
ربا ہُن کیہ کریئے؟

ڈھانڈ کلیجے بَل بَل اُٹھدی
بھڑکے برہوں نار
ربا ہُن کیہ کریئے؟

بُلھا شوہ پیارے باجھوں
رہے اُرار نہ پار
ربا ہُن کیہ کریئے؟

وہ جو پڑوس میں دوست رہتے تھے کہیں اور چلے گئے ہیں۔ اے خدا اب ہم کیا کریں؟ وہ اُٹھ کر تیار کھڑے ہیں روکے بھی نہیں رکتے۔ اُنھوں نے رختِ سفر بھی تیار کر لیا ہے۔ اے خدا! اب ہم کیا کریں؟ سینے میں اک آگ بھڑک بھڑک اُٹھتی ہے جدائی کی یہ آگ شعلے اُگل رہی ہے اے خدا! اب ہم کیا کریں؟ اے بُلھے شاہ! محبوب پیارے کے بغیر ہم نہ اِس پار کے ہیں نہ اُس پار کے۔ اے خدا! تُو ہی بتا اب ہم کیا کریں؟

دِل لوچے ماہی یار نوں
دِل لوچے ماہی یار نوں
اِک ہَس ہَس گلّاں کر دیاں   اِک روندیاں دھوندیاں بھردیاں
کہو پھلی بسنت بہار نوں
دِل لوچے ماہی یار نوں
مَیں نہاتی دھوتی رہ گئی   اِک گنڈھ ماہی دِل بہہ گئی
بھاہ لایئے ہار سنگھار نوں
دِل لوچے ماہی یار نوں
مَیں دوتیاں کاٹ کیتیاں   دُکھ گھیر چوپھیریوں لیتیاں
گھر آ ماہی دیدار نوں
دِل لوچے ماہی یار نوں

بُلھا شوہ میرے گھر آیا   مَیں گھُٹ ، رانجھن گل لایا
دُکھ گئے سمندروں پار نوں
دِل لوچے ماہی یار نوں

میرا دِل، اپنے محبوب یار کو ملنے کو ترس رہا ہے۔ میرا دِل، اپنے محبوب یار کو ملنے کو للچا رہا ہے۔ کچھ سکھیاں تو محبوب کے ساتھ ہنستے کھیلتے زِندگی گزار رہی ہیں لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جو روتی دھوتی جیسے تیسے دِن پورے کر رہی ہیں۔ بہار کی کھلی ہوئی بسنت سے کہہ دو کہ...... میرا دِل محبوب یار کو ملنے کے لیے ترس رہا ہے۔ میریاں سب استقبالی تیاریاں خاک میں مل گئیں، نہا دھو کر بن سنو ر کر بیٹھی تھی، لیکن ماہی کے دِل میں پتا نہیں کیا گرہ بن گئی ہے وہ نہیں آیا۔ اب اُس ہار سنگار کو آگ لگانے کو جی چاہتا ہے...... میرا دِل، اپنے محبوب یار کو ملنے کو ترس رہا ہے۔ دُشمنوں نے طعنے دے دے کر مجھے بھی بُو دِل بنا دیا ہے اور اب دُکھوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے...... اب تو اے میرے محبوب! گھر آ جا اور اپنے دِیدار سے نواز دے...... میرا دِل، اپنے محبوب یار کو ملنے کو ترس رہا ہے۔ اے بُلھے! مرشد میرے گھر آ گیا ہے۔ مَیں نے اپنے رانجھے کو گلے سے لگا کر خوب بھینچا تو میرے تمام دُکھ کہیں دُور چلے گئے۔ میرا دِل، اپنے محبوب یار کو ملنے کو ترس رہا ہے۔

جند کُڑکّی دے مُنہ آئی

آپے ہیں تُوں لُکھک لُکھی آپے ہیں توں نیارا
گلّاں سُن سُن تیریاں میرا عقل گیا اُڈ سارا
شریعت توں بے شریعت کر کے بھلی کُھبّن وِچ پائی
جند کُڑکّی دے مُنہ آئی

ذرّہ عِشق تُساڈا وِسدا پربت کولوں بھارا
اِک گھڑی دے ویکھن کارن چُک لیا جگت سارا
کیتی محنت مِلدی ناہیں ڈاہڈے دِی اشنائی
جند کُڑکّی دے مُنہ آئی

صُلح نہ مَندا وات نہ پُچھدا آ کھ ویکھاں کیہ کردا
کل مَیں کملی تے اوہ کملا ہُن کیوں میتھوں ڈردا

اوہلے بہہ کے رمز چلائی دِل نوں چوٹ لگائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

جگ وِچ روشن نام تساڈا عاشق توں کیوں نسدے ہو
وسّو رسّو وِچ بُکّل دے اپنا بھیت نہ دسدے ہو
وچکڑے وچکاروں پھڑ مَیں کر اُلٹی لٹکائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

اندر والیا باہر آویں بانہوں پکڑ کھلوواں
ظاہر میتھوں لُکن چھپن باطن کو لے ہوواں
ایسے باطن پھٹّی زُلیخا مَیں باطن برلائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

اِک اِک لہر اجیہی آوے نہیں دسنیاں سو دسّاں
سچ آکھاں تاں سُولی چاہا جھوٹھ کہاں تے وسّاں
ایسی نازک بات کیوں آکھاں کہندیاں ہووے پرائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

جی وسیلہ پاکاں دا تُسی آپے ساڈے ہووو
جاگدیاں سنگ ساڈے جاگو سواں تے نال سووو
جس نے تیں سنگ پریت لگائی کیہڑے سُکھ سوائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

تیرا میرا نیانو نبیڑے روموں قاضی آوے
کھول کِتاباں کرے تسلّی دوہاں اِک بتا دے
مَیں تے قاضی ہوئے راضی کر سی کیہ لوکائی
چند گُڑگی دے مُنّہ آئی

بُلھا شوہ توں کیہا جیہا ہُن توں کیہیا مَیں کیہی
تینوں جو مَیں ڈھونڈن لگی مَیں بھی آپ نہ رہی

پایا ظاہر باطن تینوں باہر اندر روشنی
جند کڑکّی دے مُنہ آئی

یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔تُو نے خود ہی تو کہا تھا میرا تمہارا گوشت ایک ہے، لیکن مجھ سے الگ بھی ہے۔تمھاری باتیں سُن سُن کر تو میری عقل ماؤف ہوگئی ہے تُو نے شریعت کے پابند کو بے شریعت کر کے اچھے بھلے کو دلدل میں دھکیل دیا ہے یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔آپکا ذرّہ برابر عشق بھی اب پہاڑ سے بڑا دکھائی دیتا ہے۔ایک گھڑی کے نظارے کے لیے ہی مَیں نے ساری کائنات کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھالیا اور اگر اب مجھے محنت کا پھل نہیں ملتا تو یہ طاقتور سے دوستی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔نہ وہ صلح پر راضی ہے اور نہ ہی میری خبر گیری کرتا ہے پھر بھی کہہ کر دیکھ لیتی ہوں وہ کیا کرتا ہے۔کل تو مَیں بھی نادان تھی اور وہ بھی کوئی سمجھدار نہیں تھا۔اب پتا نہیں کیوں مجھ سے ڈرتا ہے۔اب وہ اوٹ میں بیٹھ کر اشاروں کے تیر چلاتا اور میرے دِل پر زخم لگاتا ہے۔یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔سارے زمانے میں آپ ہی کا نام تو روشن ہے پھر اپنے عاشق سے دُور کیوں بھاگتے ہو، میرے پہلو میں بھی ہنستے بستے ہو لیکن اپنا بھید بھی نہیں بتاتے ہو۔مجھے یُونہی درمیان میں پکڑا اور جکڑ کر اُلٹا لٹکا دِیا ہے۔یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔میرے دِل میں بسنے والے باہر آ تاکہ مَیں تیرا بازو پکڑ کر کھڑی ہوسکوں۔بہ ظاہر تُو مجھ سے چھپتا ہے لیکن باطن میں مَیں تمھارے ہی پاس ہوتی ہوں۔اِسی باطن نے ہی تو زُلیخا کو گھائل کِیا تھا اب مجھے بھی تو اسی باطن نے پریشان کر رکھا ہے۔یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔دِل میں جوش کی کوئی ایک ایسی لہر آئے کہ جس میں جو نہ کہنے والی باتیں ہیں وہ بھی مَیں کہہ دوں۔سچ کہوں تو سولی پر چڑھنا پڑتا ہے جھوٹ کہوں تو زندہ رہتا ہوں۔مَیں ایسی نازک بات کیوں کہوں کہ جو مُنہ سے نکلتے ہی پرائی ہوجائے۔یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔ان پاک لوگوں کے طفیل آپ ہمارے ہوجاؤ۔جاگتے ہوئے تم بھی ہمارے ساتھ جاگو، جب ہم سوئیں تم بھی سوجاؤ......جس نے بھی تمھارے ساتھ پریت لگائی ہے وہ بھلا کب سُکھ کی نیند سو سکی ہے۔یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔تمھارے اور میرے درمیان انصاف کے لیے روم سے ہی قاضی کو آنا چاہیے (مولانا روم کی طرف اشارہ ہے) جو تصوف کی کتابوں سے ثابت کرے کہ ہم دونوں ایک ہیں۔جب مَیں اور قاضی راضی ہیں تو پھر لوگ ہمارا کیا بگاڑ

سکتے ہیں۔ یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔ بُلھے شاہ! پہلے یہ سوال تھا کہ مرشد تُو نہ جانے کیسا ہے؟ اب مَیں کیا اور تُو کیا......؟ جب مَیں تمہیں تلاش کرنے لگی تو خود اپنے آپ کو بھی بھول گئی۔ تجھی کو اندر اور باہر پایا۔ اندر اور باہر نور سے بھر گیا۔ یہ جان عجب شکنجے میں پھنس گئی ہے۔

اَنَا اَحَد" دا گیت سُنائیو　　اَنَا اَحمد" پھر فرمائیو
اَنا عَرَب بے عین سُنائیو　　پھر نام رسُول دھرائیو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰه نُور تیرا　　ہر ہر کے بیچ ظہور تیرا
ہے اَلۡاِنۡسَان مذکور تیرا　　ایتھے اپنا سِر لُکائیو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

تُوں آئیوں تے مَیں نہ آئی　　گنج مخفی دی تَیں مُرلی بجائی
آکھ الست گواہی چاہی　　اوتھے قالُوا بلیٰ سُنائیو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

پرگٹ ہو کر نُور سدایو　　احمد توں موجود کرائیو
نابودوں کر بود وکھایو　　وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ سُنایو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

نَحۡنُ اَقۡرَب لکھ دِتّو ای　　هُوَ مَعَکُمۡ سبق دِتّو ای
وَفِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ حُکم کیتو ای　　پھر کیہا گھونگھٹ پایو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

بھر کے وحدت جام پلاؤ　　منصورے نُوں مست کراؤ

اس توں اَنَا الْحَقُ آپ کہایو　　پھر سُولی پکڑ چڑھائیو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای
گھُونگھٹ کھول جمال وکھایا　　شیخ جُنید کمال سدایا
لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ حال بنایا　　اشرف انسان بنایو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای
وَلَقَدْ کَرَّمْنَا یاد کرایو　　لَا اِلٰـہَ دا پردہ لاہیو
اِلَّا اللّٰـہ کہو جھاتی پایو　　پھر بُکھا نام دھرایو ای
سیّو ہُن مَیں ساجن پائیو ای
ہر ہر دے وِچ سمائیو ای

پہلے تو اُس نے اَنَا اَحَد'' کا گیت سنایا۔ پھر خود ہی اَنَا اَحْمَد'' فرمایا (مَیں احمد ہوں) پھر اُس نے کہا مَیں عرب ہوں ع کے بغیر رب ہوں، پھر اپنا نام رسول رکھ لیا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ فَثَمَّ وَجْـهُ اللّٰـه ہر طرف تیرا ہی نور ہے، ہر شے میں تیرا ہی نور ظہور ہے۔ اَلْاِنْسَـان تیرا ہی مذکور ہے، اس انسان میں تیرا ہی بھید چھپا ہوا ہے۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ جب تُو آیا تو مَیں باقی نہ رہی۔ گنج مخفی کی تُو نے بانسری بجائی (مَیں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) پھر تُو نے'' اَلَسْتُ بِرَبِّكُم ''کہہ کر گواہی مانگی اور پھر خود ہی ''قَالُوْ بَلٰی ''(کیوں نہیں کیوں نہیں) بھی کہلوایا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ وہ ظاہر ہو کر نور کہلوایا۔ پھر احمد سے خود ہی وجود میں آیا۔ نابود سے ہست کر کے دکھایا اور پھر...... جب مَیں اس میں اپنی رُوح پھونکوں کا حکم سنایا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ تُو نے ''ہم تمھاری شہ رگ سے بھی قریب ہیں'' لکھا۔ اور پھر، وہ تمھارے ساتھ ہے کا سبق بھی دیا اور پھر مَیں تمھارے نفسوں میں ہوں کا حکم بھی سنایا پھر یہ نقاب میں چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔

پہلے اُس کو وحدت کا جام بھر کر پلایا۔ منصور کو مۓِ وحدت سے مست و بے خود کیا اُس سے انا الحق کہلوایا اور پھر...... پکڑ کر سولی بھی چڑھا دیا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ تُو نے نقاب ہٹا کر اپنا جلوہ دکھایا تو شیخ جنید بغدادی اپنے کمال کو پہنچ گئے اور پھر جب اُس نے یہ کہا کہ میرے جبہ میں اللہ کی محبت کے سوا کچھ نہیں تو پھر اُس کا مقام ''اشرف الناس'' ہو گیا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔ ہم نے بنی آدم کو تکریم دی۔ انسان کا مقام یاد دلایا اور لا الٰہ کا پردہ ہٹا دیا الا اللہ کہہ کر نگاہ کی تو پھر بلھے شاہ کے نام سے مشہور کر دیا۔ سہیلیو! اب مَیں نے اپنے محبوب کو پالیا ہے۔ وہ محبوب ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم دی۔ (قرآن)
وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔
نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد ۔(ق،16)
ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ۔(الحدید،4)
وَفِیْ اَنْفُسَکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْن۔(الذاریات،21)
فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ(البقرۃ،115) اَلْاِنْسَانُ سری
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا(اعراف،172)

فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ دِسنائیں اَج او یار!
گھُونگھٹ کھول مُکّھ ویکھ نہ میرا عیب نمانی دے کج او یار
فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ دِسنائیں اَج او یار!
مَیں انجانی تیرا نیونہہ کیہ جاناں لاون دا نہیں چجّ او یار
فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ دِسنائیں اَج او یار!
حاجی لوک مکّے نُوں جاندے ساڈائیں تُوں حج او یار
فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ دِسنائیں اَج او یار!
ڈُونگھی ندی تے تُلہ پُرانا مِلساں کیہڑے سجّ او یار
فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ دِسنائیں اَج او یار!

بُلھا شوہ میں ظاہر ڈِٹھا لاہ مُونہیں توں لُج او یار
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه دِسنائیں اَج او یار!

اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔ میرے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب ہٹا کر نہ دیکھ۔ اے دوست! مجھ عاجز کے عیبوں کو ڈھانپ دے۔ اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔ مَیں انجان بھلا تمھارے عشق کے بارے کیا جانوں مجھے تو اے دوست! محبت کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔ حاجی تو حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے مکّے کی طرف جاتے ہیں لیکن ہمارا تو اے دوست! تجھے دیکھنے سے ہی حج ہو جاتا ہے۔ اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔ ندی گہری ہے، کشتی بھی بہت پرانی ہے، پھر اے دوست! تجھے کس طرح مل سکوں گی۔ اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔ اے بُلھے! مَیں نے مرشد کو ظاہر و باہر دیکھ لیا ہے اور اُس نے بھی اے دوست! درمیان میں حائل تمام پردے ہٹا دیے ہیں۔ اب تو چاروں طرف مجھے اے دوست فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه کے مانند تُو ہی تُو دکھائی دیتا ہے۔

[فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه اِنَّ اللّٰهَ وَاسِع" عَلِيم" (البقرۃ،115)]

(تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ کا رُخ ہے بے شک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے۔)

جو رنگ رنگیا گوہڑا رنگیا مُرشد والی لالی او یار
اَحد وِچّوں احمد ہویا وِچّوں میم نکالی او یار
دُرمعانی کی دُھوم مچی ہے نَحْنُ اَقْرَب کا گھُنڈ اُٹھالیں او یار
زُلف سیاہ وِچ ہے یدِ بیضا اوہ چمکار وکھالیں او یار
کُنْ فَیَکُوْن آوازہ ہویا دِتّی میم وکھالی او یار
اَحَدْ کولوں احمد ہویا بسمِل میم نکالی او یار
پاک محمدؐ پیدا ہویا چودھاں طبقاں دا والی او یار
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ نازل ہویا قَالُوابَلٰی گل ڈالی او یار

کُـلُّ شَـیْءٍ کی کھیڈ مچی ہے اپنا آپ سنبھالیں او یار
سورۃ یٰسین مزمّل والا بدلہ کجھ دوا لیں او یار
صُمّ" بُکْم" عُمْی" ہویا لائیاں دی لج پالیں او یار
مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہویاں مویاں نوں پھر جوا لیں او یار
لَا تَتَحرّک ذرّہ لکھیو دوزخ کینوں ڈالیں او یار
لَنْ تَنَالُوالْبِرَّ کولوں ختّی دی رمز پچھانیں او یار
اوکھا جھیڑا عشقے والا سنبھل پیر ٹکا لیں او یار
ہر شے اندر تو ہیں آپے دیکھ دکھا لیں او یار
شبِ معراج نبی جی والا اُوہا وصل وصالیں او یار
یا رب خلقت پیدا کیتی دُنیا خواب خیالی او یار
بُلھا شوہ گھر میرے آیا کر کر ناچ وکھالیں او یار
جو رنگ رنگیا گوہڑا رنگیا مُرشد والی لالی او یار

مرشد والی (صبغت اللہ، خدائی رنگ) نے اپنے رنگ میں جو بھی رنگ دیا ہے وہ گہرا اور پکّا ہے۔ اے دوست! احد سے ہی احمد سامنے آیا ہے احد مَیں صرف ایک میم کی مروڑی ہی ڈالی تھی کہ احمدؐ ہو گیا۔ اس کائنات میں اُسی کی نشانیاں جا بہ جا پھیلی ہوئی ہیں بس وہ جو پردہ حائل ہے اب اُس کو ہٹا دینا چاہیے۔ اے دوست! ان کالی زُلفوں میں "یدِ بیضا" کا اعجاز چھپا ہوا ہے روشنی کا وہ معجزہ اب رونما ہو جانا چاہیے۔ جب کُن فیکون کا حکم صادر ہوا تھا تو سب سے پہلے میم (احمدؐ) کا ہی ظہور ہوا تھا۔ اے دوست! احد سے ہی احمد ہوا اور یوں میم اس کائنات کا نکتہء آغاز بن گئی۔ ہر عیب سے پاک چودہ طبقوں کے اُس والی کو اے دوست پیدا کیا...... یہ وہ موقع تھا جب تمام انسان پیدا کیے گئے تو اُن سے خدا نے پوچھا "کیا مَیں تمہارا خدا نہیں؟؟" تو سب نے بہ یک زُبان ہو کر کہا تھا کہ "کیوں نہیں! (تُو ہی تو ہمارا خدا ہے)" یوں انسانوں نے اس کائنات کی تخلیق کی بہت بڑی ذمہ داری اُٹھالی۔ کُـلُّ شَـیْءٍ کے اِس کھیل میں اے دوست! خود کو سنبھال کر رہنا۔ قرآن پاک کی دونوں سورتیں، یٰسین اور مزمل اپنے محبوب کے لیے ہی اُتاری گئی ہیں اُن کے طفیل ہم پر بھی نظر کرم رکھنا۔ اے میرے دوست (خدا) میں تو سب کچھ جان کر بھی گونگا، بہرہ اور اندھا ہو گیا ہوں۔

اب تم ہی اس محبت کی لاج رکھنا، اور وہ جو موت سے پہلے ہی مر گئے ہیں اے دوست اُنھیں پھر سے زِندگی عطا کرنا۔اے دوست! تم نے ہی تو کہا ہے کہ......ایک ذرہ بھی تمھارے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ پھر دوزخ میں کس کو اور کیوں ڈالو گے......اور پھر، اے دوست! تم نے یہ بھی تو کہا ہے کہ......نیکی یہی نہیں کہ تم اُس کی راہ میں خرچ کرو جو مال تمھیں پیارا ہے، اس کی حقیقت کو جاننا چاہیے۔ عشق کا معاملہ بہت کٹھن اور مشکل ہے احتیاط سے اس راہ پر قدم رکھنا......اور پھر، اے محبوب! ہر شے کے اندر جب تُو ہی موجود ہے اور تیرے ہی جلوے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں تُو ہی نظارہ ہے اور تُو ہی مقصودِ نظارہ۔ اے دوست! وہ جو شبِ معراج تم نے نبی پاک کو جس وصل سے نوازا تھا اُسی وصل سے مجھے بھی فیض یاب کرنا......میرے خدا نے یہ تمام مخلوق پیدا کی ہے اور اس دُنیا کی حقیقت اے دوست! خواب وخیال سے زیادہ نہیں۔ اے بلھے! مرشد میرے گھر میں آیا ہے تو ناچ ناچ کر اُسے رُجھانے کی کوشش کر......مرشد والی لالی نے اپنے رنگ میں جو بھی رنگ دیا ہے وہ گہرا اور پکا ہے۔

صِبْغَتَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَتًا وَلِمَنْ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (سورۃ البقرہ، 138)

ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ......قَالُوْا بَلٰى ، شَهِدْنَا ان تقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَة (الاعراف، 172) اور ہم صرف اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ کیا مَیں تمہارا رب نہیں (تو سب نے جواب دیا) کیوں نہیں ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں (اور یہ اقرار ہم نے اِس لیے لیا تھا) تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تومُوْ تُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی بات سے بے خبر تھے۔

لَا تحَرّکَ به لسانک تعجل به (سورۃ القیا، 197)

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (پارہ 4، آیت نمبر 1)

تم نیکی کے مقام تک اُس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک اُن چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جو تمھیں محبوب ہیں۔

کُنْ فَيَكُوْن (سورۃ البقرہ، 117) وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اِتنا کہتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔

اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں — ایہہ سون تیرے درکار نہیں

اِک روز جہانوں جانا اے
جا قبرے وِچ سمانا اے
تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے
کر چیتا مرگ وسار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں - ایہہ سون تیرے درکار نہیں
تیرا ساھا نیڑے آیا اے
کُجھ چولی داج رنگایا اے؟
کیوں اپنا آپ ونجایا اے
اے غافل تینوں سار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں - ایہہ سون تیرے درکار نہیں
توں سُتیاں عُمر ونجائی اے
تیری ساعت نیڑے آئی اے
توں چرخے تند نہ پائی اے
کیہ کہیں داج تیار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں - ایہہ سون تیرے درکار نہیں
توں جِس دِن جوبن متّی سَیں
توں نال سیّاں دے رتّی سَیں
ہو غافل گلئیں وتی سَیں!
ایہہ بھورا تینوں سار نہیں!
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں - ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اَج کل تیرا مُکلاوا اے
کیوں سُتّی کر کر دعوا اے
اَن ڈِٹھیاں نال ملاوا اے
ایہہ بھلکے گرم بازار نہیں

اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اِک اکلّی تنہا جُلسیں
جنگل بَربَر دے وِچ رُلسیں!
لے لے توشہ ایتھوں گھلسیں
اوتھے لین اُدھار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اوہ خالی اے سُنج حویلی
تُوں وِچ رہسیں اِک اکیلی
اوتھے ہوسی ہور نہ بیلی
ساتھ کسے دا بار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
جیہڑے سَن دیساں دے راجے
نال جہناں دے وجدے واجے
گئے ہو کے بے تختے تاجے
کوئی دُنیا دا اعتبار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کِتھے ہے سُلطان سکندر
موت نہ چھڈّے پیر پیغمبر
سبھّے چھڈ چھڈ گئے اڈنبر
کوئی ایتھے پائیدار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کِتھے یُوسُف ماہ کِنعانی
لئی زُلیخا پھر جوانی
کیتی موت نے اوڑک فانی

پھیر اوہ ہار سنگھار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کِتھے تخت سُلیماں والا
وِچ ہوا اُڈدا سی بالا
اوہ بھی قادر آپ سنبھالا
کوئی زِندگی دا اعتبار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کِتھے میر ملک سُلطاناں
سبھے چھڈ چھڈ گئے ٹکانا
کوئی مار نہ بیٹھے ٹھانا
لشکر دا جنہاں شمار نہیں
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اسیں عاجز وِچ کوٹ علم دے
اوسے آندے وِچ قلم دے
بِن کلمے ناہیں کم دے
باجھوں کلمے پار نہیں!
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں
بُلھا شوہ بِن کوئی ناہیں
ایتھے اوتھے دوہیں سرائیں
سنبھل سنبھل قدم ٹکائیں
پھر آون دُوجی وار نہیں!
اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں – ایہہ سون تیرے درکار نہیں

اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نینْد سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ ایک دِن تمھیں بالآخر اِس جہان سے چلے جانا اور قبر میں سما جانا ہے۔ تیرا گوشت کیڑے کھا

جائیں گے۔ کچھ فِکر کر اور موت کو نہ بھلا۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ (اے لڑکی) تیری شادی کی مقررہ تاریخ نزدیک آ گئی ہے۔ کیا تم نے اپنا جہیز کا سامان چولی وغیرہ بھی رنگوائی ہے؟ تم کیوں اپنے آپ کو بھلائے بیٹھی ہو۔ اے غافل! تجھے تو اِس کی کوئی پروا نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ تم نے تو سوتے ہوئے عمر گزار دی ہے۔ اب جب کہ وہ خاص گھڑی قریب آ گئی ہے تُو نے تو چرخے پر ایک تند بھی نہیں ڈالی (تاگا ہی نہیں بنایا تو کپڑے کیسے تیار ہوں گے) اور پھر...... کس مُنہ سے کہو گی کہ مَیں نے تو اپنا جہیز ہی نہیں بنایا۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ تو بھرپور جوانی میں مست تھی اور سہیلیوں کے ساتھ ہنستی کھیلتی رہتی تھی۔ غفلت کا شکار ہو کر لوگوں کی اِدھر اُدھر کی باتوں پر ہی دھیان دِیا کرتی تھی تجھے ذرا بھی مستقبل کی فکر نہیں تھی۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ بس آج کل میں ہی تیرے شوہر کے ساتھ تیری رُخصتی ہونے والی ہے تُو کیوں وعدے کرنے کے بعد سو گئی تھی۔ اب تیرا اَن جانے لوگوں کے ساتھ ملاپ ہوگا۔ زِندگی کی یہ گرم بازاری دوبارہ نہیں ہوگی۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ تمھیں اِس جہان سے بالآخر چلے جانا ہے اور پھر یہاں پلٹ کر کبھی قدم بھی نہیں رکھے گی۔ یہ جوانی اور یہ حُسن بھی چلا جائے گا۔ تمھیں اکیلی، تنِ تنہا ہی جانا پڑے گا۔ تمھیں جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ لیکن...... اگر تُو یہاں سے کچھ سامان بھیجتی رہے گی (تو وہی تیرے کام آئے گا) وہاں اُدھار کا کوئی لین دین نہیں ہوتا۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ وہ دُنیا ایک خالی اور ویران حویلی کے مانند ہے جس میں تم تنِ تنہا رہو گی۔ وہاں کوئی اور دوست یا سہیلی نہیں ہوگی اور وہاں کسی کا ساتھ بھی میسر نہیں ہوگا۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ جو ملکوں کے راجے مہاراجے تھے، جن کے چلتے ہوئے ساتھ ڈھول باجے بجائے جاتے تھے۔ وہ بھی یہاں سے بے تخت و تاج ہو کر گئے۔ اِس دُنیا کا کوئی اعتبار نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ وہ جو، سلطان سکندر تھا کہاں ہے؟

موت تو پیروں اور پیغمبروں کو بھی نہیں چھوڑتی۔ سب ظاہری شان و شوکت چھوڑ کر چلے گئے۔ یہاں تو کوئی بھی شے پائیدار نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ وہ مُلک کنعان کا حسین چاند حضرت یُوسُف علیہ السلام کہاں ہیں؟ جن کی چاہت میں زُلیخا کی جوانی پلٹ کر آئی تھی اور جس کو موت نے بالآخر فنا کر دیا تھا پھر اس کی زیبائش کے سامان بھی نہیں رہے۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ وہ تختِ سلیمان کہاں ہے جس پر بیٹھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہواؤں میں اُڑا کرتے تھے۔ اُسے بھی بالآخر قادرِ مطلق نے ہی اپنی حفاظت میں رکھ لیا...... اِس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ وہ جو ...... میر، مَلک اور سُلطان کہلاتے تھے، کہاں ہیں؟ وہ سب بھی اپنے ٹھکانے چھوڑ کر چلے گئے وہ جن کے لشکروں کا کوئی شمار نہیں تھا وہ بھی کسی چوکی پر قبضہ کر کے مستقل نہیں بیٹھ سکے۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ ہم تو شہرِ علم کے عاجز بندے ہیں۔ وہی ہم کو اپنے ''حلقہ قلم'' میں لایا ہے، ہم کلمہ کے بغیر کسی کام کے نہیں۔ اس کلمہ کے بغیر ''اُس پار'' جانا ممکن نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔ اے بُلھے شاہ!...... اُس خدا کے بغیر کوئی دوسرا نہیں۔ اس جہان اور اُس جہان میں احتیاط کے ساتھ قدم رکھنا یہاں دوبارہ آنا ممکن نہیں۔ اِس غفلت بھری (خراٹوں والی) نیند سے بیدار ہو۔ تجھے سونے کی نہیں جاگنے کی ضرورت ہے۔

پانی بھر بھر گئیاں سیّاں سب آپو اپنی واری
جس جگ دا توں مان کریں ہے سو جگ تار بتار
اِک بھر آئیاں اِک بھر چلیاں اِک کھلیاں بانہہ پسار

اپنی اپنی باری پر سب سہیلیاں پانی بھر کر چلی گئی ہیں جس جہان پر تم فخر کر رہی ہو وہ تو خود فنا ہونے کے قریب لرز رہا ہے۔ کچھ تو پانی بھر کر اپنے گھروں کو چلی گئی ہیں۔ کچھ پانی بھرنے جا رہی ہیں تو کچھ باہیں پھیلا کر ابھی گھاٹ کنارے کھڑی ہیں۔

حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا

گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
اِس لالچ نفسانی مُٹھوں اوڑک مون مناویں گا
گھاٹ زکوٰۃ منگن گے پیادے کہو کیہہ عمل دکھاویں گا
جد آن بنے گی سِر پر بھاری اگّوں کیہہ بتلاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
حق پرایا جاتو ناہیں کھا کر بھار اُٹھاویں گا
پھر نہ آ کر بدلہ دیسیں لاکھی کھیت لُٹاویں گا
دا لا کے وِچ جگ دے جُوئے جتے دم ہراویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
جیسی کرنی ویسی بھرنی پریم نگر ورتارا اے
ایتھے دوزخ کٹ توں دِلبر اگّے کھُل بہارا اے
کیسر بیج جو کیسر جمّے لہسن بیج ٹھگاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
کرو کمائی میرے بھائی ایہو وقت کماون دا
پوں ستاراں پینیدے نیں ہُن دانہ بازی ہارن دا
اُجڑی کھیڈ چھپن گیاں نرداں جھاڑ دُکان اُٹھاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
کھاویں راس چباویں بیڑے انگ پوشاک لگایا ای
ٹیڈھی پگڑی آ کڑ چلّیں جُتّی پب اڑایا ای
پلدا ہیں تُوں جم دا بکرا اپنا آپ کُہاویں گا

حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
بھکھ مریندیاں نام سائیں دا ایہو بات چنگیری اے
دوویں تھوک پتھر تھیں بھارے اوکھی جیہی ایہہ پھیری اے
آن بنی جد سرِ پر بھاری اگوں کیا بتلاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
اَمّاں بابا بیٹی بیٹا پُچھ ویکھاں کیوں روندے نی
رَنّاں کنجکاں بھیناں بھائی وارث آن کھلوندے نی
ایہہ جو لُٹدے توں نہیں لُٹدا مر کے آپ لٹاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
اِک اکلّیاں جانا ای تَیں نال نہ کوئی جاوے گا
خویش قبیلہ روندا پِٹدا راہوں اِی مُڑ آوے گا
شہروں باہر جنگل وِچ واسا اوتھے ڈیرا پاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا
بُلھا شوہ دے چلنا ئیں تاں چل کیہا چر لایا ای
جکو دھکّی کیہہ کرنی جاں وطنوں دفتر آیا ای
واچدیاں خط عقل گیئو ای رو رو حال ونجاویں گا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
گل الفی سر پا برہنہ بھلکے رُوپ وٹاویں گا

درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ بالآخر کل تمھیں گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی

پڑے گا۔ تُو کب تک آخر اِن نفسانی خواہشوں کی گرفت میں رہے گا۔ بالآخر تو تمھیں ان سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ اور پھر جب نفع نقصان (اعمال) کا حساب کتاب لینے فرشتے آئیں گے تو بتا اُن کو کیا عمل دکھائے گا۔ جب سر پر بھاری مصیبت آن پڑے گی تو پھر اُنھیں کیا جواب دے گا...... درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ تُو نے اپنے پرایے کا حق نہیں پہچانا، دوسروں کا حق کھا کر بھاری بوجھ سر پر اُٹھالیا۔ تو دوبارہ آ کر اُس کا بدلہ بھی نہیں چکا سکے گا تیرے اعمال کی کھیتی پرندے اُجاڑ دیں گے دُنیا کے اِس قمار خانے میں تُو نے جوئے کے داو لگائے اور جیتے دام بھی ہار گیا...... درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ پریم نگر کا یہ کھرا اصول ہے کہ یہاں جو کوئی بھی جو کچھ کرتا ہے ویسا ہی اُس کو اجر بھی ملتا ہے۔ اے دلبر! یہاں تو کچھ دوزخ برداشت کر لے آگے تمھیں بہاروں کی وُسعت ملے گی۔ تُو زعفران کاشت کرتا کہ زعفران پیدا ہو۔ لہسن بیجے گا تو اُس کا نقصان بھی خود ہی اُٹھائے گا...... اُس سے خوشبو نہیں بدبو پیدا ہوگی۔ درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ اے میرے بھائی! کچھ کمائی کر لو۔ یہی وقت کچھ کمانے کا ہے ابھی تو تمام بازیاں سیدھی پڑ رہی ہیں اور ہارنے کا بھی کوئی اِمکان نہیں لیکن جب یہ کھیل بگڑ گیا تو پھر تمام مہرے چھپ جائیں گے اور تُو پلُو جھاڑ کر اُٹھنے پر مجبور ہو جائے گا...... درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ ابھی تو تم اصل زر سے پان بیڑے بھی کھاتا ہے اور اچھے سے اچھا لباس بھی پہنتا ہے۔ ٹیڑھی پگڑی باندھ اکڑ کر پنجوں کے بل چلتا ہے...... لیکن یاد رکھ، تُو تو پیدائشی بکرا ہے جس نے بالآخر ذبح ہونا ہوتا ہے...... درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔ کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ فاقہ کشی میں بھی اُسی مالک کا نام لینا ہی سب سے اچھی بات ہے یہ دونوں چیزیں ہی پتھروں سے

زیادہ بھاری ہیں۔ یہ زِندگی بھی کوئی آسان نہیں ۔لیکن جب سر پر بھاری مصیبت آن پڑی تو پھر کیا جواب دو گے۔درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔تیرے ماں باپ اور بیٹی بیٹا، ذرا بتاؤ تو سہی کیوں روتے ہیں تیرے وارثوں میں بیاہیاں، کُنواریاں، بہنیں اور بھائی سب آ کر کھڑے ہو گئے ہیں تُو نے اپنی زِندگی میں جو لوٹ کھسوٹ کی تھی وہ سب اب یہ تیرے وارث لوٹ لیں گے اور تُو (مرنے کے بعد) خود لٹائے گا......درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔تم نے بس اکیلے ہی سفر پر روانہ ہونا ہے۔کوئی تیرے ساتھ نہیں جائے گا۔تیرے عزیز اور تمام قبیلے والے روتے پیٹتے راستے سے ہی واپس چلے آئیں گے۔تُو شہر سے باہر جنگل میں اپنے رہنے کے لیے قیام کرے گا......درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا تجھے گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔بُلھے شاہ!......اگر تو مالک کے پاس جانا ہے تو چل۔کیوں وقت ضائع کر رہا ہے۔جب اصلی وطن سے پیغام آ گیا ہے تو پھر تذبذب سے کام کیوں لے رہا ہے۔خط کو پڑھتے ہی تمھاری عقل جاتی رہی ہے اور تم نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے......درویشی اختیار کرنے سے تُو کب تک حجاب کرتا رہے گا۔کب تک تُو حکم چلاتا رہے گا۔ گلے میں فقیری چولا پہن، ننگے سر اور ننگے پانو ہو کر درویشی رُوپ اختیار کرنا ہی پڑے گا۔

راتیں جاگیں کریں عبادت راتیں جاگن کُتّے
تَیں تھوں اُتّے
بھونکوں بند مُول نہ ہوندے جا رُوڑی تے سُتّے
تَیں تھوں اُتّے
خصم اپنے دا در نہ چھڈ دے بھانویں وَجّن جُتّے
تَیں تھوں اُتّے
بُلھے شاہ کوئی رخت وہاج لے نہیں تے بازی لے گئے کُتّے

تَیں تھوں اُتّے

تم راتوں کو جاگتے اور عبادت کرتے ہو۔ رات کو تو کُتّے بھی جاگتے ہیں۔ جو تُم سے کہیں بلند مرتبہ ہیں۔ جو رات بھر مالک کی چوکیداری کرتے بھونکنے رہتے ہیں۔ اور صبح، گندگی کے ڈھیر پر جا سوتے ہیں۔ وہ تُم سے کہیں بلند مرتبہ ہیں۔ وہ کبھی اپنے مالک کا دَر نہیں چھوڑتے، خواہ اُنھیں جوتے مار کر بھگایا ہی کیوں نہ جائے۔ وہ تُم سے کہیں بلند مرتبہ ہیں۔ اے بُلھے شاہ!...... تُو بھی کچھ آخرت کے لیے سامان تیار کر لے۔ ورنہ کُتّے تم سے بازی لیے جاتے ہیں۔ جو تُم سے کہیں بلند مرتبہ ہیں۔

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

بِت متّیں دیندی ماں دھیا کیوں پھرنی ایں آحدیا
نی شرم حیا نہ گوا دِھیا تُوں کدی تے سمجھ ندان کُڑے

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

چرخہ مُفت تیرے ہتھ آیا پلّیوں نہیں کجھ کھول گوایا
نہیوں قدر محنت دا پایا جد ہویا کم اسان کڑے

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

چرخہ بنیا خاطر تیری کھیڈن دی کر حرص تھوریڑی
ہونا نہیوں ہور وڈیری مت کر کوئی اگیان کُڑے

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

چرخہ تیرا رنگ رنگیلا رِیس کریندا سب قبیلہ
چلدے چارے کر لئے حِیلہ ہو گھر وِچ آوا دان کُڑے

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

اِس چرخے دی قیمت بھاری تُوں کیہ جانے قدر گواری
اُچّی نظر پھریں ہنکاری وِچ اپنے شان گمان کُڑے

کر کتّن وَل دھیان کُڑے

مَیں کُوکاں کر کھلیاں باہیں نہ ہو غافل سمجھ کداہیں

ایسا چرخہ گھڑنا ناہیں پھر کسے ترخان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

ایہہ چرخہ تُوں کیوں گوایا کیوں تُوں کھیہہ دے وِچ رلایا
جد دا ہتھ تیرے ایہہ آیا تُوں کدے نہ ڈاھیا آن کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

بِت متّیں دیاں وَلّلی نُوں اِس بھولی کملی جھلّی نُوں
جد پوے گا وخت اکلّی نُوں تد ہائے ہائے کرسی جان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

مُڈّھوں دِی توں رجک وہونی گوہڑھیوں نہ تُوں کتّی پُونی
ہُن کیوں پھرنی ایں تموں جھونی کِس داکریں گمان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

نہ تکلا راس کراویں تُوں نہ بائٹر ماہل پواویں تُوں
کیوں گھڑی مُڑی چرخہ چاویں تُوں تُوں کرنی ایں اپنا زیان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

ڈِنگا تکلا راس کرا لے نال شتابی بائٹر پوالے
جیوں کرو گے تویں وگالے مت کر کوئی اگیان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

اَج گھر وِچ نویں کپاہ کُڑے تُوں جھب جھب ویلنا ڈاہ کُڑے
رُوں ویل پنجاون جا کُڑے مُڑ کل نہ تیرا جان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

جدوں رُوں پنجا لیاویں گی سیّاں وِچ پُونیاں پاویں گی
مُڑ آپے ای پئی بھاویں گی وِچ سارے جگ جہان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

تُوں سُتّیاں رین گزار نہیں مُڑ آونا دُوجی وار نہیں

پھر بہنا ایس بھنڈار نہیں — وِچ اِکو جیڈے ہان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

تُوں سدا نہ پیکے رہنا ایں — نہ پاس امبڑی دے بہنا اے
بھا انت وچھوڑا سہنا ایں — وس پئیں گی سس نناں کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

جد سب سیّاں ٹُر جاوَن گیاں — پھر اوتھوں مُول نہ آوَن گیاں
آ چرخے مُول نہ ڈاہوَن گیاں — تیرا ترنجن پیا ویران کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

کر مان نہ حُسن جوانی دا — پردیس نہ رہن سِیلانی دا
کوئی دُنیا جھوٹھی فانی دا — نہ رہسی نام نشان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

اِک اوکھا ویلا آوے گا — سب ساک سین بھج جاوے گا
کر مدت پار لنگھاوے گا — اوہ بُلھے دا سُلطان کُڑے
کر کتّن وَل دھیان کُڑے

اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ تیری ماں تجھے ہمیشہ یہی نصیحت کرتی ہے۔ تُو کیوں مفت خور سپاہیوں کی طرح آوارہ پھرتی ہے۔ تُو اپنی شرم وحیا کو نہ گنوا۔ اے نادان لڑکی، تُو کبھی تو سمجھ بوجھ سے کام لے۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ یہ چرخہ مفت میں تیرے ہاتھ آیا ہے۔ تُو نے اِس پر اپنے پلّے سے کچھ خرچ نہیں کیا اِس لیے تُو محنت کی بھی کوئی قدر نہیں کرتی۔ کیوں کہ تمھارے سارے کام آسانی سے ہو گئے ہیں۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ یہ چرخہ تو تمھارے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ تو کھیل کود کا بہانہ ختم کر۔ اب تُو اس سے بھلا اور کیا بڑی ہو گی اب اور غفلت کا مظاہرہ نہ کر۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ تمہارا یہ چرخہ بہت خوب صورت اور رنگین ہے۔ اس کی تمام قبیلہ ہی ''ریس'' کرتا ہے جہاں تک ہو سکتا ہے کوشش کر اے لڑکی کہ تُو گھر میں ہی شاد و آباد ہو۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ اِس چرخے کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ تو اے گنوار اِس کی قدر نہیں جانتی۔ تُو

تو بس غرور سے سر اُونچا اور آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائے اپنے ہی گمان میں پھرتی ہے۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ مَیں باہیں کھول کر دُہائی دے رہی ہوں۔ غفلت سے کام نہ لے عقل و ہوش کا مظاہرہ کر۔ ایسا اَن مول چرخہ پھر کسی ترکھان نے نہیں بنانا۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ یہ چرخہ تم نے بداحتیاطی سے کیوں ضائع کر دِیا ہے تم نے اِس کو کیوں مٹی میں رُلا دیا ہے۔ جب سے یہ تمھارے ہاتھ آیا ہے تم نے آ کر کبھی اِس کو چلانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ مَیں تو اِس بے وقوف کو ہمیشہ نصیحتیں کرتی رہتی ہوں۔ اس بھولی بھالی، بے وقوف اور جھلّی کو بتاتی رہتی ہوں۔ جب ایک اکیلی پر مصیبت آئے گی تو پھر، اے لڑکی تُو "ہائے ہائے" کر کے پچھتائے گی۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ تُو بچپن سے ہی نصیحتوں کو نظر انداز کرتی چلی آئی ہے تُو نے کبھی دِل لگا کر رُوئی کے گالے سے پُونی نہیں بنائی۔ تو اب کیوں پریشان حال پھرتی ہے۔ اب تجھے کس بات کا گمان ہے؟ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ نہ تو تم تکلا سیدھا کراتی ہو۔ اور نہ ہی بائٹر اور ماہل ڈلواتی ہے۔ کیوں بار بار چرخہ اِدھر اُدھر اُٹھاتی ہو۔ تو خود ہی اپنا نقصان کر رہی ہے۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ ٹیڑھا تکلا سیدھا کروالے۔ اور اُس کے ساتھ جلدی سے بائٹر بھی ڈلوالے پھر جس طرح بھی ہو اس کو چلا لے یُونہی غفلت کا مظاہرہ نہ کر۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ آج گھر میں نئی کپاس آئی ہے۔ تو جلدی رُوئی دُھننے والا بیلنا تیار کر۔ اے لڑکی روئی کو کپاس سے علیحدہ کر کے اور پنجوانے کے لیے جا۔ اے لڑکی، ہوسکتا ہے کل تمہارا جانا نہ ہو۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ جب تُو روئی پنجوا کر لے آئے گی۔ سب سہیلیوں کے ساتھ مل کر اُس کی پونیاں بنائے گی تو پھر خود ہی سب کو اچھی لگے گی۔ ساری دُنیا کو پسند آئے گی۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ تُو سو کر یُونہی رات نہ گزار دے۔ یہاں دوسری بار نہیں آنا ہے اور نہ ہی کسی نے دوبارہ اس بھنڈار میں بیٹھنا ہے۔ ان ہم عمر سہیلیوں کی سنگت میں۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ تم نے ہمیشہ مائکے میں نہیں رہنا۔ ہمیشہ اپنی ماں کے پاس بھی نہیں بیٹھنا۔ آخر تو یہ جدائی برداشت کرنا پڑے گی۔ اور تمھیں بالآخر ساس اور نند سے واسطہ پڑے گا۔ اے لڑکی!...... تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ جب سکھیاں سہیلیاں سسرال چلی جائیں گی۔ اور وہاں سے کبھی واپس نہیں

آ ئیں گی اور وہ وہاں سے آ کر چرخے کاتنے کے لیے بھی نہیں بیٹھیں گی۔ تیری سکھیوں کی مجلس بھی اے لڑکی ویران ہو چکی ہے۔ اے لڑکی!......تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ اس حسن اور جوانی پر اِتنا غرور نہ کر۔ سیلانی لوگ پردیس میں بھی ٹکا نہیں کرتے۔ اس جھوٹی اور فنا ہونے والی دُنیا کا اے لڑکی نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اے لڑکی!......تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔ اک مصیبت کی گھڑی آئے گی جب سب بہن بھائی ساتھ چھوڑ جائیں گے اُس وقت بُلھے شاہ کا سلطان ہی اپنی مدد سے پار اُتارے گا۔ اے لڑکی!......تُو چرخہ کاتنے پر دھیان مرکوز رکھ۔

منطق معنے پڑھاں نہ اصلاں واجب فرض نہ سُنّت نفلاں
کم کس آئیاں شرع دیاں عقلاں کجھ نہیں باجھوں دِیدار

جمعے دی ہورو ہور بہار
جمعے دی ہورو ہور بہار

بُلھا بھُلاّ نماز دوگانہ جَد دا سُنیا تان ترانہ
عقل کہے مَیں ذرا نہ ماناں عِشق کوکیندا تار و تار

جمعے دی ہورو ہور بہار
جمعے دی ہورو ہور بہار

جمعۃ المبارک کی بہار ہی کچھ اور بہار ہے۔ منطق ومعانی کی کتابیں پڑھتی ہوں اور نہ ہی اصولِ فقہ کا مطالعہ کرتی ہوں۔ مجھے واجب، فرض اور سنت ونوافل کا بھی کچھ پتا نہیں......شرعی عقل بھلا کس کام آئے گی اگر محبوب کا دیدار ہی نصیب نہ ہوا۔ جمعۃ المبارک کی بہار ہی کچھ اور بہار ہے۔ بُلھے شاہ نے جب سے عِشق کا تان ترانہ سنا ہے وہ دوگانہ نماز بھول گیا ہے عقل تو کہتی ہے کہ مَیں کوئی غیر شرعی عمل تسلیم نہیں کرتی مگر، عِشق تو اس ساز (جسم) کے تار تار سے دُہائی دے رہا ہے۔ جمعۃ المبارک کی بہار ہی کچھ اور بہار ہے۔

بھٹھ نمازاں چِکّڑ روزے کلمے تے پھِر گئی سیاہی
بُلھے شاہ شوہ اندروں مِلیا بھُلّی پھِرے لوکائی

بھاڑ میں گئی نمازیں اور روزوں کو بھی کیچڑ سے لت پت سمجھو، کلمہ پر بھی سیاہی پھری ہوئی ہے۔ اے بُلھے شاہ! خدا تو اِنسان کے اندر سے ملتا ہے، خلقت یُونہی بھولی ہوئی ہے۔

روزے حج نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے
جاں پیا دیاں خبراں پئیاں منطق نحو سبھے بھل گئیاں
اِس انہد تار بجائے روزے حج نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے
جاں پیا میرے گھر آیا بھل گئیا مینوں شرح وقایہ
ہر مظہر وِچ اوہا دِسدا اندر باہر جلوہ جس دا
لوکاں خبر نہ کائے روزے حج نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے

مائے نی مائے...... مجھے روزے، حج اور نمازیں سب محبوب نے آ کر بھلا دیے ہیں۔ جب مجھے محبوب کے بارے میں علم ہوا، تو مجھے منطق اور نحو سب بھول گئے۔ اور پھر...... اُس نے جب الوہی ساز پر نغمہ چھیڑا...... تو...... مائے نی مائے...... مجھے روزے، حج اور نمازیں مجھے محبوب نے آ کر سب بھلا دیے ہیں۔ اور پھر...... جب محبوب میرے گھر آ گیا تو مجھے "شرح وقایہ" بھی بھول گئے۔ ہر منظر میں مجھے اُسی کا ظہور دکھائی دیتا ہے۔ ظاہر و باطن وہی جلوہ افروز ہے لوگ اس حقیقت سے باخبر نہیں۔ مائے نی مائے...... مجھے روزے، حج اور نمازیں محبوب نے آ کر سب بھلا دیے ہیں۔

عِشق حقیقی نے مُٹھی کُڑے
مینوں دسّو پیا دا دیس
منطق معنی کنز قدوری
مَیں پڑھ پڑھ عِلم کچی کُڑے
عِشق حقیقی نے مُٹھی کُڑے
مینوں دسّو پیا دا دیس
نماز روزہ اوہناں کیہ کرنا
جہناں پریم صراحی لُٹی کُڑے
عِشق حقیقی نے مُٹھی کُڑے

میںنوں دسّو پیا دا دیس

سکھیو!...... مجھے عشقِ حقیقی نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔اب مجھے محبوب کے دیس کے بارے بتاؤ، وہ کدھر ہے۔منطق، معانی، فلسفہ، کنزل الدقائق اور قدوری جیسی فقہ کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سکھیو!...... مَیں تو گمراہ ہوگئی ہوں۔سکھیو!...... مجھے عشقِ حقیقی نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔اب مجھے محبوب کے دیس کے بارے بتاؤ، وہ کدھر ہے۔ان لوگوں نے بھلا نماز روزے کا کیا کرنا ہے جنھوں نے محبت کی صراحی سے بھر بھر کا جام پی لیے ہوں۔مجھے محبوب کے دیس کے بارے بتاؤ، اے سکھیو! مجھے ساجن کے وطن سے آگاہ کرو۔

مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں
لوکی سجدہ کعبے نُوں کردے ساڈا سجدہ یار پیارے نُوں
مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں
اوگن ویکھ نہ بھُل میاں رانجھا یاد کریں اُس کارے نُوں
مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں
مَیں منتارو ترن نہ جاناں شرم پئی تُدھ تارے نُوں
مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں
تیرا ثانی کوئی نہیں مِلیا ڈُھونڈ لیا جگ سارے نُوں
مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں
بُلھا شوہ دی پریت انوکھی تارے اوگن ہارے نُوں
مَیں کیوں کر جاواں کعبے نُوں دِل لوچے تخت ہزارے نُوں

مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔لوگ تو کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن ہمارا سجدہ اپنے پیارے محبوب کے لیے ہے۔مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔میرے عیب دیکھ کر، میاں رانجھا، مجھے نظر انداز نہ کرنا روزِ میثاق کے وعدے کو یاد رکھنا۔مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔مَیں ناشناور تو تیرنا نہیں جانتی اب میری عزت تجھ تیراک کے ہاتھ میں ہی ہے۔مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔مَیں

نے سارا جہان چھان مارا ہے لیکن تمہارا کوئی ثانی نہیں ملا۔ مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔ اے بُلھا! شوہ کی پریت بھی انوکھی ہے یہ تو گنہگاروں کا بھی بیڑہ پار کر دیتی ہے۔ مَیں کعبے کی طرف کیوں جاؤں، میرا دل تو تخت ہزارے کے لیے مچل رہا ہے۔

عِشق دی نویوں نویں بہار

جاں مَیں سبق عِشق دا پڑھیا مسجد کولوں جیوڑا ڈریا
ڈیرے جا ٹھاکر دے وڑیا جتھے وَجدے ناد ہزار

عِشق دی نویوں نویں بہار

جاں مَیں رمز عِشق دی پائی مینا توتا مار گوائی
اندر باہر ہوئی صفائی! جتوّل ویکھاں یاروِیار

عِشق دی نویوں نویں بہار

ہیر رانجھے دے ہو گئے میلے بُھلّی ہیر ڈُھونڈیندی بیلے
رانجھا بُکّل وِچ کھیلے مینوں سُدھ رہی نہ سار

عِشق دی نویوں نویں بہار

بید قرآناں پڑھ پڑھ تھکّے سجدے کر دیاں گھس گئے متھّے
نہ رب تیرتھ نہ رب مکّے جس پایا تِس نُور انوار

عِشق دی نویوں نویں بہار

پھُوک مصلّے بھَن سُٹ لوٹا نہ پھڑ تسبیح عاصا سوٹا
عاشق کہندے دے دے ہوکا ترک حلالوں کھا مردار

عِشق دی نویوں نویں بہار

عمر گوائی وِچ مسیتی اندر بھریا نال پلیتی
کدے نماز توحید نہ نیتی ہُن کیہ کرنا ئیں شور پُکار

عِشق دی نویوں نویں بہار

عِشق بھُلایا سجدہ تیرا ہُن کیوں ایویں پاویں جھیڑا
بُلھا ہوندا چُپ بہتیرا عِشق کریندا مارومار

عِشق دی نویوں نویں بہار

عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ جب مَیں نے عِشق کا سبق پڑھا تو یہ دل مسجد سے خوفزدہ ہو گیا۔ مَیں بھاگ کر مندر میں داخل ہو گیا جہاں ہزاروں ناد بج رہے تھے۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ جب مَیں نے عِشق کی رمز کو پالیا تو مَیں نے توتا اور مینا (تُو اور مَیں) دونوں کو ہی ہلاک کر دیا ظاہر اور باطن دونوں ہی صاف ہو گئے۔ اور مَیں نے جس طرف بھی دیکھا اُدھر محبوب ہی محبوب نظر آیا۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ ہیر اور رانجھے کا ملاپ ہو گیا۔ ہیر بھولی ہوئی تھی جو رانجھے کو بیلے میں ڈھونڈ رہی تھی۔ جب کہ رانجھا تو خود اُس کے پہلو میں کھیل رہا تھا۔ جس کے بعد ہیر یہ کہتی رہی کہ...... مجھے اپنی ذات کی کوئی سدھ بدھ رہی نہ غرض۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ وید اور قرآن پاک پڑھ پڑھ کر تھک گئے، جگہ جگہ سجدے کرتے ماتھے بھی گھس گئے نہ تو خدا تیرتھ میں ملا اور نہ ہی مکہ مکرمہ میں...... جس نے بھی اُس کی معرفت حاصل کر لی اُس کا باطن اُس کے نور سے روشن ہو گیا۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ مصلے (جائے نماز) کو آگ لگا اور وضو کرنے والے لوٹے (برتن) کو توڑ پھینک، اور اب نہ تو ہاتھ میں تسبیح پکڑنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی عصا پاس رکھنا ضروری ہے۔ عاشق تو بہ آوازِ بلند کہتے ہیں، حلال کھانا چھوڑ اور مردار کھایا کر۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ تم نے خود مسجدوں میں عمر ضائع کر دی ہے تمھارے اندر کی پلیدی تو دور نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ تم نے وحدت کی نماز کے لیے نیت ہی نہیں باندھی...... اب کیوں پچھتائے ہوئے چیخ و پکار کر رہا ہے۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔ عِشق نے مجھے تمھارے حضور جھکنا بھی بھلا دیا۔ اب کیوں خواہ مخواہ جھگڑا کرتا ہے۔ بُلھا تو خاموش رہنے کی بہت کوشش کرتا ہے لیکن عِشق ہر طرف طوفان اُٹھاتا چلا آ رہا ہے۔ عِشق تو ہر پل نت نئی بہار دکھاتا ہے۔

بُلھیا پی شراب تے کھا کباب ہیٹھ بال ہڈّاں دی اَگ
چوری کر تے بھَن گھر رب دا اوس ٹھگّاں دے ٹھگّ نُوں ٹھگّ

اے بُلھے! شرابِ وحدت سے لطف اندوز ہو اور نفس کے کباب بنا کر کھا اور ان کے لیے ہڈیوں کی آگ استعمال کر۔ اور پھر خدا کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگا۔ وہ ٹھگوں کا ٹھگ ہے اُسے ٹھگنے کا اور ہی مزہ ہے۔

بُلھیا کھا حرام تے پڑھ شکرانہ کر توبہ ترک ثوابوں
چھوڑ مسیت تے پکڑ کنارہ تیری چھُٹسی جان عذابوں
اوہ حرف نہ پڑھیے مت رہسی جان جوابوں
بُلھے شاہ چل اوتھے چلیئے جیہڑے منع نہ کرن شرابوں

اے بُلھے شاہ!......حرام کا کھانا کھا اور خدا کا شکر ادا کر، اور ثواب سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لے۔ مسجد کو چھوڑ کر الگ تھلگ ہو جا۔ تمھاری جان بہت سارے عذابوں سے چھوٹ جائے گی۔ وہ حرف کبھی نہیں پڑھنا چاہیے جس کے لیے جواب دہی بھی کرنا پڑے۔ اس لیے، اے بُلھے شاہ! چلو آؤ وہاں چلتے ہیں۔ جہاں کوئی بھی شراب پینے سے منع نہیں کرتا۔

مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں
مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں
کوئی مُنصف ہو نروارے تاں مَیں دَسنا ہاں
مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں
مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں
عالم فاضل میرے بھائی پا پڑھیاں میری عقل گوائی
عِشق دے ہلارے تاں مَیں وسناں ہاں
مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں
مَیں پا پڑھیاں تو نَسناں ہاں

مَیں ادُھورے علم والوں سے (نیم مُلاّؤں) سے دُور بھاگتا ہوں۔ مَیں ادُھورے علم والوں سے دور بھاگتا ہوں۔ اگر کوئی منصف بن کر انصاف کرے تو پھر مَیں یہ بتاؤں گا۔ مَیں ادُھورے علم والوں سے (نیم مُلاّؤں) سے دُور بھاگتا ہوں۔ مَیں ادُھورے علم والوں سے دور بھاگتا ہوں۔ عالم فاضل تو میرے بھائی ہیں لیکن ان ادُھورے علم والوں نے میری عقل ہی گم کر دی ہے۔ جب خمارِ عِشق مجھے جھولنا جھلائے گا تو پھر مَیں بتاؤں گا کہ مَیں ادُھورے علم والوں سے (نیم مُلاّؤں) سے دُور بھاگتا ہوں۔ مَیں ادُھورے علم والوں سے دور بھاگتا ہوں۔

مُلاّں مینوں ماردا ای

مُلّاں مینوں ماردا ای

مُلّاں مینوں سبق پڑھایا　　الفوں اگّے کجھ نہ آیا
اوہ ''ب'' ای ''ب'' پکار دا ای　　مُلّاں مینوں ماردا ای
مُلّاں مینوں ماردا ای
مُلّاں مینوں ماردا ای

مُلّاں مجھے مارتا ہے۔مُلّاں مجھے مارتا ہے۔مُلّاں نے مجھے ایسا سبق پڑھایا ہے کہ مَیں الف سے آگے کچھ بھی یاد نہ کرسکا۔وہ ب ہی ب پکارتا رہا......(مگر مَیں الف میں ہی سرشار رہا)مُلّاں مجھے مارتا ہے۔مُلّاں مجھے مارتا ہے۔مُلّاں مجھے مارتا ہے۔

نِت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
سانوں دے کے لویں سوائی　　وِدھیاں دی توں بازی لائی
مسلمانی ایہہ کِتھوں آئی　　ایہہ تیرے کردار
نِت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
جتھے نہ جانا اوتھے جائیں　　مال پرایا مُنہ دھر کھائیں
کوڑ کتاباں سِر تے چائیں　　ایہہ تیرا اِتبار
نِت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
ظالم ظلموں ناہیں ڈر دے　　اپنے عملیں آپے مَردے
مُونہوں توبہ دِلوں نہ کردے　　ایتھے اوتھے ہون خوار
نِت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار
سو دِن جیویں اِک دِن مرسیں　　اِس دِن خوف خدا دا کرسیں
اِس توبہ تھیں توبہ کرسیں　　اوہ توبہ کس کار

نت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار

بُلھے شاہ دی سُنو حکایت ہادی پھڑیاں ہوئی ہدایت
میرا سائیں شاہ عنایت اوہو لنگھاوے پار

نت پڑھنائیں استغفار
کیسی توبہ ہے ایہہ یار

تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے) برابر کا دے کر تم سوایا حصہ وصول کرتے ہو۔ تم نے تو مذہبی تعلیمات کو داو پر لگا رکھا ہے۔ یہ بھلا کہاں کی مسلمانی ہے اور یہ تمہارا (مکروہ) کردار ہے! تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے) جہاں جانے پر پابندی ہے تم وہاں بھی چلے جاتے ہو۔ بے گانہ مال ڈھٹائی کے ساتھ کھاتے ہو۔ جھوٹی کتابیں بھی سر پر اُٹھائے پھرتے ہو...... یہ تمہارا یقین ہے؟ تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے) ظالم، ظلم کرتے ہوئے ذرا بھی خوفِ خدا نہیں کرتے اور پھر خود اپنے ہی اعمال کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ وہ زُبان سے تو توبہ کرتے ہیں لیکن دِل سے نہیں۔ اِسی لیے تو وہ یہاں اور وہاں رُسوا ہوتے ہیں۔ تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے) تم سو سال بھی جیتے رہو، بالآخر ایک دِن تو مرنا ہے۔ تم اُس دِن تو خدا کا خوف کھاؤ گے۔ اور پھر اس نام نہاد توبہ سے بھی توبہ کرو گے تو وہ توبہ پھر کس کام آئے گی؟ تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے) اب ذرا تم بُلھے شاہ کی بھی داستان سنو۔ مرشد کا دامن پکڑنے سے اُسے ہدایت نصیب ہوئی۔ میرا مالک تو شاہ عنایت قادری ہے وہی ہم کو پار اُتارے گا۔ تم یہ جو ہر وقت استغفار پڑھتے ہو، دوست! یہ کیسی توبہ ہے؟ (جو بار بار کرنا پڑتی ہے)

مُلّاں قاضی سانوں راہ بتاون دِین بھرم دے پھیری
ایہہ تاں ٹھگ جگت دے جھیور لاون جال چو پھیری
کرم شرع دے دھرم بتاون سنگل پاون پیری
ذات مذہب ایہہ عِشق نہ پچھدا عِشق شرع دا ویری

مُلاّں اور قاضی ہمیں اپنا راستہ بتاتے ہیں، یہ تو یقین کے ساتھ دھوکہ دہی کرتے ہیں یہ تو زمانے بھر کے مانے ہوئے ٹھگ ہیں ان شکاریوں نے چاروں طرف جال بچھائے ہوئے ہیں یہ ظاہری شرعی کاموں کو ہی دِین کا نام دے کر پانو میں زنجیریں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ عشق تو ذات اور مذہب کی بات نہیں کرتا...... عشق تو مُلاّئیت کا دُشمن ہے۔

بُلھیا قاضی راضی رشوتے مُلاّں راضی موت
عاشق راضی راگ تے نہ پرتی گھٹ ہوت

اے بُلھے شاہ! قاضی تو رشوت پر راضی ہو جاتا ہے اور مُلاّں کسی کے مرنے پر۔ کہ اُسے نمازِ جنازہ پڑھ کر کچھ پیسے ملیں گے لیکن عاشق راگ رنگ میں آنند پاتے ہی کہ اس کے نفع میں کوئی کمی نہیں آتی۔

بُلھیا مُلاّں اتے مساﻟﭽﯽ دوہاں اِکّو چت
لوکاں کردے چاننا آپ انھیرے نت

اے بُلھے شاہ!...... مُلاّں اور مشعل بردار شخص دونوں کی حالت ایک جیسی ہے۔ وہ لوگوں کو تو روشنی دکھاتے ہیں لیکن خود ہمیشہ اندھیرے میں رہتے ہیں۔

عِلموں بس کریں او یار

عِلم نہ آوے وِچ شمار اِکّو الف تیرے درکار
جاندی عُمر نہیں اِتبار عِلموں بس کریں او یار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ ہویا بھر بھر پیٹ نیندر بھر سویا
جاندی وار نَین بھر رویا ڈُبّا وِچ اُرار نہ پار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ کہاویں اُلٹے مسئلے گھروں بناویں
بے عقلاں نُوں لُٹ لُٹ کھاویں اُلٹے سِدّھے کریں قرار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں اُچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر تے چڑھ وعظ پکاریں کیتا تینوں حرص خوار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ مُلّاں ہوئے قاضی اللہ عِلماں باجھوں راضی
ہووے حرص دِنوں دِن تازی نفع نیّت وِچ گزار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ مسئلے روز سُناویں کھانا شک شُبہے دا کھاویں
دسّیں ہور تے ہور کماویں اندر کھوٹ باہر سچیار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ عِلم نجوم وِچارے گِندا راساں بُرج ستارے
پڑھے عزیمتاں منتر جھاڑے ابجد گِنے تعویذ شمار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

جیوں کھوجی نوں کھوج اگیرے عِلم بھی اوڑک پرے پریرے
ہر دم پھردی موت چوپھیرے جانے ناہیں مرد گوار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

عِلموں پئے قضیئے ہور ! اکھیں والے اَنّھے کور
پھڑ لئے سادھ تے چھڈ دِتّے چور دوہیں جہانیں ہویا خوار

عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں پئے ہزاراں پھستے راہی اٹک رہے وِچ رستے
ماریا ہجر ہوئے دِل خستے پیا وچھوڑے دا سر بھار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں میاں جی کہاویں تتبا چُک چُک منڈی جاویں
دھیلا لے کے چھُری چلاویں نال قصائیاں بہت پیار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار
بُہتا عِلم عزازیل نے پڑھیا جھگا جھاہ اوسے دا سڑیا
گل وِچ طوق لعنت دا پڑیا اوڑک گیا اوہ بازی ہار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار
جد مَیں سبق عِشق دا پڑھیا دریا ویکھ وحدت دا وڑیا
گھمن گھیراں دے وِچ اَڑیا شاہ عنایت لایا پار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار
بُلھا رافضی نہ ہے سُنّی عالم فاضل نہ عامل ، جُنّی
اِکّو پڑھیا عِلم لدُنّی واحد الف میم درکار
عِلموں بس کریں او یار
عِلموں بس کریں او یار

اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔ علم کا تو کوئی شمار نہیں۔ لیکن تجھے صرف ایک ''الف'' کی ضرورت ہے۔ عمر جا رہی ہے اور زِندگی کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ اب اے دوست! علم

کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم پڑھ پڑھ کر تم نے کتابوں کے ڈھیر لگا رکھے ہیں۔تمھارے چاروں طرف قرآن پاک بھی ہے اور دیگر کتابیں بھی تمھارے اردگرد روشنی ہے مگر درمیان میں اندھیرا ہے بغیر رہبر کے حقیقت کا کچھ اتا پتا بھی نہیں ملتا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔شیخ کتابیں پڑھ پڑھ کر مشائخ ہو گیا۔اور پھر پیٹ بھر کر کھا کے خراٹوں بھری نیند سونے لگا۔لیکن جب جانے لگا تو آنکھوں میں آنسو بھر بھر کر رویا۔اور، اُس پار اور اِس پار کے درمیان ہی ڈُوب گیا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔کتابیں پڑھ پڑھ کر تم شیخ المشائخ کہلانے لگے۔اور اُلٹے سیدھے مسئلے خود ہی تراش کر لوگوں کو بتانے لگے بے وقوفوں کو لوٹ لوٹ کر کھانے لگے پھر...... اُلٹے سیدھے قول اقرار بھی کرتے ہو۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔تو کتابیں پڑھ کر نفل نمازیں ادا کرتا ہے۔اُونچی آواز میں اذانیں دیتے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چنگھاڑتے ہو۔منبر پر کھڑے ہو کر وعظ بھی سناتے ہو۔لیکن تمھیں ہوس نے رُسوا کر رکھا ہے۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔کتابیں پڑھ پڑھ کر مُلّاں قاضی بن گئے لیکن خدا تو علم کے بغیر بھی راضی ہو جاتا ہے۔تمھاری ہوس تو ہر دن کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے نیت کو دُرست کر کے نفع حاصل کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔روزانہ نئے نئے مسئلے پڑھ کر سناتے ہو۔لیکن تمہارا کھانا تو شک شبہے والا ہے۔تُو لوگوں کو تو کچھ اور بتاتا ہے اور خود کچھ اور عمل کرتا ہے تم اندر سے کھوٹے ہو اور زُبان سے سچ کی تبلیغ کرتے ہو۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم کے حصول سے توبہ کر۔جیسے کھوجی کے لیے، صرف کھوج کی اہمیت ہوتی ہے وہ کھوج کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے۔علم بھی بالآخر دور آگے ہی آگے دُور چلتا رہتا ہے...... یہ موت ہے جو ہر پل چاروں طرف گردش کرتی رہتی ہے، لیکن بے وقوف شخص یہ نہیں جانتا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم کی وَجہ سے ہی کئی جھگڑے پیدا ہوئے ہیں۔آنکھوں سے دیکھ کر بھی لوگ اندھے ہو رہے ہیں۔سادھ (شریف آدمی) پکڑے جاتے ہیں اور چوروں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ایسے لوگ

دُنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خوار ہوتے ہیں۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم کی وجہ سے ہزاروں اُلجھنوں کے پھندے تیار ہوئے۔اور مسافر بھی راستوں میں ہی اُلجھ کر رہ گئے۔انہیں جدائی نے مارا تو وہ دِل شکستہ ہو گئے۔ان کے سر پر جدائی کا بھاری بوجھ جو آن پڑا تھا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم کی بِنا پر تم میاں جی کہلاتے ہو اور پھر شلوار کے پائنچے گھٹنوں سے اُٹھا کر منڈی جاتے ہو۔پیسے لے کر چھری چلاتے ہو اِسی لیے تمہارا قصابوں کے ساتھ گہرا تعلّق ہے۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔علم تو ابلیس کے پاس بھی بہت زیادہ تھا لیکن جھونپڑہ بھی اُسی کا اِس کارن جل کر راکھ ہوا۔اور پھر گلے میں لعنت کا طوق بھی پڑا آخر وہ بازی ہار گیا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔جب مَیں نے عشق کا سبق پڑھا اور دریائے وحدت میں کود پڑا۔مجھے بھی بھنوروں نے آن گھیرا تھا لیکن شاہ عنایت (مرشد) نے مجھے پکڑ کر پار اُتار دیا تھا۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔بُلھا! نہ تو رافضی ہے اور نہ ہی اہلِ سُنّت۔نہ تو کوئی عالم فاضل ہے، نہ ہی عامل اور فلاسفر......اس نے تو صرف "علم لدنی" پڑھا ہوا ہے اور اُسے صرف الف اور میم (اللہ اور محمدؐ) کی ہی آرزو ہے۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔اب اے دوست! علم کے حصول سے توبہ کر۔

ایویں قصے کاہنوں گھڑنائیں تے گُلستاں بوستاں پڑھنائیں
ایویں بے موجب کیوں لڑنائیں کِس اُلٹا وید پڑھایا اے

ٹک بُوجھ کون چھپ آیا اے
کِس بھیکھی بھیکھ وٹایا اے

شریعت ساڈی دائی اے طریقت ساڈی مائی اے
اَگّوں حق حقیقت آئی اے اتے معرفتوں کُجھ پایا اے

ٹک بُوجھ کون چھپ آیا اے
کِس بھیکھی بھیکھ وٹایا اے

کیوں ہر وقت قصّے کہانیاں بیان کرتے رہتے ہو اور گلستان سعدی اور بوستان سعدی پڑھتے رہتے ہو اور پھر خواہ مخواہ بے مقصد جھگڑے کھڑے کرتے ہو۔ تمھیں یہ کس نے اُلٹا سبق پڑھا دیا ہے۔ کبھی یہ پہیلی بوجھنے کی بھی کوشش کرو کہ وہ کون ہے جو چھپ کر آیا ہے۔ اور یہ کس فنکار نے بہروپ بدل رکھا ہے۔ شریعت ہماری دایہ ہے، اور طریقت ہماری ماں ہے۔ اس کے بعد ہی حق اور حقیقت سامنے آتی ہے اور اس کے ادراک سے ہی عرفانِ ذات حاصل ہوتا ہے۔ کبھی یہ پہیلی بوجھنے کی بھی کوشش کرو کہ وہ کون ہے جو چھپ کر آیا ہے۔ اور یہ کس فنکار نے بہروپ بدل رکھا ہے۔

مکّے گیاں گل مُکدی ناہیں جچر دِلوں نہ آپ مُکایئے
گنگا گیاں پاپ نہیں جھڑ دے بھانویں سوسو غوطے لایئے
گیا ، گیاں گل مُکدی ناہیں بھاویں کتنے پنڈ بھرایئے
بُلھا شاہ گل مُکدی تاہیں جد مَیں نُوں کھڑیاں لُٹایئے

جب تک دِل میں بے یقینی ہو اور اُس کو ختم نہ کیا جائے مکّے جا کر حج کرنے سے بھی بات نہیں بنتی۔ نہ ہی گنگا میں جا کر اشنان کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں خواہ اُس میں سیکڑوں ڈُبکیاں ہی کیوں نہ لگائی جائیں۔ گیا میں جانے سے بات نہیں بنتی خواہ آٹے کے کتنے ہی پیڑے کیوں نہ دان کیے جائیں۔ بُلھے شاہ! حقیقت تو یہ ہے کہ اُس وقت تک کامیابی نہیں ملتی جب تک کہ خود کھڑے کھڑے اپنی ''انا'' کو خود اپنے ہاتھوں نہ لٹایا جائے۔

حاجی لوک مکّے نُوں جاندے
اساں جاناں تخت ہزارے
جت ول یار اُت وَل کعبہ
بھاویں پھول کتاباں چارے

حاجی لوگ حج کرنے کے لیے مکّہ کا سفر کرتے ہیں لیکن ہم کو تو تخت ہزارے ہی جانا ہے جس طرف محبوب ہو کعبہ بھی اُسی طرف ہوتا ہے بے شک چاروں کتابوں کا گہرا مطالعہ کر کے دیکھ لو۔

بُلھے نُوں لوک متّیں دیندے بُلھیا تُوں جا بہ مسیتی
وِچ مسیتاں کیہ کجھ ہوندا جے دِلوں نماز نہ نیتی

باہروں پاک کیتے کیہ ہوندا جے اندروں نہ گئی پلیتی
بِن مرشد کامل بُلھیا تیری ایویں گئی عبادت کیتی

لوگ بُلھے شاہ کو نصیحتیں کرتے ہیں کہ اے بُلھے! مسجد میں جا کر خدا کی عبادت کِیا کر۔ لیکن مَیں کیا بتائیں، مساجد میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ اگر دِل سے نماز ادا نہ کی جائے۔ باہر سے اگر پاک کر بھی لیا جائے تو کیا ہے؟ اگر اندر کی پلیدی نہیں جاتی...... اے بُلھے شاہ مرشد کی راہنمائی کے بغیر تمھاری سب عبادت رایگاں چلی جائے گی۔

ٹھاکر دوارے ٹھگ بسیں بھاہی دوار مسیت
ہر کے دوارے بھکھ بسیں ہمری ایہہ پرتیت

دیوتاؤں کے مندروں میں ٹھگوں کا قبضہ ہے اور مسجدوں کے دروازوں پر جال پھینکنے والے بیٹھے ہیں۔ ہری کے دوارے بھکشو آسن جمائے ہیں۔ ہماری تو بس یہی تحقیق ہے۔ کسی اور کو جانے کی اجازت نہیں۔

بُلھیا دھرم سالہ دھڑوائی رہندے ٹھاکر دوارے ٹھگ
وِچ مسیت کوستے رہندے عاشق رہن الگ

دھرم شالہ (مذہبی خیراتی ادارے) میں سب ناپ تول کرنے والے اور دیوتاؤں کے مندروں پر ٹھگوں نے قبضہ کِیا ہوا ہے مسجدوں میں کوستی (بدنیت) رہتے ہیں جب کہ عاشقوں نے ان سب سے الگ ٹھکانہ کرلیا ہے۔

ہور نیں سبھے گلڑیاں اِک اللہ دِی گل
کجھ رَولا پایا عالماں کجھ کاغذاں پایا جھل

اِدھر اُدھر کی سب باتیں محض باتیں ہیں سچی بات صرف اللہ کی ہے۔ باقی کچھ عالموں کی ہنگامہ آرائی ہے اور کچھ کتابوں کی بحثوں کا پاگل پن ہے۔

نہ خدا مَیں تیرتھ ڈِٹھا ایویں پینڈے جھاگے
بُلھیا شوہ جد مرشد مِل گیا ٹُٹے سب تگادے

مَیں نے خدا کو تیرتھ میں بھی نہیں پایا۔ ایسے ہی فضول سفر کی مشکلیں برداشت کیں۔ اے بُلھے شاہ! جب مرشد مل گیا تو سب تقاضے ختم ہو گئے۔

بُلھیا پرسوں کافر تھی گیوں بُت پُوجا کیتی کل
اسی جا بیٹھے گھر اپنے اوتھے کرن نہ مِلی آ گل

بُلھے شاہ! پرسوں تو تم کافر ہو گئے تھے اور کل تم بُتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ لیکن جب ہم کو دونوں مقامات پر بات کرنے کی اجازت نہیں ملی تو ہم خاموشی سے اپنے گھر آ کر بیٹھ گئے۔

نہ خدا مسیتے لبھدا نہ خدا وِچ کعبے
نہ خدا قرآن کتاباں نہ خدا نمازے

نہ تو خدا مسجد میں عبادتوں سے ملتا ہے اور نہ ہی خدا کعبے میں پایا جاتا ہے۔ نہ ہی خدا قرآن پاک اور کتابوں میں ہے اور نہ ہی نماز میں ہے۔

اوتھے مگر پیادے لگّے تاں اسیں ایتھے آئے
ایتھے سانوں رہن نہ مِلدا لگّے کِت وَل دھائے
جو کجھ اُنگلیاں دے سِر بیتی اساں بھی اوہو ٹکانا
خاکی خاک سوں رَل جانا کجھ نہیں زور دھنگانا
بُلھا ایتھے رہن نہ مِلدا روندے پلڑے چلّے
اِکّو نام اوسے دا خرچی پیسا ہور نہ پلّے
مَیں سُپنا سب جگ بھی سُپنا ہور سُپنا لوگ بہانا
خاکی خاک سوں رَل جانا کجھ نہیں زور دھنگانا
گئے سو گئے پھیر نہیں آئے میرے جانی مِیت پیارے
میرے باجھوں رہندے ناہِن ہُن کیوں اَساں وسارے
وِچ قبراں دے خبر نہ کوئی مارو کیہا جھولانا
خاکی خاک سوں رَل جانا کجھ نہیں زور دھنگانا
چِت پیار نہ جائے ساتھوں اُٹھے ساہ نہ رہندے
اسیں مویاں دے پرلے پار ہاں جیوندیاں دے وِچ بہندے
اَج بھلکے ٹُرن دا سانوں ہو سی بڑا کھپانا
خاکی خاک سوں رَل جانا کجھ نہیں زور دھنگانا

وہاں بھی ہمارے پیچھے (بازپرس کرنے والے فرشتے) پیادے لگے ہوئے تھے ہم یہاں آ گئے، یہاں بھی ہم کو سُکھ سے رہنا نصیب نہیں ہو رہا، ہم یہاں سے آگے بھلا کہاں جائیں...... بہ ہر حال جو کچھ ہم سے پہلے والے لوگوں کے ساتھ بیتی ہے وہی کچھ ہمارا بھی مقدر ہوگا...... خاک کے پُتلے نے بالآخر خاک میں مِل جانا ہے کوئی زورزبردستی کام نہیں آئے گی۔ بُلھے شاہ! یہاں بھی رہنا نصیب نہیں ہو رہا کہ اب یہاں سے بھی روتے پیٹتے چل پڑے ہیں۔ بس اُس کا نام ہی کُل رختِ سفر ہے کوئی ''روپیا پیسا'' (اعمال) پلّے نہیں ہے۔ مَیں بھی ایک خواب ہوں، تمام جہان بھی اک خواب ہے یہ والدین کا گھر بھی اک خواب ہی ہے (کسی کی کچھ حقیقت نہیں سب کچھ موہوم ہے) خاک کے پُتلے نے بالآخر خاک میں مل جانا ہے، کوئی زورزبردستی (مدافعت) کام نہیں آئے گی۔ جو گئے، سو گئے، پھر پلٹ کر نہیں آئے۔ وہ میرے دِل جانی، محبوب اور پیارے دوست...... وہ سب میرے بغیر ایک پل بھی نہیں گزارا کرتے تھے لیکن اب مجھے یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ قبروں میں کسی کو کیا خبر کہ، وہاں کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... خاک کے پُتلے نے بالآخر خاک میں مِل جانا ہے۔ کوئی زورزبردستی کام نہیں آئے گی۔ یہ دِل کی لگی بھی ہم سے چھٹتی نہیں ہجر میں آہیں بھی بھرتے ہیں ہم تو مردہ لوگوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں مگر زندہ لوگوں کے ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں آج یا کل ہمیں یہاں سے چلے جانے پر بہت مشکل ہو گی...... خاک کے پُتلے نے بالآخر خاک میں مِل جانا ہے۔ کوئی زورزبردستی (مدافعت) کام نہیں آئے گی۔

تُوں کِدھروں آیا کِدھر جانا اپنا دَس ٹکانا
جس ٹھانے دا تُوں مان کریں تیرے نال نہ جا سی ٹھانا
ظلم کریں تے لوک ستاویں کسب پھڑیو لُٹ کھانا
محبوب سبحانی کرے آسانی خوف جائے ملکانا
شہر خاموشاں دے چل وسیئے جتھے مُلک سمانا
بھر بھر پُور لنگھاوے ڈاہڈا ملک الموت مہانا
کر لئے چاوڑ چار دیہاڑے اوڑک تُوں اُٹھ جانا
ایہناں سبھناں تھیں اے بُلھا اوگن ہار پُرانا

توں کِدھروں آیا کِدھر جانا اپنا دَس ٹکانا

اے اِنسان!......تُو کہاں سے آیا ہے، اور تجھے کہاں جانا ہے۔ تجھے اپنا کوئی مقام معلوم ہے؟ جس مقام کا تُو فخر کرتا ہے وہ سب طاقت کے مراکز تمھارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ تُو، ظلم کر کے لوگوں کو ستاتا ہے۔ اور تُو نے لوٹ کر کھانے کو وتیرہ بنا رکھا ہے۔ وہ خدا کا پیارا محبوب اگر آسانیاں پیدا کرے تو سارے خوف جاتے رہیں گے۔ وہ زبردست اور طاقتور ملاح، ملک الموت، بھر بھر کر کشتیاں اُس پار اُتار رہا ہے۔ چار دِن ہنسی خوشی گزار لے، بالآخر تمھیں یہاں سے اُٹھ جانا ہے۔ ان سب لوگوں سے بُلھے شاہ، سب سے پرانا گنہگار ہے۔ تُو کہاں سے آیا ہے، اور تجھے کہاں جانا ہے۔ تجھے اپنا کوئی مقام معلوم ہے؟

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

تانی تانا پیٹا نلیاں پیٹھ نڑاتے چھبّاں چھلیاں
آپو اپنے نام جتاون وکھو وکھی جائیں دا

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

چَونسی پینسی کھدّر دھوتر مَلمَل خاصہ اِکا سُوتر
پُونی وِچّوں باہر آوے بھگوا بھیس گوسائیں دا

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

کُڑیاں ہتھیں چھاپاں چھلّے آپو اپنے نام سوتے
سچّا ہِکّا چاندی آکھو کنگن چُوڑا بانہیں دا

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

بھیڈ بکریاں چارن والا اُٹھ مجھیاں دا کرے سنبھالا
رُوڑی اُتّے گدوں چارے اوہ بھی واگی گائیں دا

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

بُلھا شوہ دی ذات کیہ پچھنائیں شاکر ہو رضائیں دا
جے توں لوڑیں باغ بہاراں چاکر رہو ارائیں دا

سب اِکّو رنگ کپاہیں دا

کپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو) کیا تانا، کیا بانا، کپڑے کا سیدھا رُخ، نلکیاں، نڑا کیا سُوت کی انٹی اور کیا سوت کی چھلیاں۔ اگر چہ سب کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں اور ان کی علیحدہ علیحدہ شناخت اور پہچان بھی ہے......لیکنکپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو) تانے میں چار سوتاروں کا یا پانچ سوتاروں کا اعلیٰ یا گھٹیا کھدر ہو۔ یہ ململ ہو یا خاصہ ان میں ایک ہی سوت استعمال ہوا ہے جو روئی کی پونی سے تاگے کی صورت باہر نکلتا ہے۔ گائے چرانے والا سادُھو جو جوگیا لباس پہنتا ہے وہ بھی اسی سوتر سے بنتا ہے۔ کپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو) لڑکیوں کے ہاتھ میں جو چھلّے اور انگوٹھیاں ہوتی ہیں ان کے بھی اپنے اپنے خوب صورت نام ہوتے ہیں لیکن ان کے خواہ وہ بازوؤں کے کنگن اور چوڑے ہی کیوں نہ ہوں انہیں چاندی کہہ کر پکارنا چاہیے۔ کپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو) بھیڑ بکریاں چرانے والا یا اُونٹ اور بھینسوں کی حفاظت کرنے والا ہو، اور جو گندگی کے ڈھیر پر گدھوں کو چراتا ہے وہ بھی گائے چرانے والا گوالا ہوسکتا ہے۔ کپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو) اے بُلھے! شوہ کی ذات کیا پوچھتے ہو وہ تو خدا کی رضا پر شکر گزار ہے۔ اور اگر تُو بھی باغ بہشت کے مزے لوٹنا چاہتا ہے تو پھر "ارائیں" کا غلام بن کر رہ۔ کپاس کا ایک ہی رنگ ہے (وہ کسی بھی صورت میں ہو)

نمانا ہو مجرم آیا
کڈھ بہشتوں زمیں رُلایا
آدم حوا جُدا کرایا
بُلھا آپ وچھوڑا پاوے
لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

آدم دنیا میں عاجز اور مجرم بن کر آیا۔ اسے جنت سے نکال کر زمین پر آوارہ پھرایا گیا پھر آدم کو حوا سے جدا کر دِیا گیا۔ بُلھے شاہ! یہ جدائی بھی تو خُود اُسی نے ہی ڈالی تھی۔ عشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔

آؤ فقیرو میلے چلیے عارف کا سُن واجا رے
انہد شبد سُنو بہو رنگی تجیے بھیکھ بیاجا رے

انہد واجا سرب ملا پی ترویری سرناجا رے
میلے باجھوں میلا اوتر رُڑھ گیاں مول ویہاجا رے
کٹھن فقیری رستہ عاشق قائم کرو من بھاجا رے
بندہ رب بھیو اِک بُلھا پڑا جہان براجا رے

آ ؤفقیرو! سب مل کر میلے چلتے ہیں۔ اُس عارف کی جگ میں بہت چرچا ہے...... وہاں چل کر عرفان ووجدان کے رنگا رنگ گیت سنیں گے۔ ریا کاری کا سب بھیس اُتر جائے گا۔ عرفان کی شہنائی ہی پریتم کو ملاتی ہے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ پریتم کے ملاپ کے بغیر میلے کی کوئی حیثیت نہیں یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مال بھی گیا اور سود بھی۔ کوئی نفع ہوا نہ نقصان۔ یہ فقیری راستہ بہت کٹھن اور مشکل ہے۔ دِلِ مضطرب کو پُرسکون رکھنا پڑتا ہے...... بُلھّے شاہ! کو دیکھو اُس نے بندہ ہو کر خدا ہونے کا دعویٰ کیا تو جہان میں فساد پڑ گیا۔

اگلے جا بنگاہ لے بیٹھے
پچھلیاں فرش وچھائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
بھوریاں والے راجے کیتے
راجیاں بھیک منگائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
بُلھیا حُکم حضوروں آیا
تِس نوں کون ہٹائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے

وہ جو پہلے والے اشراف تھے وہ تو ذلیل ہو کر کہیں اور پناہ گزین ہو گئے۔ ان کی آمدنی محدود ہو گئی ہے لیکن وہ جو نو دولتیے ہیں اُنھوں نے اپنی بساط بچھالی ہے۔ جب زمانے کے طور اطوار تبدیل ہوئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ میں آئے۔ (بھوریاں والے) سکھوں کو پنجاب میں حکمران بنا دیا گیا ہے اور جو حکمران تھے وہ در بہ در کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ جب زمانے کے طور اطوار تبدیل ہوئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ میں آئے۔ اے بُلھّے شاہ...... حضورِ حق سے یہی

حُکم آیا ہے۔ اسے کون تبدیل کر سکتا ہے۔ جب زمانے کے طور اطوار تبدیل ہوئے تو تب مجھے محبوب کا بھید سمجھ میں آیا۔

جدوں اپنی پَے گئی دِھی ماں نُوں لُٹ کے لے گئی
موُنہہ بارھویں صدی پساریا سانوں آ مِل یار پیاریا
تیرے دُکھاں نے سانوں ماریا
در کھُلا حشر عذاب دا بُرا حال ہویا پنجاب دا
ڈر ہاوِیے دوزخ ماریا سانوں آ مِل یار پیاریا
تیرے دُکھاں نے سانوں ماریا

جب ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ بیٹی ماں کو لوٹ کر لے گئی ہے۔ بارھویں صدی نے اپنا مُنہ کھول دیا ہے۔ اے میرے پیارے محبوب! ہم سے آن ملو۔ تیرے دُکھوں نے ہمارا جینا مشکل کر دیا ہے۔ عذابِ حشر کا دروازہ کھل چکا ہے۔ پنجاب کا برا حال ہو چکا ہے۔ آشوبِ زمانہ ہاویہ دوزخ کی طرح ڈرا رہا ہے۔ اے میرے پیارے محبوب! ہم سے آن ملو۔ تیرے دُکھوں نے ہمارا جینا مشکل کر دیا ہے۔

اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
کاں لگّڑ نُوں مارن لگّے
چڑیاں جُرّے ڈھائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
گھوڑے چُگن اُروڑیاں اُتّے
گدّوں خود پوائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
اپنیاں وِچ اُلفت ناہیں
کیا چاچے کیا تائے
اُلٹے ہور زمانے آئے تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے
پیو پُتراں اِتفاق نہ کائی

دِھیّاں نال نہ مائے

اُلٹے ہور زمانے آئے　　تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے

سچیّاں نُوں پئے مِلدے دھکّے

جھوٹھے کول بہائے

اُلٹے ہور زمانے آئے　　تاں مَیں بھیت سجّن دے پائے

جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔ کوّے بازوں کو مارنے لگے اور چڑیوں نے شہبازوں کو اپنی گرفت میں لے لیا...... اس طرح جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔ گھوڑے گندگی کے ڈھیروں سے رزق تلاش کرنے لگے اور گدھے چراگاہوں کی گھاس پر قابض ہو گئے۔ جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔ اپنے قریبی عزیزوں میں بھی محبت باقی نہ رہی چچا اور تائے جیسے قریبی رِشتے بھی اپنی وُقعت کھو بیٹھے۔ جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔ باپ بیٹوں میں ذرا بھی اِتفاق باقی نہیں رہا ماں اور بیٹیوں میں بھی محبت باقی نہیں رہی۔ جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔ سچے لوگوں کو کوئی نزدیک بھی بیٹھنے نہیں دیتا۔ اُنھیں دھکّے دیے جاتے ہیں جب کہ جھوٹے لوگوں کو مصاحب بنایا گیا۔ جب زمانے کے طور طریقے ہی اُلٹ گئے تو تب مجھے محبوب کے اسرار سمجھ آئے۔

کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال

تیل تِلاں دے لڈُّو نے جلیبی پکڑ منگائی

ڈردی نُکھی قند شکر توں مصری نال لڑائی

کاں لگڑ نُوں مارن لگّے گدّوں دی گلھ لال

کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال

ہو فریادی لکھ پیتاں نے لُون تے دستک لائی

گلگلیاں منصوبہ بدھا پاپڑ چوٹ چلائی

بھیڈاں مار پلنگ کھپائے گرگاں بُرا احوال

کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال
گُڑ دے لڈُو غُصّے ہو کے پیڑیاں تے فریادی
برفی نوں کہے دال چنے دی تُوں ہیں میری باندی
چڑھ سہے شینہاں تے نچّن لگّے وَڈّی پئی دھمال
کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال
شکر کھنڈ کہے مصری نوں میری ویکھ صفائی
چڑوے چنے ایہہ کرنے لگّے بدانے نال لڑائی
چوہیاں کن بلّی دے کُترے ہو ہو کے خوشحال
کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال
بُلّھے شاہ ہُن کیا بتاوے جو دِسّے سو لڑدا
لت بلتی گت بگّتی کوئی نہیں ہتھ پھڑدا
دیکھو کیہی قیامت آئی آیا خر دجّال
کپوڑی ریوڑی کیوں کر لڑے پتاسے نال

کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟ تلوں کے تیل سے بنے ہوئے لڈُو نے جلیبی کو حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ شہد شکر سے ڈر کر بھاگ رہا ہے تو شکر مصری سے برسرِ پیکار ہے۔ کوے بازوں کو مار رہے ہیں تو گدھی کے گال بھی سرخ ہو رہے ہیں...... کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟ لکھ پتی لوگوں نے حکومت سے فریاد کر کے نمک پر بھی ٹیکس لگوا دیا ہے۔ گُلگلیوں نے منصوبہ بنا کر پاپڑوں پر حملہ کر دیا ہے۔ بھیڑوں نے چیتے مار گرائے ہیں جس پر بھیڑیوں کا تو برا حال ہو گیا ہے...... کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟ گڑ کے لڈُو ناراض ہو کر کھوئے کے پیڑوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں برفی کو چنے کی دال کہہ رہی ہے کہ تُو میری کنیز ہے۔ خرگوش شیروں پر چڑھ کر ناچتے ہوئے دھمال ڈال کر فتح کا جشن منا رہے ہیں...... کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟ شکر کھنڈ، مصری سے کہہ رہی ہے کہ تم میری صفائی تو دیکھو۔ چڑوے چنے بدانے کے ساتھ دست و گریبان ہیں تو چوہیاں خوشی سے بلیوں کے کان میں گھنٹیاں باندھنے کے لیے اُن کے

کان کُتر رہی ہیں......کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟ بُلھے شاہ! اب کسی کو کیا بتائے، جسے دیکھو، وہی آپس میں لڑ رہا ہے۔ کہیں لاتوں اور گھونسوں سے کام لیا جا رہا ہے تو کہیں ایک دوسرے کی چوٹیاں کھینچی جا رہی ہیں۔ مگر کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ دیکھو کیسی قیامت آئی ہے جیسے خر دجال آ گیا ہے......کافوری (خوشبودار) ریوڑی بتاشے کے ساتھ کیوں لڑتی ہے؟

رنگھڑ نالوں کھنگر چنگا جس پر پیر گھسائیدا
بُلھا شوہ نوں سو ای پاوے جیہڑا بکرا بنے قصائی دا
تیرا نام دھائیدا سائیں تیرا نام دھائیدا

رنگھڑ سے تو وہ پتھر کا ٹکڑا اچھا ہے جس سے پاؤں گھسا کر صاف کرتے ہیں۔ بُلھے شاہ! مرشد کو وہی پا سکتا ہے جو قصابوں کے بکرے کی طرح ہر وقت ذبح ہونے کے لیے تیار رہے۔ اے مالک! تیرے ہی نام کا ورد کرتے ہیں تیرے ہی نام کا ورد کرتے ہیں۔ (نوٹ) رنگھڑ راجپوتوں کی ہی ایک شاخ ہے، بلھے شاہ کے زمانہ میں اُن کے گاؤں کا سردار بھی ایک رنگھڑ تھا اور اُس نے مبینہ طور پر بلھے شاہ کو پانڈو کی گاؤں سے نکال دیا تھا جس پر بلھے شاہ نواحی گاؤں دفتوہ آ گئے تھے۔ چناں چہ رنگھڑوں کے ساتھ بلھے شاہ کو خاص رنجش بھی تھی۔

بُلھیا قصر نام قصور ہے اوتھے مونہوں نہ سکن بول
اوتھے سچے گردن ماریئے اوتھے جھوٹھے کرن کلول

بُلھا! قصر نام ہے قصور کا (جہاں بڑے بڑے محل ہیں) وہاں کسی کو بھی بات کرنے کی اجازت نہیں وہاں سچے لوگوں کی گردن اُڑا دی جاتی ہے اور جھوٹے لوگ موجیں مانتے ہیں۔

بُلھیا قصور بے دستور اوتھے جانا بنیا ضرور
نہ کوئی پُن نہ دان ہے نہ کوئی لاگ دستور

بُلھا!......قصور میں کوئی دستور نہیں، لیکن وہاں جانا بھی ضروری ہے۔ وہاں نہ تو صدقہ و خیرات کا سلسلہ ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہء اخلاق ہے نہ قانون۔

بُلھا دھرم سالہ وِچ ناہیں جتھے موہن بھوگ پوائے
وِچ مسیتاں دھکے مِلدے مُلاں تیوڑی پائے

دولت منداں نے بوہیاں اُتّے چوب دار بہائے
پکڑ دروازہ رب سچّے دا جتھوں دُکھ دِل دا مٹ جائے

بُلھے شاہ! دھرم شالا میں بھی دھرم نہیں جہاں کرشن جی مہاراج کی مورتی پر لوگ نذر نیاز کرتے ہیں مسجد میں بھی لوگوں کو دھکّے دیے جاتے ہیں ملّاں مجھے دیکھتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں دولت مندوں نے اپنے دروازوں پر پہرے بٹھا لیے ہیں......اس لیے! تو اُس سچے رب کا دروازہ مضبوطی سے پکڑ لے جہاں دل کے سب دُکھ دور ہو جاتے ہیں۔

بُلھیا جے توں غازی بننا ئیں لک بنھ تلوار
پہلوں رنگھڑ مار کے پچھوں کافر مار

بُلھے شاہ اگر تم جہاد کرنا چاہتے ہو تو کمر سے تلوار کو باندھ لو۔ اور تیار ہو جاؤ۔ لیکن پہلے رنگڑوں کو ہلاک کر اور پھر کافروں کے خلاف جہاد کرنا۔

بُلھیا وارے جایئے اوہناں توں جیہڑے گلّیں دین پرچا
سُوئی سلائی دان کرن تے آہرن لین چھپا

بُلھے شاہ اُن لوگوں کے صدقے جاؤں جو باتوں سے موہ لیتے ہیں سوئی تو خیرات میں دے دیتے ہیں مگر لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے چھپا لیتے ہیں۔

بُلھیا وارے جایئے اوہناں توں جیہڑے مارن گپ شڑپ
کوڈی لبھّی دین چا تے بُغچہ کھاؤ گھپ

بُلھے شاہ! مَیں اُن پر قربان جاؤں جو بڑی بڑی باتیں تو بناتے ہیں لیکن اگر نہیں کوڑی گری کہیں سے مل جائے تو فوراً واپس کر کے سر بلند ہوتے ہیں لیکن بُغچہ ہڑپ کر جاتے ہیں۔

اِک رانجھا مینوں لوڑِیدا

کُن فیکون اَگّے دی لگیاں　　نیونہہ نہ لگڑا چوری دا

اِک رانجھا مینوں لوڑِیدا

آپ چھیڑیندا نال مجھیں دے　　سانوں کیوں بیلیوں ہوڑِیدا

اِک رانجھا مینوں لوڑِیدا

رانجھے جیہا مینوں ہور نہ کوئی　　مِنتاں کر کر موڑِیدا

اِک رانجھا مینوں لوڑیدا

سانولیاں دے نین سلونے سُوہا دوپٹہ گوری دا

اِک رانجھا مینوں لوڑیدا

میری ذات کو ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔ مجھے اُس سے روزِ ازل سے بھی پہلے کا عِشق ہے اور یہ عِشق کوئی چوری چھپے نہیں ہوا تھا۔ مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔ وہ خود تو بھینسوں کے ساتھ چلا جاتا ہے لیکن ہم کو بیلے میں آنے سے روک دیتا ہے۔ مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔ اس دُنیا میں میرے لیے رانجھے جیسا کوئی اور نہیں۔ جسے منت سماجت کر کے واپس بلاؤں۔ مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔ میرے سانول کی خوب صورت آنکھیں غضب ڈھاتی ہیں اور گوری کے گلابی رنگ پر سرخ دوپٹہ بھی خوب جچتا ہے۔ مجھے ایک رانجھے کی ضرورت ہے۔

ہندو نہ نہیں ہم مسلمان
بھئے نرنجن تج ابھیمان
سُنّی نہ نہیں ہم شیعہ
صُلح کُل کا مارگ لیا
بھُکھے نہ نہیں ہم رجّے
ننگے نہ نہیں ہم کجّے
روندے نہ نہیں ہم ہسدے
اُجڑے نہ نہیں ہم وَسدے
پاپی نہ سُدھری نہ
پاپ پُن دی راہ نہ جاناں
بُلھا شوہ جو ہر چت لاگے
ہندو تُرک دوجن تیاگے

ہم نہ تو ہندو ہیں اور نہ ہی مسلمان۔ سب غرور و تکبر چھوڑ کر ہم تو پاک صاف ہو گئے ہیں۔ ہم نہ تو سُنّی ہیں اور نہ ہی شیعہ...... ہم نے تو صلح کل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ نہ تو ہم بھوکے ہیں اور نہ ہی ہم سیر شکم ہیں۔ نہ تو ہم ننگے ہیں اور نہ ہی ہم نے ستر پوشی کی ہوئی ہے۔ نہ تو ہم روتے ہیں اور

نہ ہی بستے ہیں۔ نہ تو ہم اُجڑے ہوئے ہیں اور نہ ہی آباد۔ نہ تو ہم گنہگار ہیں اور نہ ہی نیکوکار۔ ہم تو نیکی اور بدی کے راستوں کے مسافر ہی نہیں۔ اے بُلھے! شوہ وہ ہے جو ہر ایک کے دل کو اچھا لگے، اور اُس کی یہی صورت ہے کہ، ہندو اور مسلمان دونوں کو ہی چھوڑ دیا جائے۔

بُلھا چیری مسلمان دی ہندو توں قربان
دوہاں توں پانی وار پی جو کرے بھگوان

بُلھے شاہ تو مسلمان کی چیلی (کنیز) بھی ہے اور ہندو پر بھی قربان جاتا ہے۔ تم دونوں سے پانی وار کر پیئو (دونوں کی خیر مانگو) اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دو۔

دروں ٹک دُور نہ ہووے
فقر فراقوں بہتا رووے
تن بھٹھی دِل کِھلاں دھنووے
عِشق اکھاں وِچ مرچاں لاوے
لاگی رے لاگی بَل بَل جاوے
اِس لاگی نُوں کون بُجھاوے

اس کے دروازے سے تھوڑے عرصہ کے لیے بھی دوری برداشت نہیں ہوتی۔ فقیر فراق میں بہت آہ وزاری کرتا ہے۔ یہ جسم بھٹی کی طرح جلتا ہے جس میں یہ دِل "دانوں" کی طرح بھونا جاتا ہے۔ سِتم بالائے سِتم یہ کہ، عِشق بھی آنکھوں میں مرچیں لگاتا ہے۔ عِشق کی آگ شعلہ فشاں ہے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بھلا کون بجھا سکتا ہے۔

بُلھیا رنگ محلیں جا چڑھیوں لوکی پچھن آکھن خیر
اَساں ایہہ کجھ دُنیا توں وٹیا مُنہ کالا تے نیلے پیر

بُلھے شاہ! عشرت کدوں میں جا کر دادِ عیش دیتے ہو۔ لوگ پوچھتے ہیں، خیریت تو ہے؟ ہمیں تو اِس دنیا سے سوائے بدنامی و رُسوائی کے، کچھ حاصل نہیں ہوا۔

پھری رُت شگوفیاں والی چڑیاں چُگّن نُوں آئیاں
اِکناں نُوں جُرّیاں لے کھادا اِکناں پھاہیا لائیاں
اِکناں نُوں آس مُڑن دی آہی اِک سیخ کباب چڑھائیاں

بُلھّے شاہ کیہ وس اوہناں دے اوہ قسمت مار پھسائیاں

پھر......شگوفے کھلنے کی رُت آئی ہے تو چڑیاں بھی دانا دُنکا چُننے آ گئی ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جن کو بازوں نے پکڑ رکھا ہے اور کچھ شکاریوں کے جال میں پھنس گئی ہیں۔ کچھ ایسی بھی ہیں جن کو واپس آنے کی اُمید ہے لیکن کچھ کبابوں کے لیے سیخوں پر چڑھائی جا چکی ہیں بُلھّے شاہ! ان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں تھا اُنھیں تو تقدیر نے پھنسا کر مارا ہے۔

بُلھّیا اچھے دِن تو پچھے گئے جب ہر سے کیا نہ ہیت
اب پچھتاوا کیا کرے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

بُلھّے شاہ! وہ اچھے دِن تو گزر گئے۔ اس وقت تو خدا سے لَو نہیں لگائی۔ اب جب کہ چڑیاں کھیت چُگ گئی ہیں وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے تو پچھتانے سے کیا حاصل ہوگا؟

بُلھّیا کنک کوڈی کامنی تینوں کیہ تلوار
آئے تھے نام جپن کو اور وِشے لیتے مار

بُلھّے شاہ! گندم، دولت اور عورت، تینوں تلوار کے مانند ہیں......ہم تو دُنیا میں عبادت کے لیے آئے تھے لیکن ہم کو لذاتِ دُنیا نے مار دِیا۔

اِٹ کھڑکے دُکڑ وَجّے تتّا ہووے چُلھّا
آون فقیر تے کھا کھا جاون راضی ہووے بُلھّا

ہمارے ڈیرے پر، بحث و تکرار بھی چلتی ہے اور دف بھی بجتی ہے، اور ہمارا چولھا بھی گرم رہتا ہے تا کہ فقیر آئیں تو اُنھیں پیٹ بھر کر کھانا ملے......اِس طرح بُلھّے شاہ کو بھی سکون ملتا ہے۔

بُلھّیا سب مجازی پوڑیاں تُوں حال حقیقت ویکھ
جو کوئی اوتھے پہنچیا چاہے بُھل جائے سلام علیک

بُلھّے شاہ!......سب مجاز کی سیڑھیاں ہیں لیکن تُو حقیقت کو سمجھ۔ جو بھی کوئی اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہے وہ سب ''تعارفی کلمات'' بُھول جاتا ہے۔

-☆-

وارث شاہ

سیّد وارث شاہ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی حتمی رائے سامنے نہیں آتی۔ کہیں یہ 1720 ہے تو کہیں کچھ تحریروں میں 1709 لکھی گئی ہے تو ایک جگہ اس کی نشاندہی 1718 بھی ہے۔لیکن اِس بات پر سب متفق ہیں کہ اُن کی پیدائش اور وفات جنڈیالہ شیر خان میں ہوئی جس کی تصدیق خود وارث شاہ نے بھی کی۔"وارث شاہ وسنیک جنڈیالڑے دا تے شاگرد مخدوم قصور دا ہے"۔

جنڈیالہ شیر خان کو اکبر اعظم کے مشہور جرنیل شیر خان نے 1556 میں آباد کِیا تھا۔شیر خان کی قبر آج بھی اس قصبہ میں موجود ہے۔

وارث شاہ کے والد کا نام سیّد گل شیر اور دادا کا نام سیّد گل محمد تھا۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کہتا ہے کہ ان کی وفات 1785ء میں ہوئی تھی۔ جب کہ کچھ لوگ وفات کا سال 1798 درج کرتے ہیں۔لیکن اُن کی زندگی کے بارے میں دیگر معلومات میسر نہیں ہوتیں۔

وارث شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں مکمّل کی اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے قصور کا رُخ کِیا جہاں مخدوم غلام مرتضٰی قصوری کے مدرسے میں داخل ہوئے جہاں سے اس سے پہلے بُلھے شاہ بھی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ یہ مدرسہ اُس وقت با قاعدہ یونی ورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔

ایک روایت کے مطابق وارث شاہ قصور میں اپنی تعلیم مکمّل کرنے کے بعد پاکپتن بابا فرید کے مزار پر باطنی فیض کے لیے حاضری دینے گئے اور واپسی پر ملکہ ہانس کے ایک قصبہ میں امام مسجد بنے اور وہیں پر ہی اُنھوں نے یہ غیر فانی قصہ تحریر کِیا۔

یہیں "بھاگ بھری" سے عشق کی روایت بھی سامنے آئی۔ جو تقاضائے بشری کے عین

مُطابق تو نظر آتی ہے لیکن ادھر حقیقت تو یہ ہے کہ پوری داستان ہیر میں بھاگ بھری کا نام صرف چھے مرتبہ اِستعمال ہوا ہے اور وہ بھی اِس کمالِ فن کے ساتھ کہ کہیں بھی اُن کی مجبوری نظر نہیں آتی۔ وہ مصرع کی ضرورت اور داستان کا تقاضا نظر آتا ہے۔

اُن کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

ہیر کا سب سے پرانا نسخہ 1865ء میں لاہور سے شایع ہوا تھا۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے 1947ء میں ہیر کو مرتب کِیا تو یہ بھی بتایا کہ...... پہلا نسخہ 1851ء میں چشمہ نور پریس امرتسر سے شایع ہوا تھا۔

ہیر وارث شاہ اِس قدر مقبولِ عام ہوئی کہ ہر پبلشر نے اس کو اصلی تے وڈّی بنانے کے لیے مرتبین سے اضافی اشعار بھی شامل کروائے۔ جس کے نتیجہ میں اصلی وارث شاہ گم ہو گیا۔

سب سے پہلی آمیزش ہدایت اللہ نے 1885ء کے ایڈیشن میں میاں رکن الدین کے ایما پر کی۔ جس نے 173 مصرعے شامل کروائے۔ مگر ان پر نمبر بھی لگا دیے۔

ان میں کچھ مصرعے تو باقاعدہ وارث شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مثلاً

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں
مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے

پھر...... میاں پیراں دتہ ترگڑ نے بھی سب توں وڈی مکمّل ہیر تے اصلی ہیر بنانے کے لیے 1192 مصرعے خود تصنیف کر کے شامل کر دیے۔

اس کے بعد...... مولوی محبوب عالم نے 750، منشی تاج الدین لاہوری نے 500، مولوی اشرف علی گلیانوی نے 500، منشی تاج الدین لاہوری نے 500، بابو عبدالرحمٰن نے 650 اور پھر عزیز الدین 'قانون گو' نے بھی بہت سے مصرعے شامل کر دیے۔

اس کے نتیجہ میں...... اصلی ہیر غائب ہو گئی۔ تو پھر تحقیق اور تطہیر کا کام شروع ہوا جس کے لیے باوا بدھ سنگھ جی، ایس ایس امول، اے کے لکھن پال، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، عبدالعزیز، شمشیر سنگھ اشوک، ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، سنت سنگھ سیکھوں اور محمد شریف صابر نے اہم کام کِیا۔

وارث شاہ نے...... ہیر کے علاوہ قصیدۂ بردہ شریف (پنجابی منظوم ترجمہ) قصہ سسی پنوں،

سی حرفیاں، دوہڑہ جات بھی لکھے مگر سب سے زیادہ مقبولیت ''ہیر'' کو ہی حاصل ہوئی۔

پنجاب میں صوفیانہ شاعری کی جو ابتدا حضرت بابا فرید گنج شکر سے شروع ہوئی تھی اس میں سیّد وارث شاہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے جو اُنھیں ہیر کا مقبولِ عام قصہ لکھنے سے مِلا۔ یہ قصہ اگرچہ اُن سے پہلے بھی مختلف شاعروں نے بیان کِیا مگر وارث شاہ کے طرزِ بیان، اسلوب اور لفظیات نے اس کو زندہ جاوید بنا دیا تو اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے جس طرح اپنے سماجی شعور میں عوامی رجحانات و میلانات، انسانی نفسیات اور معاشرتی اقدار کا بھرپور استعمال کِیا ہے اسکی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔

وارث شاہ کے کمالِ فن کا اِس سے بڑا ثبوت بھلا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنی فن کارانہ صلاحیت سے ہیر کو ہی رانجھے سے چھین لیا ہے آج ہر کوئی اس قصہ کو ''ہیر رانجھا'' کے نام سے نہیں بل کہ وارث شاہ کی ہیر کے نام سے جانتا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو۔ وارث شاہ نے بھی تو عشق کی اس معمولی داستان کو اپنے علم و حکمت، حُسنِ بیان اور زبان کی چاشنی سے نہ صرف آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے بل کہ اس کو پنجابی ادب کا وہ شاہکار بنا دیا ہے جسے دنیا بھر کے کِسی بھی بڑے ادب کے بالمقابل پوری دیانت، سچائی اور تفاخر کے ساتھ پیش کِیا جاسکتا ہے۔

وارث شاہ کی اِس شاہکار تخلیق میں کچھ ایسے مقامات بھی آتے ہیں جو اس کے فن کا نکتہء عروج ہیں تو دُوسری طرف دنیا بھر کے ادب میں اِس کی کوئی تمثیل نہیں ملتی۔

وارث شاہ جب ہیر کا سراپا بیان کرتے ہوئے اُس کے حُسن کی تعریف کرتا ہے تو ہیر ایک ماورائی مخلوق ہی نہیں کائنات کا واحد شاہکار بن جاتی ہے۔

یہ کمالِ فن نہیں تو اور کیا ہے۔ ہر مصرع بہتی ہوئی ندّی اور لفظ لہروں کے مانند نظر آتے ہیں۔ دُوسرا اہم مقام، ہیر اور قاضی کے درمیان مکالمہ ہے جو معاشرتی جبر اور مخصوص مذہبی اقدار کے تسلُّط کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور جاگیرداری سماج میں مُلّاں کے کردار کو بھی نمایاں کرتا ہے...... ذرا غور کیجیے کہ:

وارث شاہ کے تخلیق کردہ قاضی کے اِس کردار کا لب و لہجہ اور فخر و تکبر آج کے مُلّاں سے ذرا بھی مختلف نہیں جو مذہب کو اپنے فکری غلبے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور پھر مذہبی اقدار و روایات اور فقہ و تشریحات کو اپنے فتوؤں کی بنیاد بنا کر اپنے فیصلے قبول کرنے پر مجبور کرتا

ہے۔ گویا مُلّاں کا فکری حصار شروع سے ہی جارحانہ اور اذیت پسند رہا ہے۔ جس میں وہ سارے سہارے مذہب سے حاصل کرتا ہے۔

اِس کہانی کا تیسرا اہم موڑ:

سہتی اور رانجھے کے درمیان مکالمہ ہے۔ یوں تو یہ ساری کہانی ایک مکالمہ کی شکل میں ہی بیان ہوئی ہے لیکن یہ وہ مکالمہ ہے کہ جس میں وارث شاہ کی بصیرت و دانائی میں زندگی اپنے مختلف رنگوں میں نمایاں ہوتی اور جگہ جگہ اپنا عکس چھوڑتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اِس قصّہ کا چوتھا مقام وہ ہے جب ہیر کالے باغ میں رانجھے سے مِل کر آتی ہے وارث شاہ نے اس موقع پر ملاپ کی جو تصویر کھینچی ہے وہ شاید کوئی چینی مصور بھی نہ کھینچ سکتا۔ جذبات نگاری اور جزئیات نگاری کا یہ شاہکار بھی وارث شاہ کے فن کا ہی حصہ ہے۔

وارث شاہ نے اگرچہ ماجھی زبان کو بنیاد بنایا ہے لیکن وہ دیگر مروّج زبانوں اور بولیوں سے بھی پوری طرح آشنا ہیں ہندی پر تو اُن کا عروج نظر آتا ہے لیکن پنجابی زبان کے مختلف لہجے، لیہندی، پوٹھوہاری، سرائیکی اور ڈوگری کے الفاظ بھی خوب صورتی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

وارث شاہ کا زمانہ پنجاب کے لیے تباہ کُن تھا۔ مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی۔ مغل دربار سازشوں کا شکار تھا۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے جاری تھے۔ ملکی نظام تباہ و برباد ہو چکا تھا جس کے اثرات معاشرتی اور تہذیبی اقدار پر بھی مرتب ہو رہے تھے وسطی پنجاب کا علاقہ سکھوں کی بغاوت اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی لڑائی سے میدانِ جنگ بن چُکا تھا، معاشرتی امن تباہ و برباد ہو چُکا تھا۔ وارث شاہ نے سکھوں کی فوج کو کٹک پنجاب احمد شاہ ابدالی کو کٹک قندھار اور نادر شاہ درانی کو قزلباش جلاد کہہ کر یاد کِیا ہے۔ اِس تباہ حال پنجاب کی وہ جگہ جگہ نشاندہی کرتا ہے لیکن اپنی عقیدت اور محبت کی بِنا پر اُسے سب سے زیادہ افسوس قصور کی تباہی پر ہوتا ہے۔

اِس پس منظر میں ایک اور حیران کُن چیز بھی سامنے آتی ہے وہ یہ کہ بُلّھے شاہ اور وارث شاہ دونوں ایک ہی مدرسے کے فارغ التحصیل اور ایک ہی اُستاد مولوی غلام مرتضٰی کے شاگرد ہیں لیکن دونوں کے فکری رویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے بُلّھے شاہ ایک دبنگ اور بہادر شخص کے طور پر سامنے آتا ہے جو اپنے فکری رویوں کا برملا اظہار کرتا ہے اور اپنے عمل سے ذات پات اور اونچ نیچ کی باقاعدہ نفی کرتا ہے۔

جھڑا سانوں سیّد آکھے دوزخ ملن سزائیاں

لیکن وارث شاہ قدم قدم پر ذات پات کا اسیر نظر آ تا ہے۔ تو سوال یہ بھی ہے کہ آخر ایسا کیوں؟ کیا مولوی غلام مرتضٰی کی تعلیم میں کوئی فرق تھا؟ شاید نہیں؟ کیوں کہ ہر انسان میں کچھ فطری میلانات ہوتے ہیں اور وہ انھی کے ساتھ زندگی کا باقی سفر طے کرتا ہے۔

ایک نقطۂ نظر تو یہ بھی ہے کہ وارث شاہ نے بلاشُبہ ایک لافانی ادبی شاہکار تخلیق کیا اور ایک ایسا تخلیقی کام ہے جس کو دُنیا کے بڑے سے بڑے ادب کے بالمقابل پوری شان اور مان کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے لیکن وارث شاہ بھی اس قصّہ کو بیان کرتے ہوئے جب آخری مراحل میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے آخری صفحات قلمبند کرتے ہوئے ایک انجانے سے خوف کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے سارے کام کو جسٹی فائی کرنے لگتے ہیں یعنی اس قصّہ کو روح اور کلبوت کی کہانی بنا دیتے ہیں وہ اگر ایسا نہ بھی کرتے تو یہ پھر بھی اِتنا ہی بڑا شاہکار رہتا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وارث شاہ اسے محض ہیر کی داستان ہی رہنے دیتے۔

لیکن پوری کتاب کا مُطالعہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ...... اُنھوں نے اِس قصّہ کو پہلے سوچا اور کہانی کے حوالے سے اس کی منصوبہ بندی بھی کی جو کچھ لوگوں سے مختلف بھی ہے اور پھر جگہ جگہ اس نے روح اور کلبوت کی تمثیلیں بھی کی ہیں جو اسکے ذہن کی عکّاسی بھی ہیں اور اس ابدی سچّائی کی طرف واضح اشارے بھی مرتب کرتی ہیں...... البتہ ایک اعتراض جو کِسی حد تک جائز بھی ہے کہ اس کے سامنے مقبل کی ہیر آئیڈیل کے طور پر موجود تھی جس سے اُس نے استفادہ کِیا اور یوں اُس نے کوئی نیا کام نہیں کِیا تھا یا پھر ......کوئی نئی طرح نہیں ڈالی۔ لیکن اِس کے باوجود جو کچھ وارث شاہ کی ہیر میں ہے وہ کِسی اور میں نہیں۔

اور سچّائی یہی ہے کہ...... وارث شاہ کی یہ تخلیق آفاقی حیثیت رکھتی ہے یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر قدرت مہربان ہو ورنہ اس سے پہلے بھی تو بہُت لوگوں نے اس داستان پر مغز ماری کی تھی۔

-☆-

منتخب کلام (وارث شاہ)

اوّل حمد خداء دا وِرد کیجے عِشق کیتا سُو جگ دا مُول میاں
پہلے آپ ہے رب نے عِشق کیتا معشوق ہے نبی رسولؐ میاں
عِشق پیر فقیر دا مرتبہ ہے مرد عِشق دا بھلا رنجول میاں
کِھلّے تِنھاں دے باب قُلوب اندر جِنہاں کیتا ہے عِشق قبول میاں

ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہوئے اُس کا مسلسل ذِکر کرتے رہنا چاہیے۔ جس نے کائنات کی تخلیق کے لیے عِشق کو بنیاد بنایا اور پھر سب سے پہلے خود ہی اپنے پیارے نبیؐ کو اپنا محبوب بنا کر عِشق کِیا۔ عِشق کرنے والے لوگ اس کی غمناکی میں بھی راحت محسوس کرتے ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو پیروں فقیروں کو حاصل ہوتا ہے کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے عشق کو اپنے اندر جذب کِیا تو اُن کے باطن میں کئی دروازے کُھل گئے۔

دُوئی نعت رسول مقبولؐ والی جِیں دے حق نزول لولاک کیتا
خاکی آکھ کے مرتبہ بڈا دِتا سبھ خلق دے عیب تھیں پاک کیتا
سرور ہوئے کے اولیاں انبیاں دا اگے حق دے آپ نوں خاک کیتا
کرے اُمّتی اُمّتی روز محشر خوشی چھڈ کے جیو غمناک کیتا

خدائے بزرگ و برتر کی حمد کے بعد دوسرے درجہ پر اُس رسولِ مقبولؐ کی نعت کہیں جس کو لولاک کا مالک بنایا، اُن کو مشیت کے تحت آدم یعنی مٹی کا بنا ہوا ہی کہا لیکن اس میں بھی بڑا مرتبہ و مقام ہے اور اُن کو دیگر مخلوق کی کمزوریوں سے بھی پاک رکھا۔ اگرچہ اُنھیں تمام انبیا، اولیا کے سردار بنایا مگر اُنھوں نے خود کو حق تعالیٰ کے رُوبرُو کمتر بنا کر پیش کِیا۔ یہ نبی کریمؐ ہی ہیں جنھوں

نے تمام خوشیاں چھوڑ کر اُمت کے غم کو گلے سے لگایا۔ وہ روزِ محشر بھی اُمت کی بخشش کے لیے ہر ایک اُمتی کوفرداً فرداً آواز دیں گے۔

چارے یار رسولؐ دے چار گوہر سبھا اِک تھیں اِک چڑھندڑے نیں
ابوبکرؓ تے عُمرؓ، عثمانؓ، علیؓ آپو اپنے گُنیں سوہندڑے نیں
جنہاں صِدق یقین تحقیق کیتا راہ رب دے سیس وکندڑے نیں
ذوق چھڈ کے جنہاں نے زُہد کیتا واہ واہ اوہ رب دے بندڑے نیں

رسولِ اکرمؐ کے چاروں یار بھی وہ چار ہیرے ہیں جو سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ سب اپنی اپنی خوبیوں کے باعث حضورؐ کے اردگرد خوشنما نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صدق و یقین کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا اور پھر راہِ حق میں سرفروشی کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ دراصل وہی اللہ کے بندے اچھے ہوتے ہیں جو دنیا میں لطف و لذت چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

مدح پیر دی حُب دے نال کیجے جَیں دے خادماں دے وِچ پیریاں نی
باجھ ایس جناب دے بار ناہیں لکھ ڈھونڈدے پھرن فقیریاں نی
جہڑے پیر دی مہر منظور ہوئے گھر تنہاں دے پیریاں میریاں نی
روز حشر پیر دے طالِباں نوں ہتھ سجڑے مِلن رِگیاں چیریاں نی

پیر دستگیر سیّد عبدالقادر جیلانی کی تعریف و توصیف محبت اور عقیدت کے ساتھ کرنی چاہیے کہ اُن کے خادموں میں بھی درویش کامل پائے جاتے ہیں۔ اُن کی پناہ کے بغیر کوئی کامیابی نہیں۔ خواہ لاکھوں فقیروں کے پیچھے پھرتے رہیں۔ جن پر غوث الاعظم کی نظرِ کرم ہوگئی اُن کے گھر درویشی اور سرداری خود چل کر آجاتی ہے۔ قیامت کے دِن پیر دستگیر کی سچی طلب رکھنے والوں کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملیں گے یعنی اُنھیں جنت میں داخلے کی بشارت ہوگی۔

مودود دا لاڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعود بھرپُور ہے جی
خاندان وِچ چشت دے کاملیّت شہر فقر دا پٹن معمور ہے جی
باہیاں قُطباں وِچ ہے پیر کامل جَیں دی عاجزی زُہد منظور ہے جی
شکر گنج نے آن مقام کیتا، دُکھ درد پنجاب دا دُور ہے جی

بابا فرید پیر چشتی شکر گنج مسعود حضرت خواجہ قطب الدین محمد (مودود) کے لاڈلے کرامتوں سے بھرپور ہیں۔ وہی خاندانِ چشت میں کاملیت کا درجہ رکھتے ہیں اور اُنھی کے دم سے شہر پاکپتن فقر کی دولت سے مالا مال ہے۔ آپ کا شمار بائیس قطبوں میں پیر کامل کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ آپ کی عاجزی اور زُہد کو قبولیت حاصل ہے۔ جب سے شکر گنج نے آ کر قیام کیا ہے سارے پنجاب کے دُکھ درد دُور ہو گئے ہیں۔

یاراں اساں نوں آن سوال کیتا عشق ہیر دا نواں بنایئے جی
ایس پریم دی جھوک دا سبھ قصّہ ڈھب سوہنے نال سنایئے جی
نال عجب بہار دے شعر کر کے، رانجھے ہیر دا میل ملایئے جی
یاراں نال مجلساں وچ بہہ کے مزہ ہیر دے عشق دا پایئے جی

دوستوں نے آ کر ہم سے فرمائش کی کہ ہیر کے عشق کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ پیار کی اِس ترنگ کے سارے قصّے کو نئے، خوب صورت اور منفرد انداز میں پیش کیا جائے۔ بہار کے مختلف رنگوں سے شعر تنظیم کر کے ہیر اور رانجھے کا نیا ملاپ کروایا جائے اور پھر دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھ کر ہیر کے عشق کی داستان سے لطف اندوز ہوا جائے۔

حُکم من کے سجناں پیاریاں دا قصّہ عجب بہار دا جوڑیا اے
فِقرہ جوڑ کے خُوب دُرُست کیتا نواں پھُل گُلاب دا توڑیا اے
بہُت جیو دے وچ تدبیر کر کے، فرہاد پہاڑ نُوں پھوڑیا اے
سبھا وِین کے زیب بنا دِتا جیہا عطر گُلاب نچوڑیا اے

چناں چہ ہم نے پیارے دوستوں کا حُکم تسلیم کر کے عشق کی اِس عجیب وغریب بہار کا قصہ نئے سرے سے ترتیب دیا بکھرے ہوئے لفظوں کی دروبست کر کے گُلاب کا نیا پھُول بنا کر دِکھا دیا۔ بہُت سوچ بچار اور تدبر کے بعد فرہاد نے پہاڑ کو توڑا، کیوں کہ یہ جُوئے شیر لانے سے کِسی بھی طرح کم نہیں تھا۔ پھر ہم نے سب اچھی اچھی چیزیں اِس طرح جمع کیں جیسے گُلاب میں سے عطر نکال لیا جاتا ہے۔

موجو چودھری پِنڈ دی پانڈ والا چنگا بھائیاں دا سردار آہا
اَٹھ پُتر دو بیٹیاں تِس دیاں سن وڈا درب تے مال پروار آہا
بھلی بھائیاں وِچ پرتیت اُس دی، مَنیا چوترے اتے سرکار آہا

وارث شاہ ایہہ قُدرتاں رب دیاں نیں دھید و نال اُس بہُت پیار آہا

موجو چودھری گانو کے ایک محلے کا چودھری بھی تھا اور اپنے خاندان کا سربراہ اور سردار بھی تھا۔ جس کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ اُس کے پاس مال و دولت، جایداد کے علاوہ نوکر چاکر بھی تھے۔ اُس کی برادری میں عزت بھی تھی اور پنچایت میں بھی اُس کو سرپنچ کا درجہ حاصل تھا۔ اُس کا حُکم کوئی نہیں ٹال سکتا تھا لیکن وارث شاہ یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ اُسے اپنے سب بیٹوں میں دھید و (رانجھا) کے ساتھ سب سے زیادہ پیار تھا۔

باپ کرے پیار تے وَیر بھائی، ڈر باپ دے تھیں پے سنگدے نیں
مجھے میہنے مار کے سَپ وانگوں اُس دے کالجےنوں پے ڈنگدے نیں
کوئی وس نہ چلنیں کڈھ چھڈن دیندے میہنے رنگ برنگ دے نیں
وارث شاہ ایہہ غرض ہے بہُت پیاری، ہور ساک نہ سین نہ انگ دے نیں

باپ جب رانجھے کے ساتھ بہُت زیادہ پیار کرتا تو دوسرے بیٹے حسد کا شکار ہو کر اُس سے خواہ مخواہ دُشمنی کرتے لیکن وہ باپ کے خوف کی وَجہ سے اکثر ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی کرتے۔ ڈھکی چھپی اور طنزیہ باتیں کر کے سانپوں کی طرح اُس کے کلیجے پر ڈنک بھی مارتے۔ اُن کا بس چلتا تو رانجھے کو فوری طور پر گھر سے نکال دیتے مگر باپ کی موجودگی سے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے البتہ وہ طنز اور طعنوں سے باز نہیں آتے تھے۔ وارث شاہ اِس دنیا میں اپنی غرض ہی سب کو پیاری ہوتی ہے باقی سب رِشتے خواہ اُن کا تعلُّق میکے سے ہو یا سُسرال سے غرض کے بالمقابل کمزور ہوتے ہیں۔

تقدیر سیتی موجو حق ہویا، بھائی رانجھے دے نال کھیہڑدے دے نیں
کھائیں رج کے گھُوردا پھریں رناں کڈھ رِکتاں دھیدونوں چھیڑدے نیں
بِنت سجرا گھاء کلیجڑے دا گلاں تڑکھیاں نال اُچیڑ دے نیں
بھائی بھابیاں وَیر دیاں کرن گلاں ایہا جھنجٹ بِنت سہیڑدے نیں

تقدیر کا کرنا ایسا ہوا کہ موجو چودھری اللہ کو پیارا ہو گیا تو رانجھے کے بھائی اُس سے بات بے بات جھگڑنے لگے۔ وہ کہتے، تمھیں بیٹھے بٹھائے اچھا اور پیٹ بھر کر کھانے کو مِل جاتا ہے تم آوارہ مردوں کی طرح، عورتوں کو تاڑتے پھرتے ہو اور پھر اپنا غُصّہ نکالنے کے لیے رانجھے کو تنگ

کرنے لگے۔ باپ کی موت پر لگے ہوئے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ وہ اسے اپنی تیز اور ذُومعنی باتوں سے ادھیڑنے لگے۔ اُس کے بھائی اور بھابیاں اسی طرح دُشمنی کی باتیں کر کے جان بوجھ کر جھنجٹ کھڑا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت قاضی تے پنج سَداسارے بھائیاں زمیں نوں کچھ پوائی آہی
وَڈّھی دے کے بھوئیں دے بنے وارث، بنجر زمیں رنجھیٹے نوں آئی آہی
کچھاں مار شریک مذاق کردے بھائیاں رانجھے دے باب بنائی آہی
گل بھابھیاں ایہی بنا چھڈی، مگر جٹ دے مُھکّوی لائی آہی

رانجھے کے بھائیوں نے گاؤں کے پنچ اور قاضی کو بُلوا کر زمین کی تقسیم کروائی اُنھیں رشوت دے کر خود تو اچھی اور زیرِ کاشت زمین کے وارث بن گئے اور بنجر زمین رانجھے کے حوالے کر دی۔ بھائیوں کے اِس بُرے سلوک پر رِشتے دار شریک خوشی سے بغلیں بجا کر رانجھے کا مذاق اُڑانے لگے۔ یہی وتیرہ رانجھے کی بھرجائیوں نے بھی اپنا لیا وہ بھی رانجھے جٹ پر تہمتیں باندھ کر تالیاں بجاتے ہوئے اُس کی تضحیک کرتیں اور مختلف الزام عائد کرتیں۔

رانجھا آکھدا بھابیو ویرنو نی تُساں بھائیاں نالوں وچھوڑیا جے
خوشی روح نوں بہت دِلگیر کیتا، تُساں پھُل گُلاب دا توڑیا جے
سکے بھائیاں نالوں وچھوڑ مینوں کنڈا وچ کلیجے دے پوڑیا جے
بھائی جگر تے جان ساں اسیں اٹھے وکھو وکھ کر چاء نکھوڑیا جے
نال وَیر دے رِکتاں چھیڑ بھابی سانوں میہنا ہور چموڑیا جے
جدوں صفاں ہو ٹُرن گیاں طرف جنت وارث شاہ دی واگ نہ موڑیا جے

رانجھے نے کہا، بھابیو! میری دُشمنو، تم نے مجھے اپنے بھائیوں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ ایک خوش وخرم رُوح کو آزردہ کر کے گلاب کا پھول شاخ سے توڑ دیا ہے۔ سگے بھائیوں سے علیحدہ کر کے تم نے میرے کلیجے میں کانٹا چبھو دیا ہے۔ ہم آٹھوں بھائی ایک دوسرے پر جان قربان کرتے تھے۔ آپس میں متفق اور شیر وشکر تھے لیکن تم نے بالآخر انھیں علیحدہ علیحدہ کر کے ہی چھوڑا ہے۔ تم نے دُشمنی کے اِس کھیل میں بدلہ لینے کے لیے مجھ پر مزید الزامات لگانے سے بھی گریز نہیں کیا لیکن جب جنت کی طرف قافلے روانہ ہوں گے تو پھر وارث شاہ کے اس سفر کی طرف بڑھتے

ہوئے قدم مت روکنا۔

کریں آ کڑاں کھاء کے دُدّھ چاول ایہہ رَج کے کھان دیاں مستیاں نیں
آ کھن دیورے نال نہال ہوئیاں سانوں سب شریکناں ہَسدیاں نیں
ایہہ رانجھے دے نال ہین گھیو شکر پر جیو دا بھیت نہ دسدیاں نیں
رَناں ڈِگدیاں ویکھ کے چھیل مُنڈا جویں شہد چ مکھیاں پھسدیاں نیں
اک تُوں کلنک ہیں اساں لگا ، ہور سبھ سُکھالیاں وسدیاں نیں
گھروں نِکل سَیں تے پیا مریں بھُکھا وارث بھُل جاون خرمستیاں نیں

تُم دُودھ اور چاول کھاتے ہو اور اُوپر سے نخرے بھی دِکھاتے ہو۔ یہ سب پیٹ بھر کر کھانے کی خماریاں ہیں۔ ہمیں خاندان کی سب عورتیں الزام دیتی ہیں کہ تُم اپنے دیور کے ساتھ پیار کے جذبات رکھتی ہو۔ تُم اور رانجھا ایک جان دو قالب ہو لیکن اپنے دِل کی بات کِسی کو نہیں بتاتیں۔ عورتیں خوب صورت اور بانکا سجیلا نوجوان دیکھ کر اُس پر پروانہ وار گِرتی ہیں جیسے شہد میں مکھیاں پھنس تو جاتی ہیں لیکن زندہ نہیں نکل سکتیں۔ تم ہمارے ماتھے پر لگا بدنامی کا داغ ہو...... باقی سب عورتیں اپنے اپنے گھروں میں سُکھ چین سے زندگی گزار رہی ہیں۔ جب تم اس گھر سے باہر نکلو گے تو بھوکا مرو گے اور پھر وارث شاہ تمھیں گدھے والی سب بدمستیاں بھول جائیں گی۔

تُساں چھترے مرد بنا دِتے سپ رُوسیاں دے کرو ڈاریو نی
راجے بھوج دے مُکھ لگام دے کے چڑھ دوڑیاں ہو تُوںے ہاریو نی
کیرو پانڈواں دی صفا گال سُٹی ذرا گل دے نال ہریاریو نی
راون لنک لٹاء کے گرد ہویا کارن تُساں دے ہی ہتیاریو نی

یہ تُم عورتیں ہی تھیں جنھوں نے جادو کے ذریعے مرد کو چھترا (بھیڈو) بنا دیا تھا۔ تم چاہو تو رسّی کے سانپ کو ہری شاخیں بنا ڈالو۔ یہ بھی تم عورتیں ہی تھیں جنھوں نے راجا بھوج کے مُنہ میں لگام ڈال اُس کو گھوڑا بنا کر سواری کی تھی۔ یہ بھی تم عورتیں ہی تھیں جنھوں نے کورو پانڈو کی خاندانی عزت کو داغدار کِیا اور "ذرہ گُل" کی طرح ہرجائی ہو گئیں اور تم جیسی ظالم عورتوں کی وجہ سے ہی راون اپنی لنکا لُٹا کر خاک میں مِل گیا تھا۔

بھابی آکھدی گُنڈیا مُنڈیا وے اساں نال کیہہ رِکتاں چائیاں نی

اَلّی جیٹھ تے جنہاں دے فتو دیور ڈُب مویاں اوہ بھرجائیاں نی
گھر وگھری وچار دے لوک سارے سانوں کیہیاں پھاہیاں پائیاں نی
تیری گل نہ بنے گی نال ساڈے پرنالیا سیالاں دیاں جائیاں نی

بھابی نے کہا، اے غنڈے نوجوان! تم نے ہمارے ساتھ یہ کیا تُو تکار شروع کی ہوئی ہے۔ جن بھاوجوں کا جیٹھ 'الی' اور دیور 'فتو' یعنی احمق انسان ہوں اُنھیں بالآخر ڈوب مرنا پڑتا ہے گانو کے ہر گھر میں یہی معاملہ زیرِ بحث ہے کہ آخر تم نے ہم پر کون سی بندشیں ڈالی ہوئی ہیں لیکن تمھاری ہمارے ساتھ بات نہیں بن سکتی جاؤ اور سیالوں کی بیٹیوں میں سے کِسی کے ساتھ شادی کے پھیرے لے لو۔

مُونہہ بُرا دسیندڑا بھابیئے نی سڑے ہوئے پتنگ کیوں ساڑنی ہیں
تیرے گوچرا کم کیہ پیا ساڈا سانوں بولیاں نال کیوں ساڑنی ہیں
اُتے چاڑھ کے پوڑیاں لاہ لیندی کیہے کلا دے محل اُسارنی ہیں
اساں نال کیہ معاملہ پیا تینوں اے پرپیکیاں وَلوں گوارنی ہیں

بھابھی! مُنہ بُرا ہو تو بات تو اچھی کرنی چاہیے، کیوں جلے ہوئے پتنگوں کو جلاتی ہو۔ تم سے ہمیں ایسا کون سا کام پڑا ہے کہ تم نے طعنے معنے دینے شروع کر دیے ہیں۔ تم مکّاری سے محل پر بھی چڑھاتی ہو اور پھر نیچے سے سیڑھی کھینچ لیتی ہو۔ ہم پر بُرا وقت کیا آیا کہ تم نے آنکھیں پھیر لیں۔ لگتا ہے ہمارے ساتھ تمھاری کوئی دُشمنی ہے تو اپنے میکے کی طرف سے ہی گنوار ہے۔

اَنکھیلیا اہل دیوانیا وے تھکّاں موڈھیاں دے اُتوں سٹنا ئیں
چیرا بنھ کے بھنڑے وال چوپڑ وچ ترنجناں پھیریاں گھتنا ئیں
روٹی کھاندیاں لُون جے پوے تھوڑا چا انگنے وچ پلٹنا ئیں
کم کریں ناہیں ، چنگا کھائیں پہنیں جڑ اپنی آپ توں پٹنا ئیں

اے شوخ و چنچل جوانی کے نشے میں مست نوجوان! تُو کندھوں کے اُوپر سے تھوکتا ہے۔ گھی میں چُپڑے گھنے بالوں کو گوندھ کر درمیان میں سے مانگ نکال کر ترنجنوں میں پھیرے لگاتا ہے۔ لیکن اگر کبھی کھانے میں نمک کم پڑ جائے تو تُو کھانا اُٹھا کر صحن میں پھینک دیتا ہے۔ اچھا کھاتے ہو، اچھا پہنتے ہو، لیکن کام کچھ کرتے نہیں اِس طرح تو تُم اپنی جڑیں خود کھود رہے ہو۔

کھُل گئے ہاں وڑے ہاں آن وہڑے سانوں بخش لئے ڈاریئے واسطہ ای
ہتھوں تیریوں دیس مَیں چھڈ جا ساں رکھ گھر ہنساریئے واسطہ ای
دینہ رات توں ظُلم تے لک بدھا مُڑیں رُوپ سنگھاریئے واسطہ ای
نال حُسن دے پھریں گُمان لدھی سمجھ مست ہنکاریئے واسطہ ای
وارث شاہ نوں مار نہ بھاگ بھریئے انی مَنس دیئے پیاریئے واسطہ ای

ہم سے بھُول ہوئی، ہم تمھارے گھر (صحن) میں آ گئے خدا کا واسطہ ہے ہمیں معاف کر دو، تمھاری وَجہ سے ہی مجھے یہ دیس چھوڑنا پڑے گا۔ اے ظالم عورت! اب تُو اِس گھر کو سنبھال رکھ۔ تم نے تو دن رات ظلم کی ٹھانی ہوئی ہے، اپنے بناؤ سنگار میں مگن عورت، باز آ جا۔ تم اپنے حُسن کے گُمان میں بدمست ہو چکی ہو۔ غرور کی اس مستی میں رہنا چھوڑ دے۔ اے اپنے خاوند کی پسندیدہ اور نصیبوں والی عورت! خدا کا واسطہ ہے وارث شاہ کو مت مار۔

ساڈا حُسن پسند نہ لیاونائیں جا ، ہیر سیال وِواہ لیاویں
واہ وَنجھلی پریم دی گھت جالی کائی نڈھی سیالاں دی پھاہ لیاویں
تیں تھے ول ہے رناں ولاونے دا رانی کوکلاں محل توں لاہ لیاویں
دِینہ بوہیوں کڈھنی ملے ناہیں راتیں کندھ پچھواڑیوں ڈھاہ لیاویں
وارث شاہ نوں نال لے جاء کے تے جھڑا داوَ لگے سو ای لا لیاویں

تمھیں ہمارا حُسن اور خوب صورتی پسند نہیں تو جا! سیالوں کی ہیر سے شادی کر کے لے آ۔ یا پھر اپنے پیار کی بانسری کے جال میں سیالوں کی کوئی خوب صورت دوشیزہ ہی پھنسا کر لے آ۔ تمھیں عورتوں کو ورغلانے کا طریقہ تو خوب آتا ہے۔ جاؤ اور 'رانی کوکلاں' کو محل سے اغوا کر کے لے آؤ۔ اگر دِن کی روشنی میں سیدھے راستے سے لانے کا موقع نہ ملے تو رات کی تاریکی میں پچھلے دروازے سے ہی اُسے بھگا لاؤ۔ وارث شاہ کو ساتھ لے جا کر جو بھی حربہ کارگر ہو وہی آزما لو لیکن کچھ کر کے تو دِکھاؤ۔

نڈھی سیالاں دی ویاہ کے لیاوساں مَیں کرو بولیاں اتے ٹھٹھولیاں نی
بَہے گھت پیڑھا وانگ مَہریاں دے ہوون تُساں جیہاں اگے گولیاں نی
مجھو واہ وِچ بوڑیئے بھابیاں نوں ہوون تُساں جیہیاں بڑبولیاں نی

بَس کرو بھابی اسیں رَج رہے بھر دیتاں جے سانوں جھولیاں نی

تم مجھے شریکوں کی طرح طعنے مارو، اور نہ ہی میرا مذاق اُڑاؤ۔ مَیں تمھیں سیالوں کی خوب صورت دوشیزہ سے بیاہ کر کے دِکھاؤں گا۔ جو رانیوں کی طرح اونچی مسند پر بیٹھے گی اور تم سب اُس کے گرد کنیزوں کی طرح کھڑی ہوں گی۔ جو تمھارے جیسی زبان دراز بھابیاں ہوتی ہیں اُنھیں بیچ منجدھار میں غرق کر دینا چاہیے۔ بس بھابی 'بس' ہم اِس تعلُّق سے سیر ہو چکے۔ تم نے طعنوں سے ہماری جھولیاں بھر دی ہیں، یہی کافی ہے۔

روح چھڈ کلبوت جیوں وداع ہوندا تِویں ایہہ درویش سدھاریا ای

ان پانی ہزارے دا قسم کر کے قصد جھنگ سیال چتاریا ای

کیتا رزق تے آب اُداس رانجھا چلو چلی جیو پکاریا ای

کچھے ونجھلی مار کے رواں ہویا وارث وطن تے دیس وساریا ای

جس طرح رُوح جسم کو الوداع کہہ کر چلی جاتی ہے اُس طرح یہ درویش بھی اپنے وطن سے روانہ ہو گیا۔ اُس نے قسم کھا کر ہزارہ کا دانہ پانی خود پر حرام کیا اور دِل میں جھنگ سیال جانے کا عزم کر لیا۔ اُس کا دِل بھی اب یہی کہتا تھا کہ چھوڑ و یہ ہزارہ اور جھنگ چلو۔ وہ سب سامانِ پرورش زمین و جایداد سے بے نیاز ہو گیا۔ اُس نے اپنی بانسری بغل میں دبائی اور اپنے وطن کو بھول کر عازمِ سفر ہوا۔

رانجھے آکھیا اُٹھیا رِزق میرا میتھوں بھائیو تُسی کِیہ منگدے ہو

سانبھ لیا جے باپ دا مِلکھ سارا تُسیں ساک نہ سین نہ انگ دے ہو

وس لگے تاں منصور وانگوں مینوں چاء سُولی اُتے ٹنگدے ہو

وچوں خوشی ہو اساں دے نکلنے تے مُونہوں آکھدے گل کیوں سنگدے ہو

رانجھے نے کہا: اب میرا دانہ پانی یہاں سے اُٹھ گیا ہے۔ میرا جانا لازم ہے۔ ویسے بھی تم مجھ سے اور کیا چاہتے ہو۔ تم نے باپ کی ساری جایداد پر تو پہلے ہی قبضہ کر لیا ہے۔ تم میرے کسی رشتے اور تعلُّق کے لائق نہیں۔ تمھارا بس چلتا تو تم مجھے منصور کی طرح سولی پر چڑھا دیتے۔ جب تم میرے جانے سے اپنے اندر مطمئن اور خوش ہو تو پھر یہ بات مُنہ سے کہنے میں کیوں جھجک محسوس کرتے ہو۔ کھُل کر کیوں نہیں کہتے۔

واہ لا رہے بھائی بھابیاں بھی رانجھا رُٹھ ہزاریوں دھایا اے
بھکھ ننگ نوں جھاک کے پندھ کر کے راتیں وِچ مسیت دے چھایا اے
ہتھ ونجھلی پکڑ کے رات ادھی رانجھے مزہ بھئی خوب بنایا اے
رن مرد نہ پنڈ وچ رہیا کوئی سبھا گرد مسیت سدایا اے
وارث شاہ میاں پنڈ جھگڑیاں دی پچھوں مُلّاں مسیت دا آیا اے

رانجھے کے سب بھائی بھابیوں نے بہُت کوشش کی لیکن رانجھا تخت ہزارے سے رُوٹھ کر چلا گیا۔ بھوک ننگ اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا وہ ایک رات مسجد میں جا قیام پذیر ہوا...... آدھی رات گذری تو اُس نے بنسری بجا کر ہَوَا و فضا کو بھی مست بنا دیا۔ گانو کی تمام عورتیں اور مرد گھروں سے نکل کر مسجد کے گِرد جمع ہو گئے کہ اتنے میں فسادوں کی گٹھڑی مُلّاں بھی مسجد میں آ گیا۔

مسجد بیت العتیق مثال آہی خانہ کعبیوں ڈول اُتاریا نیں
گویا اقصیٰ دے نال دی بھین دُوئی شاید صندلی نُور اُساریا نیں
پڑھن فاضل درس درویش مُفتی خوب کڈھ الحان پرکاریا نیں
تعلیل میزان تے صرف بہائی صرف میر بھی یاد پُکاریا نیں
قاضی قُطب تے کنز انواع باراں مسعودیاں جلد سواریا نیں
خانی نال مجموعہ سُلطانیاں دے اتے حیرت الفِقہ نواریا نیں
فتاویٰ برہنہ منظور شاہاں نال زُبدیاں حِفظ قراریا نیں
معارج النبوت خُلاصیاں توں روضہ نال اخلاص پیاریا نیں
زرزادیاں دے نال شرح مُلّاں زنجانیاں نحو نتاریا نیں
کرن حفظ قرآن ، تفسیر دوراں غیر شرح نُوں دُرّیاں ماریا نیں

یہ مسجد بیت العتیق جیسی تھی جس کا سارا نقشہ خانہ کعبہ جیسا تھا گویا یہ مسجدِ اقصیٰ کی دُوسری بہن ہے اور اس کی کُرسی صندلی نور سے تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں فاضل درویش اور مفتی آ کر پڑھتے ہیں اور بڑی خوش الحانی سے قرأت کرتے ہیں۔ تعلیل، میزان، بہائی صرف میر بھی یاد کی جاتی ہیں۔ بعض قاضی، قطب، کنز اور بارہ انواع اور مسعودیوں کے مسودے دُرُست کر کے اُنھیں غلطیوں

سے پاک کرتے ہیں۔ خانی مجموعہ سلطانی اور حیرت الفقہ جیسی کتابوں کو غیر مصدقہ بیانات سے پاک کِیا جاتا ہے۔ فتاویٰ برہنہ، منظوم شاعروں کو مع زبدوں کے زبانی یاد کروایا جاتا ہے۔ معارج النبوت اور خلاصہ (عربی رسالہ) کو پورے خلوص کے ساتھ کھول کر رکھا جاتا ہے۔ زرزادیوں کے ساتھ شرح ملا زنجانیاں اور نحو کی تحقیق بھی کی جاتی ہے۔ یہاں حفظ قرآن ہوتا ہے۔ تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں ادوار متعین کیے جاتے ہیں لیکن جو شرع سے خارج ہوا اُسے دُرّے مارے جاتے ہیں۔

مُلّاں آکھیا چُونیاں ویکھدیاں ای غیر شرح تُوں کون ہَیں دُور ہو اوئے
ایتھے لُچیاں دی کائی جا ناہیں پٹے دُور کر حق منظور ہو اوئے
اناالحق کہا نہ کِبر کر کے اوڑک مریں گا وانگ منصور ہو اوئے
وارث شاہ نہ ہنگ دی باس چھپدی بھانویں رَکھسی وِچ کافور ہو اوئے

مُلّاں نے رانجھے کے بڑھے ہوئے بال دیکھ کر کہا، تم شرع سے غافل کون ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ یہاں لُچّے اور بدمعاشوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ پہلے تم اپنے بڑھے ہوئے بال کٹوا دو تا کہ بارگاہِ خداوندی میں منظور ہو جائے اگر تم نے کِسی تکبر میں اناالحق کہنے کی جرأت کی تو یاد رکھ بالآخر منصور کی طرح مارا جائے گا۔ وارث شاہ کبھی "ہینگ" کی بُو نہیں چھپ سکتی خواہ اُسے "کافور" میں ہی کیوں نہ مِلا دیا جائے۔

ڈاڑھی شیخ دی عمل شیطان والے کیہا راہیو جاندیاں راہیاں نوں
اگے کڈھ قرآن تے بہیں منبر کیہا اڈیو مکر دیاں پھاہیاں نوں
ایس پلیت تے پاک دا کرو واقف اسیں جانیے شرع گواہیاں نوں
جہڑے تھاؤں ناپاک دے وچ وڑیوں شکر رب دیاں بے پرواہیاں نوں
وارث شاہ حجریاں فعل کردے مُلّاں جوترے لاوندے واہیاں نوں

تمھاری ڈاڑھی تو بزرگوں جیسی ہے لیکن تمام عمل شیطان جیسے ہیں۔ تم راہ جاتے لوگوں کو بھی جنسی فعل کے لیے قابو کر لیتے ہو اور پھر منبر پر بیٹھ کر قرآن سامنے رکھ کر مکر و فریب کے جال بچھاتے ہو۔ تم ہمیں بھی پاک اور پلید سے واقف کرو ہم بھی شرع کی شہادتیں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تم جس ناپاک عمل کو زندگی کا حصہ بنا چکے ہو خدا کا لاکھ شکر ہے کہ ہم اُس میں شامل نہیں۔ وارث شاہ! مُلّاں مسجدوں کے حجروں میں بدفعلیاں کرتے اور بیج ڈالنے کے لیے تیار زمینوں میں

بھی ہل چلانے سے باز نہیں آتے۔

گھر رب دے مسجداں ہُندیاں نیں ایتھے غیر شرع ناہیں واڑیئے اوئے
کُتا اتے فقیر پلیت ہووے نال دُرّیاں بنھ کے ماریئے اوئے
تارک ہو صلوٰۃ دا پٹے رکھے لباں والیاں مار پچھاڑیئے اوئے
نیواں کپڑا ہووے تاں پاڑ سُٹیے لباس ہون دراز تاں ساڑیئے اوئے
جہڑا فقہ اصول دا نہیں واقف اوہنوں چا سولی اتے چاڑھیئے اوئے
وارث شاہ خُدا دیاں دُشمناں نوں دُوروں کُتیاں وانگ دِھرکاریئے اوئے

مسجدیں خدا کا گھر ہوتی ہیں۔ یہاں کِسی غیر شرع کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ کُتا اور فقیر چوں کہ پلید ہوتے ہیں اس لیے انھیں باندھ کر کوڑے مارے جاتے ہیں۔ تم نے نماز ترک کر کے لمبے بال رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں تو مونچھوں والوں کو بھی پچھاڑ کر مارا جاتا ہے۔ ہم تو اگر کِسی کا کُرتا گھٹنوں سے نیچے یا دھوتی ٹخنوں سے نیچے ہو تو اُسے پھاڑ دیتے ہیں اور اگر کِسی کی مونچھیں بڑھی ہوئی ہوں تو اُنھیں بھی جلا دیتے ہیں۔ جو فقہ اور اصول سے واقف نہیں ہوتا ہم اُس کو سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ وارث شاہ ہم تو خدا کے دُشمنوں کو دُور سے ہی کُتوں کی طرح دُھتکار دیتے ہیں۔

سانوں دس نماز ہے کاس دی جی کاس نال بناء کے سارِیا نیں
کن نک نماز دے ہین کِتنے متھے کِہناں دے دُھروں ایہ مارِیا نیں
لمبے قد چوڑی کِس ہان ہُندی کس چیز دے نال سوارِیا نیں
وارث کِلّیاں کتنیاں اُس دیاں نیں جن نال ایہ بنھ اتارِیا نیں

رانجھا مُلّاں سے کہتا ہے: مجھے بتاؤ نماز کِس کی ادا ہوتی ہے اور اس کو کن چیزوں سے مِلا کر مکمّل کِیا گیا ہے یعنی اس کو کِس لیے فرض کِیا گیا ہے؟ اس کے ناک کان کتنے ہیں؟ (امام غزالی کے فلسفہ کے مُطابق) یعنی اس میں اذکار و تسبیحات کتنی ہیں اور یہ روزِ ازل کِن لوگوں کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور جب اس کی ناقص ادائی ہوتی ہے تو کیسے مُنہ پر ماری جاتی ہے؟ اس کی لمبائی چوڑائی یعنی قدر و قیمت، زیب و زینت اور مرتبہ و مقام کیا ہے اور اس کو کِس چیز کے ساتھ استعمال کِیا جا سکتا ہے؟ وارث شاہ اِس کی کتنی چوبیں ہیں جن کے ساتھ باندھ کر اِسے دریا میں اُتارا گیا یعنی اس کے کتنے آداب مقرر ہیں جنھیں طے کر کے یہ فرض کی گئی۔

اساں فِقہ نوں ہے صحیح کیتا غیر شرع مرُدود نُوں مارنے آں
اساں دسنے کم عبادتاں دے پُل صراط توں پار اُتارنے آں
فرض سُنتاں واجباں نفل وِتراں نال جائزاں سچ نتارنے آں
وارث شاہ جماعت دے تارکاں نوں تازیانیاں دُرّیاں مارنے آں

ہم نے اپنے علم اور مشاہدے سے فقہ اصول کو دُرست کیا ہے۔ جو غیر شرع ہو اُس کو مردود سمجھ کر سزا بھی دیتے ہیں۔ ہم عبادت کے وہ طریقے بتاتے ہیں جن کے ذریعے پُل صراط کو آسانی سے عبور کیا جا سکتا ہے۔ فرض، سُنّت، واجب، نفل، وتر (نماز کی مختلف ذیلی شاخیں) اور جو کچھ جائز ہے اس کے ذریعے سچّائی کو پانے کا بیان کرتے ہیں۔ وارث شاہ جو جماعت سے تارک ہو جاتے ہیں اُنھیں تازیانوں اور دُرّوں سے مارتے ہیں تاکہ وہ راہِ راست پر آ جائیں۔

باس حلویاں دی خبر مُردیاں دی نال دعائیں دے جیوندے ماردے ہو
انھے کوڑھیاں لولھیاں وانگ بیٹھے قرعہ مرن جمان دا ماردے ہو
شرع چا سرپوش بنایا جے رووادار وڈے گنہگار دے ہو
وارث شاہ مسافراں آئیاں نوں چلو چل ہی پئے پُکاردے ہو

تم تو ہر وقت حلوے کی خوشبو اور مرنے والوں کی خبروں کے منتظر رہتے ہو کیوں کہ یہی تمھارا ذریعۂ آمدن ہے۔ اِس لیے تم ہر وقت لوگوں کے جینے مرنے کی ہی دعائیں مانگتے رہتے ہو۔ اندھوں، کوڑھیوں اور مفلوج لوگوں کی طرح بیٹھ کر لوگوں کی پیدائش اور موت کے قرعہ نکالتے رہتے ہو۔ شرع کا لبادہ اوڑھ کر تم نے خود کو بہُت بڑا گنہگار بنا لیا ہے۔ وارث شاہ جو لوگ اِس دُنیا میں مسافروں کی طرح آتے ہیں یہ اُن کو بھیجنے کے ہی جتن کرتے رہتے ہیں۔

مُلّاں آکھیا نامعقول جٹا فرض کج کے رات گزار جائیں
فجر ہُندی تھوں اگے ہی اُٹھ ایتھوں سر کج کے مسجدوں نکل جائیں
گھر رب دے نال نہ بنھ جھیڑا از غیب دیاں جُتّاں نہ اٹھائیں
وارث شاہ خدا دے خانیاں نوں ایہہ مُلّاں بھی جھمبڑے ہین بلائیں

مُلّاں نے غُصّے میں آ کر کہا: اے نامعقول جاٹ! اپنے آپ کو شرعی حُکم کے مُطابق چھپا کر رات گزار لے۔ تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ فجر ہونے سے پہلے مسجد سے سر مُنہ چھپا کر بھاگ

جا۔ خدا کے گھر کے بارے جھگڑے پیدا نہ کر، اور وہ دلیلیں پیش نہ کر جو آج تک کسی نے بیان نہیں کیں۔ وارث شاہ یہ مُلّاں بھی خدا کے گھروں کو بلاؤں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔

یارو پلنگ کیہا سُنّی سیج ایتھے لوکاں آکھیا ہیر جٹیڑی دا
بادشاہ سیالاں دے ترنجناں دی مہر چوچکے خان دی بیٹڑی دا
شاہ پری پناہ نت لئے جس تھوں ایہہ تھاؤں اُس مُشک لپیٹڑی دا
اسیں سبھ جھبیل تے گھاٹ پتن سبھا حُکم ہے اوس سلیٹڑی دا

رانجھے نے پوچھا دوستو! یہ پلنگ جس پر بستر بھی بچھا ہوا ہے اور اس پر کوئی بیٹھا بھی نہیں، کس کا ہے؟ لوگوں نے اُسے بتایا یہ ہیر جٹی کا ہے۔ جو مہر چوچک خان کی بیٹی اور سیالوں کے ترنجنوں کی بادشاہ ہے۔ یہ اُس مشک و عنبر میں لپٹی ہوئی ہیر کا پلنگ ہے، جس کے حُسن سے شاہ پری بھی پناہ مانگتی ہے۔ ہم سب ملاّحوں، مچھیروں گھاٹ اور پتن پر اُسی ہیر سلیٹی کا حُکم چلتا ہے۔

ہس کھیڈ کے رات گزاریا سو صبح اُٹھ کے جیو اُداس کیتا
راہ جاندڑے نوں ندی نظر آئی ڈیرا جا ملاّحاں دے پاس کیتا
اگے پلنگ بیڑی وِچ وچھیا سی اُتے خوب وچھاونا راس کیتا
بیڑی وچ وجاء وَنجھلی نوں جا پلنگ اُتّے عام خاص کیتا
وارث شاہ جاں ہیر نوں خبر ہوئی تیری سیج دا جٹ نے ناس کیتا

رانجھے نے رات تو ہنسی خوشی گزار لی لیکن صبح ہوئی تو وہ اُداس ہو گیا۔ اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے اُسے ندی نظر آئی تو وہ ملاّحوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ کشتی کے اندر ایک پلنگ پڑا ہے جس پر بچھا ہوا بستر بھی سلوٹوں سے پاک ہے۔ رانجھا بیڑی میں سوار ہوا اور بنسری بجاتا ہوا یوں پلنگ پر بیٹھ گیا جیسے کوئی بادشاہ دربارِ خاص و عام میں بیٹھتا ہے۔ وارث شاہ اِس دوران میں ہیر کو خبر ہو گئی کہ ایک جاٹ نے اُس کی سیج تباہ و برباد کر دی ہے۔

لے کے سَٹھ سہیلیاں نال آئی ہیر متڑی رُوپ گمان دی جی
ٹِک موتیاں دے کنیں جھمکدے سن کوئی حور تے پری دی شان دی جی
کُڑتی سُوہے دی ہِک دے نال پھبی ہوش رہی نہ زمیں آسمان دی جی
جس دے نک بُلاق جیوں قطب تارا جوبن بھنڑی قہر طوفان دی جی

آ بُندیاں والیے ٹلیں مویئے اگے گئی کیتی تنبو تاندی جی
وارث شاہ میاں جٹی لوڑھ لُٹی بھری کبر ہنکار تے مان دی جی

حُسن کے غرور میں سرشار ہیر اپنی ساٹھ سہیلیوں کے ساتھ آئی۔ اُس کے کانوں میں موتیوں کے گچھے والے جھمکے جھول رہے تھے۔ وہ شکل وصورت سے کوئی حور اور پری نظر آتی تھی۔ سُرخ رنگ کا تلے کی تاروں سے بنا ہوا کُرتہ اُس کے سینے کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ جسے دیکھنے والے کو زمین و آسمان کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ اس کے ناک پر پڑے ہوئے 'کوکے' کا موتی قطبی ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ حُسن جوانی میں شرابور قہر وغضب کی علامت بنی ہوئی تھی۔ اے بندوں والی! باز آ اور انجام سے ڈر۔ اِس سے پہلے بھی یہاں لوگ عارضی قیام کر کے جا چکے ہیں یعنی یہ حُسن و جوانی عارضی ہوتے ہیں یہ آتے اور چلے جاتے ہیں۔ اِس لیے ان کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

وارث شاہ میاں، لیکن وہ جٹی تو سیلابی ریلے کی طرح، قہر وغضب سے بھری، مغرور اور اِحساسِ برتری کا شکار تھی۔

کہی ہیر دی کرے تعریف شاعر متھے چمکدا حُسن مہتاب دا جی
خونی چُنڈیاں رات جیوں چن دوالے سُرخ رنگ جیوں رنگ شہاب دا جی
نین نرگسی مِرگ مموُلڑے دے گلھاں ٹہکیاں پھُل گُلاب دا جی
بھواں وانگ کمان لاہور دِس کوئی حُسن نہ انت حساب دا جی
سُرمہ نیناں دی دھار وِچ پھب رہیا چڑھیا ہند تے کٹک پنجاب دا جی
کھُلی ترنجناں وِچ لٹکدی ہے ہاتھی مست جیوں پھرے نواب دا جی
چہرے سوہنے تے خال خط بندے خوش خط جیوں حرف کتاب دا جی
جہڑے ویکھنے دے رنجھوان آہے وڈا واعِدہ تنہاں دے باب دا جی
چلو لیلۃ القدر دی کرو زیارت وارث شاہ ایہہ کم ثواب دا جی

کوئی شاعر بھلا ہیر کے حُسن و جمال کی کیا تعریف کر سکتا ہے۔ اُس کی پیشانی پر پورے چاند کا حُسن چمکتا ہے۔ اُس کی گندھی ہوئی کالی سیاہ زُلفیں ایسی ہیں جیسے چاند کے گرد رات ہوتی ہے اور اُس کا سرخ رنگ جیسے بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھیں نرگس کے پھول سے مشابہ مست اور متوالی، ہرن کی آنکھوں جیسی یا پھر مموُلڑے کے جسم پر موجود کالے داغوں جیسی

ہیں۔اُس کے رُخسار گُلاب کے کھلے ہوئے پھول جیسے۔اُس کے ابرو لاہور کی بنی ہوئی کمان جیسے نظر آتے ہیں۔اُس کے حُسن کا کوئی شمار نہیں، اُس کی آنکھوں کے کونوں میں کاجل یوں لگتا ہے جیسے پنجاب کے لشکر نے ہند پر حملہ کر دیا ہو۔وہ عورتوں کی مجلس کے نصف دائرے میں یوں جھومتی ہے جیسے کسی نواب کا ہاتھی مستی میں چلتا ہے۔اُس کے چہرے کے نین نقش کی بندش ایسی ہے جیسے کسی کتاب کے الفاظ خوش خطی سے لکھے گئے ہوں۔اُس کو دیکھنے کی خواہش بہُت بڑے حوصلے کی بات ہے کیوں کہ اُس کے حُسن کی تاب لانا خود کو مصیبت میں ڈالنے سے کم نہیں۔وارث شاہ چلو آؤ، اُس 'لیلۃ القدر' کی زیارت کو چلیں کہ یہ بہُت بڑے ثواب کا کام ہے۔

ہونٹھ سرخ یاقوت جیوں لعل چمکن ٹھوڈی سیب ولایتی سار وچوں
نک الف حسینی دا پپلا سی زُلف ناگ خزانے دی بار وچوں
دند چنبے دی لڑی کہ ہنس موتی دانے نکلے حُسن انار وچوں
لکھی چین کشمیر تصویر جٹی قد سرو بہشت گلزار وچوں
گردن کونج دی اُنگلاں رُوانہ پھلیاں ہتھ کولڑے برگ چنار وچوں
باہاں ویلنے ویلیاں گنھ مکھن چھاتی سنگ مر مر گنگ دھار وچوں
چھاتی ٹھاٹھ دی اُبھری پٹ کھنہو سیو بلخ دے چُنے انبار وچوں
دُھنی بہشت دے حوض دا مُشک قُبہ پیڈو مخملی خاص سرکار وچوں
کافور شناہ سرین بانکے ساق حُسن ستون پہاڑ وچوں
سرخی ہوٹھاں دی لوڑھ دنداسڑے دا خوجے کھتری قتل بازار وچوں
شاہ پری دی بھین پنج پھول رانی گُجھی رہے نہ ہیر ہزار وچوں
ایرادھ تے اودھ دلت مصری چمک نکلے میان دی دھار وچوں
پھرے چھنکدی چاؤ دے نال جٹی چڑھیا غضب دا کٹک قندھار وچوں
لنک باغ دی پری کہ اِندرانی حور نکلی چند دی دھار وچوں
پُتلی پیکھنے دی نقش روم والے لدھا پُرے نے چند اجاڑ وچوں
اینویں سرکدی اوندی لوڑھ لُٹی جیویں کونج ترنگلی ڈار وچوں
متھے آن لگن جہڑے بھور عاشق نِکل جان تلوار دی دھار وچوں

عشق بولدا نڈھی دے تھاوَں تھائیں راگ نکلے زیل دی تار وچوں
قزل باش اسوار جلاد خونی نکل دوڑیا اُرد بازار وچوں
وارث شاہ جاں نیناں دا داوٗ لگے کوئی بچے نہ جُوئے دی ہار وچوں

اُس کے ہونٹ سرخ یاقوت کی طرح چمکتے ہوئے لعل ہیں۔ اُس کی ٹھوڑی ولایتی سیبوں سے منتخب ایک سیب ہے جو سرکاری باغ میں صرف شاہی استعمال کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اُس کی ناک امام حسینؓ کی تلوار کے اگلے نوکدار حصّے جیسی ہے اور اُس کی زُلفیں خزانے پر بیٹھے ہوئے سانپ کی طرح ہیں جو حفاظت کے لیے دروازے پر مامور ہوتا ہے۔ اُس کے دانت چمپا کے پھولوں کی پتیوں جیسے اور اُن کی چمک موتیوں جیسی ہے۔ ہیر چینیوں اور کشمیریوں کی بنائی ہوئی تصویروں جیسی ہے جس کا قد و قامت باغِ بہشت میں کھڑے سرو کے درختوں جیسا ہے۔ اُس کی گردن آبی پرندے کونج جیسی اور ہاتھوں کی اُنگلیاں لوبیا کی پھلیوں جیسی ہیں۔ اُس کے ہاتھ چنار کے درخت کے پتوں جیسے نرم و نازک ہیں۔ اُس کے بازو مکھن سے گوندھ کر ایسے سانچے سے بنائے گئے تھے کہ کہیں سے بھی غیر متوازن نظر نہیں آتے ہیں۔ اُس کی سنگِ مرمر سے بنی چھاتیاں سخت اور مضبوط تھیں لیکن اُن میں مکھین جیسا نرم لمس بھی ہے اور یہ سب ہیر کے دِل میں موجود جذبہ محبت اور جوانی کے جوش کے باعث ہے۔ یہ سنگِ مرمر اُس ندی کے علاقہ سے جمع کیا گیا تھا جو سارا سال بہتی رہتی ہے۔ اُس کے جوبن کے اُبھار ندی کی جوشیلی لہر جیسے بھی تھے لیکن یوں بھی لگتا ہے کہ ریشم کے دو گیند بنا کر سینے پر رکھ دیے گئے ہوں۔ یہ وہ دو سیب تھے جو بلخ کے سیبوں کے انبار سے منتخب کیے گئے ہوں۔ ہیر کی ناف کے حوض میں گوشت کا گنبد کستوری سے بنا ہوا ہے۔ اُس کی ناف سے نیچے کا حصہ مخمل کے اُس نرم کپڑے جیسا ہے جو سرکار سے خصوصی طور پر عنایت ہوا ہو۔ اُس کے بھاری اور پھُولے ہوئے کولے، کافور سے بنے سفید اور گورے ہیں۔ اُس کی بانکی پنڈلیاں حُسن کے اُس بے ستون پہاڑ سے تراشی گئی ہیں کہ جس سے فرہاد نے نہر نکالی تھی۔ اُس کے ہونٹوں کی سرخی اور دنداسے کی غضبنا کی کا اثر دیکھ کر کاروباری لوگ بھی (جو اپنا مال بچانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہو جاتے ہیں) سرِ بازار قتل ہونے کے لیے تیار رہو جاتے ہیں...... ہیر ملکہ کوہِ قاف شاہ پری کی بہن اور پنج پھول رانی ہے جو ہزاروں کی بھیڑ میں بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ مغرور بدمست ہرنی کی طرح اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوش فعلیاں کرتی ہے۔ وہ

مصر کی اُس تلوار کی طرح ظلم ڈھانے کے لیے تیار رہے جو سؤر کو بھی ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ جوشِ محبت سے اُس کے بدن سے چنگاریاں نکل رہی تھیں جیسے قندھار کی فوج حملہ کرنے کے لیے تیار ہو۔ لنکا کے باغ کی پری، راجا اندر کی ملکہ سورگ، حور کی طرح دریاے چناب کے پانیوں سے نمودار ہوئی۔ اُس کا نظارہ کرنا 'پُتلی تماشا' دیکھنے کے برابر تھا۔ آنکھیں پل پل دھوکا کھاتی تھیں۔ اُس کے نقوشِ حُسن سلطنتِ روما میں شامل انسانی حُسن جیسے تھے جس کو جھنگ کے اِس گانو والوں نے حاصل کِیا تھا۔ وہ جذبات سے بھرپور یوں آہستہ آہستہ دبے قدموں چل کر آ رہی تھی جیسے کوئی کونج ڈار سے بچھڑ گئی ہو۔ اس حالت میں جو کوئی بھونرا عاشق اُس کے بالمقابل آ تا اُسے تلوار کی تیز دھار کا سامنا کرنا پڑتا۔ اُس کے انگ انگ سے عشق گفتاری یوں چھلکتی تھی جیسے زیل کی تار سے درد بھرے راگ نکلتے ہیں...... جیسے حملہ کی خبر سُن کر سرخ پوش سپاہی اردو بازار کی چھاؤنی سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کِس کی مجال ہے کہ وہ ہیر کے حُسن و جوانی کو فتح کر سکے۔ لیکن وارث شاہ جب عشق کا داو لگتا ہے تو پھر کوئی بھی جُوئے کی ہار سے نہیں بچ سکتا۔ جیتنے والے بھی اکثر ہار جاتے ہیں۔

اُٹھیں سُتیا سیج اساڈڑی توں لُتا سُسری وانگ کیہ پیا ہیں وے
راتیں کِتے اُنیندرا کٹیو ای ایڈی نیند والا لُوھ گیا ہیں وے
سُنجی ویکھ نخصمڑی سیج میری کوئی آ ہلکی آن ڈھیہ پیا ہیں وے
کوئی تاپ کُسرت کہ جِنّ لگو اِکے ڈائن کِسے بھکھ لیا ہیں وے
وارث شاہ توں جیوندا گھوک سُتوں اِکے موت آئی مر گیا ہیں وے

ہیر گرجتی ہوئی آواز میں بولی: اے ہماری سیج پر لمبی تان کر سونے والے اُٹھ کیا تم نے رات کہیں بے خوابی میں گزاری ہے کہ اِس طرح نیند کے بہاو میں بہہ گئے ہو یا پھر تم کِسی سست اور کاہل آدمی کی طرح ہماری سیج کو بے وارث سمجھ کر گرتے ہی گہری نیند سو گئے ہو یا پھر تمھیں کوئی بے ہوشی والا بخار چڑھا ہے یا کِسی جن یا ڈائن نے تمھارا کلیجہ کھا لیا ہے۔ وارث شاہ تم جیتے جی اِتنی گہری نیند سو گئے ہو یا پھر موت کو اپنی طرف آتا دیکھ کر مر گئے ہو۔

کر کے ماروہی مارتے پکڑ چھمکاں پری آدمی تے قہروان ہوئی
رانجھے اُٹھ کے آکھیا واہ سجن ہیر ہَس کے تے مہربان ہوئی

کجھے وُنجھلی کن دے وِچ والا زُلف مُکھڑے تے پریشان ہوئی
بھنّے وال چُونے بنی چند رانجھا نین کجلے دی گھمسان ہوئی
صورت یوسف دی ویکھ طیموس بیٹی سنے مالکے بہُت حیران ہوئی
نین مست کلیجڑے دے وچ دھانے ہیر گھول گھتی قربان ہوئی
آءِ بغل وِچ بیٹھ کے کرے گلاں جیویں وِچ قربان کمان ہوئی
بھلا ہویا مَیں تینوں نہ مار بیٹھی کائی نہیں سی گل بے شان ہوئی
رُوپ جٹ دا ویکھ کے جاگ لدھی ہیر وار گھتی سرگردان ہوئی
وارث شاہ نہ تھاؤں دم مارنے دی چار چشم دی جدوں گھمسان ہوئی

ہیر غُصّے میں بپھری ہاتھ میں لکڑی کی باریک چھڑی پکڑے شور مچاتی ہوئی ایک پری کی طرح آدم زاد پر قہر برسانے کے لیے آگے بڑھی تو رانجھے نے اُٹھ کر کہا: بہُت خوب اے دوست! ہیر مسکرائی اور مہربان ہوگئی۔ اُس کا سارا غُصّہ کافور ہوگیا۔ اُدھر رانجھے کی حالت بھی کچھ عجیب سی ہوگئی تھی۔ اُس کی بغل میں بانسری، کانوں میں بُندے تھے اور زُلفیں بکھر کر چہرے پر آ کر پریشانی کا اِظہار کرنے لگیں۔ اُس کی زُلفیں بنی چند بھگت کی طرح چہرے کے دونوں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ پھر خوب صورت آنکھوں اور کجلے کی سیاہی کے درمیان زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔ ہیر کو زلیخا کی طرح رانجھے میں حُسنِ یوسف کی جھلک نظر آئی تو وہ بھی یوں حیرت زدہ ہوگئی جیسے مالک ابنِ زار مصری تاجر اپنے غلاموں سمیت حیران رہ گیا تھا۔ رانجھے کی مست نشیلی آنکھیں اُس کے دِل کے آر پار ہوگئیں۔ ہیر رانجھے پر دِل و جان سے قربان ہوگئی...... اور کہا: آؤ! میرے پہلو میں بیٹھ کر باتیں کرو جیسے کماندان اور کمان ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ مَیں نے تمھیں مارا اور نہ ہی تمھاری شان میں کوئی گستاخی کی۔ رانجھے کا حُسن اور وجاہت دیکھ کر ہیر کو خود اپنے اندر ایک تبدیلی کا احساس ہوا۔ اُسے جذبۂ عشق کے تحت خود اپنی نئی پہچان ملی، وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ وارث شاہ جب چار آنکھوں کی خونی جنگ ہوتی ہے تو پھر کِسی کو اُونچی سانس لینے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ عشق کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔

رانجھا آکھدا ایہہ جہان سُفنا مر جاونا ہے متوالیے نی
تُساں جہیاں پیاریاں ایہہ لازم آئے گئے مسافراں پالیے نی

ایڈا حُسن دا نہ گمان کیجیے ایہہ لئے پلنگ ہئی سنے نہالیے نی
اساں رب دا آسرا رکھیا اے اُٹھ جاونا ہے نیناں والیے نی

اے جوانی کے نشے میں مدہوش عورت! یہ جہان تو ایک خواب کی طرح ہے۔ تم جیسے محبت کرنے والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ آتے جاتے مسافروں کی خدمت کریں۔ حُسن پر اِتنا ناز نہیں کرنا چاہیے اور جہاں تک پلنگ کی بات ہے تو یہ لو، تم پلنگ کو بھی سنبھال لو اور اس پر بچھے بستر کو بھی ہمیں اِن چیزوں سے کوئی غرض نہیں۔ ہم کو تو صرف خدا کا سہارا ہی کافی ہے۔ ویسے اے خوب صورت آنکھوں والی اِس جہان سے تو بالآخر سب نے چلے جانا ہے۔

مان متیے روپ گمان بھرئیے اٹھکھلیے رنگ رنگیلیے نی
عاشق بھور فقیر تے ناگ کالے باجھ منتروں مُول نہ کیلیے نی
ایہہ جوبنا ٹھگ بازار دا ای ٹُونے ہارئیے چھیل چھبیلیے نی
تیرے پلنگھ دا رنگ نہ روپ گھٹیا نہ کر شُہدیاں نال بخیلیے نی
وارث شاہ بن کاردوں ذبح کرئیے بول نال زبان رسیلیے نی

اے مغرور و مدہوش حُسن پر نازاں، شوخ و چنچل رنگوں سے آراستہ دوشیزہ! عاشقوں، کنول کے پھول پر بیٹھنے والی کالی مکھی، فقیروں اور کالے ناگوں کو بغیر جادو اپنا پابند نہیں بنانا چاہیے۔ یہ حُسن تو جوانی کے بازار کا وہ ٹھگ ہے جو اگلی واردات کے لیے کہیں اور چلا جاتا ہے اے خوب صورت اور خوش وضع جادوگرنی! ہمارے بیٹھنے سے تمھارے پلنگ کے رنگ روپ میں تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ عاجزوں کے ساتھ سخاوت سے گریز کا رویّہ اختیار کیے ہوئے ہو۔ وارث شاہ اگر زبان سے میٹھا بول بولا جائے تو پھر چھری سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میٹھی زبان ہی کافی ہوتی ہے۔

ہتھ بدھڑی رہاں غلام تیری سنے ترنجناں نال سہیلیاں دے
ہوسن رُت بہاراں تے رنگ گھنے وِچ بیلڑے دے نال بیلیاں دے
سانوں رب نے جگ ملاءِ دِتا کھُل گئے پیار اربیلیاں دے
دینیہ بیلیاں دے وِچ کریں موجاں راتیں کھیڈ ساں وِچ حویلیاں دے

نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ صرف مَیں ہی نہیں ترنجنوں میں بیٹھنے والی تمام سہیلیاں بھی تیری

دست بدست غلام ہوں گی۔ اب بیلے میں رُت نئی بہاریں بھی ہوں گی اور ان بہاروں کے رنگوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ ہمیں اب خدا نے ساتھی مِلا دیا ہے تو ہم شوخ ادا سہیلیوں کا پیار بھی بھول گئے ہیں۔ اب ہم دِن کو بیلے میں تمھارے ساتھ موج مستی کریں گے اور رات کو سہیلیوں کے ساتھ حویلیوں میں کھیل تماشا کریں گے۔

مینوں بابلے دی سونہہ رانجھنا وے مرے ماؤں جے تُدھ تھیں مُکھ موڑاں
تیرے باجھ طعام حرام مینوں تُدھ باجھ نہ نین نہ انگ جوڑاں
خواجہ خضر تھے بیٹھ کے قسم کھادی تھیواں سُور جے پریت دی ریت توڑاں
کوڑھی ہوء کے نین پران جاون تیرے باجھ جے کونت مَیں ہور لوڑاں

مجھے اپنے باپ کی قسم ہے اے رانجھا! اگر مَیں تم سے اپنا رُخ پھیروں تو میری ماں مر جائے۔ آج سے مجھ پر تیرے بغیر کھانا پینا حرام ہوا۔ اب مَیں تمھارے سوا کِسی سے آنکھیں چار کروں گی اور نہ ہی کِسی سے جسمانی تعلّق قائم کروں گی۔ مَیں خواجہ خضر کو حاضر جان کر قسم کھاتی ہوں اگر مَیں عشق کی ریت توڑوں تو خدا مجھے سزا کے طور پر سُورنی بنا دے اور اگر مَیں تمھارے بغیر کِسی اور مرد کی ضرورت بھی محسوس کروں تو مَیں کوڑھی ہو کر مروں۔

ہیر چا بھتا کھنڈ کھیر مکھن مئیں رانجھے دے پاس لے دھاوندی ہے
تیرے واسطے جُوہ مَیں بھال تھکی رو رو اپنا حال وِنجاوندی ہے
کیدو ڈُھونڈ دا کھوج نوں پھرے بھوندا باس چُوری دی بیلیوں آوندی ہے
وارث شاہ میاں ویکھو ٹنگ لنگی شیطان دی کلاہ جگاوندی ہے

ہیر دُودھ، کھانڈ اور مکھن سے کھانے کے لیے بھتہ بنا کر رانجھے کے پاس پہنچ گئی اور رو رو کر صورت بگاڑتے ہوئے اپنا حال بیان کِیا: مَیں نے تمھارے لیے ساری چراگاہ چھان ماری ہے لیکن تم اِدھر بیٹھے ہو۔ اُدھر کیدو کو چُوری کی خوشبو آئی تو وہ بھی اس کو کھوجتا، ڈُھونڈتا اُدھر ہی آ گیا۔ وارث شاہ دیکھنا اب ٹوٹی ہوئی ٹانگ (لنگڑا کیدو) کیسے شیطان کی طرح فساد پیدا کرتی ہے۔

ہیر گئی جاں ندی ول لین پانی کیدو آن کے مُکھ وکھاندا ہے
اسیں بھُکھ نے بہُت حیران کیتے آن سوال خدا دا پاوندا ہے
رانجھے رُگ بھر کے چُوری چا دِتی لیکے تُرت ہی پنڈ نوں دھاوندا ہے

رانجھا ہیر نوں پُچھدا ایہہ لنگا ہیرے کون فقیر کِس تھاؤں دا ہے
وارث شاہ میاں جیویں پچھ کے تے کوئی اُپروں لُون چا لاؤندا ہے

ہیر جب پانی لینے کے لیے ندی کی طرف گئی تو کیدو بھی اِتنے میں سامنے آ گیا اور رانجھا سے کہا: بھوک نے مجھے نڈھال کر دیا ہے، خدا کے واسطے مجھے کھانے کے لیے کچھ دو۔ رانجھے نے مٹھی بھر کر 'چوری' اُس کو دے دی، جسے لے کر کیدو فوراً گانو کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ہیر واپس آئی تو رانجھے نے اُس سے پوچھا کہ یہ لنگڑا فقیر کون تھا؟ اور کہاں سے آیا تھا؟ وارث شاہ میاں ہیر کی حالت اُس شخص جیسی تھی جیسے کوئی زخم لگا کر پھر اُن پر خود ہی نمک چھڑک رہا ہو۔

ہیر آکھیا رانجھنا بُرا کیتو ساڈا کم ہے نال ویرائیاں دے
ساڈے کھوج نوں تک کے کرے چغلی دِینہ رات ہے وِچ بُرائیاں دے
ملے سراں نوں ایہہ وچھوڑ دیندا بھنگ گھتدا وِچ کڑمائیاں دے
بابل امڑی تھے جاء ٹُھٹھ کرسی جا آکھسی پاس بھرجائیاں دے

ہیر نے ناراض ہو کر کہا: اے رانجھا! یہ تم نے اچھا نہیں کِیا۔ کم از کم تم اُس سے یہ تو پوچھ لیتے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ عاشقوں کے ساتھ تو لوگوں کی پرانی دُشمنی ہے ویسے بھی جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ لوگوں کو پسند نہیں۔ اب یہ ہمارا راز جان کر چغلی کرے گا۔ یوں بھی یہ تو دِن رات ایسی ہی بُرائیوں میں لگا رہتا ہے۔ اس کا کام تو ملے ہوئے سروں میں نفاق پیدا کرنا اور لوگوں کے بنے ہوئے کام بگاڑنا ہے یہ تو اب ماں باپ کے سامنے جا کر میری تضحیک کرے گا اور بھرجائیوں کے سامنے بھی میری چغلی کرے گا۔

ملی راہ وِچ دوڑ کے آ نڈھی پہلے نال فریب دے چٹیا سُو
نیڑے آن کے شینہنی وانگ گجی اکھیں روہ دا نیر پلٹیا سُو
سروں لاہ ٹوپی گلوں توڑ سیلھی لکوں چائیکے زِمیں تے سٹیا سُو
پکڑ زمیں تے ماریا نال غُصّے دھوبی پٹڑے تے کھیس چھٹیا سُو
وارث شاہ فرشتیاں عرش اُتوں شیطان نوں زمیں تے سٹیا سُو

ہیر تیزی سے دوڑی اور راستے میں ہی کیدو کو آ لیا۔ پہلے تو اُسے اپنی پُرفریب باتوں سے پُچکارنے کی کوشش کی پھر قریب آ کر شیرنی کی طرح گرجی۔ اُس کی آنکھوں سے غُصّے میں

خون برسنے لگا۔ اُس نے کیدو کے سر سے درویشی کی جھوٹی ٹوپی اور گلے سے فقیری رسّی اُتار کر کمر سے پکڑ زمین پر پٹخ دیا۔ اُس نے کیدو کو پکڑ کر زمین پر دے مارا جیسے دھوبی کھیس سے میل نکالنے کے لیے پلٹتے ہیں۔ یا پھر وارث شاہ جس طرح فرشتوں نے شیطان کو عرش سے زمین پر پھینک دیا ہو۔

کیدو آ کھیا دھیو ویاہ ملکی دھروہی رب دی من لیے ڈائنے نی
اِکے مار کے وڈھ کے کرس بیرے مُنہ سر بھن چوا ساڑ سائنے نی
ویکھ دھیو دے لاڈ کیہ دند کڈھیں بہُت جھورسیں رنے قصائنے نی
اِکے بنھ کے بھوہرے چا گھتو لِنب وانگ بھڑولے دے آئنے نی

کیدو نے ہیر کی ماں سے آ کر کہا: اے ڈائن! خدا کا واسطہ مان اور اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔ یا اس کے مار کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دے۔ اس کا سر مُنہ توڑ کر سارے چونچلے ختم کر دے۔ ابھی تو تم اُس کے ناز نخرے دیکھ کر بہُت خوش ہوتی ہو لیکن قصائن تم اس پر بہُت پچھتاؤ گی۔ اس کے ہاتھ پانو باندھ کر گندم سنبھالنے والے 'بھڑولے' میں پھینک کر اس کا مُنہ مٹّی کی موٹی تہ (لیپ) سے بند کر دے۔

غُصّے نال ملکی تپ لال ہوئی جھب دوڑ توں مِٹھیئے نائنے نی
سد لیا توں ہیر نوں ڈھونڈ کے تے تینوں ماں سدیندی ہے ڈائنے نی
کھڑ دُمیے موہنیے پاڑھیے نی مشٹنڈیئے بار دیئے وائنے نی
وارث شاہ وانگوں کِتے ڈُب موئیں گھر آ سیاپے دیئے نائنے نی

یہ سُنتے ہی مَلکی غُصّے سے لال پیلی ہوگئی اور اُس نے مٹھی نائن سے کہا جلدی جاؤ اور ہیر جہاں بھی ہے اُسے تلاش کر کے لاؤ۔ اُس ڈائن سے کہنا کہ تجھے تیری ماں بُلاتی ہے۔ اُسے کہنا اے دُم اُٹھا کر پلنے والی فصل دُشمن خوب صورت جنگلی ہرنی، بدمعاشوں کی طرح بے آباد علاقوں میں گھومنے والی بارہ سنگھی وارث شاہ کی طرح پتا نہیں کہاں ڈُوب مری ہے۔ اے ماتمی گھروں کی نائن اب گھر بھی واپس آ جا۔

تیرے وِیر سلطان نوں خبر ہووے کرے فکر اوہ تیرے مکاونے دا
چوچک مہر دے راج نوں لیک لائیا کہیا فائدہ ماپیاں تاونے دا
نک وڈھ کے کوڑما گالیوئی ہویا لابھ ایہ ماپیاں جاونے دا

راتیں چاک نوں چا جواب دیساں نہیں شوق ہُن مہیں چراونے دا
آ مِٹھیے لاہ نی سبھ گہنے گُن کون ہے گہنیاں پاونے دا
وارث شاہ میاں ایس چھوہری دا جیو ہوئیا ہے لِنگ کٹاونے دا

ملکی نے غُصّے سے کہا: تیرے بھائی سلطان کو اگر تیرے کرتوتوں کا پتا چل گیا تو وہ تجھے ختم کرنے کی ہی ترکیب کرے گا۔ تم نے مہر چوچک کے راج کو داغدار کر دیا ہے۔ ماں باپ کو غُصّہ دِلانے کا کیا فائدہ؟ تم نے تو خاندان کی ناک کٹوا دی ہے۔ ماں باپ کو پیدا کرنے کا یہ اچھا صلہ مِلا ہے۔ مَیں آج ہی رات رانجھے کو جواب دے دوں گی اور کہہ دوں گی ہمیں تم سے مویشی چروانے کا کوئی شوق نہیں۔ مٹھی نائن اِدھر آ اور اس کے تمام گہنے زیور اُتار دے۔ اس میں زیور پہننے کی کوئی صفت نہیں۔ وارث شاہ میاں اس نادان لڑکی کا دِل چاہتا ہے کہ کوئی مار مار کر اس کی ہڈیاں توڑ دے۔

مائے رب نے چاک گھر گھلیا سی تیرے ہون نصیب جے دُھروں چنگے
ایہو جہے جے آدمی ہتھ آون سارا ملک ہی رب تھیں دُعا منگے
جہڑے رب کیتے کم ہو رہے سانوں مانوں کیوں غیب دے دیں ٹنگے
گل سیانیاں ملک نوں مت دِتی تیغ مہریاں عشق نہ کرو ننگے
نہیں چھیڑیئے رب دیاں پُوریاں نوں جنہاں کپڑے خاک دے وچ رنگے
جنہاں عشق دے معاملے سریں چائے وارث شاہ نہ کسے تھوں رہن سنگے

اے ماں! یہ تو تیرے نصیب اللہ کی طرف سے اچھے تھے کہ چاک خود چل کر تمھارے گھر آ گیا تھا۔ ایسے آدمیوں کے لیے تو سارا ملک دعائیں مانگتا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو خدا کی طرف سے ہے لیکن ماں تُم کیوں کانٹوں کی طرح چبھنے والی باتیں کرتی ہو۔ تمام سمجھدار اور دانش وَر لوگوں نے یہی نصیحت کی ہے کہ تلوار، عورت اور عشق کو چھپا کر رکھنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اللہ کے کامل بندے جنھوں نے پہلے ہی اپنے کپڑے خاک میں رنگے ہوتے ہیں اُنھیں خواہ مخواہ تنگ نہیں کرنا چاہیے لیکن وارث شاہ جو لوگ عشق کا بھاری پتھر اُٹھا لیتے ہیں وہ پھر کِسی سے نہیں جھکتے۔

راتیں رانجھے نے مہیں جاں آن ڈھویاں چوچک سیال متھے وٹ پایا ای
بھائی چھڈ مہیں اُٹھ جا گھر نوں تیرا طور بُرا نظر آیا ای
سیالو کہو بھائی ساڈے کم ناہیں جائے اودھرے جدھروں آیا ای

اساں سانھ نہ رکھیا ایہہ نڈھا دھیاں چارنا کِس بتایا ای
اِتَّــقُـوْا مَــوَاضِــعَ التُّهَــم وارث شاہ ایہہ دُھروں فرمایا ای

رات کو رانجھا جب مویشی لے کر واپس آیا تو چوچک نے غُصّے سے ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے دیکھا اور کہا: بھائی! تم یہ بھینسیں چھوڑ دو اور اپنے گھر جاؤ۔ تمھارا طور طریقہ ہمیں ٹھیک نہیں لگتا۔ سیالو! اُسے کہہ دو کہ بھائی! تم ہمارے کام کے لیے مناسب نہیں۔ تم جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی واپس چلے جاؤ۔ ہم نے کوئی نسل کشی کے لیے اس خوب صورت نوجوان کو سانڈھ تو نہیں رکھا کہ یہ ہماری بہو بیٹیوں کو بے وقوف بنا رہا ہے...... وارث شاہ عربی مقولہ ہے تہمت اور بدنامی والی جگہ سے بچتے رہو۔

وَلَــوْ بَسَــطَ الــلّٰــهُ الــرِّزْقَ رج کھائیکے مستیاں چائیاں نی
کُــلُــوْا وَاشْــرَبُــوْا وَلَا تُسْــرِفُــوْا نہیں مستیاں کرنیاں آئیاں نیں
کتھوں پچن ایہناں مشٹنڈیاں نوں نت کھانیاں دُدھ ملائیاں نی
وَمَــا مِــنْ دَآبَّۃٍ فِــی الْاَرْضِ ایہہ لئی سانبھ مجھیں گھر آئیاں نی

اگر تمھارے رِزق میں خدا نے وسعت پیدا کی ہے تو تم نے پیٹ بھر کھانے کے بعد خرمستیاں شروع کر دی ہیں۔ کھانے پینے مگر اسراف کے حُکم کے باوجود تجھے مستیاں کرنی آ گئیں۔ جن مشٹنڈوں کو دُودھ بالائیاں روز کھانے کو ملیں وہ بھلا انھیں کیسے ہضم ہو سکتی ہیں؟ یہ سن کر رانجھے نہ کہا: زمین پر موجود ہر مخلوق کا رازق اللہ ہے۔ میرا بھی رازق اللہ ہے۔ تمھاری بھینسیں تمھارے گھر آ گئی ہیں تم اِنھیں سنبھال لو۔ مَیں جا رہا ہوں۔

ایہہ ملکی سُناوندی چوچکے نوں لوک بہُت دیندے بددُعا میاں
باراں برس اِس مجھیاں چاریاں نیں نہیں کیتی سُوچُوں چرا میاں
حق کھوہ کے چا جواب دِتا مہیں چھڈ کے گھراں نوں جا میاں
پیریں لگ کے جا منا اُس نوں آہ فقر دی بُری ہے جا میاں
وارث شاہ فقیر نے چُپ کیتی اوہدی چُپ ہی دیگ لُوھا میاں

ملکی نے اپنے شوہر چوچک کو بتایا لوگ ہمیں بہت بددُعائیں دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اُس سے بارہ سال بھینسیں بھی چروائیں جب کہ اُس نے کبھی کام سے مُنہ نہیں چرایا

کوئی عذر بہانہ تلاش نہیں کِیا اور ہم نے اُس کا معاوضہ بھی ادا نہیں کِیا۔ اُسے ٹکا سا جواب دے دیا اور کہا کہ جاؤ اپنے گھر کا راستہ ناپو۔ اب جاؤ اور اُس کے پانو پکڑ کر منالاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کی کوئی بددُعا ہمیں اپنی گرفت میں لے لے۔ وارث شاہ فقیر نے جو خاموشی اختیار کر رکھی ہے وہ خاموشی ہم کو بھی غرق کر دے گی۔

چوچک آکھیا جا منا اس نوں ویاہ تیک تاں مہیں چرا لیے
جدوں ہیر ڈولی پا ٹور دیئے رُس پوے جواب تاں چا دَیئے
ساڈی دھیو دا کُجھ نہ لاہ لیندا سبھا ٹہل ٹکور کرا لیے
وارث شاہ اسیں جٹ ہاں سدا کھوٹے جٹکا پھند ایتھے کِک لا لیے

چوچک نے کہا تم ہی یہ کام کرو اور اُس کو منا کر لے آؤ۔ کم از کم ہیر کی شادی تک تو اُس سے مویشی چروالیں۔ جب ہم ہیر کو ڈولی میں بٹھا کر وداع کر دیں گے تو وہ روٹھ جائے گا تو پھر اس کو ملازمت سے جواب دے دیں گے۔ ہماری بیٹی کا تو کچھ نہیں جائے گا کیوں نہ اُس وقت تک رانجھے سے خدمت کروالی جائے۔ وارث شاہ ہم جاٹ لوگ تو سدا سے ہی کھوٹے ہوتے ہیں یہاں بھی ’جاٹی فریب‘ کا وقتی سہارا لے لیتے ہیں۔

ملکی آکھدی لڑیوں جے نال چوچک کوئی سخن نہ جیو تے لیاونا ای
کیہا ماپیاں پُتراں لڑن ہوندا تساں کھٹنا تے اساں کھاونا ای
چھڑ مال دے نال مَیں گھول گھتی شامو شام رائیں گھریں آونا ای
توں ہی چوئے کے دُدھ جماوَنا ہی توں ہی ہیر دا پلنگ وچھاونا ای
کُڑی کل دی تیرے توں رُس بیٹھی توں ہی اوس نوں آ مناونا ای
منگو مال سیال تے ہیر تیری نالے گھُورنا تے نالے کھاونا ای
منگو چھیڑ کے جھل وِچ میاں وارث اساں تخت ہزارے نوں جاونا ای

ملکی نے رانجھے سے کہا اگر چوچک کے ساتھ تمھاری کوئی ان بن ہوگئی ہے تو تم اس کی بات کا بُرا نہ منانا۔ بیٹوں کا بھلا ماں باپ کے ساتھ بھی کبھی جھگڑا ہوتا ہے۔ بیٹوں کی کمائی ہی ماں باپ کھاتے ہیں۔ مَیں تم پر قربان، تم صبح سویرے مویشی چرانے کے لیے جانا لیکن شام ہوتے ہی گھر واپس آجایا کرنا۔ اب تم نے ہی دُودھ بلو کر اس کا دہی جمانا اور پھر روزانہ رات کو ہیر کے پلنگ پر

بستر بھی بچھانا ہے۔ بیٹی ہیر بھی کل سے تم سے بہُت ناراض ہے۔اب تُمھی جا کر اُس کو بھی مناؤ۔ سب مویشی، سب مال، سارے سیال اور ہیر بھی آج سے تیری ہے۔اب تم کھاؤ پیو بھی اور ہوس بھری نظرں سے ہیر کو بھی دیکھو ہم نے تو وارث شاہ مویشیوں کو بیلے میں ہانک کر بالآخر تخت ہزارے کی طرف ہی جانا ہے۔

رانجھا آکھدا ہیر نوں ماؤں تیری سانوں پھیر مُڑ رات دی چمڑی ہے
میاں من لئے اوس دے آکھنے نوں تیری ہیر پیاری دی امڑی ہے
کیہہ جانیے اُٹھ کِس گھڑی بہسی اجے ویاہ دی وِتھ وی لمڑی ہے
وارث شاہ ایس عشق دے ونج وچوں پلے کسے نہ بدھیا دمڑی ہے

رانجھے نے ہیر سے کہا تمھاری ماں کل رات سے پھر ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ہم کیا کریں؟ ہیر نے کہا میاں رانجھا اُس کی بات مان لو آخر وہ تمھاری پیاری ہیر کی ماں ہے۔کیا جانے اُونٹ کِس کروٹ بیٹھے۔ویسے بھی ابھی شادی میں بہُت وقت پڑا ہے۔وارث شاہ اس عشق کے کاروبار میں کبھی کِسی کو ایک پیسے کا بھی فائدہ نہیں ہوا۔

ہیر آکھدی بابلا عملیاں توں نہیں عمل ہٹایا جا میاں
جمڑیاں وادیاں آؤ دیاں جان ناہیں رانجھے چاک توں رہیا نہ جا میاں
شینہ چترے رہن نہ ماس باجھوں جھٹ نال اوہ رزق کما میاں
ایہہ رضا تقدیر ہو رہی وارد کون ہوونی دے ہٹا میاں
داغ انب تے سار دا لہے ناہیں داغ عشق دا بھی نہ جا میاں
مَیں تاں منگ درگاہ تھیں لیا رانجھا چاک بخشیا آپ خدا میاں
ہور سبھ گلاں منظور ہویاں رانجھے چاک تھیں رہیا نہ جا میاں
ایس عشق دے روگ دی گل ایویں سِر جائے تے سِر نہ جا میاں
وارث شاہ میاں جیویں گنج سِر دا باراں برس بِناں ناہیں جا میاں

ہیر نے جواب دیا نشہ کرنے والوں کو نشے سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔بچپن کی پڑی ہوئی عادتیں کبھی نہیں جاتیں۔رانجھے سے دُور جانا میرے لیے ممکن نہیں۔ویسے بھی شیر اور چیتے گوشت کے بغیر نہیں رہ سکتے وہ جھپٹا مار کر اپنا رزق چھین لیتے ہیں جب یہ تقدیر میں لکھا جا چُکا ہے تو پھر اس اٹل

فیصلے سے بھلا کون ہٹا سکتا ہے؟ جس طرح آم اور لوہے کا داغ ختم نہیں ہوتا اِسی طرح عشق کا داغ بھی کبھی نہیں جاتا۔ مَیں نے تو اوّل روز سے ہی رانجھے کو تقدیر سے مانگا ہوا ہے اور خود خدا نے بھی مجھے رانجھا بخش رکھا ہے۔ مَیں آپ کی باقی سب باتیں ماننے کے لیے تیار ہوں لیکن مَیں رانجھے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اصل میں عشق کی بات بھی یوں بنتی ہے کہ سر تو چلا جاتا ہے لیکن بھید ظاہر نہیں ہوتا (منصور کی طرف اشارہ) وارث شاہ بارہ سال گذرنے کے بعد سر کا گنج ختم نہیں ہوتا حکیم اس مرض کو لا دوا کہتے ہیں۔

ایہدے وڈھ لُوکے کھوہ چُنڈیاں نوں گل گھُٹ کے ڈوہنگڑے بوڑ رنے
سِر بھن سُو نال مدھانیاں دے ڈھوئی نال کھڑلت دے توڑ رنے
ایہدا داتری نال چا ڈِھڈ پاڑو سُوا اکھیاں دے وچ پوڑ رنے
وارث شاہ توں ایہ نہ مُڑے مُولے اسیں رَہے بہتیرڑا ہوڑ رنے

اے عورت (ملکی کی طرف اشارہ) اس کے کانوں کی لوئیں کاٹ کر اور زُلفیں جو مینڈھیوں میں بندھی ہوئی ہیں کھول کر، گلا گھونٹ کر کِسی گہرے کنویں میں پھینک دے۔ اس کا مدھانیوں کے ساتھ سر اور گھر میں پڑی پرانی لکڑیوں سے کمر توڑ دے۔ اس کا داتری کے ساتھ پیٹ چاک کر دے اور آنکھوں میں گرم سلائیں دھنسا دے۔ ہم نے اس کو روکنے کی بہُت کوشش کی لیکن وارث شاہ یہ تو چاک کی محبت سے باز نہیں آتی۔

اکھیں لگیاں مُڑن نہ ویر میرے بی بی وار گھتی بلہاریاں وے
وہن پئے دریا نہ کدی مُڑ دے وڈے لا رہے زور زاریاں وے
لہو نکلنوں رہے نہ مُول ویرا جتھے لگیاں تیز کٹاریاں وے
لگے دست اک وار نہ بند کیجے ویدلکھدے ویدگیاں ساریاں وے
سِر دِتیاں باجھ نہ عشق پگے ایہ نہیں سُکھالیاں یاریاں وے
وارث شاہ بھائی ورجدے نیں ویکھو عشق بنایاں خواریاں وے

ہیر نے کہا میرے بھائی یہ تمھاری بہن، تمھارے صدقے واری جائے، آنکھیں جب چار ہوتی ہیں تو پھر پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھتیں۔ عشق ہو جائے تو پھر کِسی کی پروا نہیں ہوتی۔ دریا جب بہنا شروع ہو جاتے ہیں تو پھر لاکھ کوشش سے بھی ان کا راستہ نہیں روکا جا سکتا۔ جسم پر جب تیز دھار

چھری سے زخم لگتا ہے تو پھر خون کو بہنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ ویسے بھی جب کوئی شخص پیچش میں مبتلا ہو کر گندا فضلا خارج کرنے لگے تو اُسے فوری طور پر نہیں روکتے۔ تمام حکماء نے اپنی حکمت میں یہی بات کہی ہے۔ جب تک سرنذرانہ نہ دیا جائے عشق کی جیت نہیں ہوتی اور پھر یہ تعلّق نبھانے کچھ آسان تو نہیں۔ وارث شاہ میاں بھائی ہیر کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن دیکھو عشق نے ذلت اور رُسوائی کے تمام سامان کردیے ہیں۔

قاضی آکھیا خوف خداء دا کر ماپے چہ چڑھے چاہے مارنی گے
تیری کیاڑیوں جیبھ کھچا کڈھن مارے شرم دے خون گزارنی گے
جس وقت اساں دِتا چا فتویٰ اوس وقت ہی پار اُتارنی گے
ماں آکھدی لوڑھ خداء دا جے تکھے شوخ دیدے ویکھ پاڑنی گے
وارث شاہ کر ترک بریائیاں توں نہیں تے اگ دے وِچ نِگھارنی گے

قاضی نے کہا: خدا کا خوف کھا۔ اگر والدین غُصّے میں آ گئے اور اُنھوں نے بھی ضد پکڑ لی تو پھر وہ تمھیں قتل کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ تمھاری گندی زبان گدی سے کھینچ لیں گے اور اپنی عزت کی خاطر خون کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور جب ہم نے فتویٰ جاری کر دیا تو وہ اسی وقت تمھیں ماردیں گے۔ ماں نے کہا غضب خدا کا۔ ذرا اِس بے حیا کی آنکھیں تو دیکھو، کیسے دیدے پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔ تمھاری آنکھوں کا یہ کاجل نوچ لیں گے۔ وارث شاہ برائی چھوڑ دے ورنہ قیامت کے دِن تمھیں آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

شوق نال وجاء کے ونجھلی نوں پنجاں پیراں اگے کھڑا گاوندا اے
کدی اُدھوتے کاہن دے بشن پدے کدے ماجھ پہاڑی دی اُلاوندا اے
کدی ڈھول تے مارون چھوہ دیندا کدی بوبنا چا سناوندا اے
ملکی نال جلالی نوں خوب گاوے وِچ جھیوری دی کلی لاوندا اے
کدی سوہنی تے مہینوال والے نال شوق دے سد سناوندا اے
کدی دُھرپداں نال کبت چھوہے کدی سوہلے نال رلاوندا اے
سارنگ نال تلنگ شہانیاں دے راگ سُوہے دا بھوگ پاوندا اے
سورٹھ گجریاں پوربی للت بھیروں دیپک راگ دی ذیل وجاوندا اے

ٹوڈی میگھ ملہار گونڈ دھناسری جیت سری بھی نال رلاوندا اے
مال سری تے پرج بیہاگ بولے نال ماروا وچ وجاوندا اے
کیدارا تے بہاگڑا راگ مارو نالے کاہنڑے دے سُر لاوندا اے
کلیان دے نال مالکنس بولے اتے منگلا چار سناوندا اے
بھیروں نال پلاسیاں بھیم بولے نٹ راگ دی ذیل وجاوندا اے
بَروا نال پہاڑ جھنجھوٹیاں دے ہوری نال آسا کھڑا گاوندا اے
بولے راگ بسنت ہنڈول گوپی مُنداونی دیاں سُراں لاوندا اے
پلاسی نال ترانیاں ٹھانس کے تے وارث شاہ نوں کھڑا سناوندا اے

رانجھا شوق کے ساتھ پانچوں پیروں کے سامنے بنسری بجانے لگتا ہے اور گاتے ہوئے کبھی شری وشنو اور کبھی ادھوتے کاہن کے گیت گاتے ہوئے اس میں پہاڑی راگ کی مانجھ لگاتا ہے۔ کبھی ڈھولا اور مارون بجاتا اور کبھی 'بوبنا' سنانے لگتا۔ جلالی کے ساتھ ملکی گاتا اور پھر اُس میں جھیوری کے میٹھے سُر بھی لگاتا جاتا۔ کبھی سوہنی اور مہینوال کے گیت شوق سے گانے لگتا اور کبھی راگ کی ابتدا کے ساتھ ہندی نظموں کی مخصوص اقسام شروع کر دیتا اور پھر ان میں شادی بیاہ کے گیتوں کا رچاؤ کرتا۔ سارنگ کے ساتھ تلنگ شہانیاں اور سُوہا راگ کی بندش کرتا۔ سُورٹھ، گجریاں، پوربی، للت، بھیروں اور دیپک راگ کی تاریں ہلاتا تو کبھی ٹوڈی میگھ ملار، گونڈ، دھناسری اور جیت سری بھی ساتھ مِلاتا۔ مال سری اور پرج بیہاگ بھی گاتا اور اُس میں ماروا کے سروں کی آمیزش بھی کرتا۔ کیدارا اور بہاگڑا، راگ مارو اور کاہنڑے کے سُر جگاتا۔ کلیان کے ساتھ مال کونس بجاتا اور پھر خیر و برکت کے لیے دُعائیہ کلمات بھی شامل کرتا۔ بھیروں کے ساتھ راگ بھیم پلاسی بھی بجاتا اور پھر اُن کے ساتھ نٹ راگ کی تاریں بھی بجاتا۔ بَروا کے سنگ پہاڑی اور ہولی کے گیتوں میں آسا بھی گاتا ہے۔ شری کرشن کے ساتھ کھیلنے والی لڑکیوں کے جھولوں کا گیت بھی سناتا اور پھر اس میں منداونی کے سُر بھی لگاتا۔ راگ پلاسی کو ترانوں کے ساتھ سجا کر وارث شاہ کے سامنے کھڑا ہو کر سناتا ہے۔

دینہہ ہووے دوپہر تاں آوے رانجھا اتے اودھروں ہیر بھی آوندی ہے
ایہہ مہیں لیا بہاوندا اے اوہ نال سہیلیاں لیاوندی ہے

اوہ ونجھلی نال سرود کردا ایہہ نال سہیلیاں گاوندی ہے
کائی زُلف نچوڑ دی رانجھنے تے کائی آن گلے نال لاوندی ہے
کائی چمبڑے لک نوں مشک بوری کائی مُکھ نوں مُکھ چھوہاوندی ہے
کائی "میری آں" آکھ کے بھج جاندی مگر پوے تاں بُکیاں لاوندی ہے
کائی آکھدی ماہیا ماہیا وے تیری مجھ کٹی کٹا جاوندی ہے
کائی ماہڑے دیاں خربوزیاں نوں کوڑے بلکے چا بناوندی ہے
کائی آکھدی "ایڈی ہے" رانجھیا وے مار باہلی پار نوں دھاوندی ہے
کُتے تاریاں ترن چوا کر کے اک چھال گھروم دی لاوندی ہے
مُردے تاریاں ترن چوپھال پے کے کوئی نول نِسل رُڑھی آوندی ہے
اک شرط بدھی ٹُبی مار جائے تے پتال دی مِٹّوی لیاوندی ہے
اِک پَین تے قاص چترانگ ہو کے سرخاب تے کونج بن آوندی ہے
اک وانگ کُکوہیاں مُنہ ٹڈّے اک اُوت دے وانگ بلاؤندی ہے
اوگت بولدی اک ٹٹیہری ہو اک سنگ جلکاونی آوندی ہے
اک لدھر ہوئیکے کڑکڑاوے اک ہو سنسار شوکاوندی ہے
اک دے پسلیٹیاں ہو بُکھن مشک وانگروں اوہ پھوکاوندی ہے
ہیر ترے چو طرف ہی رانجھنے دے موری مچھلی بن بن آوندی ہے
آپ بنے مچھلی نال چاوڑاں دے مئیں رانجھے نوں گُرل بناوندی ہے
ایس تخت ہزارے دے ڈُمبرے نوں رنگ رنگ دیاں جالیاں پاوندی ہے
وارث شاہ جٹی ناز نیاز کر کے ہت یار دا جیو پرچاوندی ہے

ایک دِن دوپہر کو تالاب کنارے رانجھا بھی آ جاتا ہے اور اُدھر سے ہیر بھی آ جاتی ہے۔ ہیر اپنی تمام سہیلیوں کو ساتھ لے کر آئی تھی۔ رانجھے نے بھی بھینسوں کو لا کر وہیں بٹھا دیا اور ونجھلی کے ساتھ سروں کو بکھیرنا شروع کر دیا۔ ہیر بھی سہیلیوں کے ساتھ مست ہو کر گانے لگی۔ کِسی نے رانجھے کو گلے سے لگانا شروع کر دیا تو کوئی اپنی بھیگی ہوئی زُلفیں اُس پر نچوڑنے لگی۔ کوئی اُس کی کمر کے ساتھ پانی کے مشکیزے کی طرح لٹک رہی تھی تو کوئی اپنے چہرے کو اُس کے چہرے کے ساتھ

لگاتی۔کوئی ''میری آں'' کہہ کر بھاگ جاتی اور جب رانجھا اُس کے پیچھے بھاگتا تو پانی میں غوطہ لگا کر غائب ہو جاتی۔کوئی کہتی اے میرے چرواہے تمھاری بھینس بچے کو جنم دینے والی ہے اور کوئی ''مامے دے خربوزے والا کھیل'' کھیل کر رانجھے کو تنگ کرتی اور کوئی رانجھے کو''اِتنی ہے'' والے کھیل میں اُلجھا کر لذت حاصل کرتی اور جب رانجھا اُس کو پکڑنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنی قمیص کی آستینیں چڑھا کر اُس کو مشتعل کرتی اور جھیل میں چھلانگ لگا کر دُوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگتی۔کوئی پانی میں کُتوں کی طرح اور کوئی اِس طرح تیرتی کہ صرف اُس کا مُنہ کندھے اور گھٹنے ہی نظر آتے۔کوئی مُردوں کی طرح اور کوئی سیدھی ہی بہتی ہوئی آ جاتی تا کہ اُس کا سارا جسم نظر آئے۔ایک نے شرط باندھی اور پانی کی تہہ سے ریت یا مٹی لا کر دِکھا دی۔ایک نے مچھلی کا شکار کرنے والے پرندوں کا سوانگ رچایا تو دوسری نے سرخاب اور کُونج کا بھیس بنایا کہ کوئی اُسے بھی شکار کرے۔ایک ڈھینگ مرغابی بنتی ہے تو دوسری بگلا بن جاتی ہے تو کوئی کلکلا بن کر دِکھاتی ہے۔ایک ککوہی کی طرح ٹڈے کے ساتھ دردناک آوازیں نکال کر قریب المرگ ہونے کا تاثُر دیتی ہے اور ایک ٹٹیہری کی طرح مرنے کی آوازیں نکالتی ہے تو ایک پانی کے جانور جُلکاونی کی طرح چل کر آتی ہے۔ایک لدھر کی طرح کڑکڑاتی ہے تو دُوسری مگرمچھ کی طرح شوکریں مارتی ہے اور ایک بڑی مچھلی کی طرح اپنے نر کی تلاش میں پانی کی سطح پر آ کر کروٹیں بدلتی اور انتظار کا اظہار کرتی ہے جب کہ ہیر موری مچھلی کی طرح اپنی جگہ نہیں چھوڑتی اور رانجھے کے اردگرد ہی تیرتی اور خودخوشی کے ساتھ مچھلی بن کر رانجھے کو مچھلی خور پرندہ بناتی اور اُس تخت ہزارے کے رہو مچھلی کے جوان بچے کو مختلف النوع جالوں سے پکڑنے کی کوشش کرتی ہے۔وارث شاہ ہیر جٹی ناز و انداز سے اپنے محبوب کا دِل لبھانے کا جتن کرتی ہے۔

کیدو آکھدا ملکیے بھیڑیئے نی تیری دھیو وڈا چنچر چایا ای
جا ئیں تے چاک دے نال گھلدی ایس مُلک دا ارتھ گوایا ای
ماں باپ قاضی سبھے ہار تھکّے ایس اِک نہ جیو تے لایا ای
مُنہ گھُٹ رہے وال پُٹ رہے لِنگ کُٹ رہے مینوں تایا ای
جنگھ جُٹ رہے جھاٹا پُٹ رہے انت ہُت رہے غیب چایا ای
لِٹ پٹ رہے تے نکھٹ رہے لتیں جُٹ رہے لٹکایا ای

متیں دے رہے پَیر سیوں رہے پَیریں پئے رہے لوڑھا آیا ای
وارث شاہ میاں سُتّے معاملے نوں لنگے رِچھ نے موڑ جگایا ای

کیدو نے مَلکی سے جا کر کہا: کم بخت! تیری بیٹی نے تو اِنتہا کر دی ہے وہ اِس سطح تک گر جائے گی یہ کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ ندی پر جا کر چاک کے ساتھ کشتی لڑتی ہے۔ اُس نے تو مُلک کا وقار خاک میں مِلا دیا ہے۔ ماں باپ اور قاضی سب اُسے سمجھا سمجھا کر تھک ہار گئے لیکن اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میرا گلا دبایا۔ میرے بال نوچے، میری ٹانگیں زخمی کیں، مجھے جلایا۔ اُس کی چوٹی بھی کھینچی، اُسے روکنے کے لیے ہر حربہ بھی استعمال کِیا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ ہم نے اُس کے بال بھی کاٹے تنگ آ کر دونوں ٹانگیں باندھ کر کنویں میں اُلٹا لٹکایا، اُس کو نصیحتیں بھی کیں، پیر بھی باندھے، پانو بھی پڑے، لیکن وہ جذبات سے مغلوب عورت باز نہیں آئی۔ وارث شاہ میاں سارے دبے ہوئے معاملے کو لنگڑے ریچھ نے آ کر پھر سے زندہ کر دیا۔

سیّاں نال رَل کے ہیر متا کیتا کھنڈ پھُٹ کے گلیاں ملیاں نیں
کیدو آن وڑیا جدوں پھلہے اندر خبراں ترت ہی ہیر تھے گھلیاں نیں
ہتھیں پکڑ کانیاں وانگ شاہ پریاں غُصّہ کھائیکے ساریاں چلیاں نیں
کیدو گھیر جیوں گدھا گھمیار پکڑے لاہ سیلھیاں پکڑ پتھلیاں نیں
گھاڑ گھڑن ٹھٹھیار جیوں پون دھمکاں دھائیں چھڑدیاں مُہلیاں چلیاں نیں

ہیر نے سہیلیوں کے ساتھ صلاح مشورے سے منصوبہ بنایا اور پھر وہ سب اِدھر اُدھر اکیلی اکیلی جھونپڑی کی طرف آنے والے راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ گئیں اور جب کیدو پکّی ہوئی فصل کے ایک ڈھیر کے قریب آ گیا تو جلدی سے ہیر کو خبر پہنچائی گئی۔ سب شاہ پریوں کی طرح ہاتھوں میں لکڑی کی باریک شاخیں پکڑ کر غُصّے سے اُبلتی ہوئی اُس کی طرف روانہ ہوئیں اور کیدو کو اِس طرح گھیر لیا جیسے کمہار اپنے گدھے کو پکڑتا ہے۔ اُنھوں نے کیدو کی فقیری رسّیاں اُتار زمین پر پٹخ دیا اور پھر اُس کو مارنا شروع کر دیا۔ لڑکیوں کی مار سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے ٹھٹھیار برتنوں کو بناتا ہے تو زمین سے دھمک پیدا ہوتی ہے یا پھر اوکھلی میں دھان چھڑتے ہوئے موسری سے آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔

گل پائیکے سیلھیاں لاہ ٹوپی پاڑ جُلیاں سنگھ نوں گھٹیو نیں

بھن دورا تے کُتکے چھڑن لتیں روڑھ وچ کھڑل دے سٹیو نیں
جھنجوڑ سر توڑ کے گھت مُودھا لانگڑ پاڑ کے دھڑادھڑ کٹیو نیں
وارث شاہ ڈاڑھی پُٹ پاڑ لانگڑ ایہہ اکھڑا ہی چا گھٹیو نیں

اُنھوں نے...... کیدو کی درویشی ٹوپی اُتار گلے میں ڈالی اُس کا گلا دبایا، اُس کا بھنگ گھوٹنے والا 'دورہ' توڑ دیا۔ ڈنڈے سے اُس کی ٹانگوں پر ضربیں لگائیں اور پھر گھسیٹ کر گڑھے میں پھینک دیا۔ جھنجوڑ جھنجوڑ کر مارتے ہوئے اُس کا سر پھاڑ دیا پھر اُلٹا لِٹا کر لنگوٹ پھاڑ دیا اور اُسے پے در پے مارنے لگیں۔ وارث شاہ اُنھوں نے اس کی ڈاڑھی نوچ کر وہ لنگوٹ بھی پھاڑ دیا جو مضبوطی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

ہک مار لتاں دوئی لا چھمکاں تریئی نال چٹاکیاں مار دی ہے
کوئی اِٹ وٹا جُتی ڈھیم پتھر کوئی پکڑ کے دھون بھوئیں مار دی ہے
کوئی پُٹ ڈاڑھی دُبر وچ دیندی کوئی ڈنڈکا وِچ گزار دی ہے
چور ماریدا ویکھیے چلو سادھو وارث شاہ ایہہ ضبط سرکار دی ہے

ایک اُسے ٹانگیں مارتی دُوسری لکڑی کی باریک شاخوں اور تیسری اُسے تھپڑوں سے مار رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ میں اینٹ روڑا تھا تو کسی کے ہاتھ میں جوتا اور کوئی اُسے گردن سے پکڑ کر اُس کا سر زمین سے مارتی تھی اور کوئی اُس کی ڈاڑھی نوچ کر اُس کے مقعد میں گھسیڑ رہی تھی اور کوئی ڈنڈا اُس کی پیٹھ میں ٹھونس رہی تھی۔ آؤ شریفو! چور کو مار پڑتی دیکھیں۔ وارث شاہ یہی سرکاری ضابطہ ہے۔

پاڑ چُنّیاں سُتھناں کُرتیاں نوں چک وڈھ کے چیکدا چور وانگوں
وتے پھرن پروار جیوں چن دوالے گرد پائیلاں پاؤندیاں مور وانگوں
ساہوکار دا مال جیوں وچ کوٹاں دوالے چونکیاں پھرن لاہور وانگوں
وارث شاہ انگیاریاں بھکھدائی اس دی پریت ہے چند چکور وانگوں

کیدو اُن کے دوپٹوں، شلواروں اور قمیصوں کو پھاڑتا، اُنھیں دانتوں سے کاٹتا اور ساتھ ساتھ چوروں کی طرح چیخیں بھی مارتا۔ تمام لڑکیاں اُس کے گرد ایسے چکّر لگا رہی تھیں جیسے چاند کے گرد ستارے یا پھر مور خوش قدمی سے ناچتا ہے یا پھر جس طرح کسی ساہوکار کے خزانے کی

حفاظت کے لیے لاہوری فوج کے مسلح جوان پہرہ دیتے ہیں۔ وارث شاہ اُنھیں دیکھ کر حسد میں انگاروں پر لوٹ رہا تھا حال آں کہ اُس کی اپنی پریت چاند اور چکور جیسی ہے۔

کُڑیاں سد کے پینچاں نے پُچھ کیتی لنگا کاس توں ڈھاہ کے ماریا جے
ایویں باجھ تقصیر گناہ ماریا اِکے کوئی گناہ نتاریا جے
حال حال کرے پرہے وچ بیٹھا ایڈا قہر تے خون گزاریا جے
کہو کون تقصیر فقیر اندر پھڑے چور وانگوں گھُٹ ماریا جے
جھُگّی ساڑ کے مار کے بھن بھانڈے ایس فقر نوں مار اتاریا جے
وارث شاہ میاں پُچھو لڑکیاں نوں اگ لا فقیر کیوں ساڑیا جے

پنچایت کے پنچوں نے لڑکیوں کو بُلا کر پوچھا آخر تم نے لنگڑے کو زمین پر گرا کر کیوں مارا ہے؟ تم نے ایسے ہی بے گناہ اور بغیر غلطی کے مارا ہے یا پھر پہلے اس کے گناہ کے بارے کوئی پڑتال بھی کی تھی؟ یہ پنچایت میں بیٹھا دُہائی دے رہا ہے تم نے یہ ظلم اور زیادتی کیوں کی ہے؟ بتاؤ اس فقیر کا آخر جُرم کیا ہے کہ اس کو چوروں کی طرح رسّیوں میں جکڑ کر مارا ہے۔ اس کی جھونپڑی بھی جلائی، مارا بھی اور سارے برتن بھی توڑ دیئے۔ آخر اس فقیر کو اگلے جہان پہنچانے کی کوشش کیوں کی؟ وارث شاہ میاں ان لڑکیوں سے پوچھو کہ آخر اُنھوں نے فقیر کو آگ سے کیوں جلایا؟

کیدو باہوڑی تے فریاد کُوکے دھیاں والیو کرو نیاؤں میاں
میرا ہٹ پساری دا لُٹیا نیں کول ویکھدا پنڈ گراؤں میاں
میری بھنگ افیم تے پوست لُدھیا ہور نعمتاں دا کیہا ناؤں میاں
میری ٹُساں دے نال نہ سانجھ کائی پُن ٹکڑے پنڈ دے کھاؤں میاں
توتی باغ اُجاڑدی میویاں دے اُتے پھاہ لیاوندے کاؤں میاں
وارث شاہ میاں وڈّے مال لٹے کیہڑے کیہڑے دا لواں ناؤں میاں

کیدو مدد کے لیے دُہائی دیتا، چیخ چیخ کر فریاد کر رہا تھا۔ بیٹیوں والو! میرے ساتھ انصاف کرو۔ میری دُکان کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور پورا گانو تماشا دیکھتا رہا اور نعمتوں کا ذِکر کیا کروں سب سے بڑھ کر تو یہ کہ میری بھنگ، افیون اور پوست بھی لوٹ لی گئی۔ مَیں نے تم تخی لوگوں کے گھروں سے روٹیاں مانگ کر جو رشتہ بنایا تھا آج ان کی وَجہ سے وہ بھی ٹوٹ گیا...... توتی نے

میوؤں سے بھرا باغ اُجاڑ دیا ہے اور آپ کوے کے لیے پھانسی کا سامان کر رہے ہیں (قصوروار رانجھا تو باغ میں عیش کر رہا ہے اور کیدو کو ناحق مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے) وارث شاہ میری تو ساری جاید اد لُٹ گئی ہے مَیں کس کس کا نام لُوں۔

بھرجائیاں رانجھے دیاں تنگ ہو کے خط ہیر سیال نوں لِکھیا ای
ساتھوں چھیل سو ادھ ونڈائے سُتی لوک یاریاں کدھروں سکھیا ای
دیور چن ساڈا ساتھوں رُس آیا بول بول کے کھرا ترِکھیا ای
ساڈا لال موڑو سانوں خیر گھتو جانو کملیاں نوں پائی بھکھیا ای
کُڑیئے سانبھ ناہیں مال رانجھیاں دا کرسار دا دیدڑا ترکھیا ای
جھٹ کیتیاں لال نہ ہتھ آون سوئی ملے جو توڑ دا لکھیا ای
کوئی ڈُھونڈ وڈیرڑا کم جوگا اجے ایہہ نہیں یاریاں سکھیا ای
وارث شاہ لے چٹھیاں دوڑیائی کم قاصداں دا میاں سِکھیا ای

جب چوچک کی طرف سے مثبت جواب نہ مِلا تو تنگ آ کر۔ رانجھے کی بھرجائیوں نے براہِ راست ہیر کو خط لکھا تم نے زبردستی ہم سے خوب صورت مرد کی لذت کا حصہ وصول کر لیا ہے۔ تم نے یہ راہ چلتے مردوں کے ساتھ دوستی کا وتیرہ کہاں سے سیکھا ہے؟ ہمارا چاند جیسا دیور تُند و تیز طعنے دے کر ناراض ہو کر آ گیا۔ جو ہوا سو ہوا لیکن اب ہمارا لعل خیرات میں ہی سہی ہماری جھولی میں ڈال دو اور یہ سمجھو کہ تم نے کسی پاگل کو بھیک دی ہے۔ اے لڑکی! رانجھوں کے مال پر قبضہ نہ کر۔ اب ہم کسان بھی چوکس اور ہشیار ہو گئے ہیں۔ اس طرح جھپٹا مارنے سے تو 'لعلوں' پر قبضہ نہیں ہوتا۔ وہی ملتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔ تم کام دھندے کے لیے بڑھتی عمر کا آدمی تلاش کر لو۔ ابھی تو اس نے یاری لگانے کا ہُنر بھی نہیں سیکھا۔ وارث شاہ خود نامہ و پیام لے کر دوڑ پڑا ہے کہ جیسے اُس نے بھی قاصدوں کا کام سیکھ لیا ہو۔

جے توں سوہنی ہوئیکے پویں سوکن اسیں اک تھیں اک چڑھندیاں ہاں
رب جاندا ہے سبھے عُمر ساری اسیں ایس محبوب دیاں بندیاں ہاں
اسیں ایس دے مگر دیوانیاں ہاں بھاویں چنگیاں تے بھاویں مندیاں ہاں
اوہ اساں دے نال ہے چن بندا اسیں کھتیاں نال سو ہندیاں ہاں

اوہ ماردا گالیاں دے سانوں اسیں پھیر مُڑ چوکھنے ہوندیاں ہاں
جس ویلڑے دا ساتھوں رُس آیا اسیں ہنجروں رت دیاں روندیاں ہاں
ایہدے تھاؤں غلام ہور لئو ساتھوں ممنون احسان دیاں ہُیاں ہاں
رانجھے لعل باجھوں اسیں خوار ہوئیاں کونجاں ڈار تھیں اسیں وچھنیاں ہاں
جوگی لوکاں نوں مُن کے کرن چیلے اسیں ایس دے عشق نے مُنیاں ہاں
وارث شاہ رانجھے اگے ہتھ جوڑیں تیرے پریم دی اگ نے بھُنیاں ہاں

اگرتم اپنی خوب صورتی پر ناز کرتے ہوئے ہماری سوتن بننا چاہتی ہوتو یادرکھو ہم بھی ایک سے بڑھ کرایک ہیں۔خدا جانتا ہے کہ ہم تمام اسی محبوب کی کنیزیں رہی ہیں۔ہم اچھی ہیں یا بُری، جیسی بھی ہیں اُسی کی دیوانی ہیں۔وہ ہماری کہکشاں کا چاند ہے ہم بھی اُسی چاند کے ساتھ خوب صورت نظر آتی ہیں۔وہ اگرچہ ہم کو مارتا بھی تھا گالیاں بھی دیتا تھا لیکن ہم پھر بھی اُس پر قربان ہو جاتی تھیں۔وہ جس وقت سے ہم سے رُوٹھ کر تمھارے پاس آیا ہے ہم اُس کی یاد میں خون کے آنسو روتی ہیں (اگر تم کہو) ہم اُس کی جگہ کوئی دوسرا غلام بھجوانے کے لیے تیار ہیں، اگر تم یہ بات مان لوتو ہم تمھاری ممنونِ احسان ہوں گی۔رانجھے جیسے لعل کے بغیر ہم ذلیل ورُسوا ہورہی ہیں جیسے کونجیں ڈار سے علیحدہ ہوکر ہوتی ہیں۔جوگی لوگوں کے سر کے بال مونڈھ کر اپنا چیلا بناتے ہیں لیکن ہم تو اُس کے عشق میں سر منڈوا چکی ہیں (تابع ہونے کی آخری حد) وارث شاہ رانجھے سے ہاتھ باندھ کرعرض کرنا کہ ہم اُس کی محبت کی آگ میں جل کرکوئلہ بن چکی ہیں۔

نی مَیں گھول گھتی ایہدے مُکھڑے توں پاؤ دُدّھ چاول ایہدا قُوت ہے نی
اِلّا اللہ دیاں جَلیاں پاوندا ہے ذکر حَیُّ تے لَا یَمُوت ہے نی
نہیں بھابیاں تھیں کرتوت کائی سجا لڑن نوں بنی مضبوط ہے نی
جدوں تُساں تھیں سی گالیاں دیندیاں ساؤ ایہ تاں اُوتنی دا کوئی اُوت ہے نی
ماریا تُساں دے میہنے گالیاں دا ایہ تاں سُک کے ہویا تابوت ہے نی
سونپ پیراں نوں جھل وِچ چھیڑنی ہاں ایہدی مَدد تے خضر تے لُوط ہے نی
وارث شاہ پھرے اوہدے مگر لگا اج تک اوہ رہیا انچھوت ہے نی

مَیں اُس کے مکھڑے پر ہزار بار قربان۔اُس کی تو بس ایک پاؤ دودھ چاول خوراک ہے۔

وہ صرف ''الا اللہ'' کا ذِکر کرتا ہے اُس کے ہونٹوں پر ہمیشہ زندہ رہنے والے اور کبھی نہ فنا ہونے والے کا نام ہوتا ہے۔ بھابیوں سے تو کوئی اچھا کام ہوا نہیں۔ جب وہ اُن سے ناراض ہو کر یہاں آ گیا ہے تو وہ اُس سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئی ہیں۔ جب تم اُس کو گالیاں دیتی تھیں وہ معصوم اور بھولا بھالا شخص سب کچھ خاموشی سے سُن لیتا تھا رانجھا تمھاری الزام تراشیاں اور گالیاں سُن سُن کر ہی خود جلی ہوئی لاش کے مانند ہو گیا تھا۔ اب مَیں اس کو پانچ پیروں کی حفاظت میں دے کر جنگل میں بھجواتی ہوں کیوں کہ خواجہ خضر اور حضرت لوط ہمیشہ اُس کے مددگار ہوتے ہیں۔ وارث شاہ بھی اُس کی دُھن میں مست اِسی لیے رہتا ہے کہ ابھی تک اُسے کِسی نے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔ اُس کا دامن پاک ہے۔

ہیر ماؤں دے نال آ لڑن لگی تُساں ساک کیتا نال زوریاں دے
کدوں منگیا منس مَیں آکھ تیتھوں ویر کڈھیوئی کنہاں کھوریاں دے
ہُن کریں ولا کیوں اساں کولوں ایہہ کم نہ ہوندے نی چوریاں دے
جہڑے ہون بے عقل چالاوندے نی اِٹ ماڑیاں دی وچ موریاں دے
چا پُتھد نوں گونج دا ساک دتو پری بدھیا جے گل ڈھوریاں دے
وارث شاہ میاں گنا جگ سارا مزے وکھ نیں پوریاں پوریاں دے

ہیر نے آ کر ماں سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا تم نے زبردستی میرا رِشتہ کیوں طے کر دیا ہے؟ تم نے مجھ سے کون سی پرانی دُشمنی کا بدلہ لیا ہے؟ مَیں نے کب تم سے اپنے لیے کِسی خصم کا تقاضا کِیا تھا۔ اب تم اس پر میرے سامنے پردہ ڈال رہی ہو کبھی ایسے کام چوری چھپے بھی ہوئے ہیں...... جو بے سمجھ اور نادان ہوتے ہیں وہی محل کی اینٹ کو گندی نالی میں لگاتے ہیں لیکن تم نے ایک بے وقوف کو 'کونج' کا رشتہ دے کر پَری کو جانور کے گلے میں ڈال دیا ہے۔

ہیر آکھدی رانجھیا قہر ہویا ایتھوں اُٹھ کے چل جے چلنا ای
دوویں اُٹھ کے لمڑے راہ پوییئے کوئی اساں نے دیس نہ ملنا ای
جدوں جھگڑے وڑی میں کھیڑیاں دے کسے اساں نوں موڑ نہ گھلنا ای
ماں باپ نے جدوں ویاہ ٹوری کوئی اساں دا وس نہ چلنا ای
اسیں عشق دے آن میدان رُدھے بُرا سُورمے نوں رنوں ہلنا ای

وارث شاہ جے عشق فراق چھٹے ایہہ کٹک پھر آکھ کس جھلنا ای

ہیر نے آ کر رانجھے سے کہا: بہت ظلم ہوا ہے آؤ یہاں سے کہیں دُور بھاگ جائیں۔ دونوں یہاں سے کہیں میلوں دُور چلے جاتے ہیں، ہمیں اِس دیس سے کیا لینا دینا ہے؟ مَیں ایک بار جب کھیڑوں کے گھر چلی گئی تو پھر مجھے کِسی نے واپس نہیں بھیجنا۔ جب ماں باپ نے ڈولی میں بٹھا کر روانہ کر دیا تو پھر میرا کوئی بس نہیں چلے گا۔ ہم عشق کے میدان میں مصروفِ جنگ ہیں۔ سورموں کا میدانِ جنگ سے بھاگنا بے عزتی ہوتا ہے۔ وارث شاہ جب ہجر کے پرندے نے اُڑنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر اُس کے حملہ کا مقابلہ کون کر سکے گا؟

رانجھے آکھیا مونہوں کیہہ بولنائیں گھُٹ وٹ کے دُکھڑا پیونا ایں
میرے صبر دی داد جے رب دتی کھیڑیں ہیر سیال نہ جیونا ایں
یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ سارے دیس وچ ایہہ غم تھیونا ایں
یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ انبر پاٹڑے نوں کہیں سیونا ایں
صبر دِلاں دے مار جہان پٹن اُچی کاسنوں اساں بکیونا ایں
تُساں کملیاں عشق تھیں نہیں واقف نیونہہ لاونا نم دا پیونا ایں
وارث شاہ جی چُپ تھیں داد پایئے اُچا بولیاں نہیں دہیونا ایں

رانجھے نے کہا اب مَیں اپنی زبان سے کیا کہوں۔ جو بھی دُکھ ہے اب اُسے اندر ہی اندر برداشت تو کرنا پڑے گا۔ اگر اللہ نے میرے صبر کو منظور کِیا تو پھر ہیر سیال بھی کھیڑوں کے گھر میں زندہ نہیں رہ سکے گی۔ جس طرح قیامت کے دِن بادلوں کی گرج سے آسمان پھٹ پڑیں گے یہ دیس بھی میرے غم کی زد سے بچ نہیں سکے گا۔ جب روزِ محشر زمین تہہ و بالا ہو جائے گی تو پھر پھٹے ہوئے آسمان کی بخیہ گری کون کرے گا؟ دِلوں کا صبر جہان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ہمیں اس بارے کوئی دعویٰ کرنے یا اُونچی آواز میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم پاگل لوگ عشق سے واقف ہی نہیں عشق کرنا تو زہر پینے کے مترادف ہوتا ہے۔ وارث شاہ شور مچانے سے بُرا وقت نہیں ٹل سکتا۔ خاموشی کی منظوری حاصل کرنی چاہیے۔ اِسی میں عافیت ہے۔

کھیڑیاں ساہا سُدھایا باہمناں تھوں بھلی تتھ مہورت تے وار میاں
ناویں ساونوں رات سی ویر واری لِکھ گھلیا ایہہ نروار میاں

پہر رات نوں آن نکاح لینا ڈِھل لاونی نہیں زنہار میاں
اوتھے کھیڑیاں پنج سامان کیتے ایتھے سیال بھی ہوئے تیار میاں
رانجھے دُعا کیتی جنج آوندی نوں کائی غیب دے کٹک تے دھاڑ میاں
وارث شاہ سربالڑا نال ہویا ہتھ تیر کانی تلوار میاں

کھیڑوں نے برہموں کو بلوا کر شادی کی تاریخ کے ساتھ اچھے شگن کے لیے چاند کا مہورت بھی نکلوایا۔ ساون کی نویں تاریخ اور جمعرات کی رات بتائی گئی اور کہا کہ اس میں کوئی اٹکن یا اُلجھاو نہیں ہوگا۔ برہموں نے یہ بھی بتایا کہ ہیر کا رات گئے نکاح کرنا موزوں ہوگا اِس میں کِسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ ادھر کھیڑوں نے بھی تمام انتظامات کر لیے تو ادھر سیالوں نے بھی تمام تیاریاں مکمّل کر لیں۔ رانجھے نے دُعا مانگی جب بارات آئے تو اس پر غیب سے حملے ہوں۔ وارث شاہ بھی ہاتھ میں تلوار اور تیر کمان پکڑ شہ بالا بن کر ساتھ چل پڑا۔

ساک ماڑیاں دے کھوہ لین ڈاڈھے ان پُجدے اوہ نہ بولدے نیں
نہیں چلدا وس لاچار ہو کے موئے سپ وانگوں وِس گھولدے نیں
کدی آکھدے ماریئے آپ مریئے پئے اندروں باہروں ڈولدے نیں
گُن ماڑیاں دے سبھے رہن وچے ماڑے ماڑیاں تھے دُکھ پھولدے نیں
شاندار نوں کرے نہ کوئی جھوٹھا کنگال جھوٹھا کر ٹولدے نیں
وارث شاہ لٹاوندے کھڑے ماڑے مارے خوف دے مونہوں نہ بولدے نیں

جب کمزوروں کے رِشتے جابر اور زورآور چھین لیتے ہیں تو جن کی کہیں رسائی نہیں ہوتی وہ خاموش ہو جاتے ہیں اس ظلم پر آواز بھی نہیں نکالتے۔ لاچاروں کا جب کوئی بس نہیں چلتا تو مرے ہوئے سانپ کی طرح اندر ہی اندر خود اپنا زہر پینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کبھی خود کو مارتے اور کبھی دوسروں کو ختم کر دینے کے بارے سوچتے ہیں لیکن وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ کمزور لوگوں کی تمام اچھائیاں اُن کے اندر ہی دفن ہو جاتی ہیں جب کہ کمزور کمزوروں کے پاس جا کر اپنے دُکھ کا اِظہار کرتے ہیں۔ جو ذرا بھی شان والا ہوتا ہے اُسے کوئی کہیں بھی جھوٹا نہیں کہتا جب کہ غریب آدمی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اُس کی جامہ تلاشی سے بھی گریز نہیں کِیا جاتا۔ وارث شاہ غریبوں کو تو ہر کوئی لُوٹ رہا ہے لیکن وہ مارے خوف کے مُنہ سے کبھی کچھ نہیں بولتے۔

ڈاراں خوباں دیاں سیالاں دے میل آئیاں حور پری دے ہوش گواوندیاں نیں
لکھ جٹیاں مُشک لپٹیاں نیں اتن پدمنی وانگ سہاوندیاں نیں
باراں ذات تے ست سنات ڈُھکی رنگ رنگ دیاں صورتاں آوندیاں نیں
اتے بھوچھن سن پنج تولیے دے اتے لُنگیاں تیڑ چھاؤں دیاں نیں
لکھ سِٹھنی دین تے لین گالیں واہ واہ کیہ سہرا گاوندیاں نیں
پری زاد جٹیٹیاں نین خونی نال ہیک مہین دے گاوندیاں نیں
نال آرسی مُکھڑا ویکھ سُندر کول عاشقاں نوں ترساوندیاں نیں
اک وانگ بساطیاں کڈھ لاٹو ویرا رادھ دی ناف وکھاؤندیاں نیں
اک تاوڑیاں ماردیاں نچدیاں نی اک ہسدیاں گھوڑیاں گاوندیاں نیں
اک گانوں کے کوئلاں کانگ ہویاں اک راہ وچ دوہڑے لاوندیاں نیں
اک آکھدیاں "مور نہ مار میرا" اِک وچ مولڑا گاوندیاں نیں
وارث شاہ جیوں شیر گڑھ پٹن مکّی لکھ سنتاں زیارتیں آوندیاں نیں

سیالوں کی شادی والے گھر خوب صورت حسینائیں قطار در قطار داخل ہوئیں جنھیں دیکھ کر حور اور پریوں کے ہوش بھی گُم ہو گئے۔ جاٹوں کی دوشیزاؤں کے بدن سے کستوری کی خوشبو لپٹی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دُنیا کی نازک اندام اور خوب صورت عورتیں کنول کے پھولوں کی طرح کھل رہی ہوں۔ اس موقع پر بارہ اُونچی اور سات نیچی ذات کے لوگوں کو بلایا گیا تھا جن کی وجہ سے رنگ رنگ کی شکلیں نظر آ رہی تھیں۔ اُن کے سروں پر پانچ تولے وزن کے باریک دوپٹے تھے جب کہ اُنھوں نے اپنا نچلا دھڑ ڈھانپنے کے لیے دریائے چناب کے علاقہ کی مخصوص لنگیاں پہنی ہوئی تھیں...... وہ برات کے لیے مخصوص گانے گاتی اور ایک دُوسرے کو گالیاں دیتی ہوئی کیا خوب سہرا گا رہی تھیں۔ خونی آنکھوں والی پری زاد جٹیاں باریک آواز کے ساتھ گا رہی تھیں۔ اُن کے خوب صورت صاف شفاف اور آئینوں جیسے چہرے نزدیک بیٹھے عاشقوں کو ترسا رہے تھے۔ اُن میں سے کچھ اپنے سینے پر جوبن کے اُبھار دِکھا رہی تھیں تو کچھ راس دھاریوں کی طرح اپنی ناف کا نظارہ کرا رہی تھیں، کچھ صرف تالیاں بجا رہی تھیں اور کچھ ناچ رہی تھیں تو کچھ ہنس ہنس کر خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ کچھ گا گا کر ایسی ہلکان ہو گئی تھیں کہ ان کی کوئل جیسی آواز کوے جیسے ہو گئی تھی اور

کچھ اُن کے درمیان دوہڑے گا رہی تھیں۔ کچھ کے لبوں پر مور نہ مار میرا والامخصوص گیت تھا تو کچھ مولڑے کا گیت گا رہی تھیں۔ وارث شاہ وہاں لوگ اِس طرح آ رہے تھے جیسے شیر گڑھ، پاک پتن اور پیر کی مِل جُل کر زیارت کے لیے قافلے آتے ہیں۔

قاضی سدیا پڑھن نکاح نوں جی نڈھی وِہر بیٹھی ناہیں بولدی ہے
مَیں تاں منگ رنجھیٹے دی ہو چُکی ماؤں کفر تے غیب کیوں تولدی ہے
نزع وقت شیطان جیوں دے پانی پئی جان غریب دی ڈولدی ہے
اساں منگ درگاہ تھیں لیا رانجھا صدق سچ زبان تھیں بولدی ہے
اساں جان رانجھیٹے دے پیش کیتی لکھ کھیڑیاں نوں چا گھولدی ہے
مکھن نذر رانجھیٹے دے اساں کیتا نتّھی ماؤں کیوں چھاہ نوں رولدی ہے
وارث شاہ میاں اَنھے میٹوں وانگوں پئی مُوت وچ مچھیاں ٹولدی ہے

قاضی کو نکاح کے لیے بلایا گیا تو ہیر باغی ہو گئی اور اپنے لب سی لیے۔ اُس نے سوچا کہ وہ تو رانجھے کی منگیتر ہے لیکن اُس کی ماں کُفر کیوں کر رہی ہے؟ ہیر کی حالت اُس شخص جیسی تھی جس پر نزع کا عالم طاری ہو شیطان اُسے پانی پلاتا ہے لیکن جانے والے کی حالت پھر بھی نہیں سنبھلتی۔ بالآخر ہیر نے کہا: ہم نے تو روزِ ازل ہی قدرت سے اپنے لیے رانجھے کو مانگ لیا تھا۔ یہی وہ سچ ہے جو اِس حالت میں بھی زبان پر ہے۔ ہم نے تو یہ جان اُس رانجھے پر نچھاور کر رکھی ہے جس پر لاکھوں کھیڑے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ ہم نے تو مکھن رانجھے کی نذر کر دیا ہے، اب ماں خالی چھاچھ کو کیوں کھنگالنا چاہتی ہے؟ وارث شاہ اندھے مچھیرے کی طرح پتا نہیں کیوں پیشاب سے مچھلیاں تلاش کرتی ہے جو کام ہو نہیں سکتا وہ کیوں کرتی ہے؟

ہیر آ کھدی جیونا بھلا سوئی جھڑا ہووے بھی نال ایمان میاں
سبھو جگ فانی ہکو رب باقی حُکم کیتا ہے رب رحمٰن میاں
کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْن حُکم آیا ہے وِچ قرآن میاں
میرے عشق نوں جاندے دُھول باشک لوح قلم تے زمیں آسمان میاں

ہیر نے قاضی سے کہا، زندگی وُہی اچھی ہوتی ہے جو ایمان کی روشنی میں گذرے۔ تمام جہان فنا ہو جائے گا اور صرف ایک کو ہی باقی رہنا ہے۔ یہی 'خدائے رحمٰن' کا ارشاد ہے۔ قرآن

پاک میں بھی لکھا ہوا ہے کہ ہر شے کے جوڑے آسمانوں پر بنائے گئے تھے۔ میرے عشق کو زمین کو اپنے سینگوں پر اُٹھائے رکھنے والا بیل اور دھرتی کو سہارا دینے والا سانپ، یہ زمین و آسمان اور لوح و قلم بھی جانتے ہیں یعنی ہمارے عشق کی بنیاد تو کائنات کے آغاز پر ہی رکھ دی گئی تھی۔

جوبن رُوپ دا کُجھ وساہ ناہیں مان متیئے مُشک لپیٹے نی
نبیؐ حُکم نکاح فرما دتا رب فَانکِحُوا من لے جٹیے نی
کدی دِین اسلام دے راہ ٹُریئے جڑ کُفر دی جیؤ تھوں پٹیے نی
جہڑے چھڈ حلال حرام تکن وِچ ہاویہ دوزخے سٹیے نی
کھیڑا حق حلال قبول کر توں وارث شاہ بن بیٹھی ایں وٹیے نی

اے تفاخر میں ڈوبی اور خوشبو میں لپٹی ہوئی نادان عورت اس حُسن اور جوانی کا کوئی بھروسا نہیں۔ خدائے بزرگ و برتر اور رسولِ کریم کا نکاح کے بارے حُکم تسلیم کر۔ دِینِ اسلام کی راہ چل اور اپنے دِل سے کُفر کی جڑ کو اُکھاڑ پھینک۔ جو لوگ حلال چھوڑ حرام دیکھتے ہیں اُنھیں ہاویہ دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا۔ کھیڑے کو اپنے حق میں قبول کر۔ خواہ مخواہ وارث شاہ کے بغیر ناراض ہو کر بیٹھی ہوئی ہے۔

قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ قاضی عرش خدائے دا ڈھا ناہیں
جتھے رانجھے دے عشق مقام کیتا اوتھے کھیڑیاں دی کوئی واہ ناہیں
ایہی چڑھی گولیر میں عِشق والی جتھے ہور کوئی چاڑھ لاہ ناہیں
جس جیونے کان ایمان ویچاں ایہا کون جو انت فناہ ناہیں
جیہا رنگھڑاں وچ نہ پیر کوئی اتے لُدھراں وچ بادشاہ ناہیں
وارث شاہ میاں قاضی شرع دے نوں نال اہل طریقتاں راہ ناہیں

مومنوں کا دِل تو عرشِ مُعلّٰی ہوتا ہے اے قاضی! خدا کے اِس عرش کو مت توڑو۔ جس مقام پر رانجھے کے عشق کا بسیرا ہے وہاں تک پہنچنا کھیڑوں کی مجال نہیں۔ مَیں تو عشق کی اُس بلندی تک پہنچ چکی ہوں جہاں کوئی اُتار چڑھاؤ نہیں ہوتا۔ جس زندگی کے لیے ایمان کو فروخت کروں گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اُسے پھر فنا نہیں ہو گی؟ جس طرح رانگڑوں میں کوئی پیر ہے نہ لدھڑوں میں کوئی بادشاہ، اُسی طرح وارث شاہ میاں شرع کے قاضیوں کو اہلِ طریقت سے کوئی واسطہ نہیں

ہوتا۔ ان کی آپس میں نہیں بنتی۔

دُرّے شرع دے مار اُدھیڑ دیساں کراں عمر خطاب دا نیاؤں ہیرے
گھت ککھاں دے وچ مَیں ساڑ ستاں کول ویکھسی پنڈ گراؤں ہیرے
کھیڑا کریں قبول تاں خیر تیری چھڈ چاک رنجھیٹے دا ناؤں ہیرے
اکھیں میٹ کے وقت لنگھا مویئے ایہہ جہان ہے بدلاں چھاؤں ہیرے
وارث شاہ ہُن آسرا رب دا ہے جدوں وٹرے باپ تے ماؤں ہیرے

اس طرح شرعی احکامات کے کوڑے مار مار کر تمھارا جسم ادھیڑ دوں گا کہ عمر خطاب کا انصاف پھر سے زندہ ہو جائے گا۔ تمھیں خس و خاشاک میں پھینک کر جلا دیا جائے گا، سارا گانو یہ منظر دیکھے گا لیکن کوئی تمھاری مدد کو نہیں آئے گا۔ تمھاری بھلائی اِسی میں ہے کہ کھیڑے کو اپنے نکاح میں قبول کر لو اور رانجھے کا نام اپنی زبان پر لانا چھوڑ دو۔ تجھے موت آئے آنکھیں بند کر کے زندگی کے دِن پورے کر۔ یہ جہان تو بادلوں کی چھانو جیسا ہے بادل چھٹ جائیں تو چھانو بھی نہیں رہتی۔ وارث شاہ جب ماں باپ ناراض ہو جائیں تو پھر ایک خدا کا سہارا ہی باقی رہ جاتا ہے۔

قَالُوْ بَلٰی دے دینہہ نکاح بدھا رُوح نبی دی آپ پڑھایا ای
قطب ہو وکیل وِچ آ بیٹھا حکم رب نے آن کرایا ای
جبرائیل میکائیل گواہ چارے عزرائیل اسرافیل آیا ای
اگلا توڑ کے ہور نکاح پڑھنا آکھ رب نے کدوں فرمایا ای

ہیر نے کہا ہمارا نکاح تو 'روزِ میثاق' ہی طے ہو گیا تھا اور اس کو نبی پاکؐ کی روح نے پڑھایا تھا جب کہ اِس نکاح میں خود خدائے بزرگ و برتر ثالث اور قطب وکیل بن کر بیٹھا تھا۔ چاروں مقرب فرشتے حضرت جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل گواہ بنے تھے۔ اب تم ہی بتاؤ پہلا نکاح توڑ کر دوسرا پڑھنا کب خدا نے جائز فرمایا ہے؟

جھڑے عشق دی اگ دے تاؤ تتے تنہاں دوزخاں نال کیہ واسطہ ای
جنہاں اِک دے ناؤں تے صدق بدھا اونہاں فکر اندیشڑا کاس دا ای
آخر صدق یقین تے کم پوسی موت چرغ ایہہ پُتلا ماس دا ای
دوزخ مُوہریاں ملن بے صدق جھوٹھے جنہاں بان تکن آس پاس دا ای

جو عشق کی آگ میں جل کر پہلے ہی سرخ ہو چکے ہیں اُنھیں دوزخوں کی آگ بھلا کیا کہے گی؟ ویسے بھی جنھوں نے ایک خدا کے نام پر یقین باندھ لیا ہو اُنھیں پھر کوئی اور اندیشہ یا فکر کیسے لاحق ہو گی۔ جب گوشت پوست کے اس پُتلے کو موت کے شکاری پرندے کا سامنا کرنا پڑے گا تو یہی ایمان اور یقین ہی تو کام آئیں گے۔ وارث شاہ دوزخ کے دروازے پر سب سے پہلے جھوٹے اور بے یقین لوگ ہی نظر آئیں گے جو مدد کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہوں گے۔

قاضی ! ماؤں تے باپ اقرار کیتا ہیر رانجھے دے نال ووا ہنی ہے
اساں اوس دے نال چا قول کیتا لب گور دے تیک نبھاہنی ہے
انت رانجھے نوں ہیر پرنا دینی کوئی روز دی ایہہ پراہنی ہے
وارث شاہ نہ جاندے منجھ کملے خورش شیر دی گدھے نوں ڈاہنی ہے

ہیر نے کہا اے قاضی! میرے ماں باپ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہیر کی شادی رانجھے کے ساتھ ہو گی چناں چہ ہم نے بھی اُس کو یہ قول دے دیا کہ قبر کنارے تک ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ فیصلہ یہی ہوا تھا کہ ہیر کو رانجھے کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا اور یہ میکے میں چند دِنوں کی مہمان ہے۔ وارث شاہ نیم پاگل کیوں نہیں جانتے کہ شیر کی خوراک گدھے کو نہیں دی جاتی۔

قرب وِچ درگاہ دے تنہاں نوں ہے جہڑے حق دے نال نکاحین گے
مانوں باپ دے حُکم دے وچ چلّے بہُت ذوق دے نال ووا ہین گے
جہڑے شرع تھوں جان بے حُکم ہوئے وچ ہاویئے دوزخے لاہین گے
جہڑے حق دے نال پیار ونڈن اُٹھ بہشت بھی اونہاں نوں چاہین گے
جہڑے نال تکبری آکڑن گے وانگ عید دے بکرے ڈھاہین گے
تن پال کے جہناں خود رُوئی کیتی اگے اگ دے عاقبت ڈاہین گے
وارث شاہ میاں جہڑے بہُت سیانے کاؤں وانگ پلاک وچ پھاہین گے

قاضی نے کہا قدرت کا قرب انھیں ہی قیامت کے دِن نصیب ہو گا جو خدا کے حُکم کے مُطابق نکاح کریں گے اور کمان میں تنی ہوئی رسّی کی طرح اپنے مالک کے ہاتھوں کے تابع ہو کر یعنی والدین کے حُکم پر شوق سے شادی کریں گے لیکن جو لوگ شرع کے اس حُکم سے بغاوت کریں گے اُنھیں ہاویہ دوزخ میں پھینکا جائے گا اور جو حق کی راہ پر چلتے ہوئے پیار بانٹیں گے اُنھیں

آٹھوں بہشت خود اپنی طرف پیار سے بلائیں گے مگر جو تکبر اور غرور کی بِنا پر ضد کریں گے اُنھیں عید کے بکروں کی طرح زمین پر گرا کر ذبح کِیا جائے گا۔ جنھوں نے جسم پروری کی اور مصنوعی ہار سنگار کیے وہ اپنی عاقبت خود آگ کے حوالے کریں گے۔ وارث شاہ میاں جو بہُت چالاک اور ہشیار بنتے ہیں اُنھیں کوؤں کی طرح نجاست پر پھنسالیا جائے گا۔

جھڑے اِک دے ناؤں تے محو ہوئے منظور خدا دے راہ دے نیں
جنہاں صدق یقین تحقیق کیتا مقبول درگاہ اللہ دے نیں
جنہاں اک دا راہ دُرُست کیتا تنہاں فکر اندیشڑے کاہ دے نیں
جنہاں نام محبوب دا وِرد کیتا اوہ صاحب مرتبہ جاہ دے نیں
جھڑے رشوتاں کھائیکے حق روڑھن اوہ چور اچکڑے راہ دے نیں
ایہہ قرآن مجید دے معنے نیں جھڑے شعر مئیں وارث شاہ دے نیں

ہیر نے کہا جنھوں نے ایک کے نام پر صاد کِیا وہی لوگ اللہ کی راہ میں منظور ہوئے جنھوں نے تحقیق کے بعد ایمان اور یقین کو اپنی زندگی کا حصّہ بنایا وہی بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوں گے اور جو ایک خدا کی راہ پر چل نکلتے ہیں اُنھیں کوئی اور اندیشہ یا فکر لاحق نہیں ہوتا اور پھر جو اپنے محبوب کا مسلسل ذِکر کرتے رہتے ہیں اُنھیں ہی مرتبہ و مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو رشوتیں لے کر خدا کے حُکم کو دریا میں بہا دیتے ہیں وہ راستے میں بیٹھے چور اچکّے اور راہزن ہوتے ہیں۔ وارث شاہ کے اشعار پر اگر غور کِیا جائے تو دراصل یہ قرآنِ مجید کی آیات کے معنی ہیں۔

قاضی آکھیا ایہہ جے روڑ پکا ہیر جھگڑیاں نال نہ ہار دی ہے
لیاؤ پڑھو نکاح مُنہ بنّھ اس دا قصّہ گوئی فساد گزاردی ہے
چھڈ مسجداں دائریاں وچ وڑدی چھڈ بکریاں سُوریاں چاردی ہے
وارث شاہ مدھانی ہے ہیر جٹّی عشق دہی دا گھیو نتاردی ہے

قاضی نے کہا یہ تو بہُت ڈِھیٹ عورت ہے۔ یہ جھگڑا کرتی شرماتی ہے اور نہ ہی اپنی ہار تسلیم کرتی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ 'قصّہ گوُ' کوئی نیا فساد کھڑا کر دے اس کا مُنہ باندھ کر نکاح پڑھوا دو۔ یہ مساجد کو چھوڑ کر گاؤں کے باہر بنے ڈیروں کو اہمیت دیتی اور بکریوں کو چھوڑ کر خزیروں کو چارہ ڈالتی ہے۔ (بکریاں چرانے کا پیغمبرانہ وصف چھوڑ کر عشق میں سؤروں کو دانہ کھلاتی ہے)۔ وارث شاہ

ہیر وہ مدھانی ہے جو عشق کے دہی سے گھی نکال رہی ہے یعنی عشق کا آخری نتیجہ دیکھنا چاہتی ہے۔

قاضی بنّھ نکاح تے گھت ڈولی نال کھیڑیاں دے دِتی ٹور میاں
تیور بیوراں نال جڑاؤ گہنے دم دولتاں نعمتاں ہور میاں
ٹمک مہیں تے گھورڑے اُٹھ دِتے گہنا پترا ڈھگڑا ڈھور میاں
ہیر کھیڑیاں نال نہ ٹُرے مُولے پیا پنڈ دے وچ ہے شور میاں
کھیڑے گھن کے ہیر نوں رواں ہوئے جویں مال نوں لے وگے چور میاں

قاضی نے زبردستی ہیر کا نکاح باندھا۔ ڈولی میں بٹھوایا اور کھیڑوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جہیز میں 'تیور بیور' جڑاو گہنے اور ڈرموں کی شکل کے بنے صندوق نقدی سے بھر دیے گئے۔ بھینسوں، گھوڑوں اور اُونٹوں کے ساتھ مزید نعمتیں اور مال مویشی بھی دیے گئے......لیکن ہیر کھیڑوں کے ساتھ جانے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی، سب یہی کہتے تھے اور یہ شور سارے گانو میں برپا تھا۔ کھیڑے اِس طرح ہیر کو لے کر روانہ ہوئے جیسے چور رات کی تاریکی میں مویشی لے کر جاتے ہیں۔

تینوں حال دی گل مَیں لِکھ گھلاں تُرت ہو فقیر تیں آونا ای
کسے جوگی تھے جائیکے بنیں چیلا سواہ لائیکے کن پڑاونا ای
سبھا ذات صفات برباد کر کے اتے ٹھیک تیں سیس مُناونا ای
توں ہی جیوندا دیدنا دئیں سانوں اساں وت نہ جیوندیاں آونا ای

جب تجھے حالات سے آگاہ کروں تو تم فوراً فقیر بن کر آ جانا۔ کسی جوگی کا جا کر چیلا بننا۔ جسم پر راکھ ملنا۔ کانوں میں فقیری بندے ڈالنے کے لیے چھید کروانا۔ اپنی ذات صفات کی نفی کر کے اپنا سر منڈوا کر آ جانا اور اب تم ہی جیتے جی ہم کو یہاں آ کر دیدار نصیب کرنا ہم نے تو زندہ اُدھر سے واپس نہیں آنا۔

یارو جٹ دا قول منظور ناہیں گوز شُتر ہے قول روستائیاں دا
پتاں ہون اکی جس جٹ تائیں سوئی اصل بھرا ہے بھائیاں دا
جدوں مینہ اروڑی تے عقل آوے جویں کھوتڑا ہووے گسائیاں دا
سروں لاہ کے چھتراں ہیٹھ دیندے مزہ آونے تدوں صفائیاں دا
جٹی جٹ دے سانگ تے ہون راضی پھڑے مغل تے ویس گیلائیاں دا

دِھیاں دینیاں کرن مسافراں نوں ویچن ہور دھرے مال جوائیاں دا
وارث شاہ نہ معتبر جاننا جے قول جٹ سنیار قصائیاں دا

لوگوں نے کہا دوستو! ہمیں اس جاٹ کی بات پر یقین نہیں۔ بے وقوف کسان کا قول اُس اُونٹ کی طرح ہوتا ہے جو وقت بے وقت معدے سے ہوا خارج کرتا رہتا ہے۔ جس جاٹ کی عزت کی اکیس تہیں ہوں، اصل جاٹوں کا وہی بھائی اور قابلِ احترام ہوتا ہے لیکن اس کی تو کوئی عزت نہیں۔ جس طرح سنیاسی کے گدھے کو گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر عقل آتی ہے اس کی حالت بھی وہی ہے۔ یہ جب اپنی پگڑیاں سروں سے اُتار کر پیٹھ کے نیچے رکھ کر بیٹھتے ہیں تو انھیں صفائی کا مزہ آتا ہے۔ جب ان کے سامنے جٹی اور جاٹ کا سوانگ رچایا جاتا ہے تو یہ بھولے لوگ خوش ہوتے ہیں مگر جب انھیں مغل پکڑ کر لے جاتے ہیں تو پھر یہ گیلانی سیّدوں جیسا بھیس بنا کر نکل جاتے ہیں۔ یہ جاٹ لوگ اپنی بیٹیاں مسافروں کو دینے کا وعدہ تو کر لیتے ہیں لیکن جب دوسری جگہ سے زیادہ مال ملتا ہے تو انھیں فروخت کر دیتے ہیں۔ وارث شاہ! جاٹوں، سنیاروں اور قصابوں کی بات کا کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

گھر کھیڑیاں دے جدوں ہیر آئی چُک گئے تگادڑے اتے جھیڑے
وِچ سیالاں دے چُپ چانک ہوئی اتے خوشی ہو پھردے نیں سبھ کھیڑے
فوجدار تغیر ہو آن بیٹھا کوئی اوس دے پاس نہ پائے پھیرے
وچ تخت ہزارے دے ہون گلاں اتے رانجھے دیاں بھابیاں کرن جھیڑے
چٹھی لکھ کے ہیر دی عذر خواہی جویں موئے نوں پچھیے ہو نیڑے
ہوئی لکھی رضا دی رانجھیا وے ساڈے الڑے گھاٗ سن توں اچیڑے
مُڑ کے آ نہ وِگڑیا کم تیرا لٹکیندڑا گھریں تُوں پا پھیرے
جہڑے پھُل دا رنت توں رہیوں راکھا اوس پھُل نوں توڑ لے گئے کھیڑے
جیند ے واسطے پھریں توں وِچ جھلاں جتھے باگھ بگھیلے تے شینہ بیڑھے
کوئی نہیں وساہ کنواریاں دا ایویں لوک نکھڑے کرن جھیڑے
توں تاں محنتاں سیں دنے رات کردا ویکھ قدرتاں رب دیاں کون پھیرے
اوس جوہ وچ پھیر نہ پین پانی کھس جان جاں کھپراں مونہو ہیڑے

کلس زری دا چاڑھیے جا روضے جس ویلڑے آن کے وڑیں وہڑے
وارث شاہ ایہہ نذر سی اساں منی خواجہ خضر چراغ دے لئے پیڑے

جب ہیر کھیڑوں کے گھر آ گئی تو سب بحث و تکرار، تقاضے اور جھگڑے ختم ہو گئے تھے۔ سب سیالوں کے گھروں میں خاموشی چھا گئی تھی۔ سب لوگ خوشیوں سے سرشار تھے۔ ادھر رانجھا اس طرح بے تعلّق سا ہو کر بیٹھا تھا جیسے مغل بادشاہ کے کسی فوجدار کا تبادلہ ہو جائے تو کوئی اُس کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ تخت ہزارے میں بھی باتیں شروع ہو گئی تھیں اور رانجھے کی بھابیاں بھی ایک دوسرے سے مذاق کر رہی تھیں۔ اُنھوں نے چٹھی لکھ کر بے وفائی کے بعد کی صورتِ حالات یوں معلوم کی جیسے کوئی مُردے کا احوال معلوم کرتا ہے۔ اے رانجھے جو کچھ بھی ہوا یہی تقدیر میں لکھا تھا۔ تم نے ہمارے کچے زخموں کو پھر سے ادھیڑ دیا ہے۔ اب بھی موقع ہے جو کچھ ہوا بھول جا اور جیسے بھی ہو گھر واپس آ جا۔ یہاں تمھارا کچھ خراب نہیں ہوا سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے۔ جس پھول کا تو ہمیشہ کے لیے نگہبان ہوا تھا اس کو تو کھیڑے توڑ کر لے گئے ہیں۔ جس کے لیے تم نے اس جنگل کی خاک چھانی جہاں ہر وقت شیر اور بگھیاڑ حملہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں وہ تو چلی گئی۔ دراصل ان کنواریوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لوگ خواہ مخواہ ان سے اُمیدیں باندھ لیتے ہیں۔ تم نے تو دن رات ہیر کے لیے محنت مشقت بھی کی لیکن اس کی قدرت کو کون تبدیل کر سکتا تھا؟ جب کسی شکاری سے پانی پینے کا برتن مُنہ کے قریب آیا ہوا چھین لیا جاتا ہے تو وہ پھر اُس علاقے میں نہیں آتا۔ اگر تم اپنے گھر واپس آ جاؤ تو ہم پیر کے روضے پر سونے کا 'کلس' چڑھائیں گی۔ وارث شاہ ہم نے یہ منّت بھی مانی ہے کہ خواجہ خضر کے بیڑے میں گھی کے چراغ جلائیں گی اور ہم نے اس کے لیے مکھن کے پیڑے بھی مخصوص کر دیے ہیں۔

گئی عمر تے وقت پھر نہیں مُڑدے گئے کرم تے بھاگ نہ آوندے نی
گئی گل زبان تھیں تیر چھٹا گئے روح قلبوت نہ آوندے نی
گئی جان جہان تھیں چھڈ جُثا گئے ہور سیان فرماوندے نی
مُڑ ایتنے پھیر جے آوندے نہیں رانجھے یار ہوری مُڑ آوندے نی
وارث شاہ میاں سانوں کون سدے بھائی بھابیاں ہُنر چلاوندے نی

جس طرح گذرتی ہوئی عمر اور وقت واپس نہیں پلٹتا اس طرح قسمت اور نصیب بھی واپس

نہیں آتے۔ زبان سے نکلا ہوا لفظ، کمان سے نکلا تیر، جسم سے نکلی رُوح بھی کبھی واپس نہیں آتی۔ کئی اور دانشمندوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ جہان سے جانے والی زندگی واپس نہیں آتی۔ جب یہ سب کچھ نہیں ہوسکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رانجھا نا کام واپس پلٹ آئے! وارث شاہ بھائی اور بھابیاں تو فریب کر رہی ہیں ورنہ ہمیں بھلا سچے دِل سے کون بُلاتا ہے؟

مئیں رانجھے نے مُلّاں نوں جا کیہا چٹھی لکھو جی سجناں پیاریاں نوں
تُساں ساہورے جا آرام کیتا اسیں ڈھوئے ہاں سُول انگیاریاں نوں
اگ لگ کے زمیں آسمان ساڑے جا لکھاں جے دُکھڑیاں ساریاں نوں
میتھوں ٹھگ کے مہیں چرا لئیاں رناں سچ نیں توڑ دیاں تاریاں نوں
چاک ہو کے وت فقیر ہوواں کیہا ماریو اساں وچاریاں نوں
گِلہ لکھو جو یار نے لکھیائے سجن لکھدے جویں پیاریاں نوں
وارث شاہ نہ رب بن ٹانگ کائی کیویں جِتیئے معاملیاں ہاریاں نوں

رانجھے نے مُلّاں سے جا کر کہا ساجن کے نام چٹھی لکھ دو۔ تم نے تو سسرال جا کر آرام کی زندگی اپنائی ہے لیکن اِدھر ہم یہاں انگاروں اور کانٹوں پر لوٹ رہے ہیں۔ اگر مَیں اِس جدائی کے تمام دُکھ لکھ دُوں تو زمین و آسمان کو آگ لگ جائے گی۔ مجھ سے دھوکا فریب سے مویشی چروائے۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ عورتیں مکروفریب سے آسمان کے تارے بھی توڑ لیتی ہیں۔ پہلے تو ہمیں نوکر بنایا اب فقیر بننے کا حُکم جاری کر دیا۔ ہم بے چاروں کو اب اور کِس طرح مارنا ہے؟ ہمارا بھی گِلہ شکایت، مولوی صاحب اُس طرح لکھنا، جیسے دوست اپنے پیاروں کو لکھا کرتے ہیں۔ وارث شاہ خدا کے بغیر کون ایسا وکیل ہے کہ جو ہارے ہوئے مقدمے جیت سکے۔

ثابت ہوئے لنگوٹری سُنی ناتھا کاہے جھگڑا چا اُجاڑدا مَیں
جھ عشق تھوں رہے جے چُپ میری کاہے ایڈڑے پاڑنے پاڑدا مَیں
جیو مار کے رہن جے ہوئے میرا ایڈے معاملے کا سنوں دھار دا مَیں
ایس جیو نوں نڈھڑی موہ لیتا نہیں تے فقر دا ناؤں چتاردا مَیں
جے تاں مست اُجاڑ وِچ جا بہندا مہیں سیالاں دیاں کا سنوں چاردا مَیں
جے مَیں جان دا کن توں پاڑ ماریں ایہہ مُندراں مُول نہ ساڑدا مَیں

اِکے کن سوار دے پھیر میرے اِکے گھتوں ڈھلیت سرکار دا مَیں
ہور واعدا فکر نہ کوئی میتھے وارث رکھدا ہاں غم یار دا مَیں

رانجھے نے کہا اے ناتھ! اگر مَیں اپنے لنگوٹ کا مضبوط محافظ ہوتا تو اپنا گھر بار کیوں تباہ کرتا؟ اور اگر مَیں اپنے عشق کے بارے خاموشی اختیار کر سکتا تو اِتنی مصیبتیں اور مشکلیں کیوں برداشت کرتا اور اگر مَیں اپنے مَن کو مار کر جی سکتا تو پھر مجھے ایسے منصوبے بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر اس دِل کو ہیر نے اپنی محبت کی گرفت میں نہ لیا ہوتا تو کِس کافر نے فقیر ہونے کے بارے سوچنا بھی تھا اور اگر مَیں ''مست الست'' بن کر بیابانوں میں بیٹھ سکتا تو سیالوں کی بھینسیں کیوں چراتا اور اگر مَیں تکبر اور غرور کو مار سکتا تو مجھے کان چھدوانے اور سر منڈانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم میرے کان پھاڑ دو گے تو مَیں ان مندروں کو ہی آگ کیوں نہ لگا دیتا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھے زندگی کی خوشیوں اور ہنسی مذاق سے بھی منع کر دو گے تو مَیں تمھارے ٹلے پر پیشاب بھی نہ کرتا۔ یا تو میرے کان پھر سے ٹھیک کر دو نہیں تو مَیں سرکاری پیادے تمھارے پیچھے لگا دوں گا۔ مجھے اور کوئی دُکھ اور رنج نہیں وارث شاہ مَیں تو غمِ یار کا مارا ہوا ہوں۔

چھڈ یاریاں چوریاں دغا جٹا بہُت اوکھیاں ایہہ فقیریاں نی
جوگ جالنا سار دا نگلنا ہے اس جوگ وچ بِکٹ ظہیریاں نی
جوگی نال سنتاپ نیں ہو جاندے جویں اُٹھ دے نک نکیریاں نی
تُونبا سمرنا کھپری ناد سنگی چمٹا بھنگ نیئر زنجیریاں نی
چھڈ تریمتاں دی جھاک ہو جوگی فقر نال جہان کیہہ سیریاں نی
وارث شاہ ایہہ جٹ فقیر ہویا نہیں ہوندیاں گدھے تھوں پیریاں نی

اے جاٹ! چوری یاری اور دغا فریب چھوڑ دے اس میں بھلا ہے ویسے بھی فقیری بہُت کٹھن اور مشکل کام ہے۔ جو قبول کرنا اور پھر اس کی حفاظت کرنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ اس جوگ میں قدم قدم پر خوفناک مصائب سامنے آتے ہیں۔ جس طرح اُونٹ کو قابو کرنے کے لیے ناک میں نکیل ڈالنا ضروری ہوتا ہے اُسی طرح جوگیوں کے لیے دُکھ درد اور مشکلات کی نکیل بھی ضروری ہوتی ہے۔ تُونبہ، مالا، کاسہ، ناد، سارنگی، چمٹا، بھنگ، ناریل کے کھوپے سے بناحُقّہ...... یہ سب اُس کے ساتھی بھی ہیں اور پاؤں کی زنجیریں بھی۔ تم عورتوں کی اُمید

چھوڑ اور مکمل جوگی بن جاؤ، فقیروں کی دُنیا کے ساتھ کوئی سانجھ نہیں ہوتی۔ وارث شاہ یہ جاٹ فقیر تو ہو گیا ہے لیکن کبھی گدھوں سے بھی ایسے کام ہوئے ہیں۔

جوگی ناتھ تھوں خوشی لے وداع ہویا چھٹا باز جیوں تیز تراریاں نوں
پلک جھلک وچ کم ہو گیا اوس دا لگی اگ جوگیلیاں ساریاں نوں
مُڑ کے دھیدو نے اک جواب دِتا اونہاں چیلیاں ہانسیاریاں نوں
بھلے کرم جے ہون تاں جوگ پایئے جوگ ملے نہ کرم دیاں ماریاں نوں
اسیں جٹ اجان ساں پھاس گئے کرم کیتا سو اساں وچاریاں نوں
وارث شاہ اِلٰہ جاں کرم کردا حُکم ہوندا ہے نیک ستاریاں نوں

رانجھا جوگی ناتھ سے اجازت لے کر وہاں سے ایسے بھاگا جیسے کوئی باز پنجرے سے نکل کر تیزی سے اُڑتا ہے، اُس کا جس طرح پلک جھپکتے کام ہو گیا تھا اُسے دیکھ کر وہاں موجود تمام چیلے حسد سے جل گئے۔ دھیدو نے واپس پلٹ کر ان تمام چیلوں کو جو اُس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے جواب دیا: بدنصیبوں کو نہیں قسمت والوں کو ہی جوگ ملتا ہے۔ ہم جاٹ تو انجان تھے اور اس میں پھنس گئے لیکن اُس نے ہم بے چاروں پر بھی کرم کیا۔ وارث شاہ جب اللہ کی ذات کرم کرتی ہے تو پھر نیک ستارے بھی خود بخود حرکت میں آ جاتے ہیں۔

جدوں رنگپور دی جوہ جا وڑیا بھیڈاں چارے عیالی وچ بار دے جی
نیڑے آنکے جوگی نوں ویکھدا ہے جویں نین ویکھن نین یار دے جی
چھن چور دا چُغل دی جیبھ وانگوں گجھے رہن نہ دیدڑے یاردے جی
چور یار تے ٹھگ نہ رہن گجھے کتھے چھپدے آدمی کار دے جی
تُسیں کیہڑے دیس دے فقر سائیں سخن دسّو کھاں کھول نرواردے جی
ہمیں لنک باشی چیلے اگست مُن دے ہمیں پنچھی سمندروں پاردے جی
باراں برس بیٹھے باراں برس پھردے ملن والیاں دی گل تاردے جی
وارث شاہ میاں چارے چک بھوندے ہمیں قدرتاں کوں دید ماردے جی

جب رانجھا کھیڑوں کے گاؤں رنگپور کی حدود میں داخل ہوا تو گاؤں سے باہر جنگل میں ایک چرواہا بھیڑیں چرا رہا تھا۔ وہ نزدیک آ کر جوگی کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے آنکھیں محبوب کی آنکھوں

میں دیکھتی ہیں۔ لیکن جس طرح چور کی حرکات، چغلخور کی زبان اور پیار میں رنگی ہوئی آنکھیں کبھی پوشیدہ نہیں رہتیں اس طرح چور، عاشق اور ٹھگ چھپے نہیں رہتے۔ ایسے آدمی اپنی کرتوتوں سے خود ہی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ چرواہے نے کہا ذرا تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ آپ کس دیس کے رہنے والے فقیر ہیں؟ رانجھے نے کہا...... ہم لنکا جزیرے کے رہنے والے 'اگست منی' کے چیلے اور سمُندر پار کے پنچھی ہیں۔ ہم بارہ برس ریاضت کے لیے بیٹھے رہے اور بارہ برس سفر کی حالت میں رہے۔ جو ہم کو عقیدت سے ملتا ہے اُس کی پشتیں سنوار دیتے ہیں۔ وارث شاہ ہم چاروں اطراف سفر کر کے خدا کی قدرت کا نظارہ کرتے ہیں۔

اِجڑ چارنا کم پیغمبراں دا کیہا عمل شیطان دا ٹولیو ای
بھیڈاں چار کے تہماں جوڑنا ایں کیہا غضب فقیر تے بولیو ای
اسیں فقر اللہ دے نانگ کالے اساں نال کیہہ کوئیلا گھولیو ای
واہی چھڈ کے کھولیاں چاریاں نی ہویوں جوگڑا جیو جاں ڈولیو ای
سچ من کے پچھاں مُڑ جا جٹا کیہا کوڑ دا گھولنا گھولیو ای
وارث شاہ ایہہ عمر نت کریں ضائع شکر وچ پیاز کیوں گھولیو ای

رانجھے نے کہا گلے چرانا تو پیغمبروں کا شیوہ رہا ہے لیکن تم نے یہ شیطانی طور طریقے کیوں اپنا رکھے ہیں، تم بھیڑیں بھی چراتے ہو اور الزام تراشی بھی کرتے ہو۔ فقیر پر کیوں غضب ڈھاتے ہو؟ ہم اللہ کے فقیر تو کالے ناگ ہوتے ہیں تم نے ہم پر کیا بہتان لگانے شروع کر دیے ہیں؟ تم نے کھیتی باڑی چھوڑ کر بھینسیں چرائیں اور جب تمھارا جی اُکتا گیا تو جوگی بن گئے۔ اے جاٹ سچائی کو تسلیم کر لے، تمھارا اس میں ہی بھلا ہے کہ واپس چلا جا۔ تمھاری وجہ سے ہی یہ سارا جھوٹ اور فساد کھڑا ہوا ہے۔ وارث شاہ تم شکر میں پیاز گھول کر کیوں اپنی عمر ہمیشہ کے لیے ضائع کر رہے ہو؟

ست جرم کے ہمیں فقیر جوگی نہیں نال جہان دے سیر میاں
اساں سیلھیاں کھپراں نال ورتن بھیکھ کھاء کے ہونا وہیر میاں
بھلا جان جٹا کہیں چاک سانوں اسیں فقر ہاں ظاہرا پیر میاں
ناؤں مہریاں دے لیاں ڈرن آوے رانجھا کون تے کہڑی ہیر میاں
جتی ستی ہٹھی تپی ناتھ پورے ست جنم کے گہر گمبھیر میاں

جٹ چاک بناؤ ناہیں جوگیاں نوں ایہی جیو آوے سٹوں چیر میاں
تھرا تھر کنبے غُصّے نال جوگی اکھیں روہ پلٹیا نیر میاں
ہتھ جوڑ عیال نے پیر پکڑے جوگی بخش لے ایہہ تقصیر میاں
تُسیں پار سمُندروں رہن والے بھُل گیا چیلا بخش پیر میاں
وارث شاہ دا عرض جناب اندر سُن ہو ناہیں دِلگیر میاں

ہم سات جنم سے خاندانی فقیر ہیں ہماری دُنیا کے ساتھ کوئی سانجھ نہیں۔ ہمارا کاسے اور فقیری رسیوں کے ساتھ ہی رِشتہ ہے۔ ہم بھیک میں مِلی روٹی کھا کے بھی سیر ہو جاتے ہیں۔ تُو اے جاٹ ہمیں 'چاک' کہتا ہے، خدا تیرا بھلا کرے لیکن ہم مرادیں بانٹنے والے پیر اور کامل فقیر ہیں۔ اب تو خوب صورت عورتوں کا نام لیتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ تم کِس رانجھے اور ہیر کی بات کرتے ہو، ہم تو اُنھیں نہیں جانتے۔ ہم تو جتی ستی، مستقل مزاج، عزمِ صمیم والے مکمّل ناتھ ہی نہیں سات جنم سے فقر سے سنجیدہ اور عمیق بھی ہیں۔ تم ہم جوگیوں کو جاٹ اور چاک نہ بناؤ جی تو یہی چاہتا ہے تمھیں درمیان میں سے چیر کر دو ٹکڑے کر دوں۔ جوگی غُصّے سے تھر تھر کانپنے لگا اُس کی آنکھوں سے خون کے آنسو اُبلنے لگے۔ یہ دیکھ کر چرواہے نے ہاتھ جوڑ معافی مانگی اور جوگی کے پانو پکڑ لیے اور کہا: جوگی میرا قصور معاف کر دے۔ آپ سمُندر پار کے ہی رہنے والے ہیں مَیں آپ کا مرید یہ بھُول گیا تھا۔ وارث شاہ کی سرکار کی خدمت میں یہی عرض گزارش ہے تو اُسے سُن کر رنجیدہ نہ ہو۔

بھتے بیلیاں وچ لے جائے جٹی پینگھاں پینگھدی نال پیارِیاں دے
ایہا پریم پیالڑا جھوکیوئی نین مست سن وچ خمارِیاں دے
واہیں دِجھلی تے پھرے مگر لگی ہانجھ گھن کے نال کوارِیاں دے
جدوں ویاہ ہویا تدوں ویہر بیٹھی ڈولی چاڑھیا نیں نال خوارِیاں دے
دھاراں کھانگڑاں دیاں جھونگاں ہانیاں دیاں مزے خوباں دے گھول کوارِیاں دے
مساں عینگراں دیاں لاڈ نڈھیاں دے عشق کواریاں دے مزے یارِیاں دے
جٹی ویاہ دتی رہیوں ہِدھرا توں سُنجے سکھنے تو نک پٹارِیاں دے
کھیڈن والیاں ساہورے بنھ کھڑیاں رُلن چھمکاں ہیٹھ بخارِیاں دے

بڈھا ہوئیکے چور مسیت وڑدا رل پھردا ہے نال مداریاں دے
غُنڈی رن بُڈھی ہو بنے حاجن پھیرے مورچھر گرد پیاریاں دے
پر ہاں جا جٹا مار سُٹنی گے نہیں چھپدے یار کواریاں دے
کاریگری موقوف کر میاں وارث تیتھے دل ہیں پاونے چھاریاں دے

ہیر جٹی بیلوں میں کھانا لے کر جاتی اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ پینگیں جھولتی تھی۔ یہی پریم پیالہ تم نے بھی پیا تھا جس کی وجہ سے تمھاری آنکھیں بھی سدا مست رہتی تھیں۔ تم بانسری بجاتے تھے اور وہ تمھارے پیچھے پیچھے کنواریوں کے غول لیے پھرتی تھی لیکن جب اُس کی شادی ہونے لگی تو وہ انکاری ہو گئی پھر اُسے بہت کوشش سے ڈولی میں بٹھا دیا گیا...... ہم عمروں کے ساتھ کا نشہ 'کھانگڑ' بھینسوں کے دُودھ کی دھاروں جیسا ہوتا ہے۔ کنواریوں کے ساتھ ہاتھا پائی، خوب صورت لڑکیوں کی صحبت، نوخیز حسیناؤں کے لمس، جوان عورتوں کے نازنخروں اور کنواری لڑکیوں کے ساتھ عشق اور محبت کا اپنا ہی لطف ہوتا ہے۔ لیکن جب اُنھوں نے ہیر کی شادی کر دی تو تُو ان صندوقوں کی طرح خالی ہو گیا جن سے زیور نکال لیا گیا ہو۔ عشق کی بازی کھیلنے والیوں کو تو زبردستی سسرال والے لے گئے لیکن جن چیزوں سے یہ بازی کھیلی جا رہی تھی وہ منڈیروں کے نیچے ہی پڑی رہ گئیں۔ چور بوڑھا ہو کر مسجد میں پناہ گزین ہو کر تماشہ گیروں کے ساتھ مل جاتا ہے۔ بد معاش عورت بوڑھی ہو کر حاجن بن جاتی ہے اور مور کے پروں سے بنا ہوا پنکھا اپنے پیاروں کو جھلاتی ہے۔ دُور ہو جا، اے جاٹ! کنواریوں کے عاشق چھپا نہیں کرتے۔ اگر اُنھیں پتا چل گیا تو وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ وارث شاہ ہم جانتے ہیں کہ تمھیں سونے اور کھوٹ کو علیحدہ کرنا آتا ہے، لیکن یہاں تمھاری ہنرمندی نہیں چلنے والی۔

گھر آء نناں نے گل کیتی ہیرے اک جوگی نواں آیا ای
کنیں اوس دے درشنی مندراں نیں گلے میکھلا عجب سہایا ای
پھرے ڈھونڈدا وچ حویلیاں دے کوئی اوس نے لعل گوایا ای
نالے گاوندا تے نالے رووندا اے وڈا اوس نے رنگ مچایا ای
ہیرے کسے رجونس دا ایہہ پُتر روپ تُدھ تھیں دُون سوایا ای
وچ ترنجاں گاوندا پھرے بھوندا انت اوس دا کسے نہ پایا ای

پھرے ویکھدا ووہٹیاں چھیل کُڑیاں من کسے تے نہیں بھرمایا ای
کائی آکھدی پریم دی چاٹ لگی تاں ہی اوس نے سیس منایا ای
کائی آکھدی کسے دے عشق پچھے بُندے لاہ تے کن پڑایا ای
کہن تخت ہزارے دا ایہہ رانجھا بالناتھ تھوں جوگ لیایا ای
وارث ایہہ فقیر تاں نہیں خالی کسے کارنے دے اتے آیا ای

ہیر کی نند نے گھر میں آ کر بتایا کہ اے ہیر! ہمارے گانو میں ایک نیا جوگی آیا ہے جس کے کانوں میں خوب صورت مندریں ہیں اور اُس کی کمر کے ساتھ برہم چاری کی علامت کے طور پر رسّی بھی بندھی ہوئی ہے۔ جو عجیب سا تاثّر پیدا کر رہی ہے۔ وہ اس گانو کی بڑی بڑی حویلیوں میں اپنے کھوئے ہوئے محبوب کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔ وہ روتا بھی ہے اور گاتا بھی۔ اُس نے ایک عجیب سماں باندھ رکھا ہے...... اے ہیر! اُس کا حُسن تو تم سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ مجھے تو وہ کسی راجے کا بیٹا لگتا ہے۔ کوئی اُس کا یہ بھید نہیں جان سکا کہ آخر وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں ہی کیوں گاتا پھرتا ہے؟ وہ نوجوان دُلھنوں اور خوب صورت دوشیزاؤں کو دیکھتا ہے لیکن اُس کا دِل کسی پر فریفتہ نہیں ہوا۔ کچھ لڑکیوں کا کہنا ہے کہ وہ 'پریم روگی' ہے اِسی لیے اُس نے اپنا سر منڈوایا ہوا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ اُس نے کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر کانوں سے بالیاں اُتار کر فقیری بُندے پہننے کے لیے کان چھدوائے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تخت ہزارے کا یہ رانجھا بالناتھ سے جوگ حاصل کر کے آیا ہے۔ وارث شاہ یہ فقیر یہاں سے خالی نہیں کوئی 'کارنامہ' انجام دے کر ہی جائے گا۔

رب جھوٹھ نہ کرے جے ہووے رانجھا تاں مَیں چوڑ ہوئی مینوں پٹیا سُو
اگے اگ فراق دی ساڑ سٹی سڑی بلی نوں موڑ کے پھٹیا سو
نالے رن گئی نالے کن پاٹے آکھ عشق تھیں نفع کیہہ کھٹیا سو
میرے واسطے دُکھڑے پھرے جردا لوہا تاء جیبھے نال چٹیا سو
بُکّل وچ چوری چوری ہیر رووے گھڑا نیر دا چا پلٹیا سو
ہویا چاک پنڈے ملی خاک رانجھے لاہ ننگ ناموس نوں سٹیا سو
وارث شاہ اس عشق دے ونج وچوں جفا جال کیہہ کھٹیا وٹیا سو

خدا جھوٹ نہ کرے...... اگر تو یہ رانجھا ہے تو پھر مَیں برباد ہو گئی اس نے مجھے کہیں کا نہیں

چھوڑ!! مَیں تو ہجر کی آگ میں جل کر پہلے ہی بھسم ہو چُکی تھی اُس نے آ کر پھر اس راکھ کو کھنگال دیا ہے۔ایک تو اپنی عورت گئی دوسرا کان بھی چھدوانا پڑے۔تم ہی بتاؤ بھلا اس عشق سے کیا فائدہ ہوا......؟ سچّی بات تو یہ بھی ہے کہ وہ میرے ہی لیے مصیبتیں برداشت کرتا پھرتا ہے اور اب اُس نے لوہا گرم کر کے زبان پر رکھ لیا ہے۔تکلیفیں برداشت کرنے کی انتہا کر دی ہے۔ ہیر لوگوں سے چھپ چھپ کر روتی۔اُس نے آنسوؤں سے بھرا مٹکا اُلٹ دیا۔رانجھا پہلے چاک بنا، پھر فقیر بن کر جسم پر خاک مَلی۔اُس نے عزت و ناموس تباہ کر لی۔وارث شاہ اس عشق کے کاروبار سے اُسے کیا فائدہ نقصان ہوا؟

سبھے سوہندیاں ترنجنیں شاہ پریاں جویں ترکشاں دیاں تسی کانیاں ہو
چل کرو انگشت فرشتیاں نوں تُسیں اصل شیطان دیاں نانیاں ہو
تُساں شیخ سعدی نال مکر کیتا تُسیں بڈے شرور دیاں بانیاں ہو
اسیں کسے پردیس دے فقیر آہے تُسیں نال شریکاں دے ثانیاں ہو
جاؤ واسطے رب دے خیال چھڈو ساڈے حال تھیں تُسیں بیگانیاں ہو
وارث شاہ فقیر دیوانڑے نیں تُسیں دانیاں اتے پردھانیاں ہو

کوہ قاف کی شہ پریوں کی طرح تم سب ترنجنوں میں خوب صورت لگتی ہو اور تم سب ترکش میں تنے ہوئے تیر ہو۔تم شیطان کی وہ چیلیاں ہو جو فرشتوں پر بھی الزام تراشی سے باز نہیں آتیں۔تم نے شیخ سعدی کو بھی اپنے مکر کے جال میں پھنسا لیا تھا اور تم ہی سب برائیوں کی جڑ ہو......تم اپنے رشتہ دار عزیزوں کے ساتھ زندگی گزار رہی ہو لیکن ہم کِسی اور دیس کے فقیر ہیں۔ خدا کا نام مانو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ ہمارا خیال چھوڑو، تم ہمارے حالات سے واقف نہیں۔ وارث شاہ فقیر تو دیوانے ہوتے ہیں لیکن تم بہُت عقلمند اور سمجھدار ہو۔

آوڑے ہاں اُجڑے پنڈ کائی کُڑی نہ ترنجنیں گاوندی ہے
ناہیں ککلی پاوندی نہ سَمی پنّھی پا نہ دھرت کمباوندی ہے
ناہیں چُوہڑی دا گیت گاوندیاں نیں گردھا راہ وِچ کائی نہ پاوندی ہے
وارث شاہ چھڈ چلیے ایہہ نگری ایسی طبع فقیر دی آوندی ہے

رانجھا سوچ رہا تھا ہم پتا نہیں کِس اُجڑے ہوئے برباد گانو میں آ گئے ہیں کہ جس کے

ترنجنوں سے کسی لڑکی کے گانے کی آواز نہیں آتی۔ نہ کوئی کِکلی ڈالتی ہے نہ ہی کھیلتی ہے، کوئی ہلکے قدموں سے رقص کرتی ہے اور نہ ہی کوئی اُچھل کود کر زمین کو کانپنے پر مجبور کرتی ہے۔ نہ تو کوئی بھنگنوں کی طرح سوانگ بھر کر گیت گاتی ہے اور نہ ہی کہیں چاندنی رات میں راستے میں دائرہ سا بنا کر گدا ناچ ہوتا ہے۔ وارث شاہ فقیر کا دِل چاہتا ہے کہ ایسی ویران بستی کو چھوڑ دیا جائے۔

جتھے ترنجناں دی گھُمکار پوندی اتن بیٹھیاں لکھ مہریٹیاں نیں
کھتریٹیاں اتے بہمنیٹیاں نیں تُرکیٹیاں اتے جٹیٹیاں نیں
لوہاریاں لونگ سپاریاں نیں سُندر خوجیاں اتے رنگھڑیٹیاں نیں
سندر کواریاں روپ سنگاریاں نیں اتے ووا ہیاں مُشک لپیٹیاں نیں
اروڑیاں مشک وچ بوڑیاں نیں پھلہاریاں چھیل سُنریٹیاں نیں
منہیاریاں تے پکھی واریاں نیں سُندر تیلناں نال موچیٹیاں نیں
پٹھانیاں چادراں تانیاں نیں پشتو ماردیاں نال مُغلیٹیاں نیں
پنجاریاں نال چمیاریاں نیں راجپوتناں نال بھٹیٹیاں نیں
درزانیاں سُگھڑ سیانیاں نیں بروالیاں نال چھینیٹیاں نیں
سیّدزادیاں تے شیخ زادیاں نیں ترکھانیاں نال گھمریٹیاں نیں
راوّلیانیاں بیٹیاں بانیاں دیاں جہاں والیاں نال ونیٹیاں نیں
پوربیانیاں چھینبیاں رنگریزاں بیراگناں نال ٹھٹھریٹیاں نیں
سنڈاسناں اتے خراسناں نیں ڈھال گرنیاں نال وَنسیٹیاں نیں
کنگرانیاں ڈومنیاں دھائیں کتاں آتش بازناں نال پہلویٹیاں نیں
کھٹیکناں تے نیچ بندناں نیں چوڑی گرنیاں تے کمگریٹیاں نیں
بھرائناں واہناں سرسیانیاں سانو سیانیاں کِتن کوجھیٹیاں نیں
بہروپناں راجناں زیل وٹاں بروالیاں بھٹ بہمنیٹیاں نیں
لبانیاں ڈھیڈناں پیرنیاں نیں ساوَ آنیاں دُدّھ دُدھیٹیاں نیں
جھبیلناں میونیاں پچھے کٹنیاں جولہٹیاں نال قصیٹیاں نیں
کاغذ کٹ ڈبگرنیاں اُردبیگاں ہاتھی وانیاں نال بلوچیٹیاں نیں

بانکیاں گجریاں ڈوگریاں چھیل بنیاں راج ونساں راجے دیاں بیٹیاں نیں
پکڑ انچلا جوگی نوں لا گلیں وہڑے واڑ کے گھیرے بیٹھیاں نیں
وارث شاہ جیجا بیٹھا ہو جوگی دوالے بیٹھیاں سالیاں جیٹھیاں نیں

جہاں ترنجنوں میں چرخوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔لڑکیوں کی اس خوب صورت محفل میں مہرزادیاں بھی ہیں،کھترانیں، برہمن زادیاں،ترکیٹیاں اور جاٹنیاں بھی ہیں۔لوہاریاں تو لونگ سپاری کی طرح نظر آرہی ہیں جب کہ خوب صورت خوجیاں اور رانگھڑ زادیاں بھی موجود ہیں......اس موقع پر خوب صورت کنواریوں نے شنگار کیا ہوا ہے اور نئی دُلھنیں خوشبوؤں سے لپٹی ہوئی ہیں۔ نیچی ذات کی عورتوں نے بہت زیادہ خوشبو استعمال کی ہوئی ہے جب کہ بانکی سجیلی گلبدن سنیاریاں بھی بن سنور کر بیٹھی ہوئی ہیں۔سنیاری کا سامان بیچنے والیاں اور خانہ بدوش عورتیں بھی ہیں تو خوب صورت تیلنیں اور موچی زادیاں بھی ہیں۔پٹھانیوں نے اپنے جسم کو چادروں میں چھپا رکھا ہے جب کہ مغل زادیاں ایک دوسرے کے ساتھ پشتو میں باتیں کر رہی ہیں۔رُوئی دُھننے والے خاندانوں کی لڑکیاں اور چمار عورتیں بھی موجود ہیں۔راجپوتوں کی لڑکیوں کے ساتھ بھٹیوں کی عورتیں بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔مہذب اور عقلمند درزی زادیاں ہیں تو اُن کے پاس بروالیاں اور ماہی گیروں کی بیٹیاں بھی ہیں۔سیّد زادیاں، شیخ زادیاں، ترکھانیاں اور ماشکیوں کی عورتیں بھی ہیں۔راولوں کی بیٹیاں بنیوں کی عورتوں کے ساتھ واعظ و نصیحت کرنے والی قابلِ احترام عورتیں بھی ہیں۔چنگڑیاں، حجام زادیاں اور میر زادیاں بھی ہیں جنھوں نے اپنا اپنا کھانا بھی ساتھ رکھا ہوا ہے۔بانکیاں اور طرح دار خوشبو بیچنے والیاں ہیں تو اُن کے ساتھ ہی شراب بنانے اور بیچنے والے خاندانوں کی بھابیاں اور بیٹیاں بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔ بازی گرنیاں، ناچ گانا کرنے والیاں، جسمانی کرتب دِکھانے والیاں، راس دھاری عورتیں اور کنچن ہندو عورتیں بھی ہیں۔ پوربی اور کپڑے رنگنے والے خاندان کی عورتیں، بیراگنیں اور ٹھٹھیاریاں بھی ہیں۔ صفائی کرنے والی بھنگنیں اور خراس چلانے والیاں ہیں۔ ڈھالیں بنانے والوں کی عورتیں بھی ہیں اور بانس کی مصنوعات تیار کرنے والیاں بھی ہیں۔مٹی کے کھلونے بنانے والیاں، میراثنیں اور دھان کوٹنے والیاں ہیں تو آتش بازوں اور پہلوانوں کی بیویاں بھی ہیں۔ چمڑا رنگنے والیاں، حقّے بنانے والیاں، چوڑی گرنیاں اور کمان سازوں کی عورتیں بھی ہیں جب کہ بھرائنیں، واہناں، سرسیانیاں

اور سانسیانیاں کتنی بدصورت دِکھائی دے رہی ہیں۔ بہروپنیں، راجنیں، سازوں کی تاریں بنانے والیاں، بروالیاں اور بھٹ ہندوؤں اور اُونچی ذات کے برہمنوں کی عورتیں بھی موجود ہیں۔ ڈھیڈ نیاں، پیروں کی عورتیں، نمک بیچنے والی عورتیں ہیں تو کچھ ان میں اعلیٰ ذات وصفات کی مالک بھی ہیں۔ جھبیلنیں اور میونیاں بھی ہیں تو ان کے ساتھ مکّار عورتیں بھی ہیں۔ جولاہوں اور قصابوں کی عورتیں بھی موجود ہیں۔ کاغذ کاٹنے والیاں، اردبیگاں، چمڑے کے ڈبے بنانے والیاں، ہاتھی کے رتھ بانوں کی عورتیں اور ان کے ساتھ بلوچنیاں بھی ہیں۔ بانکی گجریاں، ڈوگروں کی لڑکیاں، راج کماریاں اور راجوں کی عورتیں خوب سج بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے اوڑھنی سے پکڑ کر جوگی کو باتوں میں لگایا اور صحن میں لا کر اس کے گرد گھیرا بنالیا۔ وارث شاہ جوگی ان کے درمیان یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے سالیوں اور دُلھن کی بڑی بہنوں میں دُولھا بیٹھا ہوتا ہے۔

جوگی ہیر دے ساہورے جا وڑیا بھکھا باز جیوں پھرے للور دا جی
آیا خوشی دے نال دو چند ہو کے صوبہ دار جیوں نواں لہور دا جی
دُھس دے کے وہڑے جا وڑیا ہتھ کیتا سُو سٹھ دے چور دا جی
جا الکھ وجائیکے ناد پھُوکے سوال پاؤندا کُپّا لوڑ دا جی
انی کھیڑیاں دیئے پیاریئے ووہٹیے نی ہیرے سُکھ ہے چا ٹھکور دا جی
وارث شاہ ہُن دِگ نوں جیویں پھولے پرشن لگیا جنگ تے شور دا جی

جوگی ہیر کے سسرال میں یوں جا پہنچا جیسے بھُوکا باز بے کل ہو کر شکار کی تلاش میں نکلتا ہے اور وہ یوں آیا جیسے لاہور کا نیا صوبے دار عہدہ ملنے پر خوشی سے دوبالا ہو کر آتا ہے۔ وہ سینہ زوری کرتا ہوا صحن میں داخل ہو گیا جیسے کوئی چور مال دیکھ کر ہاتھ کی صفائی دکھانے کے لیے فریب کاری کرتا ہے۔ اُس نے ناد بجا کر 'الکھ الکھ' کی آوازیں لگائیں اور مزیدار کھانے کا سوال پیش کیا اور پھر ہیر کو دیکھ کر طنزاً بھید معلوم کرنے کے لیے کہتا ہے: اے کھیڑوں کی پیاری دُلھن! سب خیریت تو ہے نا۔ وارث شاہ اُس نے علمِ نجوم سے پرشن لگا کر یہ نتیجہ نکالا کہ آج کہیں جنگ وجدال ہونے والا ہے۔

ایہہ مثل مشہور ہے جگ سارے کرم رب دے جیڈ نہ مہر ہے نی
ہُنر جھوٹھ کمان لاہور جیہی اتے کانوُرو جیڈ نہ سحر ہے نی

چغلی نہیں دیپالپور کوٹ جیہی اوہ نمرود دی تھاؤں بے مہر ہے نی
نقش چین تے مُشک نہ ختن جیہا یوسفؑ زیب نہ کسے دا چہر ہے نی
مَیں تاں توڑ ھشد ھات دے کوٹ سٹاں تینوں دس کھاں کاس دی ویہر ہے نی
بات بات تیری وچ ہین کامن وارث شاہ دا شعر کیہ سحر ہے نی

دُنیا میں مثل مشہور ہے کہ خدا کے کرم سے بڑھ کر کوئی اور مہربانی نہیں، رب مہربان کل مہربان۔ جھوٹ جیسا ہنر، لاہور کی بنی ہوئی کمان جیسی کوئی اور کمان نہیں۔ بنگال جیسا جادو، دیپال پور جیسی چُغلی کہیں اور نہیں یہاں کے لوگ ظلم وستم میں نمرود سے بھی بڑھ کر ہیں...... چین جیسی مصوری کہیں ہے اور نہ ہی کستوری سے بڑھ کر کوئی خوشبو...... حضرت یوسف سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ زیبا نہیں۔ پتا نہیں تمھیں کِس چیز کا گمان ہے مَیں تو آٹھ دھاتوں سے بنا ہوا قلعہ بھی توڑ سکتا ہوں۔ وارث شاہ تمھارا ہر شعر جادو اثر ہے اور ہر بات لوگوں کے دِلوں کو مسخر کرنے والے منتر ہیں۔

مایاں اٹھائی پھرن ایس جگ اتے جنہاں بھون تے کُل بیہار ہے وے
اینہاں پھرن ضرور ہے دینہہ راتیں دُھروں پھرن اینہا ندڑی کار ہے وے
سورج چند گھوڑا اتے روح چکل نظر شیر پانی ونجار ہے وے
تانا تنن والی اِل گدھا کُتا تیر چھج تے چھوکرا یار ہے وے
ٹوپا چھاننی تکڑی تیغ مرکب رِکلا ترکلا پھرن وپار ہے وے
بلی رن فقیر تے اگ باندی اینہاں پھرن گھروگھری کار ہے وے
اینہاں اُٹھایاں وچوں توں مُول ناہیں تیرا لڑن تے بھڑن رُزگار ہے وے
وارث شاہ ویلی بھیکھے لکھ پھردے صبر فقر دا قول اقرار ہے وے

اِس دُنیا میں اٹھائیس چیزیں ایسی ہیں جن کا حرکت میں رہنے پر ہی سارا دارومدار ہے۔ ان کو دِن رات چلنا پڑتا ہے اور یہ کام ان کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ سورج، چاند، گھوڑا، روح، پہیہ، نظر، شیر، پانی، سب کا یہی کام ہے۔ تانا تننے والی، چیل، گدھا، کُتا، تیر، چھاج اور نوجوان لڑکا سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ٹوپا، چھاننی، تلوار، سواری کے جانور، رکلا ترکلا جس کا کاروبار چلتے رہنے سے ہی وابستہ ہے۔ بلی، آوارہ عورت، فقیر، آگ اور نوکرانی، ان سب کا کام گھر گھر

گھومنا ہوتا ہے لیکن ان اٹھائیس چیزوں میں تم شامل نہیں کیوں کہ تمھارا کام تو لڑنا جھگڑنا ہے۔ وارث شاہ عیبی مانگنے والے تو لاکھوں پھرتے ہیں لیکن اصل فقیر کا صبر اور ضبط کے ساتھ اٹوٹ بندھن ہے۔

عدل بِنا سردار ہے رُکھ اپھل رن کڈھنی جو وفادار ناہیں
نیاز بِنا ہے کنجنی بانجھ تھانویں مرد گدھا جو عقل دا یار ناہیں
بِنا آدمیت ناہیں انس جاپے بِنا آب قتال تلوار ناہیں
صبر ذِکر عبادتاں باجھ جوگی دماں باجھ جیون درکار ناہیں
ہمت باجھ جوان بِن حُسن دلبر لون باجھ طعام سواد ناہیں
شرم باجھ مُچھاں بِنا عمل ڈاڑھی طلب باجھ فوجاں بھربار ناہیں
عقل باجھ وزیر صلوٰۃ مومن دیوان حساب شُمار ناہیں
وارث رن فقیر تلوار گھوڑا چارے تھوک ایہہ کسے دے یار ناہیں

انصاف کے بغیر سردار بے ثمر درخت کی طرح ہوتا ہے اور وہ عورت جو وفادار نہیں آگ میں جھونک دینے کے قابل ہے۔ عجز و انکسار کے بغیر ناچ گانے والی عورت مچھلی نما مادہ سانپ جیسی ہے جب کہ عقل دوست نہ ہونے والا مرد بھی گدھا ہے۔ آدمیت کے بغیر انسان، انسان ہے اور نہ بغیر دھار کے تلوار سے قتلِ عام ہوسکتا ہے۔ ہمت کے بغیر جوان، حُسن کے بِنا معشوق ہوتا ہے اور نہ ہی نمک کے بغیر کھانے میں ذائقہ آتا ہے۔ شرم کے بغیر مونچھ، عمل کے بِنا ڈاڑھی کسی کام کی نہیں اور تنخواہ کے بغیر فوج بھی ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتی...... عقل و دانش کے بغیر وزیر، نماز کے بِنا مومن اور حساب کتاب کے علم کے بغیر وزیرِ مالیات نہیں بنتا۔ وارث شاہ عورت، فقیر، تلوار اور گھوڑا چاروں چیزیں کسی کی مخلص دوست نہیں ہوتیں۔

مرد کرم دے نقد ہین سبھتے نی رناں دُشمناں نیک کمائیاں دیاں
تُسیں ایس جہان وچ ہو رہیاں پنج سیریاں گھٹ دھڑوائیاں دیاں
مرد ہین جہاز نکوئیاں دے رناں بیڑیاں ہین برائیاں دیاں
ماؤں باپ دا ناؤں ناموس ڈوبن پتاں لاہ سُٹن بھلیاں بھائیاں دیاں
ہڈ ماس حلال حرام کپن ایہہ کوہاڑیاں ہین قصائیاں دیاں

لباں لیندیاں صاف کر دین ڈاڑھی جویں قینچیاں احمقاں نائیاں دیاں
سرجائے نہ یار دا بھیت دیجے شرماں رکھیے اکھیاں لائیاں دیاں
نی توں کہڑی گل تے اینڈ شوکیں گلاں دس کھاں پوریاں پائیاں دیاں
آڈھا نال فقیر دے لاوندیاں نی خوبیاں ویکھ ننان بھرجائیاں دیاں
وارث شاہ تیرے مونہہ نال مارن گے پنڈاں بنھ کے سبھ بھلیائیاں دیاں

اے سہتی مردوں کے پاس نیک اعمال کی دولت ہوتی ہے اور وہ ہمہ وقت نیکی کے لیے تیار بھی رہتے ہیں لیکن عورتیں اچھے اعمال کی دُشمن ہوتی ہیں۔تم تو اِس جہان میں 'دھڑ وائیوں' (غلہ تولنے والوں) کی کم وزن پنج سیریاں (پانچ سیر کا باٹ) بن چکی ہو۔مرد نیکیوں کے جہاز اور عورتیں برائی کی کشتیاں ہیں۔ جو ماں باپ کا نام و ناموس بھی ڈبو دیتی ہیں اور اچھے اور نیک بھائیوں کی عزت بھی خاک میں مِلا دیتی ہیں۔عورتیں قصابوں کی وہ کلھاڑیاں ہیں جو حرام حلال کی تمیز کے بغیر گوشت کے ساتھ ہڈیاں بھی کاٹ دیتی ہیں۔ یہ بے وقوف حجاموں کی وہ قینچیاں ہیں جو مونچھوں کے لبوں تک آنے والے بال کاٹتے ہوئے ڈاڑھی بھی صاف کر دیتی ہیں۔سر تو قلم ہو جائے لیکن محبوب کا بھید نہیں کھلنا چاہیے۔ پریت اور لگن کی اسی طرح شرم رکھی جاتی ہے۔تم کس بات پر یوں سانپ کی طرح پھنکار رہی ہو ذرا کُھل کر پوری بات تو بتاؤ! ذرا نند اور بھاوج کی چالاکیاں تو دیکھو کس طرح فقیر کے ساتھ خواہ مخواہ مقابلہ شروع کر رکھا ہے۔وارث شاہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ریاکاری سے تمھاری نیکیاں ایک گٹھڑی میں باندھ کر تمھارے ہی مُنہ پر مار رہی ہیں۔

جیٹھ مینہ تے سیال وچ واؤ مندی کتک ماگھ وچ منع انھیریاں نی
روون ویاہ وچ گاونا وچ سیاپے ستر مجلساں کرن مندیریاں نی
چُغلی خاونداں دی بدی نال مِیّیں کھا لُون حرام بدکھیریاں نی
حُکم ہتھ کمذات دے سونپ دینا نال دوستاں کرنیاں ویریاں نی
چوری نال رفیق دی دغا پیراں پرنار پرمال اُسیریاں نی
غیبت ترک صلوٰۃ تے جھوٹھ مستی دُور کرن فرشتیاں طیریاں نی
مڑن قول زبان دا پھرن پیراں بُرے دناں دیاں ایہہ بھی پھیریاں نی
لڑن نال فقیر سردار یاری کڈھ گھتنا مال وسیریاں نی

میرے نال جو کھیڑیاں وچ ہوئی خبر وادیاں ایہ سبھ تیریاں نی
بھلے نال بھلیائیاں بدی بُریاں یاد رکھ نصیحتاں میریاں نی
بِنا حُکم دے مرن نہ اوہ بندے ثابت جنہاں دے رزق دیاں ڈھیریاں نی
بد رنگ نوں رنگ کے رنگ لایو واہ واہ ایہہ قدرتاں تیریاں نی
ایہا گھت کے جادوڑا کروں کملی پئی گرد میرے گھتیں پھیریاں نی
وارث شاہ اساں نال جادواں دے کئی رانیاں کیتیاں چیریاں نی

جیٹھ کے مہینے میں بارش اور سردیوں میں ہواؤں کا چلنا اچھا نہیں ہوتا تو کاتک اور ماگھ کے مہینوں میں آندھیاں بھی اچھی نہیں ہوتیں۔ شادی کے موقع پر رونا اور تعزیت پر گانا بھی مناسب نہیں ہوتا۔ مجلسیں لگانے والی پردہ نشین عورتیں بھی بُری ہوتی ہیں۔ خاوند کی چغلی اپنے میاں کی برائی، نمک حرامی کے مترادف ہے۔ کسی کم ذات کو خواہ وہ دوست ہی کیوں نہ ہو حاکم شہر بنانا دوست کے ساتھ دُشمنی کرنا ہوتا ہے۔ ساتھیوں کی چوری کرنا، پیروں کے ساتھ دغا کرنا، پرائی عورت اور پرایے مال پر رغبت کرنا، غیبت، ترکِ صلوٰۃ، جھوٹ بولنا، مستی کرنا وہ عیب ہیں کہ جو فرشتوں سے بھی طاقتِ پرواز چھین لیتے ہیں۔ زبان کے قول سے پھرنا کسی کا مرید بن کر مکر جانا بھی بُرے دِنوں کی گردش ہے۔ فقیروں کے ساتھ جھگڑنا اور مال داروں سے دوستی کرنا یا پھر کسی کے ہاں عارضی قیام کر کے اُس کا مال لوٹ لینا سب بُرے کام ہیں۔ میرے ساتھ کھیڑوں کے گاؤں میں جو سلوک ہو رہا ہے وہ سب تمھاری سازشیں ہیں۔ برائی بُرے آدمی کے ساتھ کرنی چاہیے لیکن جو نیکی کرے اُس کے ساتھ نیک برتاؤ ہی رکھنا چاہیے۔ میری یہ نصیحتیں یاد رکھنا خدا کے حُکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا، جس کا جتنا رزق لکھا ہے وہ اسے مِل کر ہی رہتا ہے۔ اسے بھی خدا کی قدرت سمجھو کہ اُس نے کھیڑوں جیسے 'بے ناموں' کو بھی عزت اور مال و دولت دی ہے...... جی تو چاہتا ہے کہ تم پر ایسا جادو پھونکوں کہ تم دیوانی بن کر میرے اردگرد چکّر لگاتی پھرو، تم کیا چیز ہو وارث شاہ ہم نے تو کئی رانیوں کو جادو کے ذریعے اپنی مریدنیاں بنا رکھا ہے۔

اساں جا دوڑے گھول کے سبھ پیتے کراں باورے جادواں والیاں نوں
راجے بھوج جیہے کیتے چا گھوڑے نہیں جاندا ساڈیاں چالیاں نوں
سکے بھائیاں نوں کرن نفر راجے اتے راج بہاوندے سالیاں نوں

سر کپ رسالو نوں وخت پایا گھت مکر دے رولیاں رالیاں نوں
راون لنک لٹائیکے گرد ہویا سیتا واسطے بھیکھ دکھالیاں نوں
یُوسُف بند وِچ پا ظہیر کیتا سسی وخت پایا اوٹھاں والیاں نوں
رانجھا چار کے مہیں فقیر ہویا ہیر مِلی جے کھیڑیاں سالیاں‌نوں
روڈا وڈّھ کے زکریے ندی پایا تے جلالی دے ویکھ لے جالیاں نوں
پھوگو عمر بادشاہ خوار ہویا ملی ماروں ڈھول دے رالیاں نوں
ولی بلعم باعور ایمان دتا دیکھ ڈوبیا بندگی والیاں نوں
مہینوال توں سوہنی رہی ایویں ہور پچھ لے عشق دے بھالیاں نوں
اٹھاراں کھوہنی کٹک لڑموئے پانڈو ڈوب ڈاب کے کٹھیا کھالیاں نوں
رناں مار لڑائے امام زادے مار گھتیا پیریاں والیاں نوں
وارث شاہ توں جوگیا کون ہُنا ئیں اوڑک بھریں گا ساڈیاں ہالیاں نوں

ہم نے یہ سب جادو ٹُو نے گھول کر پیے ہوئے ہیں۔ ہم جادوگروں کو بھی بے وقوف اور پاگل بنا سکتی ہیں۔ تم ہمارے مکروفریب کو نہیں جانتے ہم نے تو راجا بھوج کو بھی گھوڑا بنا کر اُس کے مُنہ میں لگام ڈال دی تھی۔ ہماری وَجہ سے ہی راجے اپنے بھائیوں کو غلام بناتے رہے اور اپنے سالوں کو تخت پر بٹھا کر اُنھیں تمام اختیار سونپتے رہے۔ یہ ہم عورتیں ہی تھیں جنھوں نے مکروفریب سے ہنگامہ کھڑا کِیا اور راجا رسالو کا سر قلم کروا کے مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ ہماری وَجہ سے ہی راون لنکا لُٹا کر مٹّی میں مِل گیا اور سیتا کے لیے گداگری کا بھیس بدلنے پر مجبور ہوا۔ یُوسُف کو قید خانے میں ڈال کر پریشانی میں مبتلا بھی ہم نے کِیا، اور سسی نے عورت بن کر ہی اُونٹوں والوں (پُنّوں) کو مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ رانجھے کو بھینسیں چرا کر فقیر بننا پڑا جب کہ ہیر سالے کھیڑوں کو مِل گئی۔ روڈا سائیں کے ٹکڑے کر کے دریا میں ہماری وَجہ سے ہی پھینکا گیا اور پھر جو چالیں جلالی کے خلاف چلی گئیں وہ بھی تو دیکھو۔ پھوگو، عمر بادشاہ ہونے کے باوجود رُسوا ہوا لیکن ماروں ڈھول کے ساتھیوں کو مِل گئی۔ بلعم باعور ولی عورت کی خاطر ایمان سے جاتا رہا۔ یہ عورت ہی تھی جس نے ہمیشہ بندگی کرنے والے بزرگوں کو بھی ڈبو دیا۔ مہینوال سے بھی سوہنی دُور ہی رہی اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو عشق کے تیروں سے زخمی ہونے والوں کے بارے میں؟؟ پانڈوؤں اور کوروں کی

اٹھارہ قبیلوں کی فوجیں آپس میں لڑلڑ کر تباہ ہو گئیں۔ پانڈووں کی لاشوں سے نہریں بھر گئی تھیں۔ عورتوں نے تو امام زادوں کو بھی آپس میں لڑوا کر مروا دیا تھا اور جن کے مرشد کامل بھی تھے وہ بھی مارے گئے۔ وارث شاہ جوگی تم کون ہوتے ہو (کِس کھیت کی مُولی ہو) تمھیں بالآخر ہمارے در پر خراج پیش کرنا ہی پڑے گا۔

دوست سوئی جو بپت وچ بھیڑ کٹے یار سوئی جو جان قربان ہووے
شاہ سوئی جو کال وچ بھیڑ کٹے گُل پات دا جو نگہبان ہووے
گاؤں سوئی جو سیال وچ دُدّھ دیوے بادشاہ جو نِت شبان ہووے
نار سوئی جو مال وِن بیٹھ جالے پیادہ سوئی جو بھُوت مسان ہووے
امساک ہے اصل افیم باجھوں غُصّے بِنا فقیر دی جان ہووے
روگ سوئی جو نال علاج ہووے تیر سوئی جو نال کمان ہووے
کنجر سوئی جو غیرتاں باجھ ہوون جویں بھابڑا بِنا اشنان ہووے
قصبہ سوئی جو وَیر بن پیا وسے جلاد جو مہر وِن خان ہووے
کواری سوئی جو کرے حیا بہتا نیویں نظر تے باجھ زبان ہووے
بِنا چور تے جنگ دے دیس وسے پٹ سوئی وِن اُن دی پان ہووے
سیّد سوئی جو شُوم نہ ہووے کائر زانی سیاہ تے نہ قہروان ہووے
چاکر عورتاں سدا بے عُذر ہوون اتے آدمی بے نقصان ہووے
پرھاں جاوے بھیسیا چوبرا وے متاں منگنوں کوئی ودھان ہووے
وارث شاہ فقیر وِن حرص غفلت یاد رب دی وچ مستان ہووے

اصل دوست وہی ہوتا ہے جو مصیبت میں کام آئے۔ یار بھی وہی ہوتا ہے جو یاری پر جان قربان کر سکتا ہو۔ بادشاہ وہ ہے جو قحط میں اپنی رعایا کے کام آئے اور خاندان کی نیک نامی کا نگہبان ہو۔ گائے وہ اچھی ہوتی ہے جو سردیوں میں بھی دودھ دے۔ بادشاہ بھی وہ اچھا ہوتا ہے جو چرواہا بن کر اپنی بھیڑوں کی حفاظت کرے۔ عورت بھی وہی اچھی ہوتی ہے جو مصیبت اور غربت میں بھی ساتھ نبھائے اور غلام وہ ہوتا ہے جو شمشان گھاٹ کے بھُوت کی طرح ساتھ چمٹا رہے۔ اصل 'امساک' افیون کے بغیر ہوتا ہے جب کہ فقیر کی طبیعت میں غُصّہ نہیں ہونا چاہیے۔ روگ یا بیماری

بھی وہی ہونی چاہیے جو قابلِ علاج ہو اور تیر بھی وہی قابلِ اثر ہوتا ہے جو کمان میں تنا ہوا ہو۔ کنجر وہ ہوتا ہے جس میں غیرت نہ ہو جیسے 'بھا بھڑا' بغیر غسل کے ہوتا ہے۔ آبادی وہی اچھی ہوتی ہے جس میں کوئی دُشمنی اور بیر نہ ہو لوگ ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہوں۔ جلاد وہ صحیح مانا جاتا ہے جو ظالم اور بے رحم ہو۔ کنواری عورت حیادار ہوتی ہے اُس کی آنکھیں جھکی ہوئی اور زبان خاموش ہوتی ہے۔ ملک بھی وہی اچھا ہوتا ہے جو لڑائی اور چوری کے بغیر آباد ہو۔ سپاہی وہ اچھا ہوتا ہے جس کو تنخواہ یا معاوضہ کا لالچ نہ ہو۔ سیّد زادہ کنجوس اور بخیل ہوتا ہے اور نہ ہی رنگت میں سیاہ، زانی اور ظالم۔ چاکری کرنے والی عورتیں ہمیشہ بے عذر ہوتی ہیں جب کہ بھلے آدمی کے ہاتھوں کسی کا نقصان نہیں ہوسکتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ بھیک سے آگے بڑھ جائے اِس لیے بہروپیے مشٹنڈے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ وارث شاہ فقیر نہ تو لالچی ہوتا ہے اور نہ ہی غافل۔ وہ تو ہمیشہ خدا کی یاد میں مست رہتا ہے۔

کارساز ہے رب تے پھیر دولت سبھو محنتاں پیٹ دے کارنے نی
نیک مرد تے نیک ہی ہووے عورت اونہاں دوہاں دے کم سوارنے نی
پیٹ واسطے پھرن امیر در در سیّدزادیاں نے گدھے چارنے نی
پیٹ واسطے پری تے حورزاداں جان جن تے بھوت دے وارنے نی
پیٹ واسطے رات نوں چھوڑ گھر در ہو پاہرو ہوکرے مارنے نی
پیٹ واسطے سبھ خرابیاں نیں پیٹ واسطے خون گزارنے نی
پیٹ واسطے فقر تسلیم توڑن سبھو سمجھ لے رنّے گوارنے نی
ایس زمیں نوں واہندا ملک مُکا اُتّے ہو چکے بڈے کارنے نی
کاؤں ہور تے راہک نیں ہور اس دے خاوند ہور دم ہورناں مارنے نی
مہربان جے ہووے فقیر اک پل تُساں جہے کروڑ لکھ تارنے نی
وارث شاہ جے رن نے مہر کیتی بھانڈے بول دے کھول مُنہ مارنے نی

اِس دنیا میں بگڑے کام صرف اللہ بناتا ہے یا پھر دولت جب کہ تمام محنت مشقت پیٹ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ نیک مرد ہو یا عورت دونوں ہی دوسروں کا بھلا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی امیر زادے بھی پیٹ کی خاطر دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور سیّد زادوں نے بھی اِسی پیٹ کی خاطر گدھے چرائے تھے۔ اِس پیٹ کی خاطر ہی حور اور پری زادیاں

جنوں بھوتوں پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ پیٹ کے لیے ہی چوکیدار رات کو اپنا گھر بار چھوڑ کر پہرہ دیتے ہوئے آوازیں لگاتے ہیں۔ یہ پیٹ ہی دراصل تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور اِسی پیٹ کے لیے ہی قتل و غارت ہوتی ہے۔ اے گنوار عورت اچھی طرح جان لے کہ پیٹ کے لیے فقیر رضائے خداوندی سے دُور ہوتے ہیں۔ اس زمین پر ہل چلاتے ایک دنیا ختم ہوگئی اور اِسی پیٹ کے لیے بڑے بڑے کارنامے بھی ہوئے۔ اس زمین کو کاشت کوئی اور کرتا ہے اور مالک کوئی اور ہوتا ہے تو اسی پیٹ کے لیے ہی خاوند کی موجودگی میں کسی اور کا دم بھرا جاتا ہے۔ اگر فقیر ایک پل کے لیے بھی مہربان ہو جائے تو وہ تمھارے جیسے لاکھوں کروڑوں کا بیڑہ پار لگا سکتا ہے۔ وارث شاہ اگر عورت مہربان ہو جائے تو پیشاب والا برتن مُنہ مارنے کے لیے پیش کر دیتی ہے۔

رب جیڈ نہ کوئی ہے جگ داتا زمیں جیڈ نہ کسے دی صابری وے
مجھیں جیڈ نہ کسے دے ہون جیرے راج ہند پنجاب نہ بابری وے
چند جیڈ چالاک نہ سرد کوئی حُکم جیڈ نہ کسے اکابری وے
بُرا کسب نہ نوکری جیڈ کوئی یاد حق دی جیڈ اکابری وے
موت جیڈ نہ سخت ہے کوئی چٹھی اوتھے کسے دی ناہیوں نابری وے
مالزادیاں جیڈ نہ کسب بھیڑا کمذات نوں حکم ہے کھابری وے
رن ویکھنی عیب فقیر تائیں بھُوت وانگ ہے سراں تے بابری وے
وارث شاہ شیطان دے عمل تیرے ڈاڑھی شیخ دی ہو گئی جھابری وے

خدا سے بڑھ کر کوئی جگ داتا ہے نہ ہی زمین سے بڑھ کر کوئی صابر۔ بھینسوں جیسا کسی اور کا حوصلہ ہے اور نہ ہی پنجاب اور ہند پر "بابر" کی طرح کسی نے حکومت کی ہے۔ چاند جیسا کوئی سرد اور چالاک ہے اور نہ ہی فیصلے کے اختیار سے بڑھ کر کوئی اختیار ہے۔ نوکری سے بڑھ کر کوئی بُرا کام ہے اور نہ ہی خدا کی یاد سے بڑھ کر کوئی عظمت ہے۔ موت سے بڑھ کر کوئی سخت پیغام نہیں وہاں کوئی مزاحمت کام نہیں آتی۔ دولت لے کر عزت بیچنے سے بُرا کوئی کام نہیں جب کہ کمینے شخص کا بااختیار ہونا ناہموار سڑک پر سفر کی طرح تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عورتوں کو ہوس بھری نگاہوں سے دیکھنا فقیر کے لیے گناہ ہوتا ہے۔ اُس کے سر کے بال بھی بھُوتوں کے بال شمار کیے جائیں گے۔ وارث شاہ تمھارے سارے اعمال تو شیطان جیسے ہیں تمھاری بزرگی کی علامت ڈاڑھی ہی عیب پوشی کا

وسیلہ بنی ہوئی ہے۔

رن ویکھنی عیب ہے انھیاں نوں رب اکھیاں دِتیاں ویکھنے نوں
سبھ خلق دا ویکھ کے لیو مجرا کرو دید اس جگ دے پیکھنے نوں
راوَ راجیاں سِراں دے داوَ لائے ذرا جاء کے اکھیاں سیکنے نوں
سبھا دید معاف ہے عاشقاں نوں رب نین دِتے جگ ویکھنے نوں
مہادیو جہیاں پاربتی اگے کام لیاوُندا سی متھا ٹیکنے نوں
عزرائیل ہتھ قلم لے ویکھدا ای تیرا نام اِس جگ توں چھیکنے نوں
وارث شاہ میاں روز حشر دے نوں انت سدئیں گا لیکھا لیکھنے نوں

عورت کو جنسی جذبے سے مغلوب تمیز کھو دینے والے اندھوں کے لیے دیکھنا برائی ہے۔ خدا نے آنکھیں تو دیکھنے کے لیے عطا کی ہیں۔ خدا کی تمام مخلوق کو دیکھ کر اُس کی قدرت کو سلام کرنا چاہیے۔ اس دُنیا کا نظارہ مشاہدے کی صورت میں ہونا چاہیے۔ اس دُنیا میں راجے مہاراجوں نے اپنے سروں کے داو بھی اِس لیے لگائے کہ وہ آنکھوں کی پیاس بجھانا چاہتے تھے۔ لیکن عاشقوں کے لیے ہر طرح کے دیدار کی معافی ہے۔ خدا نے یہ آنکھیں کُل عالم کو دیکھنے کے لیے ہی تو دی ہیں۔ مہادیو جیسے اوتار کو بھی تو عشق نے ہی پاروتی کے سامنے جھکنے پر مجبور کِیا تھا۔ عزرائیل ہاتھ میں حُکمِ الٰہی لیے تمھارا نام فہرست سے خارج کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ وارث شاہ حشر کے دِن تمھیں تمھارے نامۂ اعمال کے ساتھ ہی جزا و سزا کے لیے پُکارا جائے گا۔

سوِنا رُپڑا شان سوانیاں دا توں تاں نہیں اصیل نی گولیے نی
گدھا اردقاں نال نہ ہوئے گھوڑا باتبہ پری نہ ہوئے پرولیے نی
رنگ گورڑے نال توں جگ مُٹھا وچوں گُناں دے کارنے پولیے نی
وہڑے وچ توں کنجری وانگ نچیں چوراں یاراں دی وچ وچولیے نی
اساں پیر کیہا تے توں ہیر آکھیں کھُل گئی ہیں سُنن وچ بھولیے نی
انت ایہہ جہان ہے چھڈ جانا ایڈے کفر اپرادھ کیوں تولیے نی
فقر اصل اِلٰہ دی ہین صورت اگے رب دے جھوٹھ نہ بولیے نی
حُسن متیے بُوبکے سوئن چڑیئے نیناں والیے شوخ مولیے نی

تینڈا بھلا تھیوے ساڈا چھڈ پچھا ابا جیویے آلیے بھولیے نی
وارث شاہ کیتی گل ہوء چکی مُوت وچ نہ مچھیاں ٹولیے نی

سونا چاندی پہننا اصیل عورتوں کی شان ہوتی ہے لیکن تم اے دو ٹکے کی ملازم عورت اصیل نہیں ہو۔ گدھا نسلی گھوڑوں کے ساتھ رہنے سے اصیل نہیں بن جاتا اے یار باش عورت کبھی ناگن پری نہیں بن سکتی۔ تم نے اپنے گورے رنگ سے ایک زمانے کو مٹھی میں کِیا ہوگا لیکن تمھارا اندر خوبیوں سے خالی ہے۔ اے چوروں اور یاروں کی دلالہ تو صحن میں کنجری کی طرح ناچتی پھرتی ہے...... تمھیں سُننے میں بھُول ہوئی، ہم نے پیر کہا تھا جسے تم نے ہیر بنالیا۔ یہ جہان آخرِ کار سب کو چھوڑ جانا ہے لیکن ایسے جھوٹ بول کر کفر کیوں تولتی ہو...... کامل فقیر تو اللہ کی صورت ہوتے ہیں خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ اے حُسن کے نشہ میں بدمست، کم عقل کنواری، سوئن چڑی، خوب صورت آنکھوں والی، ممولے کی طرح شوخ دوشیزہ خدا تمھارا بھلا کرے۔ اے بھولی بھالی لڑکی تم پر تمھارے باپ کا سایہ قائم رہے ہمارا پیچھا چھوڑ۔ وارث شاہ جو بات ہونا تھی وہ تو ہوگئی اب کیوں پیشاب میں سے مچھلیاں تلاش کرتی ہے؟ (ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کرتی ہے)

اسیں بھُوت دی عقلِ گوا دیئے سانوں لا بھبوت ڈراؤنا ہیں
ترنجن ویکھ کے دوہٹیاں چھیل کُڑیاں اوتھے رَنگ دی تار وجاونا ہیں
میری بھابی دے نال توں رمز ماریں بھلا آپ توں کون سداوّنا ہیں
اوہ پئی حیران ہے نال زحمت گھڑی گھڑی کیوں پیا اکاوّنا ہیں
نہ تو وید نہ ماندری نہ مُلّاں جھاڑے غیب دے کاس نوں پاونا ہیں
چور چوہڑے وانگ ہے ٹیڈھ تیری پئی جاپدی سِری بھناونا ہیں
کدی بھوتنا ہوئیکے جھنڈ کھولیں کدی جوگ دھاری بن آونا ہیں
اِٹ سِٹ پھگواڑ تے کوارگندل ایہ بُوٹیاں کھول وکھانا ہیں
دارو نہ کتاب نہ ہتھ شیشی آکھ کاس دا وید سداونا ہیں
جا گھروں اساڈیوں نکل بھیکھے ہُنے جٹاں دی جُوٹ کھوہاونا ہیں
کھوہ بابریاں کھپری بھن توڑوں ہُنے ہور کیہ موُنہوں اکھاونا ہیں
رناں بلعم باعور دا دِین کھوہیا وارث شاہ توں کون سداونا ہیں

تم ہمیں جسم پر راکھ مَل کر کیا ڈراتے ہو ہم تو بھوتوں کی عقل بھی گم کر دیتی ہیں۔ تم ترنجن میں نئی دُلھنوں اور خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر کنگ بجانے لگتے ہو۔ میری بھابی کو اشارے کرتے ہو بھلا تم کون ہوتے ہو ایسا کرنے والے؟ وہ زحمت رسیدہ پہلے ہی حیران پڑی ہے تم اُسے کیوں مزید پریشان کرتے ہو؟ تم نہ تو کوئی حکیم ہو نہ منتر کرنے والے اور نہ تعویذ دینے والے مُلّاں ہو، تم ایسے ہی جادو ٹونے کی باتیں کرر ہے ہو...... تم میں چور اور چوہڑے جیسا ٹیڑھا پن ہے لگتا ہے تم اپنا سر تڑوا کر ہی یہاں سے جاؤ گے۔ کبھی تو بھوت بن کر سر کے بال کھولتا ہے۔ تو کبھی جوگ دھاری بن کر آ جاتا ہے اور کبھی اٹ سٹ پھگواڑ اور کوار گندل جیسی جڑی بوٹیاں کھول کر دِکھاتا ہے۔ تمھارے ہاتھ میں کوئی کتاب ہے نہ دوائی، نہ دارو، پھر بھی تُو اپنے آپ کو وید کہلواتا ہے۔ جا! اے بہروپیے ہمارے گھر سے نکل جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے سر کے بال اکھاڑ کر پھینک دیے جائیں۔ مَیں تمھاری بابریاں کھینچ کر کشکول توڑ دوں گی اور میرے مُنہ سے کیا سُننا چاہتا ہے؟ ہم عورتوں نے تو بلعم باعور کا ایمان بھی چھین لیا تھا وارث شاہ تم خود کیا سمجھتے ہو؟

جھڑیاں لین اُڈاریاں نال بازاں اوہ بُلبُلاں تھک مریندیاں نی
اونہاں ہرنیاں دی عمر ہو چُکی پانی شیر دی جُوہ جو پیندیاں نی
اوہ واہناں جان کباب ہوئیاں جھڑیاں ہیڑیاں نال کھہیندیاں نی
اک دِن اوہ پھیر سن آن گھوڑے کڑاں جہاں دیاں نت سُنیندیاں نی
تھوڑیاں کرن سہاگ دیاں اوہ آساں جھڑیان دھاڑویاں نال منگیندیاں نیں
جوکاں اک دِن پکڑ نچوہین رِگیاں ان پُنے لوہو نت پیندیاں نیں
دِل مال دیچے لکھ کنجری نوں کدی دلوں محبوب نہ تھیندیاں نیں
اک دینہ پکڑیاں جان گئیاں حاکماں تھے پریچ جونت چڑھیندیاں نیں
اک دن گڑے وساسن اوہ گھٹاں ہاٹھاں جوڑ کے نت گھرینداں نیں
تیرے لوہن موڑھے ساڈے لوہن ناڑے مُشکاں کسے دیاں اج بجھیندیاں نیں

جو بُلبُلیں عقابوں کے ساتھ بلندیوں پر اُڑتی ہیں وہ بالآخر تھک ہار کر مر جاتی ہیں۔ وہ ہرنیاں بھی اپنے دِن پورے کر چکی ہوتی ہیں جو شیروں کے علاقے میں جا کر پانی پیتی ہیں۔ وہ گائے بھینسیں جو گلے میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتی جھگڑتی ہیں وہ بھی بالآخر قصابوں کے ہاتھ

چڑھ کر کبابوں کے کام آتی ہیں اور جن شہ سواروں کی معدوم سی اُمیدیں بھی ہوں وہ بالآخر گھوڑوں پر سوار ہو کر آ ہی جاتے ہیں لیکن جن عورتوں کی جنگجوؤں کے ساتھ نسبت طے ہو جاتی ہے ان میں سے کم کم ہی کو سہاگ نصیب ہوتا ہے۔ وہ جونکیں جو غیر صاف شدہ خون پیتی ہیں بالآخر ایک دِن ان کا خون بھی نچوڑ لیا جاتا ہے۔ طوائفوں کو دِل کے ساتھ لاکھوں کا مال بھی دے دیا جائے وہ پھر بھی کسی ایک کی محبوب نہیں بنتیں۔ جو پرائی سیجوں پر لُطف اندوز ہوتی ہیں ایک دِن وہ بھی حاکموں کی گرفت میں آ جاتی ہیں۔ ایک دِن وہ گھٹائیں بھی ضرور ژالہ باری کریں گی جو جنگی گھوڑوں کی طرح مقابلے کے لیے گھر گھر آتی ہیں...... تیرے کندھے ضربوں کے لیے بے چین ہیں تو ہماری رسّیاں، دیکھیں آج کِس کو مجرموں کی طرح باندھ کر مارا جاتا ہے؟

سُن سہتیے اسیں ہاں ناگ کالے پڑھ سیفیاں زُہد کماونے ہاں
مکر فن نوں بھن کے صاف کردے جن بھوت نوں ساڑ وکھاونے ہاں
نقش لِکھ کے پھوک یاسین دیئے سائے سُول دی ذات گواونے ہاں
دُکھ درد بلاء تے جائے تنگی قدم جِنہاں دے وِہڑیاں پاونے ہاں
سنے تسمیہ پڑھاں اخلاص سورت جڑاں وَیر دیاں پٹ وکھاونے ہاں
دلوں حُب دے چا تعویذ لکھیے اسیں رُٹھڑے یار ملاونے ہاں
جہڑا مارنا ہووے تاں کیل کرکے ایتوار مسان جگاونے ہاں
جہڑے گبھرو توں رن رہے وِڑ لونگ مندرے چا کھواونے ہاں
جہڑے یار نوں یارنی ملے ناہیں پھُل مندر کے چا سنگھاونے ہاں
اونہاں ووہٹیاں دے دُکھ درد جاندے پڑھ ہِک تے ہتھ پھِراونے ہاں
کیل ڈائناں کچیاں پکیاں نوں دند بھن کے لِتاں مُناونے ہاں
جان سحر جادو چڑھے بھُوت کدے گنڈا کیل دوالے دا پاونے ہاں
کسے نال جے ویر وِرودھ ہووے اونہوں بھوت مسان چمڑاونے ہاں
برا بولدی جہڑی جوگیاں نوں سِر مُن کے گدھے چڑھاونے ہاں
جیندے نال مُد پڑا ٹھیک ہووے اونہوں بیر، بیتال بھچھاونے ہاں
اسیں کھیڑیاں دے گھروں اک بوٹا حُکم رب دے نال پٹاونے ہاں

وارث شاہ جے ہور نہ داو لگے سر پریم جڑیاں چا پاونے ہاں

اے سہتی سُن ہم فقیر تو کالے ناگ ہوتے ہیں ہم نے سیفیاں پڑھ پڑھ کر زُہد کمایا ہے۔ ہم لوگ مکر و فن کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور جن بھوت کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں جب ہم نقش لکھ کر اس پر سورۃ یٰسین پھونک دیتے ہیں تو ہر قسم کا آسیب جڑ سے ختم ہو جاتا ہے۔ جس گھر کے صحن میں پانو رکھ دیتے ہیں اُس گھر سے تنگ دستی، دُکھ درد اور بلائیں دُور چلی جاتی ہیں۔ اگر ہم بسم اللہ سمیت سورہ اخلاص پڑھ دیں تو پُرانی دُشمنیاں بھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اگر ہم خلوصِ دِل اور پوری محبت کے ساتھ تعویذ لکھ دیں تو روٹھے ہوئے یار بھی مِل جاتے ہیں......لیکن اگر کِسی کو قتل کرنا مقصود ہو تو اتوار کے دِن کیل ٹھونک کر شمشان کی آگ جلا کر سفلی عمل کرتے ہیں۔ جو عورت اپنے مرد سے ہمیشہ ناراض رہتی ہو اُس کو تو لونگ ایک خاص منتر پڑھ کر کھلاتے ہیں اور جس عاشق کو اُس کی محبوبہ نہ ملے ہم اُس کو دم کر کے مندر کے پھُول سنگھاتے ہیں۔ اگر ہم نئی دُلھنوں کے سینے پر کچھ پڑھ کر ہاتھ پھیریں تو اُن کے تمام دُکھ اور تکلیفیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ہم چھوٹی بڑی ڈائنوں کو منتروں سے کِیل کر اُن کے دانت توڑ دیتے اور اُن کی لٹیں منڈوا دیتے ہیں۔ جب ہم کِسی کے گلے میں کِیل کا دھاگہ پہناتے ہیں تو جادُو چڑھے بھوت بھاگ جاتے ہیں اور اُن کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر کِسی کے ساتھ دُشمنی ہو تو اُسے بھوت پریت چمٹا بھی دیتے ہیں۔ جو عورت جوگیوں کے ساتھ بدتمیزی کرے، اُن کو بُرا بھلا کہے، اُس کا سر مونڈ کر گدھے پر بٹھا دیتے ہیں اور جس کے ساتھ برابر کا مقابلہ ہو اُس کے اردگرد جادو کا حصار بچھا دیتے ہیں۔ ہم خدا کے حُکم سے کھیڑوں کے گھر سے ایک پودا ضرور اُکھاڑیں گے۔ وارث شاہ اگر کوئی بھی چال کامیاب نہ ہوئی تو سر پر پریم جڑی ضرور ڈال دیں گے۔

محبوب اللہ دے لاڈلے ہو ایس ووہٹڑی نوں کوئی سُول ہے جی
کوئی گُجھڑا روگ ہے ایس دھاناں پئی نت ایہہ رہے رنجول ہے جی
ہتھوں لُڑھی وہندی لاہو لتھڑی ہے دیہی ہو جاندی مجنول ہے جی
مونہوں مٹھڑی لاڈ دے نال بولے ہر کسے دے نال معقول ہے جی
مُودھا پیا ہے جھگڑا نِت ساڈا ایہہ ووہٹڑی گھرے دا مُول ہے جی
میرے وِیر دے نال ہے وَیر اِس دا جیہا کافراں نال رسول ہے جی

اگے ایس دے ساہورے ہتھ بدھے جو کچھ آکھدی سبھ قبول ہے جی
وارث پلنگھ تے کدے نہ اُٹھ بیٹھے ساڈے ڈِھڈھ وچ پھرے ڈنڈول ہے جی

آپ تو اللہ کے پیارے محبوب ہیں۔ اس نئی دُلھن کو کوئی اندرونی تکلیف ہے، اس پر کسی خفیہ روگ نے اچانک حملہ کیا ہے جس کے باعث یہ ہمیشہ رنجیدہ رہتی ہے۔ جب اس پر مرض کا دورہ پڑتا ہے تو یوں لگتا ہے جان نکل گئی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں بے دم ہو جاتے ہیں اور سانس رُکنے لگتی ہے۔ یہ ہر کسی سے ساتھ پیار سے میٹھا بولتی ہے اور اس کا رویّہ بھی سب کے ساتھ ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارا سارا خاندان قبیلہ پریشان ہے کیوں کہ یہ نئی دُلھن ہمارے گھر کی زینت ہے لیکن...... میرے بھائی کے ساتھ اس کی ایسی دُشمنی ہے جیسی کافروں کی رسولِ پاکؐ کے ساتھ تھی۔ اس کے سامنے تمام گھر والوں نے ہاتھ باندھ کر کہا ہے کہ تم جو کچھ بھی کہو گے ہم وہ سب کرنے کے لیے تیار ہیں مگر...... وارث شاہ یہ پلنگ پر اُٹھ کر نہیں بیٹھتی، یہ ہمارے لیے انتہائی تکلیف دہ بات ہے۔

کھنگھ کھرک تے ساہ تے اکھ آئی سُول دندوی پیڑ گواونے ہاں
قولنج تپ دق تے محرقہ تپ اوہنوں کاڑھیاں نال گواونے ہاں
سرسام سوداء زکام نزلہ ایہ شربتاں نال پٹاونے ہاں
سِل نفخ تے استسقاء ہووے لحم طبل تے واوٗ ونجاونے ہاں
لُوت پھوڑیاں اتے گھنبیر چنبل تیل لائیکے جڑاں پٹاونے ہاں
ہووے پٹپٹی پیڑ کہ ادھ سیسی اوہدا گنا دِینہ اٹھویں پاونے ہاں
ادھرنگ مُکھ بھینگیا ہووے جس نوں شیشہ حلب دا کڈھ وکھاونے ہاں
مرگی ہووس تاں لاہ کے پَیر چھتر رکھ نک تے چا سنگھاونے ہاں
جھولا مار جائے جنہاں روگیاں نوں سوئے تیل سہانجنا لاونے ہاں
بانہہ سُک جائے ننگ سُن ہووے تدوں پَین دا تیل ملاونے ہاں
رن مرد نوں کام جے کرے غلبہ دھنیا بھیوں کے چا پواونے ہاں
نامرد نوں چیچ دوہوٹیاں دا تیل کڈھ کے نِت ملاونے ہاں
جے کسے نوں بادفرنگ ہووے رسکپور تے لونگ دواونے ہاں

پرمیو سوزاک تے چھاہ موتی اونہوں اِندری جھاڑ دواونے ہاں
اتی سار نباہیاں سُول جھڑے ایسبغول ہی گھول پواونے ہاں
وارث شاہ جھڑی اُٹھ بہے ناہیں اونہوں ہتھ ای مُول نہ لاونے ہاں

کھانسی، خارش، سانس کی بیماری، آشوبِ چشم، پیٹ اور دانت کا درد سب ختم کر دیتے ہیں۔قولنج، تپ دق اور تپ محرقہ ختم کرنے کے لیے جوشاندوں کو استعمال کرتے ہیں جب کہ سرسام، سودا، زکام اور نزلہ شربتوں کے ذریعے ختم کرتے ہیں۔سِل ہو، نفخ یعنی اپھارہ ہو تو گیس کو خارج کرواتے ہیں۔لوت، پھنسیاں، ناسور یا چنبل ہو تو تیل لگا کر اُسے جڑ سے ختم کر دیتے ہیں۔درد پورے سر کا ہو یا آدھے کا، اُس کے لیے آٹھویں دِن دھاگہ عمل کر کے دیتے ہیں جس کو فالج یا لقوہ ہو تو اُس کو حلب کا شیشہ دِکھا کر ٹھیک کر دیتے ہیں۔اگر کِسی کو مرگی کا دورہ پڑتا ہو تو اُس کو پانو کی جوتی سنگھا دیتے ہیں۔جن مریضوں کو رعشہ موت کی طرف لے جا رہا ہو اُنھیں سُہانجنے کے تیل کی مالش کرواتے ہیں۔کِسی کا ایک بازو سُوکھ جائے یا ٹانگ سُن ہو جائے تو پھر اُس کو ایک 'مخصوص پرندے' کا تیل لگواتے ہیں۔اگر کِسی عورت یا مرد پر جنسی جذبات غالب آ جائیں تو اُنھیں دھنیا پانی میں بھگو کر پلاتے ہیں۔نامرد کو 'بیچ بوٹی' کا تیل نکلوا کر عضوِ خاص پر مالش کرواتے ہیں اور اگر کِسی کو آتشک ہو جائے تو اُس کو رس کپور اور لونگ کھلاتے ہیں۔پیشاب جل کر آتا ہو تو اُس کو کشتہ مروارید لسی کے ساتھ کھلاتے ہیں۔درد کے ساتھ پیچش آتی ہو مروڑ آتے ہوں تو اُن کو صرف اسبغول پانی میں مِلا کر پلاتے ہیں، لیکن وارث شاہ جو اُٹھ کر نہ بیٹھے ہم اُس کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

کہی ویدگی آن مچائیا وے کِس وید نے دس پڑھایا ہیں
وانگ چودھری آن کے پنج بنیوں کس چٹھیاں گھل سدایا ہیں
سیلھی ٹوپیاں پہن لنگور وانگوں توں تے شاہ بھولو بن آیا ہیں
وڈے دغے تے فن فریب پھڑیوں اینویں کن پڑا گوایا ہیں
نہ توں جٹ رہیوں نہ توں فقر ہویوں اینویں مُن کے گھون کرایا ہیں
نہ توں جمیوں نہ کسے مت دتی مر پٹ کے کسے الاھیا ہیں؟
بُرے دیہاں دیاں پھیریاں ایہ ہے نی اج رب نے ٹھیک کُٹایا ہیں
وارث شاہ کر بندگی رب دی توں جس واسطے رب بنایا ہیں

تم نے یہ کیا حکمت کا ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے وہ کون وید تھا جس نے تمھیں ایسے سبق پڑھائے ہیں؟ تمھیں کون سا کسی نے خط لکھ کر بلایا ہے کہ یہاں آ کر چودھریوں کی طرح پنچ بن گئے ہو؟ تم لنگور کی طرح ٹوپی اور رسّیاں پہن کر شاہ بھولو (بندر) بن کر آ گئے ہو۔ تم انتہائی دغا باز، فریبی اور مکّار ہو تم نے بیکار اپنے کان پڑوائے ہیں۔ تم تو ایسے ہی سر منڈوا کر گنجے ہو گئے ہو۔ اب تم جاٹ رہے اور نہ ہی فقیر بن سکے ہو...... نہ تو تُو صحیح پیدا ہوا اور نہ ہی تمھیں کسی نے عقل دی۔ یوں لگتا ہے تعزیتی محفل میں کسی نے ماتمی گیت گایا ہے۔ یہ بُرے دِنوں کی گردش ہے کہ خدا نے تمھیں یہاں پٹوانے کے لیے بھیج دیا ہے۔

ہیر آکھدی جوگیا جھوٹھ آکھیں کون رُٹھڑے یار ملاوَندا ای
ایہا کوئی نہ ملیا مَیں ڈھونڈھ تھکی جہڑا گیاں نوں موڑ لیاوَندا ای
ساڈے چم دیاں جُتیاں کرے کوئی جہڑا جیو دا روگ گواوَندا ای
بھلا دس کھاں چریں وچھنیاں نوں کدوں رب سچّا گھریں لیاوَندا ای
بھلا موئے تے وِچھڑے کون میلے ایویں جیوڑا لوک ولاوَندا ای
اک بازتھوں کاوَں نے کونج کھوہی ویکھاں چُپ ہے کہ کُرلاوَندا ای
اِکس جٹ دے کھیت نوں اگ لگی ویکھاں آن کے کدوں بُجھاوَندا ای
دیاں چُوریاں گھیو دے بال دیوے وارث شاہ جے سُناں مَیں آوَندا ای

ہیر نے کہا اے جوگی! تم جھوٹ بولتے ہو۔ بھلا کوئی رُوٹھے ہوئے یار بھی مِلا تا ہے مَیں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکی ہوں۔ مجھے تو کوئی ایسا شخص نہیں مِلا جو جانے والوں کو واپس لا سکتا ہو۔ اگر کوئی ہمارے دِل کا روگ مٹا دے تو ہم اُسے جوتیاں بنانے کے لیے اپنی کھال بھی پیش کر سکتے ہیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ مدت سے بچھڑے ہوؤں کو سچّا خدا کب واپس لائے گا؟ مرنے اور بچھڑنے والوں کو بھلا کون مِلا سکتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے وہ محض دِل کو بہلانے کی باتیں کرتا ہے۔ ایک شاہین سے کوے نے کونج چھین لی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس انہونی پر خاموش رہتا ہے یا شور مچا کر اپنا حق طلب کرتا ہے۔ ایک جاٹ کے کھیت کو آگ لگی ہے دیکھیں وہ کب آ کر اس کو بجھاتا ہے۔ وارث شاہ اگر مجھے پتا چل جائے کہ محبوب آنے والا ہے تو مَیں گھی کے چراغ جلا کر شیرینیاں بانٹوں گی۔

جدوں تیک ہے زمیں اسمان قائم تداں تیک ایہہ واہ سبھ ویہن گے نی
سبھا کبر ہنکار گمان لدے آپ وچ ایہہ انت نوں ڈیہن گے نی
اسرائیل جاں صُور قرنا پھُوکے تدوں زمین اسمان سبھ ڈھین گے نی
کُرسی عرش تے لوح قلم جنت روح دوزخاں ست ایہہ ریہن گے نی
قرعہ سٹ کے پرشن مَیں لاونا ہاں دساں اونہاں جو اُٹھ کے بہن گے نی
نالے پتری پھول کے فال گھتاں وارث شاہ ہوری سچ کہن گے نی

جب تک یہ زمین اور آسمان اپنی جگہ پر قائم ہیں تب تک یہ وقت کا بہاو یونہی چلتا رہے گا۔ سب تکبر، ہنکار اور غرور آپس میں ٹکرا کر بالآخر خود بخود ہی ختم ہو جائے گا۔ حضرت اسرائیلؑ نے جب قرنا پھونکی تو یہ زمین و آسمان تباہ ہو جائیں گے۔ کرسی، عرش، لوح و قلم، جنت، روح اور دوزخیں یہی سات چیزیں باقی رہ جائیں گی، مَیں ابھی قرعہ ڈال کر جوتش کے ذریعے حساب لگاتا ہوں لیکن اُنھیں بتاؤں گا...... جو بستر پر اُٹھ کر بیٹھیں گے...... اور پھر جوتش کی کتاب سے فال نکال کر سب کچھ بتادوں گا...... وارث شاہ جو بھی کہے گا سچ کہے گا۔

ایس گھُنڈ وِچ بہُت خرابیاں نیں اگ لائیکے گھُنڈ نوں ساڑیئے نی
گھُنڈ حُسن دی آب چھپا لیندا لمے گھُنڈ والی رڑے ماریئے نی
گھُنڈ عاشقاں دے بیڑے ڈوب دیندا بینا تاڑ نہ پنجرے ماریئے نی
تدوں ایہہ جہان سبھ نظر آوے جدوں گھُنڈ نوں ذرا اتاریئے نی
گھُنڈ انھیاں کرے سُجاکھیاں نوں گھُنڈ لاہ توں مُونہہ توں لاڑیئے نی
وارث شاہ نہ دبیے موتیاں نوں پھُل اگ دے وچ نہ ساڑیئے نی

اِس حجاب میں بہُت خرابیاں ہیں۔ اِس حجاب کو آگ لگا کر جلا دینا چاہیے۔ یہ حجاب حُسن کی شان و شوکت چھپا لیتا ہے اور جو لمبا گھونگھٹ نکال کر حُسن کی آب و تاب چھپاتی ہوئی اُسے ایسی جگہ مارنا چاہیے جہاں پانی بھی نہ ملے۔ یہ گھونگھٹ ہی ہے جو عاشقوں کی کشتیاں ڈبو دیتا ہے۔ حُسن کی مینا کو پنجرے میں بند کر کے نہیں مارنا چاہیے۔ جب آنکھ پر پڑا گھونگھٹ ہٹے تو پھر ہی کُل عالم دِکھائی دیتا ہے۔ یہ گھونگھٹ تو بینائی رکھنے والوں کو بھی اندھا کر دیتا ہے۔ اے نئی نویلی دُلھن ذرا یہ گھونگھٹ تو ہٹا اور دیکھ تمھارے سامنے کون کھڑا ہے؟ وارث شاہ، موتیوں کو مٹی میں دبانا چاہیے اور

نہ ہی پھولوں کو آگ میں جلانا چاہیے۔

پتے ڈاچیاں دے بُرے لاونا ہیں دیندا میہنے شامتاں دوڑیاں وے
متھا ڈاہیو ای نال کواریاں دے تیریاں لونڈیاں جوگیا مَوریاں وے
تیری جیبھ موہیا ہتھ علت تیرے چتڑیں لڑ دیاں بھوریاں وے
خیر ملے سولٹیں نہ نال مستی منگیں دُدّھ تے پان پھلوریاں وے
رُگ دین آٹا اِکے ٹک چپا بھر دین نہ جٹیاں کوریاں وے
ایس ان نوں ڈُھونڈدے اوہ پھردے چڑھن ہاتھیاں تے ہوون چوریاں وے
وڈے کملیاں دی اساں بھنگ جھاڑی ایتھے کئی فقیریاں سوریاں وے
سوٹا وڈا علاج گپتیاں دا تیریاں بھیڑیاں وِسدیاں طوریاں وے
وارث مار سوار دے بھوت راکشس جھڑ یاں مہریاں ہون اپوڑیاں وے

تم اُونٹنیوں کے غلط حوالے دے رہے ہو لگتا ہے تمھاری شامت آئی ہے۔تم نے کنواریوں کے ساتھ جھگڑا شروع کیا ہے۔لگتا ہے تمھارے شانے مار کھانے کو بیتاب ہو رہے ہیں۔تمھاری زُبان کو کوئی 'خاص بیماری' ہے جو بولنے سے باز نہیں آتی اور شاید تمھارے کولوں پر بھی کچھ خاص چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔تمھیں خیرات ملتی ہے تو اُسے مستی سے قبول نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ تجھے دُودھ، نرم غذا اور گھی میں تلی ہوئی پکوڑیاں ملیں۔تمھیں ایک مٹھی آٹا یا روٹی کا چوتھائی ٹکڑا ملے تو لیتا نہیں تمھیں جاٹنیاں کٹوریاں بھر کر کہاں سے دیں؟ اِس اناج کو تو ہاتھیوں پر سواری کرنے والے بھی ڈُھونڈتے پھرتے ہیں جنھیں پنکھوں سے ہوا دی جاتی ہے۔ہم نے تو بڑے بڑے کملے رملوں کی بھنگ کا نشہ بھی اُتار دیا ہے اور کئی جھوٹے فقیروں کے راز فاش کر دیے ہیں۔دنگا فساد کرنے والوں کا سب سے بہترین علاج 'ڈنڈا' ہوتا ہے تمھارے بھی طور طریقے ایسے ہی دِکھائی دیتے ہیں۔وارث شاہ بھوتوں، شیطانوں اور بدراہ عورتوں کو مار پیٹ سے ہی راہِ راست پر لایا جاتا ہے۔

بُرے رکھن فقیراں دے نال پیاں اُنگھیل بُریار اچکیاں نی
راتب کھائیکے ہنجرن وِچ ٹلّے مارن لت عراقیاں بکیاں نی
اک بھونکدی دوسری دے تجکر ایہ نناں بھابی دونویں سکیاں نی
ایتھے بہت فقیر ظہیر کردے خیر دیندیاں دیندیاں اکیاں نی

جنہاں ڈُبیاں پائیکے سریں چائیاں رنّاں تنہاں دیاں ناہیوں سکیاں نی
نالے ڈِھڈ کھڑکن نالے دُدّھ رِڑکن اتے چاٹیاں کُتیاں لکیاں نی
جھاٹا کھرکدیاں گُنھدیاں نک سنکن مارن وائیکے چاڑھ کے نکیاں نی
لڑو نہیں جے چنگیاں ہووناں جے وارث شاہ تھوں لئو دو پھکّیاں نی

فقیروں کے لیے اِس سے بُری گھڑی اور کیا ہوگی کہ یہ بدکار جھگڑالو اور بدمعاش عورتیں فقیروں کو بُرا بھلا کہہ رہی ہیں۔ یہ 'راتب' کھا کر چراگاہوں میں بدمستیاں کرتیں اور چھوٹے قد کی عراقی گھوڑیوں کی طرح دولتیاں جھاڑتی ہیں۔ ایک بھونکتی ہے تو دوسری اُس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ دراصل دونوں نند بھاوج ایک دُوسری کی رازدان ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں سے پہلے بھی فقیر پریشان ہوکر ہی گئے ہیں اور یہ بھی خیرات دے دے کر تنگ آ چکی ہیں۔ یہ پیٹ بھی کھجلاتی ہیں اور دودھ سے مکھن بھی نکالتی ہیں جب کہ اِس دوران میں کُتیائیں ان کے دُودھ کے برتن بھی چاٹتی رہتی ہیں۔ یہ آٹا گوندھتے ہوئے ناک بھی صاف کرتی ہیں اور سر کو بھی کھجلاتی ہیں اور پھر ناک چڑھا کر پیٹ سے گندی ہوا بھی خارج کرتی ہیں۔ اگر تم اس بیماری سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو تو لڑنے کی ضرورت نہیں۔ وارث شاہ سے صرف دو 'خوراکیں' لے لو۔

بھابی اِک دھروں لڑے فقیر سانوں توں بھی جند کڈھیں نال گھوریاں دے
جے تاں ہنگ دے نرخ دی خبر ناہیں کاہ پچھیئے بھا کستوریاں دے
اینہاں جوگیاں دے نہیں وس کائی کیتے رزق نے واعدے دوریاں دے
جے تاں پٹ پڑاونا نہ ہووے کاہ کھہن کچے نال بھوریاں دے
جان سہتیے فقرنی ناگ کالے ملے حق کمائیاں پُوریاں دے
کوئی دے بددعا تے کال سٹے پچھوں فائدے کیہہ اینہاں جھوریاں دے
لچھو لچھو کردی پھریں نال فقراں لُچ چالڑے اینہاں لنگوریاں دے
وارث شاہ فقیر دی رن ویرن جیویں ویری نیں مرگ انگوریاں دے

ایک طرف تو فقیر مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے دوسری طرف بھابی تم بھی مجھ پر آنکھیں نکال رہی ہو۔ جب تک ہینگ جیسی بدبودار شے کے بارے پتا نہ ہو کستوری کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ان جوگیوں کے اپنے بس میں کچھ نہیں ہوتا ان کا رزق تو تقدیر نے پردیس میں لکھا ہوتا ہے۔ اگر

ریشم کو پڑوانا مقصود نہ ہو تو پھر کھردرے کمبلوں کے ساتھ اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اے سہتی یہ بات اچھی طرح سمجھ لے یہ فقیر تو کالے ناگ ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے مکمّل ریاضتوں کے بعد یہ کمال حاصل کیا ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کوئی بددعا دے کر تمھیں برباد کر دے اور تم کفِ افسوس ہی ملتی رہو۔ تم اپنی حرکات وسکنات سے فقیروں کو دعوتِ گناہ دے رہی ہو۔ ایسے بُرے چلن تو لنڈوریوں کے ہوتے ہیں۔ وارث شاہ یہ عورت فقیر کی اس طرح دُشمن بنی ہوئی ہے جیسے ہرن نئی اُگنے والی فصل کے دُشمن ہوتے ہیں۔

بھابی ایس جے گدھے دی اڑی بدھی اسیں رناں بھی چہ چھاریاں ہاں
ایہہ ماریا ایس جہان تازہ اسیں روز میثاق دیاں ماریاں ہاں
ایہہ ضد دی چھُری جے ہوء بیٹھا اسیں چہ دیاں تیز کٹاریاں ہاں
جے ایہہ گُنڈیاں وچ ہے پَیر دھردا اسیں خچریاں بانکیاں ڈاریاں ہاں
مرد رنگ محل ہن عِشرتاں دے اسیں ذوق تے مزے دیاں ماڑیاں ہاں
ایہہ آپ نوں مرد سداوندا ہے اسیں نراں دے نال دیاں ناریاں ہاں
ایس چاک دی کون مجال ہے نی راجے بھوج تھیں اسیں نہ ہاریاں ہاں
وارث شاہ وچ حق سفید پوشاں اسیں ہوری دیاں رنگ پچکاریاں ہاں

بھابھی اگر اس نے گدھے کی طرح ضد باندھ لی ہے تو ہم عورتیں بھی اپنی ضد کی پکّی ہوتی ہیں۔ یہ تو صرف اس جہان کا مارا ہوا ہے ہم کو روزِ میثاق سے ہی بددُعا ملی ہوئی ہے۔ اگر یہ ضد کی چھُری بن بیٹھا ہے تو ہم بھی اپنی ضد میں تیز کٹاریاں ہیں۔ یہ اگر بدمعاشوں میں پانو رکھتا ہے تو ہم بھی تیز طرار اور مکّار نوجوان دوشیزائیں ہیں۔ مرد اگر عشرتوں کے رنگ محل ہیں تو ہم بھی سرور و لذت کی اونچی حویلیاں ہیں۔ یہ اگر خود کو مرد سمجھتا ہے تو ہم بھی ان مردوں سے کم نہیں۔ اس 'نوکر' کی ہمارے سامنے کیا اوقات ہے؟ ہم نے تو راجا بھوج سے بھی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ وارث شاہ ہم تو سفید پوشوں کے لیے ہولی کے تیوہار پر پھینکی گئی رنگوں کی پچکاریاں ہیں جن سے کسی کا دامن سفید نہیں رہتا۔

جنہاں نال فقیر دے اڑی بدھی ہتھ دھو جہان تھیں چلّیاں نی
آ ٹلیں کوارئیے ڈارئیے نی کیہیاں چائیدای بھَواں اولّیاں نی

ہین وسدے مینہ بھی ہو نیویں دُھماں قہر دیاں دیس تے گھلّیاں نی
کارے ہتھاں کواریاں ویہ بھریاں بھلا کیکروں رہن نچلیاں نی
منس منگدیاں جوگیاں نال لڑ کے راتیں اوکھیاں ہون اکلّیاں نی
بچھی چرکھڑا رُلے ہے سڑن جوگا کدی چار نہ لاہیوای چھلّیاں نی
جتھے گبھرو ہون جا کھہن آپے پرہے مار کے بہن پتھلّیاں نی
ٹل جا فقیر تھوں گنڈیئے نی آ کواریئے راہیں کیوں ملیاں نی
لک بدھیاں نال نہ ہلک جاندا وارث شاہ جو اندروں ہلیاں نی

جو فقیروں کے ساتھ ضد باندھتی ہیں وہ اِس جہان سے خالی ہاتھ ہی جاتی ہیں۔ اے کنواری دوشیزہ! باز آ جا۔ کیوں تم نے یہ عجیب وغریب حرکتیں شروع کر رکھی ہیں؟ برسنے والے بادل بھی جھک کر برستے ہیں لیکن تم نے تو اپنے قہر کو ملک بھر میں مشہور کر رکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بدکار کنواریاں جن میں جنسی زہر بھرا ہوا ہو وہ بھلا نچلی کب بیٹھتی ہیں؟ ایسی عورتوں کے لیے تو رات اکیلے گزارنا مشکل ہوتا ہے، شاید اسی لیے تو وہ جوگیوں سے ضد کر کے اپنے لیے مرد مانگتی ہیں۔ انھیں چرخے اور ٹوکری کی کوئی فکر نہیں ہوتی انھوں نے تو کبھی چھلیوں سے سوت بھی نہیں بنایا ہوتا۔ اُنھیں جہاں کہیں بھی نوجوان گبھرو مل جاتے ہیں یہ خود ہی اُن کو کندھے مارتیں اور پھر پنچایت میں بھی پانو پسار کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اے بدمعاش عورت، فقیر کا پیچھا چھوڑ دے۔ اے کنواری، تُو کیوں اُس کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی ہے؟ وارث شاہ جو اندر سے ہل چکے ہوتے ہیں اُن کے رعشہ کو کمر باندھ کر نہیں روکا جا سکتا۔

خوار خجلاں رُلدیاں پھردیاں سن اکھیں ویکھدیاں ہوردیاں ہور ہوئیاں
رتی دُدّھ دھوتیاں نیک نیتاں آکھے چوراں دے تے اسیں چور ہوئیاں
چور چودھری گنڈی پردھان کیتی ایہہ اُلٹ اولیاں زور ہوئیاں
بدزیب تے کوجھیاں بھیڑ مونہیاں آ کے حُسن دے باغ دیاں مور ہوئیاں
ایہہ چغل بلوچاں دے نیونہہ مٹھی زمیں دوز گھُوٹھی من کھور ہوئیاں
ایہدی بُنت ویکھو نال نخریاں دے مالزادیاں وچ لہور ہوئیاں
بھرجائیاں نوں بولی مار دیاں نیں پھرن مُنڈیاں وچ للور ہوئیاں

وارث شاہ چھپاؤں تے دُھم ایہدی جویں سسّی دیاں شہر بھنبھور ہوئیاں

یہ ذلیل و رُسوا ابھی آوارہ پھر رہی تھیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو گئیں۔ جنسی خواہشات سے مغلوب عورتیں نیک نیت اور پاک صاف ہو گئی ہیں اور ہم ان چور عورتوں کے کہنے پر چور بنا دیے گئے ہیں...... یہ عجیب بات ہے کہ چور کو گانو کا سردار اور بدمعاش عورت کو پنچایت کا سربراہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ اُلٹی اور غیر مناسب باتیں بڑھنے لگی ہیں۔ جو بدزیب، بدصورت اور بُری شکل والیاں تھیں وہ باغِ حُسن میں مورتیاں بن کر بیٹھ گئی ہیں۔ یہ 'چغل خور' بلوچوں کی محبت میں گرفتار، چھوٹے قد کی جھپکے سے وار کرنے والی عورتیں، بہت شریف بن رہی ہیں۔ ان کی بناوٹ اور تراش خراش تو دیکھو جیسے لاہور کی مال زادیاں نخرے کرتی ہیں۔ یہ بھابیوں کو تو الزام دیتی ہیں اور خود نوجوان لڑکوں کے سامنے مُنہ سے رال ٹپکاتی پھرتی ہیں۔ وارث شاہ ساری وادیِ چناب میں اس کی بھی بھنبھور کی سسّی جیسی شہرت ہے۔

جو کو جمیا مرے گا سبھ کوئی گھڑیا بھجسی واہ سب وہین گے وے
میر پیر ولی غوث قطب جاسن ایہہ سبھ پسارڑے ڈھین گے وے
جدوں رب اعمال دی خبر پُچھے ہتھ پیر گواہیاں کہن گے وے
بھنے ٹھوٹھے توں ایڈ ودھا کیتو بُرا تدھ نوں لوک سب کہن گے وے
جیبھ برا بولیسیا راولا وے ہڈ پیر سزائیاں لین گے وے
کُل چیز فنا ہو خاک رلسی ثابت ولی اِللہ دے رہین گے وے
ٹھوٹھا نال تقدیر دے بھج پیا وارث شاہ ہوری تینوں کہن گے وے

جو پیدا ہوا ہے اُس کو مرنا ہے اور جو تراشا گیا ہے اُسے بھی بالآخر ٹوٹنا ہے۔ وقت کا بہاو یونہی چلتا رہے گا۔ میر، پیر، ولی، غوث، قطب، سب کو بالآخر اس جہان سے چلے جانا ہے۔ یہ وسعتیں اور یہ حدود و قیود سب ٹوٹ جائیں گی۔ قیامت کے دن جب خدا نے اعمال کے بارے میں باز پرس کی تو یہ ہاتھ پانو خود گواہی دیں گے۔ تم نے کشکول ٹوٹنے پر بات کا بتنگڑ بنا لیا ہے اس پر لوگ تمھیں ہی برا کہیں گے۔ زبان کے بُرا بولے کی سزا ہڈیوں اور گوشت کو بھگتنا پڑے گی۔ تمام چیزیں فنا ہو کر خاک میں مِل جائیں گی لیکن اللہ کے ولی پھر بھی باقی رہیں گے۔ تمھارے کشکول کی تقدیر میں ٹوٹنا ہی لکھا تھا، وارث شاہ بھی تم سے یہی کہیں گے۔

شالا قہر پوی چھٹ باز پینی ٹھوٹھا بھن کے لاڈ بھنگارنی ہیں
لک بنھ کے رنے گھلھکوڑے نی ماڑا ویکھ فقیر نوں مارنی ہیں
نالے مارنی ہیں جیو ساڑنی ہیں نالے حال ہی حال پُکارنی ہیں
مرے حُکم دے نال تاں سبھ کوئی بنا حُکم دے خون گزارنی ہیں
برے نال جے بولیے بُرے ہوئیے اسیں بودلے ہاں تے توں یارنی ہیں
ٹھوٹھا پھیر دُرُست کر دے میرا ہور آکھ کیہ سچ نتارنی ہیں
لوک آکھدے ہین ایہہ کُڑی کواری ساڈے باب دی دھاڑوی دھارنی ہیں
ایڈے فن فریب ہین یاد تینوں مُرداراں دی سر سردارنی ہیں
اک چور تے دوسرے چتر بنیوں وارث شاہ ہُن ڈھائیکے مارنی ہیں
گھر والیے ووہٹیے بول توں بھی کہی جیو وچ سوچ وچارنی ہیں
سوامَنی مطہر پئی پھرکدی ہے کسے یارنی دے سرمارنی ہیں

تم پر خدا کا عذاب ٹُوٹے، تم نے باز کی طرح جھپٹ کر میرا کشکول توڑ دیا اور اب اُلٹا باتیں بنانے لگی ہو۔ پہلوان عورت کی طرح کمر باندھ، فقیر کو کمزور جان کر مارتی ہو۔ ایک تو مارتی ہو دوسرا باتوں سے جی کو بھی جلاتی ہو اور پھر شور مچا کر مکر بھی کرتی ہو۔ اللہ کے حُکم پر تو سب مرتے ہیں لیکن تم اُس کے حُکم کے بغیر ہی قتل کیے جا رہی ہو۔ دراصل بُرے آدمی کے ساتھ ہمکلام ہو کر برائی ہی ملتی ہے۔ ہم تو بے وقوف ہیں لیکن تم ضرورت سے زیادہ سیانی ہو۔ بہتری اِسی میں ہے کہ میرا ٹوٹا ہوا کشکول دُرُست کر دو یہی کافی ہے۔ خواہ مخواہ بات کو طول دینے سے کیا فائدہ؟ لوگ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی کنواری ہے لیکن ہمارے لیے تو یہ کسی جنگجو حملہ آور کا رُوپ دھار چکی ہے۔ تمھیں تو اِتنے مکر وفریب یاد ہیں کہ حرامیوں کی بھی سردار لگتی ہے۔ ایک تو تم چور ہو اور دوسرا چالاکی سے بھی کام لے رہے ہو۔ وارث شاہ اب اس کو زمین پر گرا کر ہی مارنا پڑے گا۔ اے گھر والی نئی دُلھن تُو بھی تو کچھ بول۔ تو اپنے دِل میں کیا سوچ رہی ہے؟ میری سوا من کی مطہری ضرب لگانے کو بے تاب ہو رہی ہے اب اس کو کسی 'یار باز' عورت کے سر پر دے مارنا چاہیے۔

ہیر آکھدی ایہہ چوا کیہا ٹھوٹھا بھن فقیراں نوں مارنا کیہہ
جنہاں ہِک اِللہ دا آسرا ہے اونہاں پنکھیاں نال کھہاڑنا کیہہ

جھڑے کن پڑوا فقیر ہوئے بھلا اونہاں دا پڑتنا پاڑنا کیہ
تھوڑی گل دا وڈھا ودھا کر کے سورے کم نوں چا وگاڑنا کیہ
جھڑے گھراں دیاں چاوڑاں نال مارے گھر چک کے ایس لے جاونا کیہ
لڑیئے آپ بروبرے نال گوئیے سوٹے پکڑ یتیماں تے آونا کیہ
میرے بوہیوں فقر کیوں ماریو ای وسدے گھراں توں فقر موڑاونا کیہ
گھر میرا تے مَیں نال کھس چایو ایتھوں کواریئے تدھ لے جاونا کیہ
بولھ راہکاں دا ہونس چوہڑے دی مرشوں مرش دِن رات کراونا کیہ
وارث شاہ ایہ حرص بے فائدہ ای اوڑک ایس جہان توں چاونا کیہ

ہیر نے کہا...... بھلا یہ بھی کوئی ناز نخرے دِکھانے کا طریقہ ہے اور پھر کشکول توڑ کر فقیروں کو کیوں مارا جائے۔ جن مسافروں کو صرف خدا کا ہی آسرا ہو اُن سے کبھی نہیں اُلجھنا چاہیے۔ جو کان چھدوا کر فقیر ہو چکے ہوں اُن پر الزام تراشی کی کیا ضرورت ہے۔ چھوٹی سی بات کو بڑھا کر بنے ہوئے کام کو بگاڑنے سے کیا فائدہ؟ تُو خواہ مخواہ گھر کے تکبر میں الجھی ہوئی ہو۔ کوئی اس گھر کا کچھ اُٹھا تو نہیں لے جائے گا۔ اپنے برابر والے کے ساتھ لڑنا چاہیے کسی یتیم پر ڈنڈوں سے حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ میرے گھر کے دروازے سے تم نے فقیر کو خالی ہاتھ کیوں لوٹایا ہے؟ آباد گھروں سے فقیروں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔ یہ گھر میرا ہے اور تم نے میرے ساتھ ہی برائی شروع کر دی ہے۔ یہاں سے تم نے اے کنواری لڑکی اپنے ساتھ کچھ لے کر تو نہیں جانا۔ فصل کا ڈھیر کاشتکاروں کا ہی ہوتا ہے لیکن چوہڑا بھی اُس کو ہوس کی آنکھ سے دیکھتا ہے لیکن اُس کی ملکیت پر غلط بیانی کرنے سے کیا فائدہ؟ وارث شاہ دنیاوی حرص و ہوس کا کیا فائدہ؟ آخر تو اِس جہاں سے خالی ہاتھ ہی اُٹھ جانا ہے۔ کوئی یہاں سے کچھ اُٹھا کر نہیں لے جائے گا۔

اِکے مراں گی مَیں اکے ایس ماراں اِکے بھابیے تُدھ مرائساں نی
رووا‌ں مار بھُبّاں بھائی آوندے تھے تینوں خواہ مخواہ کٹائساں نی
چاک لیک لائی تینوں ملے بھابی گلاں پچھلیاں کڈھ سُنائساں نی
اِکے مارئیں توں اِکے بیٹھ جوگی ایہو گھگھری چا وچھائساں نی
سِیتا دہسرے نال جوگاہ کیتا کوئی وڈا کمند پوائساں نی

رن تانہیں جے گھروں کڈھا تینوں میں مراد بلوچ ہنڈائساں نی
سر ایس دا وڈھ کے اتے تیرا ایس ٹھُوٹھے دے نال رلائساں نی
رکھ ہیرے توں اپنی جمع خاطر تیری رات نوں بھنگ جھڑائساں نی
کٹائساں اتے مرائساں نی کُتوں دُھروہ کے گھروں کڈھائساں نی
وارث کولوں بنھا ٹنگائساں نی تیرے لِنگ سبھ چور کرائساں نی

یا تو مَیں خود مروں گی یا پھر اس کو مارڈوں گی۔ پھر بھابی تمھیں بھی مروا کر ہی رہوں گی۔ بھائی کے آتے ہی مَیں آنکھوں میں مُٹھیاں دے دھاڑیں مار کر روؤں گی اور تمھیں ضرور کٹواؤں گی۔ تجھے ملنے کے لیے آ کر چاک نے ہمیں بدنام کِیا ہے۔ مَیں تمھاری سب پچھلی باتیں بھی کھول کر سنادوں گی۔ اگر تمھیں مار نہ پڑوائی تو مَیں اس جوگی کے نیچے اپنی گھگھری بچھا کر اسے اپنا خصم تسلیم کرلوں گی اور پھر یہ جو چاہے مجھ سے سلوک کرے۔ سیتا نے راون کے ساتھ جو کچھ کِیا تھا مَیں اُس سے بھی بڑا فساد کھڑا کردوں گی۔ اگر تو مَیں عورت ہوئی نا تو پھر تمھیں اس گھر سے نکلوا کر خود مراد بلوچ کے ساتھ عیش کروں گی۔ تمھارا اور اس جوگی کا سر کاٹ کر اس ٹوٹے ہوئے کشکول کے ساتھ ملادوں گی۔ اے ہیر تو تھوڑی دیر کے لیے خاطر جمع رکھ رات کو تمھارے سر سے اس بھنگ کا سارا نشہ اُتروادوں گی۔ وارث شاہ سے رسّی سے بندھوا کر پھر اُلٹا ٹنگوا کر تمھاری ٹانگیں چُور چُور کرادوں گی۔

کجل پوچھلیا لڑا گھت نینیں زُلفاں گُنڈلاں دار بناونی ہیں
نیویاں پٹیاں ہِک پلما زلفاں چھلے گھت کے رنگ وٹاونی ہیں
رتّی عاشقاں نوں دکھلاونی ہیں نتھ وہڑے دے وچ چھنکاونی ہیں
بانکی بھکھ رہی چولی بافتے دی اُتے قہر دیاں الّیاں لاونی ہیں
ٹھوڈی گلھ تے پاء کے خال خُونی راہ جاندڑے مرگ پھہاونی ہیں
کنھاں نخریاں نال بھرماونی ہیں اکھیں پا سُرمہ مٹکاونی ہیں
مل وٹنا لوڑھ دنداسڑے دا زری بادلا پٹ ہنڈاونی ہیں
تیڑ چُوڑیا پاء کے قہر والا گونجاں گھت کے لاونا لاونی ہیں
نواں ویس تے ویس بناونی ہیں لکیں پھیریاں تے گھمکاونی ہیں

نال حُسن گمان دے پلنگ بہہ کے حور پری دی بھین سداونی ہیں
منہدی لا ہتھیں پہن زرّی زیور سوین مرگ دی شان گواونی ہیں
پَیر نال چوا دے چاونی ہیں لاڈ نال گہنے چھنکاونی ہیں
سردار ہیں خوباں دے ترنجناں دی خاطر تلے نہ کسے نوں لیاونی ہیں
ویکھ ہورناں نک چڑھاونی ہیں بیٹھی پلنگھ تے تُوتیے لاونی ہیں
پر اسیں بھی نہیں ہاں گھٹ تیتھوں جے توں آپ نوں چھیل سداونی ہیں
ساڈے چھن سریر متھیلیاں دے سانوں چوہڑی ہی نظر آونی ہیں
ناڈھو شاہ دی رن ہو پلنگھ بہہ کے ساڈے جیونوں ذرّہ نہ بھاونی ہیں
تیرا کم نہ کوئی وگاڑیا مَیں ایویں جوگی دی تنگ بھناونی ہیں
سنے جوگی دے مار کے مجھ کڈھوں جیندیاں چاوڑاں پئی وکھاونی ہیں
تیرا یار جانی اساں نہ بھاوے ہُنے ہور کیہ مُونہوں اکھاونی ہیں
سجا اڑتنے پڑتنے پاڑستوں ایویں شیخیاں پئی جگاونی ہیں
ویکھ جوگی نوں مار کھدیڑ کڈھاں ویکھاں اوسنوں آ چھڈاونی ہیں
تیرے نال جو کراں گی مُلک ویکھے جیہے میہنے لُوتیاں لاونی ہیں
تدھ چاہنا کیہ ایس گل وچوں وارث شاہ تھے چُغلیاں لاونی ہیں

تم آنکھوں میں دم دار کاجل ڈال کر زُلفیں بھی گھنگھر یالی بناتی ہو۔ بالوں کو گوندھ کنپٹیوں تک لاتی ہو اور پھر زُلفوں کے کنڈل سینے پر ڈال کر اپنا رنگ جماتی ہو۔ تم عاشقوں کے سامنے جنسی خواہش پر رضامندی کا اظہار بھی کرتی ہو اور آنگن میں کنوار پن کی علامت اپنی تھلی بھی چھنکاتی ہو۔ بافتے کے سادہ کپڑوں میں بھی تمھارے حُسن کا جلال چھلک رہا ہے جس پر پھولوں کی قطاریں غضب ڈھاتی ہیں۔ ٹھوڑی اور رُخسار پر مصنوعی تِل بنا کر راہ چلتے ہرنوں کو بھی اپنے جال میں پھنساتی ہو۔ کبھی اداؤں کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ کرتی اور پھر آنکھوں میں سرمہ ڈال کر اُن سے اشارے کرتی ہو۔ اُبٹن لگاتی ہو، دنداسڑے سے غضب اُٹھاتی ہو، سنہری تار والے ریشم کے کپڑے پہنتی ہو۔ قیامت برپا کرنے والے جسم کے نچلے حصّے پر دھاری دار کپڑے پہنتی ہو اور کونجوں کے ذریعے عشق و محبت کے پیغامات بھیجتی ہو۔ نت نیا بھیس بنا کر اِدھر اُدھر چکّر

لگاتی اور اُس کی نمائش کرتی ہو۔ اپنے حُسن پر ناز کر کے پلنگ پر یوں بیٹھتی ہو جیسے کسی حور پری کی بہن ہو۔ ہاتھوں میں مہندی لگا کر جسم کو زیور سے آراستہ کر کے سنہری ہرنی کی شان کو بھی مات دیتی ہو، ہزار نخروں کے ساتھ قدم اُٹھاتی ہو اور پھر فخر کے ساتھ اپنے گہنے چھنکاتی ہو۔ تم خوب روؤں کے ترنجن کی سردار ہو اور کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی ہو۔ اوروں کو تو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی ہو اور خود پلنگ پر بیٹھے ہی طوفان کھڑا کیے رکھتی ہو۔ اگر تم اپنے آپ کو خوب صورت کہلواتی ہو تو ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ ہمارے صندلی جسم بھی من موہنے ہیں۔ ہمارے سامنے تو تم چوہڑی لگتی ہو۔ تم جس طرح ناڈھوشاہ کی بیوی بن کر پلنگ پر بیٹھتی ہو ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تمھارا کوئی کام تو مَیں نے بگاڑا نہیں تم خواہ مخواہ جوگی کی ٹانگیں تڑواؤ گی۔ جس جوگی کا تم مجھے رُعب دِکھاتی ہو مَیں اُس سمیت مار مار کر تمھارا بھی ملیدہ بنا دوں گی۔ تمھارا یار جانی تو ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا اب اور کیا میرے مُنہ سے کہلوانا چاہتی ہو......؟ تم تو ایسے ہی شیخیاں بگھار رہی ہو مَیں تمھارے سارے اگلے پچھلے راز افشا کر دوں گی۔ مار مار کر جوگی کا کھایا پیا سب نکال دوں گی پھر دیکھوں گی تم اُسے کیسے بچاتی ہو؟ مجھ پر جو الزام تراشیاں کر کے آگ بھڑکا رہی ہو تمھارے ساتھ بھی وہ سلوک کروں گی کہ دُنیا دیکھے گی۔ وارث شاہ کے سامنے چغلیاں لگا کر آخر تمھیں کیا مِل جائے گا؟

دونویں مار سواریاں راولے نے پنج ست پھوڑیاں لائیاں سو
گلھاں پُٹ کے چولیاں کرے لیراں ہکاں بھن کے لال کرائیاں سو
نالے توڑ جھنجوڑ کے پکڑ گُتوں دونویں وہڑے دے وچ بھوائیاں سو
کھوہ چُنڈیاں گلھاں تے مار ہُنداں دو دو دھون دے مُڈھ ٹکائیاں سو
جیہا رِچھ قلندراں گھول پوندا سوٹے چُتڑیں لا نچائیاں سو
گِٹے لک ٹھکور کے پکڑ تڑگوں دونویں باندری وانگ ٹپایاں سو
جوگی واسطے رب دے بس کر جا ہیر اندروں آکھ چھڈائیاں سو

راول نے دونوں کو پانچ سات پھوڑیاں مار کر دُرست کر دیا۔ اُن کے رُخسار نوچ ڈالے، کپڑے پھاڑ ڈالے، اور سینے مسلسل ضربوں سے سرخ کر ڈالے۔ وہ اُنھیں جھنجوڑتا اور پھر چوٹیوں سے پکڑ کر جھٹکے بھی دیتا وہ پورے صحن میں بھاگتی پھر رہی تھیں۔ ان کی چونڈیاں نوچ ڈالیں، گالوں پر مکّے مارے اور دو دو کاری ضربیں گردن کے نچلے حصے پر لگائیں۔ جس طرح قلندر

اور ریچھ کے درمیان کشتی ہوتی ہے اُس نے اُن کے کولوں پر ڈنڈے مار کر نچا کر رکھ دیا......اُس نے اُن کے ٹخنوں پر کمر پر ضربیں لگائیں اور پھر اُنھیں کمر سے پکڑ کر بندریوں کی طرح اُچھل کود کروائی۔ یہ صورتِ حالات دیکھ کر کمرے میں بند ہیر نے جوگی کو خدا کا واسطہ دے کر کہا، کہ اب بس کر۔ تب اُس نے اُنھیں چھوڑا۔

اونہاں چھٹدیاں حال پُکار کیتی پنج ست مشٹنڈیاں آ گئیاں
وانگ کابلی کُتیاں گرد ہوئیاں دو دو علی الحساب ٹکا گئیاں
اونہوں اک کے دھک کے رکھ اگے گھروں کڈھ کے طاق چڑھا گئیاں
باز توڑ کے طعمیوں لاہیو نیں معشوق دی دِید ہٹا گئیاں
دھکا دے کے سٹ پلٹ اس نوں ہوڑا وڈا مضبوط پھا گئیاں
صوبہ دار تغیر کر کڈھیونیں وڈا جوگی نوں واعدا پا گئیاں
گھروں کڈھ اروڑی تے سٹیونیں بہشتوں کڈھ کے دوزخے پا گئیاں
جوگی مست حیران ہو دنگ رہیا کوئی جادوڑا گھول پوا گئیاں
اگے ٹھوٹھے نوں جھوردا خفا ہوندا اُتوں نواں پیار بنا گئیاں
وارث شاہ میاں نواں سحر ہویا پریاں جن فرشتے نوں لا گئیاں

اُنھوں نے جوگی سے جان چھوٹتے ہی مدد کے لیے شور مچانا شروع کیا اُن کی آوازیں سُن کر پانچ سات بدمعاش عورتیں آ گئیں اور کابلی کُتیوں کی طرح اُس پر حملہ آور ہو گئیں اور بغیر حساب کے مارنا شروع کر دیا اُنھوں نے بالآخر دھکے دے کر جوگی کو باہر نکالا اور اندر سے حویلی کا دروازہ بند کر دیا۔ اُنھوں نے شکار کے لیے آسمانوں کی اونچائی پر اُڑتے ہوئے باز کو نیچے اُتار کر معشوق کے دیدار سے محروم کر دیا۔ اُسے اِس طرح وہاں سے نکالا گیا جیسے کسی برطرف صوبیدار کو علاقے سے نکالا جاتا ہے جوگی ایک مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے اُسے گھر سے نکال کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا تھا۔ وہ اُسے بہشت سے نکال کر دوزخ میں دھکیل گئی تھیں۔ مست جوگی، حیران و پریشان ہو کر رہ گیا جیسے وہ اُسے کسی جادو کا اسیر بنا گئی ہوں۔ پہلے تو وہ صرف کاسے کے ٹوٹنے پر افسوس کر رہا تھا لیکن اب تو اُس کے ساتھ ایک اور زیادتی ہو گئی تھی۔ وارث شاہ یہاں تو ایک نیا جادو ہو گیا تھا کہ پریاں فرشتے کو جن لگا گئی تھیں۔

عاقی ہو بیٹھے اسیں جوگڑے تھوں جا لالے زور جو لاونا ای
اسیں حُسن تے ہو مغرور بیٹھے چار چشم دا کٹک لڑاونا ای
لکھ زور توں لا جو لاونا ای اساں بدھیا باجھ نہ آونا ای
سرمہ اکھیاں دے وچ پاونا ای اساں وڈا کمند پواونا ای
رُخ دے کے یار بھتار تائیں سیدا کھیڑے دے نال لڑاونا ای
سیتا پُوج بیٹھا سیدا وانگ دہسر سوہنی لنک نوں اوس لٹاونا ای
رانجھے کن پڑائیکے جوگ لیتا اساں جزیہ جوگ تے لاونا ای
وارث شاہ اوہ باغ وچ جا بیٹھا حاصل باغ دا اساں لیاونا ای

ہم تو اِس جوگڑے سے انحراف کر چکے ہیں تم جو زور لگا سکتی ہو لگا لو۔ ہم تو اپنے حُسن پر مغرور ہو کر بیٹھے ہیں اگر تم نگاہوں کی آپسی جنگ دیکھنا چاہتی ہو تو جتنا مرضی ہے زور لگا لو۔ اب ہم پھیرے لیے بغیر نہیں آئیں گے۔ اب ہم آنکھوں میں سُرمہ بھی لگائیں گے اور اس قلعہ پر بڑی سی کمند بھی ڈلوائیں گے۔ اپنے پیارے محبوب اور خاوند رانجھے یار کی طرف توجّہ مرکوز کر کے سیدے کھیڑے کے ساتھ جنگ بھی کروائیں گے۔ سیدا دراصل راون کی طرح سیتا کو زبردست کے حوالے کر بیٹھا ہے۔ اب اُسے اپنی خوب صورت لنکا لٹوانا ہی پڑے گی۔ رانجھے نے کان پڑوا کر جوگ حاصل کیا ہے تو ہم اس جوگ کا 'جزیہ' ادا کریں گے۔ وارث شاہ اگر 'کالے باغ' میں جا کر بیٹھ گیا ہے تو ہم بھی اُس باغ کا ثمر حاصل کر کے رہیں گے۔

عاقی ہوئیکے کھیڑیاں وچ وَڑئیں عشق حُسن دی وارثے جیٹے نی
مُنجھا انت نوں دیونا ہووے جس نوں جھگا اوس دا کاس نوں پٹے نی
جہڑا ویکھ کے مُکھ نہال ہووے کیچے قتل نہ ہاں پلیٹے نی
ایہہ عاشقی ویل انگور دی ہے مُڈھوں ایس نوں پُٹ نہ سٹیے نی
ایہہ جوبنا نِت نہ ہوونا ای چھاؤں بدلاں دی جان جیٹے نی
لیکے سٹھ سہیلیاں وچ بیلے نت دھاوندی سیں اونہوں ڈٹیے نی
مُنجھا دیجے نہ سچّے عاشقاں نوں جو کجھ جان تے بنے سو کٹیے نی
دعویٰ بنھیے تاں کھڑیاں ہو لڑیئے تیر مار کے آپ نہ چھٹیے نی

اٹھے پہر وساریئے نہیں صاحب کدی ہوش دی اکھ پرتیے نی
مِٹھی چاٹ ہلاء کے توتڑے نوں پچھوں کنکری روڑ نے گھتیے نی
جنہاں کنت بھلایا چھڑواں نیں لکھ مولیاں منہدیاں گھتیے نی
اُٹھ جھبدے جاء کے ہو حاضر ایہے کم نوں ڈِھل نہ گھتیے نی

اے حُسن و عشق کی وارث جٹی! اب تو منحرف ہو کر کھیڑوں میں آ چکی ہے۔ اگر آخرِ کار کِسی کو دھوکا ہی دینا ہو تو پھر کِسی کا گھر بار کیوں برباد کِیا جائے؟ جو صرف محبوب کے دیدار سے ہی مسرور ہو جاتا ہو اُسے روگردانی کر کے بے موت نہیں مارنا چاہیے۔ یہ عاشقی تو انگور کی بیل کی طرح ہوتی ہے اس کو جڑ سے ہرگز نہیں اُکھاڑنا چاہیے۔ یہ جوانی تو بادلوں کی چھانو جیسی ہوتی ہے، یہ ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ ہواؤں کے دوش پر بادل اُڑ جائیں تو سایے بھی نہیں رہتے۔ اے خودسر عورت ساٹھ سہیلیاں ساتھ لے کر بیلے میں اُس کو نہلاتی رہی ہو۔ سچے عاشقوں کے ساتھ دھوکا نہیں کرنا چاہیے جو بھی مصیبت آئے اُسے اپنی جان پر برداشت کرنا چاہیے۔ اگر کوئی دعویٰ کِیا جائے تو اُس کو میدان میں کھڑے ہو کر ثابت کرنا چاہیے۔ محض کھوکھلے تیر چلا کر وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ اُس سچے صاحب! کو آٹھوں پہر یاد رکھنا چاہیے اور کبھی ہوش کی آنکھ بھی کھول لینی چاہیے۔ توتے ء کو میٹھی چاٹ پر لگا کر پھر اُسے کنکریاں اور پتھر نہیں کھلانا چاہیں۔ جن طلاق شدہ عورتوں کو خاوند نے چھوڑ دیا ہو وہ لاکھ منہدی لگائیں 'مولیاں' باندھیں مطلقہ ہی کہلاتی ہیں۔ اُٹھ اور جلدی سے جا کر حاضری دے نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔

پیا لعنتوں طوق شیطان دے گل اونہوں رب نہ عرش تے چاڑھنا ایں
جھوٹھ بولیا جنہاں بیاج کھاہدے تنھاں وچ بہشت نہ واڑنا ایں
اسیں جیو دی میل چُکا بیٹھے وت کراں نہ سیونا پاڑنا ایں
سانوں مارلے بھیڑے پلیاں نوں چاڑھ تیغ اتے جے توں چاڑھنا ایں
اگے جوگی تھوں مار کرائی آ ہُن ہور کیہہ پڑتنا پاڑنا ایں
تَوبَۃُ النَّصُوحَا جے میں موڑھوں بولاں نک وڈھ کے گدھے تے چاڑھنا ایں
گھربار تھیں چا جواب دِتا ہور آکھ کیہہ سچ نتارنا ایں
میرے نال نہ وارثا بول ایویں متاں ہوجائی کوئی کارنا ایں

شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق پڑ چکا ہے۔ اب اُسے خدا نے دوبارہ عرش پر نہیں چڑھنے دینا۔ جن لوگوں نے جھوٹ بولا، سُود کھایا اُن کے لیے بہشت کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ ہم دِل میں سے برائی مٹا چکے ہیں اب دوبارہ 'سینے ادھیڑنے' کا کام نہیں کریں گے۔ پھپھے کٹنیوں کا یہ کام ہم سے تو نہیں ہوگا۔ اپنے بھائی کا گھر برباد کرنے والی تُو جتنا چاہے مار لے اور خواہ لوہے کی سلاخ پر چڑھا کر میرے کباب بنا لے۔ پہلے تو تم نے جوگی سے مجھے مار پڑوائی اب کوئی نیا فساد کھڑا کرنا چاہتی ہو۔ مَیں نے سچے دِل سے توبہ کر لی ہے اگر اب کوئی بات مُنہ سے نکالوں تو تم مجھے ناک کاٹ کر گدھے پر بٹھا دینا۔ تُو نے مجھے گھر بار سے ہی لاتعلق کر دیا تھا اب اور کیا کرنا چاہتی ہو؟ اے وارث شاہ میرے ساتھ یوں بات نہ کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کوئی انہونی ہو جائے۔

جدوں خلق پیدا کیتی رب سچے بندیاں واسطے کیتے نیں ایہہ پسارے
رناں چھوکرے جن شیطان راول کُتا کُکڑی بکری اُٹھ سارے
ایہا مُول فساد دا ہوئے پیدا جہاں سبھ جگت دے مَول مارے
آدم کڈھ بہشت تھیں خوار کیتا ایہہ ڈائناں دُھروں ہی کرن کارے
ایہہ کرن فقیر چا راجیاں نوں اونہاں راوٴ رزاوڑے سِدھ مارے
وارث شاہ جو ہنر سبھ وچ مرداں اتے مہریاں وچ نیں عیب سارے

جب سچے خدا نے مخلوق کو پیدا کِیا تھا تو اپنے بندوں کے لیے ہی یہ سب سامان پیدا کیے تھے۔ عورتیں، لونڈے، جن، شیطان، راول، کُتا، مرغی، بکری۔ یہی آٹھ چیزیں ہیں جو فساد کی جڑ پیدا ہوئی تھیں اور یہی تو ہیں جنھوں نے دُنیا کی سب ہریاول کو نوچ کھایا ہے۔ ان ظالم جادوگر عورتوں کا تو شروع سے ہی یہ وتیرہ ہے۔ اُنھوں نے ہی آدم کو جنت سے نکلوا کر ذلیل و رسوا کِیا تھا۔ یہی تو ہیں جو راجاؤں کو فقیر بنا دیتی ہیں۔ اُنھوں نے ہی بڑے بڑے راجکماروں کو مروا دیا تھا۔ وارث شاہ مردوں میں ہی تمام خوبیاں ہوتی ہیں جب کہ ان عورتوں میں تو عیب ہی عیب ہوتے ہیں۔

سہتی آکھیا پیٹ نے خوار کیتا کنک کھا بہشت تھیں کڈھیا ای
آئی مَیل تاں جنتوں ملے دھکّے رستا آس اُمید دا وڈھیا ای

آکھ رہے فرشتے کنک دانہ ناہیں کھاونا حُکم کر چھڈیا ای
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ نالے سپ تے مور نوں کڈھیا ای
ایہہ سمجھ شیطان بھی مرد ہویا ناؤں رناں دا بُرا کر چھڈیا ای
سگوں آدمے حوا نوں خوار کیتا ساتھ اوس دا ایس نہ چھڈیا ای
پھیڑن مرد تے سوہندے تریمتاں نوں مُونہہ جھوٹھ دا کاسنوں ٹڈیا ای
مرد چور تے ٹھگ جوارئیے نیں ساتھ بدی دا نراں نے لدیا ای
فرقان وچ فَانْكِحُوا رب کیہا جدوں وحی رسولؐ نے سدیا ای
وارث شاہ ایہہ تریمتاں کھان رحمت پیدا جنہاں جہان کر چھڈیا ای

سہتی نے کہا آدم کو پیٹ نے مجبور کِیا تو وہ دانۂ گندم کھا کر بہشت سے نکلا تھا اور پھر جب اُس کے جسم میں جنسی خواہش نمودار ہوئی تو اُسے جنت سے دھکّے دے کر نکال دیا گیا تو آس اُمید کی ڈوری بھی ٹوٹ گئی۔ فرشتوں نے اُسے بہُت سمجھایا کہ دانۂ گندم کھانے کی اجازت نہیں۔ اس درخت کے نزدیک مت جانا لیکن وہ نہیں مانا۔ اُس کے ساتھ سانپ اور مُور کو بھی جنت سے نکال دیا گیا۔ حوا کو شیطان نے بہکایا تھا وہ بھی تو مرد تھا۔ عورتوں کا تو خواہ مخواہ نام بدنام ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آدم نے حوا کو ذلیل کِیا تھا لیکن پھر بھی اُس نے اُس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ برائی تو مرد کرتے ہیں لیکن اُس کا الزام عورت پر ڈال دیتے ہیں۔ آخر تم یہ صریح جھوٹ کیوں بول رہے ہو......؟ مرد ہی چور، جواری اور ٹھگ ہوتے ہیں بدی کا سارا سامان مرد ہی کرتے ہیں۔ جب رسولِ خدا پر وحی کے ذریعے قرآن نازل ہوا تھا تو اُس میں عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا بھی حُکم تھا۔ وارث شاہ یہ عورتیں تو خدا کی رحمت کی کان ہیں جنھوں نے انسانی دنیا پیدا کی ہے۔

جس مرد نوں شرم نہ ہووے غیرت اوس مرد تھیں چنگیاں تیویاں نیں
گھر وسدے عورتاں نال سوہن شرم وند تے ستر دیاں بیویاں نیں
اِک حال وچ مست گھربار اندر اک ہار سنگھار وچ کھیویاں نیں
وارث شاہ حیا دے نال اِندر اکھیں ہیٹھ زمیں دے سیویاں نیں

جس مرد کے پاس شرم اور غیرت نہ ہو اُس سے تو عورتیں اچھی ہوتی ہیں۔ آباد گھر عورتوں کی وَجہ سے ہی اچھے لگتے ہیں۔ ان گھروں میں جہاں باحیا اور باشرم بیویاں ہوتی ہیں۔ جن میں

اکثر وہ ہوتی ہیں جو ہر حال میں اپنے گھر میں مست رہتی ہیں لیکن کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہر وقت بناؤ سنگار کے لیے پاگل ہوئی جاتی ہیں۔ وارث شاہ حیا ہی اصل میں حُسن اور دوشیزگی ہے ایسی عورتوں کی نگاہیں ہمیشہ زمین کی طرف جھکی ہوتی ہیں۔

وفادار نہ رن جہان اُتے لاڈلے شیر کُرنگ وچ نتھ ناہیں
گدھا نہیں مُلد منکھٹ خوجہ اتے کُھسریاں دی کائی کتھ ناہیں
نامرد دے وار نہ کسے گانویں اتے گانڈواں دی کائی ستھ ناہیں
جوگی نال نہ رن دا ٹُرے ٹُونا زور مُیں دا چڑھے اگھ ناہیں
یاری سوہندی نہیں سُہاگناں نوں رنڈی رن نوں سوہندی نتھ ناہیں
وارث شاہ اوہ آپ ہے کرن کارن ایہناں بندیاں دے کائی ہتھ ناہیں

اس جہان میں کوئی عورت وفادار نہیں۔ لاڈلے بچے، شیر اور ہرن پر کِسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ گدھا بوجھ اُٹھانے پر بُرا محسوس نہیں کرتا۔ 'خوجا' بھی اپنا منافع کِسی کو نہیں چھوڑتا جب کہ ہیجڑوں کی بات بھی کبھی قابلِ ذِکر نہیں کہلاتی یعنی نامرد کے گیت کوئی نہیں گاتا۔ تو 'گانڈوؤں' کی مجلس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جوگی پر عورت کا جادُو نہیں چل سکتا۔ سچی بات تو یہ بھی ہے کہ بھادوں کی تیز بارش سے بھی اس ندی میں طوفان نہیں آتا۔ سہاگنوں کو غیروں سے دوستی کرنی اچھی نہیں لگتی تو بیوہ عورت کی ناک میں نتھ بھلی نہیں لگتی۔ وارث شاہ سب کچھ تو وہ خود کرنے والا ہے۔ ان بندوں کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں۔

میاں تریمتاں نال ویاہ سوہن اتے مرن دے سوہندے وین میاں
گھربار دی زیب تے ہین زینت نال تریمتاں ساک تے سین میاں
ایہہ تریمتاں سیج دیاں وارثی نیں اتے دِلاں دیاں دین تے لین میاں
وارث شاہ ایہہ جورواں جور دیاں نیں اتے مہریاں مہردیاں ہین میاں

میاں! عورتوں کے ساتھ ہی شادی بیاہ کی رونقیں ہوتی ہیں اور مرنے پر آہ و بکا بھی اُنھی کے مُنہ سے اچھی لگتی ہے۔ گھربار کی زیب و زینت بھی عورتوں کے دم قدم سے ہے جب کہ رشتے داریوں کے سلسلے بھی انھی عورتوں کی وجہ سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ عورتیں ہی اصل میں عشرت کدوں کی وارث ہیں۔ انھی سے دلوں کے لین دین کا کاروبار ہوتا ہے۔ وارث شاہ یہ عورتیں عام

آدمی کی بیویاں بھی ہوتی ہیں مہرزادوں کی 'مہریاں' بھی ہوتی ہیں جو مشکل سے قابو میں آتی ہیں۔

تینوں وڈا ہنکار ہے جوبنے دا خاطر تھلے نہ کسے نوں لیاونا ہیں
جینہاں جائیوں تھاں دے ناؤں رکھیں وڈا آپ نوں غوث سداونا ہیں
ہوون تریمتاں نہیں تاں جگ مکے وت کسے نہ جگ تے آونا ہیں
اساں وٹھیاں گھل سدایا ہیں ساتھوں اپنا آپ چھپاونا ہیں
کرامات تیری اساں ڈھونڈھ ڈٹھی ایویں شیخیاں پیا جگاونا ہیں
چاک سد کے باغ تھیں کڈھ چھڈوں ہُنے ہور کیہ مونہوں اکھاونا ہیں
اَن کھانا ہیں رج کے گدھے وانگوں کدی شکر بجا نہ لیاونا ہیں
چھڈ بندگی چوراں دے چلن پھڑیو وارث شاہ فقیر سداونا ہیں

تمھیں اپنے جوبن پر بہت گھمنڈ ہے تم کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جنھوں نے تمھیں جنم دیا ہے اُنھی کو بدنام کرتے ہو اور اپنے آپ کو بڑا غوث سمجھتے ہو۔ اگر عورت نہ ہوتی تو یہ جہان کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ پھر کون تھا جو اس جہان میں آتا؟ ہم نے تمھیں خصوصی پیغام بھیج کر بلوایا ہے لیکن تم ہم سے ہی اپنا آپ چھپا رہے ہو۔ تم ایسے ہی شیخیاں بگھار رہے ہو۔ تمھاری سب کرامت ہم نے دیکھ لی ہے۔ ابھی نوکروں کو بلوا کر تمھیں اس باغ سے بھی نکلوادوں گی۔ اب اور کیا میرے مُنہ سے سُننا چاہتے ہو؟ گدھے کی طرح پیٹ بھر کر اناج کھاتے ہو لیکن اس پر شکر ادا نہیں کرتے۔ وارث شاہ تم نے عبادت چھوڑ کر چوروں کے چلن پکڑ لیے ہیں، اس کے باوجود خود کو فقیر کہلواتے ہو!

باغ چھڈ گئے گوپی چند جیہے شدّاد فرعون کہا گیا
نوشیرواں چھڈ بغداد ٹُریا اوہ اپنی وار لنگھا گیا
آدم چھڈ بہشت دے باغ ڈھٹھا بھُلے وِسرے کنک نوں کھا گیا
فرعون خدا کہاء کے تے موسیٰ نال اشٹنڈ اُٹھا گیا
نمرود شدّاد جہان اُتے دوزخ اتے بہشت بنا گیا
قاروں زراں اکٹھیاں میل کے تے بنھ سرے تے پنڈ اُٹھا گیا
مال دولتاں حُکم تے شان شوکت مکھا سروں اِند لٹا گیا
سلیمان سکندروں لاء سبھے ستاں نواں تے حُکم چلا گیا

اوہ بھی ایس جہان تے رہیو ناہیں جہڑا آپ خدا کہا گیا
مویا بخت نصر جہڑا چاڑھ ڈولا سچے رب نوں تیر چلا گیا
تیرے جہیاں کیتیاں ہویاں نیں تینوں چاء کیہ باغ دا آ گیا
وارث شاہ اوہ آپ ہے کرن کارن سر بندیاں دے گلہ آ گیا

گوپی چند بھی یہ دنیا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ شداد اور فرعون جیسے ظالم بھی یہاں سے چلے گئے۔ 'لا فانی نوشیرواں' بھی اپنے وقت پر بغداد چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ آدمؑ نے اگرچہ بھول چوک میں ہی دانۂ گندم کھایا تھا لیکن اُس کو بھی باغِ بہشت چھوڑنا پڑا تھا۔ فرعون نے اگرچہ خود کو خدا کہلوایا لیکن وہ بھی حضرت موسیٰؑ کے سامنے جھوٹ اور مکر کا عارضی تماشا ہی کر سکا تھا۔ نمرود اور شداد نے بھی دنیا میں جنت اور دوزخ بنوائی تھی۔ قارون نے بھی زر و مال کے ڈھیر اکٹھے کیے تھے لیکن وہ بالآخر اُنھیں ہی سر پر اُٹھائے زمین میں غرق ہوا تھا۔ اُس کی مال و دولت حاکمیت اور شان و شوکت سب ختم ہو گئے تھے۔ حضرت سلیمانؑ سے لے کر سکندر تک کتنے ہی آئے جنھوں نے دنیا پر حُکم چلائے اور پھر وہ بھی جو اِس دُنیا میں اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا وہ بھی نہیں رہا۔ وہ بخت نصر بھی مارا گیا جو اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کر خدا کو تیر مارتا تھا۔ تیرے جیسی پتا نہیں کتنی آئیں اور چلی گئیں تمھیں یہ باغ کا مالک ہونے کا زُعم کہاں سے آ گیا ہے؟ وارث شاہ حقیقت تو یہ ہے کہ سب کچھ کرنے والا وہی ہوتا ہے لیکن الزام بندوں کے سر پر آ جاتا ہے۔

سہتی کھول کے تھال جاں دھیان کیتا کھنڈ چاولاں دا تھال ہو گیا
چھٹا تیر فقیر دے معجزے دا وچوں کفر دا جیو پرو گیا
جہڑا چلیا نکل یقین آہا کرامات نوں ویکھ کھلو گیا
گرم غضب دی آتشوں آب آہا ابرف کشف دی نال سمو گیا
جس نال فقیراں دے اڑی بدھی اوہ اپنا آپ وگوء گیا
ایویں ڈاڈھیاں ماڑیاں کیہا لیکھا اوس کھوہ لیا اوہ رو گیا
مرن وقت ہویا سبھو ختم لیکھا جو کو جمیا جھوونے جھو گیا
وارث شاہ جو کیمیا نال چھتھا سوئنا تانبیوں تُرت ہی ہو گیا

سہتی نے تھال سے پردہ ہٹا کر دیکھا تو وہ کھانڈ اور چاولوں کا تھال بن گیا تھا۔ فقیر کے

معجزے کا تیر چلا تو وہ کفر کے دِل سے آر پار ہو گیا۔ جو یقین جا رہا تھا وہ کرامت دیکھ کر ٹھہر گیا۔ وہ جو غضب کی آتش سے پانی اُبلنے لگا تھا وہ کشف کی برف سے مل کر ٹھنڈا ہو گیا۔ جو لوگ فقیروں کے ساتھ ضد باندھتے ہیں اُن کا اپنا آپ ضائع ہو جاتا ہے۔ بھلا طاقت وروں اور کمزوروں کا کیا مقابلہ......؟ طاقت ور زبردستی چھین لیتے ہیں جب کہ کمزوروں کے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ موت کے ساتھ ہی سارا لیکھا جوکھا ختم ہو جاتا ہے۔ جو کوئی پیدا ہوا اس نے نیا چکّر شروع کر دیا۔ وارث شاہ جو تانبا کیمیا کے ساتھ مس ہو جاتا ہے وہ فوری طور پر سونا بن جاتا ہے۔

ہتھ بنھ کے بینتی کرے سہتی دِل جان تھیں چیلڑی تیریاں مَیں
کراں بانڈیاں وانگ بجا خدمت نت پاوندی رہاں گی پھیریاں مَیں
پیر سچ دا اساں تحقیق کیتا دِل جان تھیں مُدھ تے ہیریاں مَیں
کرامات تیری اُتے صدق کیتا تیرے کشف دے حُکم نے گھیریاں مَیں
ساڈی جان تے مال تے ہیر تیری نالے سنے سہیلیاں تیریاں مَیں
اساں کسے دی گل نہ کدے منی تیرے اسمِ اعظم حُب ٹیریاں مَیں
اک فقر اِللہ دا رکھ تقویٰ ہور ڈھاہ بیٹھی سبھے ڈھیریاں مَیں
پُوری نال حساب نہ ہو سکاں وارث شاہ کیہہ کراں گی سیریاں مَیں

سہتی نے ہاتھ باندھ کر عرض کِیا......مَیں دِل و جان سے آپ کی مُریدنی ہو گئی ہوں۔ اب مَیں لونڈیوں اور کنیزوں کی طرح تمھاری خدمت بجالاؤں گی اور ہر روز یہاں حاضری دیا کروں گی۔ مَیں نے تمھیں سچّا پیر جان لیا ہے۔ اب مَیں دِل و جان سے تمھاری ہی جستجو میں رہوں گی۔ مَیں نے تمھاری کرامت پر یقین کر لیا ہے۔ تمھارے کشف کے حُکمِ امتناعی نے مجھے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ میرا جان و مال اور ہیر ہی نہیں بل کہ اب مَیں سب سہیلیوں کے ساتھ تیری ہو گئی ہوں۔ مَیں نے کبھی کِسی کی پروا نہیں کی لیکن تیری محبت کے اسمِ اعظم نے میرے ساز کی تاروں کو ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اب مَیں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ کے فقیروں پر تقویٰ باندھ کر باقی سب عارضی سہارے چھوڑ دیے ہیں۔ مَیں حساب کتاب تو نہیں جانتی لیکن وارث شاہ مجھے ضرورت سے کہیں زیادہ مِل گیا ہے۔

سانوں بخش اِللہ دے ناؤں میاں ساتھوں بھُلّیاں ایہہ گُناہ ہویا

کچا شِیر پیتا بندہ سدا بھُلا دُھروں آدمیوں بھُلنا راہ ہویا
آدم بھُل کے کنک نوں کھا بیٹھا کڈھ جنتوں حُکم فنا ہویا
شیطان اُستاد فرشتیاں دا بھُلا سجدیوں کِبر دے راہ ہویا
ڈھوں رُوح ہے قول دے قال وڈیا جُثّہ چھڈ کے انت فنا ہویا
قاروں بھُل زکوٰۃ تھیں شُوم ہویا وارد اوس تے قہر اللہ ہویا
بھُل زکریئے لئی پناہ ہیزم آرے نال اوہ چیر دو پھاہ ہویا
عملاں باجھ درگاہ وچ پون پولے لوکاں وچ میاں وارث شاہ ہویا

میاں، ہمیں اللہ کے نام پر معاف کردے ہم سے انجانے میں گناہ سرزد ہوگیا تھا۔ میں نے کچّا دُودھ پی لیا تھا۔ انسان تو سدا کا خطا کار ہے۔ آدم کی سرشت میں شروع سے ہی بھُول لکھ دی گئی ہے۔ آدمؑ نے بھُول کر دانۂ گندم کھایا جس کی وَجہ سے اُسے جنت سے نکالا گیا اور پھر اُسے واپسی کے لیے فنا کا حُکم ہوا۔ شیطان بھی ایک وقت تھا جب فرشتوں کا اُستاد تھا۔ وہ بھی تکبر کی وَجہ سے سجدہ نہ کرنے کی بھُول کر بیٹھا تھا۔ روح یہ اقرار کرکے جسم میں داخل ہوئی تھی کہ بالآخر اُسے جسم کو چھوڑ کر جانا ہوگا۔ قارون سے جب اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دینے کی بھُول ہوئی تو کنجوس ٹھہرا تو پھر اُس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ذکریاؑ نبی سے بھول ہوئی تو وہ پناہ کے لیے درخت میں سما گیا لیکن اُسے بھی آرے کے ذریعے دو ٹکڑے ہونا پڑا۔ لوگ اُسے وارث شاہ کے نام سے جانتے ہیں لیکن اعمال کے بغیر اللہ کی بارگاہ میں بے عزت ہی ہوگا۔

جیکوں تُسیں فرماؤ سو جا آکھاں تیرے حُکم دی تابع ہویاں مَیں
تینوں پیر جی بھُل کے بُرا بولی بھُلّی وِسری آن وگویاں مَیں
تیری پاک زبان دا حُکم لے کے قاصد ہوئیکے جا کھلویاں مَیں
وارث شاہ دے معجزے صاف کیتی نہیں مُڈھ دی وڈی بدخویاں مَیں

مَیں تو آپ کے حُکم کی غلام ہوچکی ہوں۔ آپ جو فرمائیں گے وہ حرف بہ حرف اُس سے جا کر کہہ دوں گی۔ پیر جی مَیں آپ پر بُرا بولنے کی بھُول کر بیٹھی تھی۔ مَیں گمراہ ہوگئی تھی لیکن اب سیدھی راہ پر آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ مَیں آپ کی قاصد، آپ کی پاک زبان کا حُکم لے کر ہیر کے سامنے دست بہ دست کھڑی ہوجاؤں گی۔ وارث شاہ معجزے نے میرا دِل صاف کر

دیا ہے۔ ویسے بھی کوئی پیدائشی طور پر بُری نہیں تھی (حالات نے مجھے ایسا بنا دیا تھا)۔

سہتی جاء کے ہیر نوں کول بہہ کے بھیت یار دا سبھ سمجھایا ای
جنھوں مار کے گھروں فقیر کیتو اوہ جوگڑا ہوء کے آیا ای
اونہوں ٹھگ کے مہیں چرا لییوں ایتھے آء کے رنگ وٹایا ای
تیرے نیناں نے چا ملنگ کیتا منوں اوس نوں چاء بھلایا ای
اوہدے کن پڑائیکے ون لتھا آپ ووہٹڑی آن سدایا ای
آپ ہو زلیخا دے وانگ سچی اونہوں یوسف چا بنایا ای
کیتے قول قرار وسار سارے آن سیدے نوں کونت بنایا ای
ہویا چاک پنڈے ملی خاک رانجھے کن پاڑ کے حال ونجایا ای
دینے دار مواس ہو ویہر بیٹھی لینے دار ہی اک کے آیا ای
گالھیں دے کے وہڑیوں کڈھ اوسنوں کل مُولھیاں نال کُٹایا ای
ہو جائیں نہال جے کریں زیارت تینوں باغ وچ اوس بلایا ای
زیارتِ مرد کُفارت ہون عصیاں نور فقر دا ویکھنا آیا ای
بہُت زُہد کیتا ملے پیر پنجے مینوں کشف بے زور وکھایا ای
جھب نذر لے کے مِل ہو رعیت فوجدار بحال ہو آیا ای
اوہدی نزع تُوں آپِ حیات اوس دا کیہا بھاپے جھگڑا لایا ای
چاک لاء کے کن پڑایو نی نیناں والیے عیب کیوں چایا ای
بچے اوہ فقیراں تھوں ہیر کُڑیئے ہتھ بنھ کے جنھاں بخشایا ای
اِکے مار جا سی اِکے تار جا سی ایہہ مینہہ انیاؤں دا آیا ای
عمل فوت تے وڈی دستار پھلّی کیہا بھیل دا سانگ بنایا ای
وارث قول بھلاء کے کھیڈ رُدھوں کیہا نواں مخول جگایا ای

سہتی ہیر کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور اُسے محبوب کا سارا بھید سمجھایا۔ جس کو تم نے گھر سے مار کر نکال دیا تھا وہ فقیر بن کر نکلا تھا اب وہ جوگی بن کر آ گیا ہے۔ اُس کو ٹھگ کر تم نے بھینسیں چروائیں اور یہاں آ کر بھیس بدل لیا۔ تمھاری آنکھوں نے اُسے دیوانہ بنایا تھا لیکن اب تم نے اُس کو بھلا

دیا ہے۔ وہ کان چھدوا کر بن باسی ہو گیا اور تم یہاں آ کر دُلھن کہلانے لگی ہو۔ خود تو زلیخا کی طرح سجی بن گئی ہو اور اُس کو یوسف کی طرح 'بے کارواں' بنا دیا ہے۔ اُس کے ساتھ کیے ہوئے سارے قول اقرار بھلا کر یہاں آ گئی اور سیدے کو اپنا خصم بنا لیا۔ رانجھا پہلے تمھارا غلام بنا پھر جسم پر راکھ مَل کر فقیر بنا اور پھر کان چھدوا کر حال سے بے حال ہو گیا۔ جس کے سر پر قرض تھا وہ انکاری ہو گیا ہے تو قرض خواہ تنگ آ کر خود ہی وصولی کے لیے آ گیا ہے۔ اُسے کل تم نے ہی گالیاں دے کر موگریوں سے پٹائی کروائی تھی۔ گھر سے نکالا اگر اب تم اُس کی زیارت کرو گی تو مسرور ہو جاؤ گی۔ اُس نے تمھیں کل باغ میں بلایا ہے۔ نیک بندوں کی زیارت سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ فقر کے نور کا دیدار ویسے بھی حُکمِ خداوندی ہے۔ اُس نے بڑی ریاضت کے بعد پانچ پیروں سے ملاقات کی۔ اُس نے مجھے اپنا فریب سے پاک کشف بھی دِکھایا ہے۔ یوں سمجھ لو فوجدار ایک بار پھر بحال ہو کر آ گیا ہے تمھیں چاہیے کہ فوری طور پر اُس کی رعیت میں شامل ہو جاؤ۔ دراصل تو ہی اُس کی موت کا پیغام اور تُو ہی آبِ حیات ہے۔ اے بھابھی تُو نے یہ کیا مخمصہ دِل میں بٹھایا ہوا ہے؟ پہلے تم نے اُسے اپنا غلام بنایا پھر اُس کے کان چھدوائے۔ اے خوب صورت آنکھوں والی یہ تم نے اُس کے ساتھ کیا غضب کِیا ہے؟ اے لڑکی ہیر فقیروں کی بددعا سے وہی بچتے ہیں جو دست بستہ اپنے قصور معاف کروا لیتے ہیں۔ یہ جو بے انصافی کا طوفان آیا ہے یہ تباہ کر دے گا یا پھر تمھیں پار اتار دے گا۔ عمل تو تمھارے ہاتھوں سے گر چکے ہیں لیکن سر پر بڑی پھولی ہوئی دستار سجا رکھی ہے۔ یہ کیسا میٹھے گُڑ کا سوانگ رچایا ہوا ہے؟ وارث شاہ تم سب قول اقرار بھلا کر کھیلوں میں مصروف ہو گئے۔ یہ تم نے کیا مذاق بنا رکھا ہے؟

ہیر نہاء کے پٹ دا پہن تیور والیں عطر پھلیل ملاوندی ہے
وِل پاء کے میڈھیاں خونیاں نوں گورے مُکھ تے زُلف پلماوندی ہے
کجل بھنڑے نین اپرادھ لٹے دووَیں حُسن دے کٹک لے دھاوندی ہے
مَل وٹنا ہوٹھاں تے لا سرخی نواں لوڑھ تے لوڑھ چڑھاوندی ہے
سری صاف سندا بھوچھن سوہندا سی کنیں ٹک ٹک والیاں پاوندی ہے
کمخواب دی چولڑی ہک پیدھی مانگ چونک لے تیڑ ولاوندی ہے
گھت جھانجھراں لوڑھ دے سرے چڑھ کے ہیر سیال لٹکدی آوندی ہے

ٹکا بندلی بنی ہے نال لُوہلاں وانگ مور دے پائیلاں پاوندی ہے
ہاتھی مست چھٹا چھنا چھن چھنکے قتلِ عام خلقت ہوندی آوندی ہے
نین مست تے لوڑھ دے سرے چڑھ کے شاہ پری جھنکدی آوندی ہے
کدی کڈھ کے گھُنڈ لوڑھا دیندی کدی کھول کے مار مکاوندی ہے
گھُنڈ لاہ کے لٹک وکھا ساری جٹی رُٹھڑا یار مناوندی ہے
وارث مال دے نوں سبھا کھول دولت وکھو وکھ کر چا وکھاوندی ہے
وارث شاہ شہ پری دی نظر چڑھیا خلقت سیفیاں پھُوکنے آوندی ہے

ہیر نے نہادھوکرریشمی لباس پہنااورزُلفوں میں خوشبولگائی۔خونی میڈھیوں کوخم دیا۔زُلفوں کی لٹیں سرخ وسفید چہرے پر بکھیریں۔کاجل بھری خوب صورت اورظالم آنکھوں کوحُسن کی فوج کے دولشکروں میں تبدیل کرکے حملہ کے لیے تیار کیا۔چہرے پراُبٹن اورہونٹوں پرسرخی لگاکراُس نے قیامت پر قیامت چڑھائی۔اُس کے سر پر صاف ستھری اوڑھنی بہُت خوب صورت لگ رہی تھی۔کانوں میں بُندے اوربہُت ساری بالیاں پہن کرکخواب کی چولی کے ساتھ انگیا پہن کرزیرِ تن 'مانگ چونک' سے چھپایا۔پیروں میں جھانجریں پہن کروہ حشر سامانیوں کے ساتھ لہک لہک کر چلنے لگی۔ماتھے پرٹیکا،بندی اورطلائی جھالریں لٹکا کروہ مورنی کی طرح آہستہ آہستہ قدم قدم چلنے لگی جیسے مست ہاتھی آزاد ہوکرچھنا چھن کرتا جدھر سے گذرتا قتلِ عام کرتا جاتا ہے یاپھر شاہ پری مخمورآنکھوں سے قیامت برپا کرنے کے لیے چھن چھن کرتی آتی ہے۔کبھی وہ گھونگھٹ نکال کر دیدار کے خواہشمندوں کا بیڑہ غرق کرتی تو کبھی نقاب ہٹا کراُنھیں جان سے ماردیتی۔ہیر...... گھونگھٹ ہٹا کرناز وانداز سے چلتی روٹھے ہوئے محبوب کومنانے جارہی تھی،گویاوہ چوری شدہ مال کے اصل وارث کو ہرشے علیحدہ علیحدہ کرکے دکھانے جارہی تھی۔وارث شاہ بھی شاہ پری کی نگاہوں میں آگیا تھا۔لوگ اُسے بچانے کے لیے سیفیاں پڑھ پھونکتے آنے لگے۔

رانجھا ویکھ کے آکھدا پری کوئی اِکے بھانویں تاں ہیر سیال ہووے
کوئی حور کہ موہنی اِندرانی ہیر ہووے تاں سیّاں دے نال ہووے
نیڑے آ کے کالجے دھاگیوس جویں مست کوئی نشے نال ہووے
رانجھا آکھدا ابر بہار آیا بیلا جنگلا لالو ہی لال ہووے

ہاتھ جوڑ کے بدلاں ہانجھ بدھی ویکھاں کہڑا دیس نہال ہووے
چمکی لیلۃ القدر سیاہ شب تھیں جس تے پوے گی نظر نہال ہووے
ڈول ڈھال تے چال دی لٹک سُندر جیہا پیکھنے دا کوئی خیال ہووے
یار سوئی محبوب تھوں فدا ہووے جیو سوئی جو مرشداں نال ہووے
وارث شاہ آ ء چمبڑی رانجھنے نوں جیہا گدھے دے گل وچ لعل ہووے

رانجھا اُسے دیکھتے ہی ششدر ہو گیا۔ اُس نے کہا یہ تو کوئی پری ہے لیکن نہیں یہ تو ہیر سیال ہی ہے۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ اگر ہیر ہوتی تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہوتی یہ تو کوئی حور یا من موہنی 'اندرانی' ہے۔ ہیر جب قریب آئی تو سیدھی اُس کے دِل میں اُتر گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے نشے میں ڈُوب گیا ہے۔ رانجھے نے کہا: ابرِ بہار آ گیا ہے اب سارا جنگل لالہ زار ہو جائے گا۔ گھنگھور گھٹاؤں نے فوجوں کی طرح صفیں باندھ رکھیں ہیں۔ دیکھیے اب کون سا دیس اس سے سیراب ہو گا۔ تاریک رات میں لیلۃ القدر کا نور چمکا ہے جس پر اُس کی نگاہِ کرم ہو گئی وہ بھی منور ہو جائے گا۔ اُس کی شکل وصورت، وضع قطع اور مٹکتی ہوئی چال اِتنی خوب صورت ہے کہ وہ کِسی مصور کا نقشِ خیال لگتی ہے...... عاشق وہی ہوتا ہے جو محبوب پر قربان ہونے کے لیے ہمہ وقت تیّار رہے اور دِل بھی وہی ہوتا ہے جو ہمیشہ مرشد کی یاد میں مگن رہے۔ وارث شاہ ہیر آ کر رانجھے کے ساتھ چمٹ گئی یوں لگ رہا تھا جیسے گدھے کے گلے میں لعل ڈال دیا گیا ہو۔

گھُنڈ لاہ کے ہیر دیدار دتا رہیا ہوش نہ ، عقل تھیں عاق کیتا
لنک باغ دی پری نے جھاک دے کے سینہ پاڑ کے چاک دا چاک کیتا
بنھ ماپیاں ظالماں ٹور دتی تیرے عشق نے مار کے خاک کیتا
ماں باپ تے انگ بھلا بیٹھی اساں چاک نواں اپنا ساک کیتا
تیرے باجھ نہ کسے نوں انگ لایا سینہ ساڑ کے برہوں نے خاک کیتا
ویکھ نویں نروئی امان تیری شاہد حال دا مَیں رب پاک کیتا
اللہ جاندا ہے انہاں عاشقاں نے مزے ذوق نوں چا طلاق کیتا
وارث شاہ لے چلنا تُساں سانوں کس واسطے جیو غمناک کیتا

ہیر نے گھونگھٹ ہٹا کر رانجھے کو دیدار دیا تو وہ حُسن کی تاب نہ لاتے ہوئے عقل و ہوش سے

بیگانہ ہو گیا۔ لنکا کے باغ کی پری نے اپنی جھلک دِکھا کر چاک کا سینہ چیر کر رکھ دیا تھا۔ ظالم والدین نے زبردستی میری شادی کر کے وداع کر دیا تھا لیکن تیرے عشق نے مجھے مٹی میں مِلا دیا تھا۔ مَیں ماں اور باپ اور رشتہ دار عزیزوں کو مکمّل طور پر بھلا چکی ہوں۔ اب تو میرا چاک ہی میرا سب کچھ ہے۔ تیرے بعد مَیں نے کِسی کو اپنے جسم کے نزدیک بھی نہیں آنے دیا۔ میرا سینہ جدائی کی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ دیکھ لے مَیں ابھی بھی نئی نویلی اور پاکیزہ تیری امانت ہوں۔ خدائے پاک میرا تمام احوال کا گواہ ہے۔ اللہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سچے عاشقوں نے سب مزے اور ذوق بھلا دیے ہیں۔ وارث شاہ کیوں دِل کو غمناک کرتے ہو آپ ہی نے تو ہمیں اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔

مہتر نوح دیاں بیٹیاں ضد کیتی ڈُب موئے نیں چھڈ مہانیاں نوں
یعقوب دیاں پُتراں ظلم کیتا سُنیا ہوسیا یُوسفوں دانیاں نوں
ہابیل قابیل دی جنگ ہوئی چھڈ گئے نیں قطب ٹکانیاں نوں
جے مَیں جاندی ماپیاں بنّھ دینی چھڈ چلدی جھنگ سیانیاں نوں
خواہش حق دی قلم تقدیر وگی موڑے کون اللہ دے بھانیاں نوم
کسے تتڑے وقت سی نیونہہ لگا تساں بیجیا بھُنیاں دانیاں نوں
ساڈھے تن ہتھ زمیں ہے ملک تیری ولیں کاسنوں ایڈ ولانیاں نوں
گُنگا نہیں قرآن دا ہوء حافظ انھا ویکھدا نہیں ٹٹاہنیاں نوں
وارث شاہ اللہ بن کون پچھے مُنجھا مُٹیاں اتے نتانیاں نوں

قوم کے سردار حضرتِ نوحؑ کے بیٹوں نے جب ضد کی تو ملاحوں کو چھوڑ کر ڈُوب مرے۔ تم نے حضرت یوسفؑ جیسے دانشمند کے بارے بھی سُنا ہو گا کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے اُن پر بہُت ظلم کِیا تھا۔ ہابیل اور قابیل کی جنگ ہوئی تھی تو 'قطب' بھی اپنے ٹھکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اگر مَیں جانتی کہ ماں باپ نے میرا زبردستی نکاح پڑھوا کر یہاں بھیج دینا ہے تو مَیں خود ہی اپنا قابلِ احترام جھنگ چھوڑ کر کہیں اور چلی جاتی۔ اللہ کی بھی یہی مرضی تھی اور تقدیر کو بھی یہی منظور تھا۔ معبود کی مشیت کو بھلا کون تبدیل کر سکتا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ جب تمھارا ہمارا ملاپ ہوا تو وہ کوئی بُرا وقت تھا۔ تم نے بھُنے ہوئے دانے بیجے تھے جو اُگ ہی نہیں سکتے تھے۔

تمھاری کُل جایداد تو قبر جتنی زمین ہے تم کِس لیے اِتنی بڑی بڑی چار دیواریاں کھڑی کر رہے ہو؟ گونگا شخص کبھی قرآن کا حافظ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اندھے کو کبھی جگنو نظر آ سکتے ہیں۔ وارث شاہ اُس قادرِ مطلق کے سوا بھلا کون بے کسوں اور کمزوروں کی خبر گیری کر سکتا ہے؟

جو کو ایس جہان تے آدمی ہے روندا مرے گا عمر تے جھوردا ای
سدا خوشی ناہیں کسے نال نبھدی ایہہ زندگی نیش زنبُوردا ای
بندہ جیونے دیاں نت کرے آساں عزرائیل سرے اُتے گھُوردا ای
وارث شاہ ایس عشق دے کرن ہارا وال وال تے خار کھجوردا ای

اِس جہان میں جو بھی آتا ہے وہ اس زندگی پر افسوس کرتا اور روتا ہوا مرے گا۔ خوشی کِسی کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ یہ زندگی تو بھڑ کا ڈنک ہوتی ہے۔ ایک طرف انسان ہر وقت زندگی کی اُمید لگائے رکھتا ہے تو دوسری طرف عزرائیل بھی اُس کے سر پر منڈلاتا ہے اور اُسے گھورتا رہتا ہے۔ وارث شاہ جو بھی عشق کرتا ہے اُس کے لیے قدم قدم پر کھجور کے نوکیلے کانٹے چبھنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

تُسی کرو جے حُکم تاں گھریں جائیے نال سہتی دے ساز بنائیے جی
بحر عشق دا خشک غم نال ہویا مینہہ عقل دے نال بھرائیے جی
کویں کراں کشائش مَیں عقل والی تیرے عشق دیاں پوریاں پائیے جی
جا تیاریاں ٹُرن دیاں جھب کریئے سانوں سجنو حکم کرائیے جی
حضرت سُورۃ اخلاص لکھ دیو مینوں فال قرعہ نجوم دا پائیے جی
کھول فال دے کاج دیوان حافظ وارث شاہ تھوں فال کڈھائیے جی

اگر آپ حُکم کریں تو اب ہم گھر جائیں اور سہتی کے ساتھ مِل کر (یہاں سے نکلنے کا) کوئی منصوبہ بنائیں۔ عشق کا وہ سمندر جو غم سے خشک ہو چُکا ہے اُس کو اب حکمتِ عملی کی بارش سے بھرنے کی کوشش کریں۔ تیرے عشق کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے عقل کی رسّیوں سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اب ہمیں اے ساجن اِذنِ رُخصت دیں تاکہ جلد از جلد یہاں سے چلنے کی تیاری کی جائے۔ حضور مجھے سورۃ اخلاص لکھ کر دینے کے ساتھ ستاروں کی چال سے قرعۂ فال ڈال کر 'نیک گھڑی' بھی بتا دیں۔ اس ایک مقصد کے لیے دیوانِ حافظ کھول کر

وارث شاہ سے قرعہء فال نکلوانا چاہیے۔

اوّل پَیر پکڑے اعتقاد کر کے پھیر نال کلیجے دے لگ گئی
نواں طور عجوبے دا نظر آیا ویکھو جل پتنگ تے اگ گئی
کہے لگ گئی چننگ جگ گئی خبر جگ گئی وچ دھرگ گئی
یارو ٹھگاں دی ریوڑی ہیر جٹی مُنہ لگدیاں یار نوں ٹھگ گئی
لگا مست ہو کملیاں کرن گلاں دُعا کسے فقیر دی وگ گئی
اگے دُھواں دُھکھیندڑا جوگڑے دا اُتوں پھُوک کے جھُگّڑے اگ گئی
یار یار دا باغ وچ میل ہویا گل عام مشہور ہو جگ گئی
وارث ترُٹیاں نوں رب میلدا اے ویکھو کملڑے نوں پری لگ گئی

پہلے تو ہیر نے عقیدت کے ساتھ رانجھے کے پاؤں چھوئے اور پھر بے اختیار ہو کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ معجزے کا یہ نیا انداز بھی خوب سامنے آیا کہ آگ پتنگے پر قربان ہو گئی اور کہا چنگاری بھڑک اُٹھی ہے اور یہ خبر زمانے تک بھی پہنچ گئی اور پھر زمانے نے ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ دوستو ٹھگوں کی ریوڑی ہیر جٹی، مُنہ میں آتے ہی اپنے عاشق کو ٹھگ گئی اور رانجھا مستی میں آ کر دیوانوں جیسی باتیں کرنے لگا جیسے اُسے کسی فقیر کی بددعا لگ گئی ہو۔ پہلے تو صرف جوگی کے اندر سے دُھواں اُٹھ رہا تھا لیکن اب جو آگ لگی تو اُس نے پوری کٹیا ہی جلا کر رکھ دی تھی۔ محبوب کا محبوب کے ساتھ باغ میں ملاپ ہوا تو یہ بات زمانے میں مشہور ہو گئی۔ وارث شاہ خدا بچھڑے ہوؤں کو بھی مِلا ہی دیتا ہے۔ دیکھونا ایک دیوانے کو پری مِل گئی ہے۔

اگوں رائیاں صیرفاں بولیاں نیں کیہا بھابیے نی متھا کھیڑیا ای
بھابی آکھ کیہہ لدھیو ٹھک آئی ایں سوئن چڑی وانگوں رنگ پھیریا ای
موئی گئی سیں جیوندی آوڑی ایں سچ آکھ کیہہ سچ سہیڑیا ای
اج رنگ تیرا بھلا نظر آیا سبھو سُکھ تے دُکھ نبیڑیا ای
نین شوخ ہوئے رنگ چمک آیا کوئی جوبنے دا کھُوہا گیڑیا ای
عاشق مست ہاتھی بھانویں باغ والا تیری سنگلی نال کھیڑیا ای
قدم چُست تے صاف کنوتیاں نیں ہتھ چابک اسوار نے پھیریا ای

وارث شاہ اج حُسن میدان چڑھ کے گھوڑا شاہ اسوار نے پھیریا ای

چالاک، ہشیار اور موقع شناس عورتوں نے ہیر کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر کہا: تمھارے ماتھے پر اچانک خوشیوں کی چمک کیسے نمودار ہوگئی؟ بھابھی یہ تو بتا آخر تمھیں کیا مِل گیا ہے؟ بہُت کھلکھلا رہی ہو، تم نے تو سوئن چڑی کی طرح اپنا رنگ بھی بدل لیا ہے۔ تم تو مُردوں کی طرح گئی تھی اور زندہ انسانوں کی طرح واپس آئی ہو۔ سچ سچ بتاؤ تم نے چپکے سے کیا کارنامہ انجام دیا ہے؟ آج تمھارا رنگ بھی نکھرا ہوا ہے اور تمھارے سب دُکھ درد بھی جاتے رہے ہیں۔ آنکھیں بھی شوخ ہو رہی ہیں، رنگ بھی چمک رہا ہے لگتا ہے جوانی کا راہٹ چلا کر آئی ہو۔ شاید باغ والا عاشق تمھاری ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ٹکرایا ہے۔ تمھارے قدم بھی چُست ہیں اور گھوڑوں کی طرح کان بھی کھڑے صاف نظر آرہے ہیں۔ لگتا ہے کِسی چابک سوار نے تمھاری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا ہے۔ وارث شاہ آج کِسی شہسوار نے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کو حُسن کے میدان میں دوڑایا ہے۔

نین مست گلہاں تیریاں لال ہوئیاں ڈُکاں بھن چولی وچ ٹیلیاں نی
کسے ہِک تیری نال ہِک جوڑی پیڈو نال ولوندھراں میلیاں نی
کسے امب تیرے اج چُوپ لئے تِل پیڑ کڈھے جویں تیلیاں نی
تیرا کسے نڈھے نال میل ہویا دھاراں کِجلے دیاں سُرمیلیاں نی
دس وارثا کس نچوہیئں توں کِتے گوشے ہی ہوریاں کھیلیاں نی

تیری خوب صورت آنکھوں میں خمار بھی ہے اور تمھارے رُخسار بھی سرخ ہو رہے ہیں۔ لگتا ہے کِسی نے اپنی ہتھیلیاں دُہری کر کے (ادھ کھُلی مٹھی بنا کر) تمھاری چولی کے اندر گھسیڑی ہیں۔ تمھارے سینے کے ساتھ کِسی نے اپنا سینا ملایا ہے اور ناف کے نچلے حصّے میں بلی کی طرح پنجے مارے ہیں۔ کِسی نے تمھارے آموں کا رس چُوس لیا ہے جیسے تیلی تلوں کو پیڑھ کر تیل نکال لیتے ہیں۔ تیرا کِسی خوب صورت جوان کے ساتھ ملاپ ہوا ہے جس کی وَجہ سے کجلے کی دھاریاں بھی شرمیلی ہوگئی ہیں۔ وارث شاہ بتا کِسی نے تمھیں اپنی باہنوں کے شکنجے میں کسا ہے یا تُو کسی گوشے میں ہولی کھیل کر آئی ہے؟

اڑیو قسم مینوں جے یقین کرو مَیں نرول بے غرض بے دوسیاں نی
جہڑی آپ وچ رمز سناوندیاں ہو نہیں جاندی مَیں چاپلوسیاں نی

مَیں تاں پیکیاں نوں رَت یاد کراں پئی پانونی ہاں رَت اوسیاں نی
وارث شاہ کیوں تنہاں آرام آوے جہڑیاں عشق دے تھلاں وچ توسیاں نی

اگر تم میری قسم پر یقین کرو تو مَیں بے گناہ، معصوم اور صاف شفاف ہوں، میرے دامن پر کوئی داغ نہیں۔ جو کچھ تم مجھے رمزیں اور اشارے سُنا رہی ہو مَیں اس قسم کی چاپلوسیاں (حرکتیں) نہیں جانتی۔ مَیں تو ہمیشہ مائیکے والوں کو یاد کرتی اور اُن کا راستہ دیکھتے ہوئے آنسو بہاتی ہوں۔ وارث شاہ بھلا اُن لوگوں کو کیسے سکون مِل سکتا ہے عشق کے صحراؤں میں جلنا جن کا مقدر ہو۔

بھابی سانھ تیرے پچھے دُھروں آیا ہلیا ہویا قدیم دا مار دا ای
تُوں بھی ووہٹڑی پُت سردار دے دی اس بھی دُدّھ پیتا سرکار دا ای
سانھ لٹکدا باغ وچ ہو کملا ہیر ہیر رَت پُکار دا ای
تیرے نال اوہ لٹکدا پیار کردا ہور کسے نوں مُول نہ مار دا ای
پر اوہ ہیلت بُری ہلایا ای پانی پیوندا تیری نسار دا ای
توں بھی جھنگ سیالاں دی موہنی ایں تینوں آن مِلیا ہرن بار دا ای
وارث شاہ میاں سچ جھوٹھ وچوں پُن کڈھدا اتے نتار دا ای

بھابھی سانڈھ تو تیرے پیچھے ازل سے لگا ہوا ہے اور اُسے تجھے گرا کر مارنے کی بھی پرانی عادت ہے۔ تُو بھی سردار کے بیٹے کی نئی دُلھن ہے اُس نے بھی سرکار کا دُودھ پیا ہوا ہے۔ سانڈھ باغ میں مست دیوانہ ہو کر لہک لہک کر چلتا اور ہیر ہی ہیر پُکارتا رہتا ہے۔ وہ صرف تیرے ساتھ ہی لاڈ پیار کرتا ہے کسی اور کی طرف تو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ البتہ اُس کو یہ بُری لت پڑ گئی ہے کہ وہ صرف تیرے ہی کنویں کی نالی سے پانی پیتا ہے۔ تو بھی جھنگ سیال کی ہرنوں کا شکار کرنے والی ہے اور تجھے ہرن بھی بار کا ہی آن ملا ہے۔ وارث شاہ میاں جھوٹ اور سچ کے آمیزے سے سچائی کو چھان پھٹک کر نتھار دیتے ہیں۔

بھابی زُلف گلھاں اُتے پیچ کھاوے سرے لوڑھ دے سُرمے دیاں دھاریاں نی
گلھاں اُتے بھنبیریاں اُڈدیاں نیں نیناں سان کٹاریاں چاڑھیاں نی
تیرے نیناں نے شاہ فقیر کیتے سنے ہاتھیاں فوج عماریاں نی
وارث شاہ زُلفاں خال نیں خونی فوجاں قتل اُتے چا چاڑھیاں نی

بھابھی تمھاری زُلف رُخساروں پر بل کھارہی ہے سرمے کی نوکیلی دھاریاں غضب ڈھارہی ہیں۔ تمھارے گالوں کے گلابوں پر بھنورے مچل رہے ہیں تمھاری خوب صورت آنکھیں سان پر چڑھی تیز کٹاریاں ہیں۔ تمھاری ان خوب صورت آنکھوں نے بادشاہیوں کو ان کی فیل سوار فوج سمیت فقیر بنا کر رکھ دیا ہے۔ وارث شاہ زلفیں، مصنوعی تل اور خونی آنکھیں قتل و غارت کے لیے تیار فوجوں کا منظر پیش کر رہی ہیں۔

باراں برساں دی اوڑ سی مینہ وٹھا لگا رنگ پھر خشک بغچیاں نوں
فوجدار تغیر بحال ہویا جھاڑ تنبواں اتے غلیچیاں نوں
ولّاں سُکیاں پھیر مُڑ سبز ہویاں ویکھ حُسن دی زمیں دیاں بیچیاں نوں
وارث وانگ کشتی پریشان ساں مَیں پانی پہنچیا نُوح دیاں مُچیاں نوں

بارہ برس کی خشک سالی کے بعد بارش ہوئی ہے۔ خشک باغیچوں پر رنگ اُتر آئے ہیں۔ معزول شدہ سرکاری افسر بحال ہو گیا ہے۔ شامیانوں اور زمین پر بچھائے جانے والے قالینوں کی جھاڑ پونچھ کی جاتی ہے۔ ذرا حُسن کی زمین کی سیراب ہونے کی صلاحیت تو دیکھو زرد ہو چکی بیلیں بھی پھر سے سبز ہو گئی ہیں۔ وارث شاہ میں کشتیِ نوح کے مسافروں کی طرح پریشان تھا لیکن پانی حضرت نوح کے مقرر کردہ نشان تک آ کر ٹھہر گیا ہے۔

اساں ویاہ آندی کونج پھاہ آندی ساڈے بھا دی بنی ہے اوکھڑی نی
ویکھ حق حلال نوں اگ لگس رہے خصم دے نال ایہہ کھوکھڑی نی
جدوں آئی تدوکنی رہی ڈھٹھی کدی ہو نہ بیٹھیا سوکھڑی نی
لاہو لتھڑی جدوں دی ویاہ آندی اک کلہ دی ذرا ہے چوکھڑی نی
گھراں وچ ہوندی نونہاں نال وستی ایہہ اُجاڑے دا مُول ہے چوکھری نی
وارث شاہ نہ ان نہ دُدّھ لیندی ہھکھ نال سکاوندی کوکھڑی نی

ہم اس کو بیاہ کر تو لے آئے لیکن لگتا ہے کہ کونج پنجرے میں بند کر کے لے آئے ہیں۔ یہ جب سے آئی ہے ہمارے لیے بہُت بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے۔ اسے اپنے 'مجازی خدا' کو دیکھ کر آگ لگ جاتی ہے۔ یہ اپنے خصم کے ساتھ پھٹی نکلے ہوئے کپاس کے خالی ڈوڈے کی طرح رہتی ہے۔ جب سے آئی ہے بیماری میں مبتلا ہو کر بستر پر پڑی ہے کبھی آرام کے ساتھ نہیں بیٹھی۔ جب

سے یہ خون کی کمی کا شکار مریضہ بیاہ کر لائے ہیں اس کو تنہائی ہی اچھی لگتی ہے۔ گھر تو بہوؤں سے آباد ہوتے ہیں لیکن یہ مادہ چوپایہ تو اُجاڑ ہی چاہتی ہے۔ وارث شاہ نہ تو یہ دُودھ پیتی ہے اور نہ اناج کھاتی ہے، یہ اپنی چھوٹی سی کوکھ کو بھی بھوک سے سکھا رہی ہے۔

ہاتھی فوج دا وڈا سنگار ہوندا اتے گھوڑے سنگار ہن نراں دے نی
اچھا پہننا کھاونا شان شوکت ایہہ سب بنا ہین زراں دے نی
گھوڑے کھان کھٹن کرامات کردے اکھیں ویکھدیاں جان بن پراں دے نی
مجھیں گائیں سنگار دیاں ستھ ٹلے اتے نونہاں سنگار ہن گھراں دے نی
خیر خواہ دے نال بدخواہ ہونا ایہہ کم ہن گیدیاں خراں دے نی
مشہور ہے رسم جہان اندر پیار ووہٹیاں دے نال وراں دے نی
دِل عورتاں لین پیار کر کے ایہہ گبھرو مِرگ ہن سراں دے نی
تدوں رن بدخونوں عقل آوے جدوں لت وَجس وچ پھراں دے نی
سیدا ویکھ کے جائے بلا وانگوں ویر دوہاں دے سراں تے دھڑاں دے نی

ہاتھیوں سے فوج کا جاہ وجلال ہوتا ہے اور مردوں کی شان وشوکت گھوڑوں سے ہوتی ہے۔ اچھا کھانا پہننا اور شان وشوکت یہ سب زرداری کی باتیں ہیں۔ گھوڑے خود بھی کھاتے اور کما کر بھی کھلاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بغیر پروں کے اُڑتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جو کسی معجزہ سے کم نہیں۔ گائے بھینسیں ٹھکانوں اور ڈیروں کی زینت ہوتی ہیں جب کہ 'بہوئیں' گھروں کا سنگار ہوتی ہیں۔ خیر خواہوں کے بارے برا چاہنا، بے غیرتوں اور بے وقوفوں کا کام ہے۔ یہ رسم دُنیا میں مشہور ہے کہ نئی دُلھنوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ پیار ہو جاتا ہے۔ عورتیں پیار محبت سے دِل موہ لیتی ہیں اور یہ مرد تو نشانے پر آئے ہوئے ہرن ہوتے ہیں، جو محبت کے تیر کھانے کے لیے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ بدفطرت عورت کو اُس وقت عقل آتی ہے جب اُس کو کندھے کے نیچے لات پڑتی ہے۔ لیکن ہیر سیدے کو دیکھ کر یوں بھاگ اُٹھتی ہے جیسے کوئی بلا ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے دونوں کے درمیان سر دھڑ کی بازی لگی ہو۔

اڑیو آ وَکھاں بیٹھ کے گل گِنیے سدگھلیاں سبھ سہیلیاں نیں
کئی کواریاں کئی ویاہیاں نیں چن جہے سریر متھیلیاں نیں

رجوع آن ہوئیاں سبھے پاس سہتی جویں گُرو اگے سبھ چیلیاں نیں
جنہاں ماؤں تے باپ نوں بھن کھادا منگ چنے کواریاں کھیلیاں نیں
وچ ہیر سہتی دوویں بیٹھیاں نیں دوالے بیٹھیاں ارتھ مہیلیاں نیں
وارث شاہ سنگھار مہاوتاں نے جیویں ہتھنیاں قلعے نوں پیلیاں نیں

سہتی نے سب سہیلیوں کو پیغام بھیج کر بلایا اور اُن سے کہا کہ آؤ سب باہم مِل کر کوئی منصوبہ بناتے ہیں۔ اُن میں سے کچھ کنواریاں تھیں اور کچھ شادی شدہ اور کچھ خوب صورت جسموں پر چاند جیسی پیشانیوں والیاں تھیں۔ سب سہتی کے پاس یوں ہدایت کے لیے آئیں جیسے گرو کے پاس مریدنیاں حاضر ہوتی ہیں۔ جنھوں نے فریب کاری سے ماں باپ کو کنگال کر دیا ہو وہ کنوار پن میں ہی مونگ چنے کا کھیل کھیلنا شروع کر دتی ہیں۔ ہیر اور سہتی دونوں درمیان میں اور ان کے گرد سب شریک مقصد بیٹھ گئیں۔ وارث شاہ ایسے لگتا ہے کہ جیسے مہاوتوں نے ہتھنیوں کو سنگار کر قلعہ فتح کرنے کے لیے تیار کر لیا ہو۔

وقت فجر دے اُٹھ سہیلیو نی تُسیں اپنے آہر ہی آونا جے
ماں باپ نوں خبر نہ کرو کوئی بھلکے باغ نوں پاسنہ لاونا جے
ووہٹی ہیر نوں باغ لے چلنا ہے ذرا ایس دا جیو ولاونا جے
لاون پھیرنی وچ کپاہ بھینا کسے پُرش نوں نہیں وکھاونا جے
راہ جاندیاں نوں پچھے لوک اڑیو کوئی اِفترا چا بناونا جے
کھیڈو سمیاں تے گھتو پنھیاں نی بھلکے کھوہ نوں رنگ لگاونا جے
وڑو وَٹ لنگوٹڑے وِچ پیلی بَنّا وٹ سبھ پُٹ وکھاونا جے
بنّھ جھولیاں چُنو کپاہ سبھے تے منڈاسیاں رنگ سُہاونا جے
وڈے رنگ ہوسن اکو جیڈیاں دے راہ جاندیاں دے سانگ لاونا جے
چرخے چا بھروڑے کج اُٹھو کسے پونی نوں ہتھ نہ لاونا جے
منجیوں اُٹھدیاں سبھ نے آ جانا اک دوئی نوں سد لیاونا جے
وارث شاہ میاں ایہو ارتھ ہویا سبھناں اجو دے پچھلے نوں آونا جے

فجر کے وقت بیدار ہو کر سب سہیلیاں خود ہی یہاں پہنچ جانا۔ ماں باپ کو بتانے کی کوئی

ضرورت نہیں صبح ہم نے باغ میں جا کر داو لگانا ہے۔ دُلھن ہیر کو باغ میں لے جا کر اُس کا دِل بہلانا ہے، کپاس کے کھیت میں ناچتے ہوئے کسی مرد کے سامنے نمائش نہیں کرنی...... اگر کوئی راہ چلتے پوچھے کہ کدھر جا رہی ہو تو تم کوئی من گھڑت کہانی بنا لینا۔ وہاں تم مسمیاں' کھیلو اور جھومر ڈال کر کنویں کی رونق دوبالا کرو۔ لنگوٹ باندھ کر کھیت میں داخل ہوں گے اور سب چار دیواری اور پگڈنڈنیاں تباہ کر کے رکھ دو گی۔ کمر کے گرد جھولی بنا کر کپاس کی پھٹیاں اکٹھی کرو لیکن خوب صورت رنگ کے کپڑوں سے مُنہ اور سر ڈھانپ کر رکھنا۔ ہم عمروں کی یہ محفل بہُت خوب صورت ہو گی بے شک راہ چلتے لوگوں کی نقلیں بھی اُتارنا۔ صبح چرخے اور ٹوکریوں کو ڈھانپ دینا کسی نے کاتنے کے لیے 'پونی' کو ہاتھ بھی نہیں لگانا۔ بستر پر بیدار ہوتے ہی سب نے آنا ہے اور راستے میں ایک دوسری کو بھی ساتھ لے کر آنا ہے۔ وارث شاہ یہ فیصلہ ہو گیا کہ سب نے اجو کے فصل کے ڈھیر کے پاس اکٹھا ہونا ہے۔

گنڈھ پھری راتیں وچ کھیڑیاں دے گھروگھری وچار وچاریو نیں
ھلکے کھُوہ تے جائیکے کراں کُشتی اک دوسری نوں خُم ماریو نیں
چلو چل ہی کرن چھنال بازاں سبھو کم تے کاج وساریو نیں
بازی دتیا نیں پیواں بڈھیاں نوں لبا مانواں دے مُونہاں تے ماریو نیں
شیطان دیاں لشکراں فیلسوفاں بن آتشوں فن پکھاریو نیں
گلتی مار لنگوٹڑے وٹ ٹریاں سبھو کپڑا چھتڑا جھاڑیو نیں
سبھا بھن بھنڈار اُجاڑ چھوپاں سنے پُونیاں پڑی نوں ساڑیو نیں
تنگ کھچ سوار تیار ہوئے کڑیالڑے گھوڑیاں چاڑھیو نیں
راتیں لا منہدی دینہ گھت سرمہ گُند چُنڈیاں کُمھ سنگھاریو نیں
تیڑ لنگیاں بہکراں دین پچھوں سُتھن چوڑیا پاونچے چاڑھیو نیں
کجل پُوچھلیا لڑے ویاہیاں دے ہوٹھیں سرخ دنداسڑے چاڑھیو نیں
زلفاں پلم پیاں گورے مُکھڑے تے بندیاں پائیکے روپ سنگھاریو نیں
گلھاں ٹھوڈیاں تے بنے خال دانے رڑے حُسن نوں چا اُگھاڑیو نیں
چھاتیاں کھول کے حُسن دے کڈھ لاٹو وارث شاہ نوں چا اُجاڑیو نیں

رات کو کھیڑوں کے تمام گھروں میں یہ دعوت پہنچی تو ہر گھر میں لڑکیوں کے درمیان صلاح مشورے شروع ہو گئے۔ کل کنویں پر جا کر آپس میں زور آزمائی ہو گی ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ بدکاروں اور فاحشاؤں نے تمام کام کاج بھول کر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ بوڑھے باپ کی عزت کو خاک میں ملایا اور ماؤں کے مُنہ پر تھپڑ رسید کر کے بے عزت کر دیا۔ شیطان کی ان چالاک لشکریوں نے مکاری سے ناری نہ ہونے کے باوجود شیطان کو بھی مات دے ڈالی۔ بغیر آگ کے فن کا مظاہرہ شروع کر دیا اوڑھنیاں سروں پر یوں باندھ لیں کہ کھُل نہ سکیں اور لنگوٹ باندھ کر باقی سب کپڑے اُتار پھینکے۔ سارا بھنڈار اُجاڑ کر پونیوں ٹوکریوں کو سمیت چھوپ آگ لگا دی گئی۔ جیسے سوار گھوڑوں کے 'پیٹ بند' کھینچ کر سخت اور مشکل سفر کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ رات کو مہندی اور دن کو سرمہ لگا، زلفوں کی چوٹیاں بنا کر یوں تیار ہوئیں جیسے ہاتھی کو سنگار کر پُر جوش بنایا جاتا ہے۔ ان کی لنگیاں زمین کے ساتھ گھِستی ہوئی جھاڑو دے رہی تھیں۔ شلواروں اور چوڑی دار پائجاموں کے پونچے اوپر چڑھا لیے گئے۔ شادی شدہ عورتوں نے آنکھوں مین دُنبالہ کاجل ڈالا اور ہونٹوں کو دنداسوں سے سرخ کیا۔ زلفوں کو خم دے کر سفید مکھڑے پر لٹکایا اور ماتھے پر بندیاں لگا کر اپنے رُوپ کو سنگارا۔ رخساروں اور ٹھوڑی پر حُسن کو دوبالا کرنے کے لیے مصنوعی تِل بنا کر خشک حُسن کو سرسبز بنایا...... اُنھوں نے چھاتیوں کو کھول کر حُسن کے لٹّو نکالے اور وارث شاہ کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔

صبح چلنا کھیت قرار ہویا کڑیاں مانواں دیاں کرن دلداریاں نی
آپو اپنے تھاں تیار ہویاں کئی ویاہیاں کئی کواریاں نی
روزے دار نوں عید دا چن چڑھیا جویں حاجیاں حج تیاریاں نیں
جویں ویاہ دی خوشی دا چا چڑھدا اتے مِلن مبارکاں کواریاں نی
چلو چل بل خُل ترتھل دھڑ دھڑ خوشی نال نچن متیاریاں نی
تھاؤں تھائیں چوا دے نال پھڑ کے مُٹھے چوڑیاں دے منہاریاں نی
گرد پھلے دی کھرلی آن ہوئیاں سبھ ہار سنگار کر ساریاں نی
ایدھر سہتی نے ماؤں توں لئی رُخصت چلو چل جاں سبھ پُکاریاں نیں
ایویں بنھ قطار ہو صفاں ٹُریاں جیویں لدیا ساتھ بیوپاریاں نی

ایویں سہتی نے کواریاں میل لیاں جویں جھنڈ میلے جٹا دھاریاں نی
کھتریٹیاں اتے بہمنیٹیاں نی جٹیٹیاں نال سنیاریاں نی
گھوڑے چھٹے ابارجیوں پھرن نچدے چلن ٹیڈھڑی چال مٹیاریاں نی
جھناں چن جیہے مکھ شوخ نیناں چن جیہے سریر سُہاریاں نی
وارث شاہ ہُن ہیر نوں سپ لڑوا چچر پاوندیاں چچر ہاریاں نی

صبح......کھیت جانے کا فیصلہ ہو گیا تو لڑکیوں نے اپنی ماؤں کی چاپلوسی کر کے اُنھیں رام کرنا شروع کر دیا۔ سب کنواریاں اور شادی شدہ اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے طریقے سے تیار ہوئیں۔ یوں لگتا تھا جسے روزے دار کو عید کا چاند نظر آ گیا ہو یا پھر حج پر جانے کے لیے حاجیوں نے تیاری شروع کر دی ہوں۔ جیسے کنواری لڑکی کو شادی کی خوشی میں چاو چڑھتا اور مبارکبادیں ملنے پر خوشی ہوتی ہے۔ وہ مٹیاریں، چلتے ہوئے، ہلتے جُلتے، پانی میں، خشکی میں، چھلانگیں مارتی، خوشی سے مست ہتھنیوں کی طرح ناچتی جا رہی تھیں۔ خوشی سے اُن کا انگ انگ تھرک رہا تھا جیسے چوڑی گرنیوں کے بازوؤں میں چوڑیاں چھنکتی ہیں۔ سب ہار سنگار کر کے فصل کے ڈھیر کے پاس بنی جانوروں کو چارہ ڈالنے والی کھرلی کے گرد جمع ہو گئیں۔ جب سب نے اسے چلنے کے لیے کہا تو سہتی نے بھی ماں سے جانے کی اجازت لی۔ وہ اِس طرح قطار بنا کر روانہ ہوئیں جیسے تاجروں کا قافلہ صفیں باندھ کر چلتا ہے۔ سہتی نے ان کنواریوں کو یوں اکٹھا کیا جیسے جٹا دھاریوں نے اپنے بالوں کے جھنڈ بنائے ہوتے ہیں۔ ان میں کھترائنیں، بہمنیاں، جاٹنیاں اور سُنیاریاں بھی تھیں......جیسے گھوڑے اصطبل سے چھوٹ ناچتے ہیں یہ مٹیاریں بھی ٹیڑھی چال چل رہی تھیں۔ ان کے چاند جیسے چہرے، شوخ نگاہیں اور خوب صورت جسم تھے۔ وارث شاہ اب ہیر کو سانپ ڈستا ہے دیکھو یہ مکّار عورتیں کیسے فریب کا ناچ نچاتی ہیں؟

حُکم ہیر دا ماؤں تھوں لیا سہتی گل گِنی سُو نال سہیلیاں دے
تیار ہوئیاں دوویں نِنان بھابی نال چڑھے نیں کٹک اربیلیاں دے
چھڈ پاسنے تُرک بیراہ چلے راہ ماردے نیں انکھیلیاں دے
کِلّے پُٹ ہو گئی وچ ویہڑیاں دے رہی اِک نہ وچ حویلیاں دے
سوہن بینسراں نال بلاق بُندے ٹِکے پھب رہے وچ متھیلیاں دے

دھاگے پانوٹے بنھ کے نال بودے گویا پھرن دوکان پھلیلیاں دے
جٹادھاریاں دا جھنڈ تیار ہویا سہتی گرو چلیا نال چیلیاں دے
راجے اندر دی سبھا وِچ ہوئی ہوری پئے عجب چھنکار البیلیاں دے
آپ ہار سنگار کر دوڑ چلیاں ارتھ کیتیانیں نال بیلیاں دے
وارث شاہ کستوری دے ہِرگ چھٹے تھئی تھئی سریر متھلیلیاں دے

سہتی نے ماں سے ہیر کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت لی اور سب سہیلیوں کو بھی اعتماد میں لے لیا۔ دونوں نند اور بھابھی تیار ہوئیں اور ساتھ دوشیزاؤں کی فوج بھی تیار کر لی۔ جیسے تُرک فوجیں متعین راستوں کو چھوڑ کر راہزنی کرتی بڑھتی چلی جاتی ہیں یہ بھی اٹھکیلیاں کرتی جا رہی تھیں۔ اس ہجرت کی وَجہ سے گھروں میں تباہی کا منظر نظر آنے لگا۔ کوئی ایک بھی تو اپنی حویلی میں نہیں رہی تھی۔ ان کے گلے میں پہنے زیور، کانوں کے بُندے بھلے لگتے تھے اور ماتھے پر ٹیکے بھی بہُت خوب صورت نظر آتے تھے۔ پانو میں پہننے والے پھولوں کے زیور سے اُنھوں نے اپنے جوڑے کو باندھا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے عطر فروش اپنی دُکانیں اُٹھائے پھرتے ہیں...... جٹادھاریوں کا یہ قافلہ جب تیار ہو گیا ان سب مریدنیوں کی گرو سہتی بھی ساتھ تیار ہو گئی۔ راجا اندر کی محفل میں ہولی کھیلنے کے لیے جانے والی نازُک اندام کنواریوں کے چلنے سے عجب چھنکار پیدا ہوتی تھیں۔ دونوں ہار سنگار کر کے تیار ہو کر جلدی جلدی اُن کے ساتھ ہو لیں کیوں کہ اُنھوں نے اپنے عاشقوں کے ساتھ 'وعدہ' کیا ہوا تھا۔ وارث شاہ جیسے کستوری ہرن آزاد ہو گئے ہوں۔ (دوڑتے بھاگتے لڑکیوں کے بدن سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی) خوبروؤں کے جسم ایک مخصوص تال پر ناچ رہے تھے۔

ہیر ہیٹ کے دندپے رہی بے خود سہتی حال بُو شور پکاریا ای
کالے ناگ نے پھن پھلا وڈا ڈنگ ووہٹی دے پَیر تے ماریا ای
کُڑیاں کانگ کیتی آ پئی واہر لوکاں کم تے کاج وساریا ای
منجے پائیکے ہیر نوں گھریں گھِدیا جٹی پلوپل انگ نہاریا ای
ویکھو فارسی تورکی نظم نثروں ایہہ مکر گھیو وانگ نتاریا ای
اگے کسے کتاب وچ نہیں پڑھیا جیہا نخریاں نخر پوساریا ای

شیطان نے آن سلام کیتا تُساں جتیا تے اساں ہاریا ای
افلاطون دی رِیش مقراض کیتی وارث قدرتاں ویکھ کے واریا ای

ہیر دانتوں کو بھینچ کر پڑی رہی۔ سہتی نے شوروغوغا شروع کر دیا اور ساتھ کہتی جاتی...... کالے ناگ نے بڑا سا پھن پھیلا کر ہیر کے پانو پر ڈنک مار دیا ہے......لڑکیوں نے شور مچا کر لوگوں کو مدد کے لیے بلانا شروع کر دیا تو سب لوگ کام کاج چھوڑ کر آ گئے...... ہیر کو چارپائی پر ڈال کر گانو کی طرف لے گئے۔ اس دوران میں ہیر گھڑی گھڑی پانو پر لگے زخم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی جاتی تھی۔ دیکھوان لڑکیوں نے وہ مکر دِکھایا ہے کہ اُس کی مثال فارسی اور ترکی زبان کی نثر اور شاعری میں بھی نہیں ملتی۔ اس سے پہلے ایسا کوئی مکر کسی کتاب میں بھی پڑھنے کو نہیں مِلا جوان مکّاروں نے دِکھایا ہے۔ اُن کے اِس کارنامے پر شیطان نے بھی آ کر اُنھیں سلام پیش کیا اور کہا کہ تم جیت گئیں اور مَیں ہار گیا۔ ان لڑکیوں نے تو افلاطون کی ڈاڑھی بھی کاٹ ڈالی ہے۔ وارث شاہ خدا کی قدرت دیکھ کر قربان ہو گیا۔

کھڑ کے سانگھڑوں واہراں کا تنگ کیتی سارے دیس تے دُھم بھوچال آ ہی
گھریں خبر ہوئی کڑاں دیس سارے نونہہ کھیڑیاں دی جھڑی سیال آ ہی
سرداری خُوباں دے ترنجناں دی جس دی ہنس تے مور دی چال آ ہی
کھیڑے نال سی اوس اجوڑ مُڈھوں دِلوں صاف رنجھیٹے دے نال آ ہی
اوس ناگنی نوں کوئی سپ لڑیا سس اوس نوں ویکھ نہال آ ہی
انَّ کَیْدَ کُنَّ باب عورتاں دے دُھروں وچ قرآن دے فال آ ہی
وارث شاہ سہاگے تے اگ وانگوں سوہنا کھیڑیاں دا سبھو گال آ ہی

خطرے کے ڈھول بجا دیے گئے اور امدادی ٹیمیں روانہ کر دی گئیں۔ یہ خبر سارے دیس میں بھونچال کی طرح پھیل گئی کہ کھیڑوں کی بہو جس کا تعلُّق سیالوں سے ہے، جو خوبروؤں کے ترنجن کی سردار بھی ہے اور ہنس اور مور کی طرح چلتی ہے اور جس کی شروع سے ہی کھیڑے کے ساتھ بے اتفاقی جب کہ رانجھے کے بارے میں اس کا دِل ہمیشہ سے صاف تھا۔ اس ناگن کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ ساس اُسے اِس حالت میں دیکھ کر بہُت خوش ہے کہ وہ (اپنے بیٹے کی دوسری شادی کر سکے گی)۔ قرآن میں عورتوں کے بارے میں ہی ایسی فال نکلتی ہے کہ ان کے بڑے مکر ہوتے ہیں۔

(خدا نے قرآن میں عورت کو مطعون نہیں کیا یہ صرف بدکردار عورتوں کے بارے بیان ہے) وارث شاہ سہاگا اور آگ سونے کو جلا بخشتے ہیں لیکن اس نے تو کھیڑوں کا سب سونا غرق کر دیا ہے۔

درد ہور تے داروڑا ہور کردے فرق پوے نہ لوڑھ وچ لُڑھی ہے نی
رناں ویکھ کے آکھدیاں زہر دھانی کوئی ساعت ایہہ جیوندی کُڑی ہے نی
ہیر آکھدی زہر ہے کھِنڈ چلی چھتھی کالجا چیر دی چھُری ہے نی
مر چلی ہے ہیر سیال بھانویں بھلی بُری اوتھے آن جُڑی ہے نی
جس ویلے دی سُوتری ایہہ سنگھی بھاگیں ہو گئی ہے ناہیں مُڑی ہے نی
وارث شاہ سدایئے وید رانجھا جس تھے درد اساڈے دی پُڑی ہے نی

دُکھ تو کوئی اور تھا اور یہ لوگ علاج کوئی اور کر رہے تھے۔ کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا جب کہ ہیر درد کے سیلاب میں بہتی جا رہی تھی۔ عورتیں دیکھ کر کہنے لگیں زہر پھیلتا جا رہا ہے اب تو یہ چند گھڑیوں کی مہمان ہے۔ ہیر نے کہا...... زہر میرے جسم میں سرایت کرتا جا رہا ہے جیسے چھری تیزی کے ساتھ کلیجے کو چیر رہی ہے۔ سب بُری بھلی عورتیں وہاں اکٹھی ہو گئیں کہ شاید ہیر سیال کا آخری وقت آ گیا ہے۔ جس وقت سے سانپ نے سونگھا ہے موت اس کا مقدر ہو گئی ہے وہ ٹلے گی نہیں۔ قسمت ہی بچا سکتی ہے۔ وارث شاہ اُس رانجھے وید کو بلائیں جس کے پاس ہمارے درد کا علاج ہے۔

سہتی آکھیا فرق نہ پوے ماسا ایہہ سپ نہ کیل تے آوندے نیں
کالے باغ وچ جوگڑا سِدھ واتا اوس دے قدم پایاں دُکھ جاوندے نیں
باشک نانگ کروڈیئے مینڈ ھچھک چھینے ترے سبھ نیوں آوندے نیں
کلغی دھر تے اُڈنا بھُونڈ آبی اسرال گھڑال ڈر کھاوندے نیں
تندورڑا بورڑا چھنی پھنیئر سبھ آن کے سیس نواوندے نیں
منی دار دوسرے تے گھرِیے بھی منتر پڑھے تاں کیل تے آوندے نیں
کنگوڑیا دھامیا لُس لُسا وی رتواڑیا کجلیا جھاوندے نیں
کھجوریا تیلیا نپٹ چنگھا ہتواریا کوجھیا گاوندے نیں
بلشتیا چپیا سنگ چُورا چلملاوڑا کلناسیا دھاوندے نیں
راؤ راجے تے وید تے دیو پریاں سبھ اوس تھوں ہتھ وکھاوندے نیں

ہور وید سبھ ویدگی لا تھکے وارث شاہ جوگی ہُن آوندے نیں

سہتی نے کہا علاج کے باوجود کچھ فرق نہیں پڑ رہا۔ یہ سانپ بھلا کب 'کیل' پر آتے ہیں (کب واپس اپنے کاٹے کا زہر چوستے ہیں) کالے باغ میں ایک سچّا اور مہربان جوگی آیا ہوا ہے جس کے کِسی گھر میں قدم پڑھتے ہی تمام دُکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔ باشک، ناگ، کروڈ یئے، مینڈ، بھجھک، چھینبے، تترے، سانپ اُس کے حضور سر جھکا کر حاضری دیتے ہیں یہی نہیں بل کہ کلغی دھر، اُڑنے والا، پانی میں رہنے والا، اور اسرال، گھڑال بھی اُس سے ڈرتے ہیں۔ تندورڑا، بورڑا، پھنی، پھنیئر سب اُس کے سامنے سر کو جھکاتے ہیں۔ منی دار، دوسروں والے اور گھریے بھی جب وہ اُنھیں منتر پڑھ کر بلاتا ہے تو جادو کی گئی جگہ پر آ جاتے ہیں۔ کنگوڑیا، دھامیا، لُس لُسا، رتواڑیا، کاجل کی رنگت والا بھی اُس کے سامنے بے وقوف بن جاتے ہیں۔ کھجوریا، تیلیا، نیپٹ چنگھا، ہتواریا، کوجھیا بھی اُس کے گُن گاتے ہیں۔ بالشتیا، چپیا، سنگ چُور، چلملا وڑا، کلنا سب اُس کو سلامی پیش کرتے ہیں۔ وہ جب منتر پڑھتا ہے تو کوئی دُکھ درد باقی نہیں رہتا۔ جادو، جن اور بھوت بھی دور بھاگ جاتے ہیں۔ تمام راجے، مہاراجے، وید پریاں اور دیو بھی بیمار ہونے پر اپنی نبض اسی کو دِکھاتے ہیں۔ تمام وید اپنی حکمت آزما چکے ہیں وارث شاہ اب جوگی کو علاج کے لیے بلایا جاتا ہے۔

کھیڑے نِشا دتی اگے جوگڑے دے سانوں قسم ہے پیر فقیر دی جی
مراں ہوئیکے ایس جہان کوڑھا کدی سوت ڈِٹھی جے میں ہیر دی جی
سانوں ہیر جٹی دھولی دھار دِسے کوہ قاف تے دھار کشمیر دی جی
لنکا کوٹ پہاڑ دا پاڑ دِسے فرہاد نوں نہر جیوں شیر دی جی
دُوروں ویکھ کے فاتحہ آکھ چھڈاں گور پیر پنچال دے پیر دی جی
سانوں قہقہہ ایہہ دیوار دِسے ڈھکا جا تاں کالجا چیر دی جی
اوس دی جھال نہ اساں تھوں جائے جھلی جھال کون جھلے چھٹے تیر دی جی
بھینس مار کے سِنگ نہ دے ڈھوئی ایویں ہونس کیہی دُدّھ کھیر دی جی
لوک آکھدے پری ہے ہیر جٹی اساں نہیں ڈِٹھی صورت ہیر دی جی
وارث جھوٹھ نہ بولیے جوگیاں تھے خیانت نہ کریے چیز پیر دی جی

کھیڑے نے جوگی کو یقین دِلاتے ہوئے کہا: ہمیں پیر فقیر کی قسم ہے مَیں کوڑھی ہو کر مروں اگر مَیں نے ہیر کو کبھی سونے کے لباس میں بھی دیکھا ہو۔ ہمیں تو ہیر جٹی برف پوش چوٹی کی طرح نظر آتی ہے یا جیسے کوہ قاف اور کشمیر کی تیز روندیاں ہوں (جنھیں سر نہیں کیا جا سکتا) یا پھر سری لنکا کا قلعہ سر کرنا، پہاڑ میں شگاف کرنا یا پھر جیسے فرہاد کو دودھ کی نہر نکالنا مشکل نظر آتا تھا۔ جیسے پیر پنجال کی قبر پر دُور سے ہی لوگ فاتحہ پڑھ لیتے ہیں مَیں بھی اُسے دُور سے ہی دیکھ کر دُعا کر لیتا ہوں۔ ہمارے لیے یہ دیوار قہقہہ ہے نزدیک جاؤں تو کلیجہ چیر کر رکھ دیتی ہے......؟ جب بھینس سینگ مار کر نزدیک ہی نہیں آنے دیتی تو خواہ مخواہ دودھ کی توقع کرنے سے کیا حاصل؟ لوگ کہتے ہیں کہ ہیر جٹی آسمان سے اُتری ہوئی پری ہے لیکن ہم نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی۔ وارث شاہ جوگیوں کے سامنے جھوٹ بولنا چاہیے اور نہ ہی پیر کی امانت میں خیانت کرنی چاہیے۔

چلیں جوگیا رب دا واسطہ ای اسیں مرد نوں مرد للکارنے ہاں
جو کجھ سرے سو نذر لے پَیر پکڑاں جان مال پروار نوں وارنے ہاں
پئے کل دے کوڑمے سبھ روندے اسی کاگ تے مور اُڈارنے ہاں
ہتھ بنھ کے بینتی جوگیا وو اسیں عاجزی نال پکارنے ہاں
چور سدیا مال دے سانبھنے نوں تیریاں قدرتاں توں اسیں وارنے ہاں
وارث شاہ وساہ کیہ ایس دم دا اینویں رایگاں عمر کیوں ہارنے ہاں

اے جوگی، تمھیں خدا کا واسطہ ہے میرے ساتھ چل۔ مرد ہی مردوں کو مشکل گھڑی میں مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ جو کچھ ہماری استطاعت میں ہوا وہ تمھاری نذر ضرور کریں گی۔ تمھارے پانو پکڑتا اور اپنا جان مال، خاندان سب تم پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کل سے ہمارا سارا خاندان آنسُو بہا رہا ہے اور ہم ناگ اور مور اُڑا کر تم جیسے مہمان کا انتظار کر رہے ہیں۔ مَیں ہاتھ باندھ کر اے جوگی تمھاری منّت کرتا اور عجز و انکسار سے عرض گزار ہوں۔ خدا کی قدرت پر قربان جایئے۔ چور کو مال کی حفاظت کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ وارث شاہ ہم تو اپنی ضائع ہونے والی عمر پر خواہ مخواہ داؤ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں حال آں کہ اس جان کا کوئی بھروسا نہیں۔

جوگی چلیا رُوح دی کلا ہلّی تتّر بولیا شگن مناونے نوں
ایت وار نہ پچھیا کھیڑیاں نے جوگی آندانیں سیس مُناونے نوں

دیکھو عقل شعور جو ماریو نیں طعمہ باز دے ہتھ پھڑاونے نوں
بھکھا کھنڈ تے کھیر دا بیا راکھا رنڈا گھلیا ساک کراونے نوں
سپ مکر دا پری دے پَیر لڑیا سلیمان آیا جھاڑا پاونے نوں
انجان جہان ہٹا دتا آئے ماندری کیل کراونے نوں
راکھا جواں دے ڈھیر دا گدھا ہویا انھا گھلیا حرف لکھاونے نوں
منّت خاص کر کے اونہاں سد آندا میاں آیا ہے رن کھسکاونے نوں
اونہاں سپ دا ماندری ڈھونڈھ آندا سگوں آیا ہے سپ لڑاونے نوں
وسدے جھگڑے چوڑ کراونے نوں مُڈھوں پٹ بوٹا لیند ونجاونے نوں
وارث بندگی واسطے گھلیا سَیں آ جُٹیا پہننے کھاونے نوں

جوگی کی روانگی کے ساتھ ہی رُوح میں نیا ولولہ جاگ اُٹھا۔ خوشی کے شگن منانے کے لیے تیتر بھی بولا، کھیڑوں نے 'شبھ گھڑی' کا بھی انتظار نہیں کیا اور اپنی عزت کو خاک میں ملانے کے لیے جوگی کو بلا لیا (عموماً ہندو اتوار کو مبارک سمجھ کر اُس دِن حجامت کرواتے ہیں) دیکھو اُن کی عقل پر کیسا پردہ پڑا تھا کہ شکار کو خود باز کے حوالے کر رہے تھے۔ بھوکے آدمی کو دودھ اور کھانڈ کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔ رنڈوے کو بھیجا گیا کہ وہ اُن کی اولادِ نرینہ کے لیے رشتہ تلاش کرے۔ پری کے پانو میں جو مکر کا سانپ لڑا تھا اُس کے جادو ٹونے کے لیے اپنی طرف سے 'حضرت سلیمان' کو بلایا گیا تھا۔ وہ سب لوگ ہٹا دیے گئے جن کا گھر سے کوئی تعلّق نہیں تھا کیوں کہ جادو ٹونا کرنے والے سانپ کو قابو کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جَو کی فصل کی حفاظت کی ذمہ داری گدھے کے سپرد کر دی گئی اور اندھے آدمی کو عبارت لکھوانے کے لیے بھیج دیا گیا ہو۔ خود منّت سماجت کر کے اُسے لائے ہیں کہ میاں ہماری عورت بھگا کر لے جاؤ۔ وہ سانپ کے ڈسے کا علاج کرنے کے لیے اُسے لائے ہیں حال آں کہ وہ تو خود نیا سانپ لڑانے آیا ہے۔ اپنا گھر برباد کرنے اور بوٹا ہی جڑ سے اُکھڑوانے کے لیے اسے لے آئے ہیں۔ وارث شاہ تمھیں تو بندگی کے لیے دُنیا میں بھیجا گیا تھا لیکن تم اچھا پہننے اور اچھا کھانے میں ہی عمر گزارنے لگے۔

رانجھے ہتھ اُٹھاءِ دُعا منگی رہا میلنا یار گوارنی دا
ایس حُب دے نال ہے کم کیتا بیڑا پار کرنا کم سارنی دا

پنجاں پیراں دی ترت آواز آئی رہا یار میلیں ایس یارنی دا
فضل رب کیتا یار آ ملیا اوس شاہ مراد پکارنی دا

رانجھے نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی: اے خدا اس گنوار عورت کا محبوب بھی ملا دے۔ اس 'کام سنوارنی' نے بڑی محبت اور پیار سے میرا کام کیا ہے تُو اس کا بھی بیڑہ پار لگا دے۔ ایسے میں پانچوں پیروں کی آواز آئی اے خدا! اس معشوق کو بھی اُس کا عاشق ملا دے۔ پھر خدا نے فضل کیا اُس شاہ مراد پکارنے والی کو بھی اُس کا محبوب آن ملا۔

سہتی لئی مراد تے ہیر رانجھے رواں ہو چلے لاڑے لاڑیاں نیں
راتو رات گئے لے کے باز کونجاں سریاں ناگاں دیاں شینہاں لتاڑیاں نیں
آپو دھاپ گئے لے کے واہی دا ہی بگھیاڑاں نے ترنڈیاں پاڑیاں نیں
فجر ہوئی رکواؤآں گج گھتے ویکھو کھیڑیاں واہراں چاڑھیاں نیں
جڑاں دین ایمان دیاں کٹنے نوں ایہہ مہریاں تیز کُہاڑیاں نیں
میاں جنہاں بیگانڑی نار رانوی ملن دوزخوں تا چواڑیاں نیں
وارث شاہ نائیاں نال جنگ بدھا کھیڑیاں کل مُنائیکے ڈاڑھیاں نیں

مراد نے سہتی اور رانجھے نے ہیر کو ساتھ لیا اور دونوں دولھے دُلھنیں روانہ ہو گئیں۔ رات کے اندھیرے میں باز کونجوں کو لے کر چلے گئے۔ شیروں کے پانو کالے ناگوں کے سر کچلتے ہوئے دوڑتے رہے۔ وہ تیز رفتاری سے اپنے اپنے راستے پر چلتے گئے۔ بگھیاڑوں نے بھیڑ بکریوں کے گلے کو پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ فجر ہوئی تو تلاش کرنے والوں نے جنگل کی جھاڑیوں میں لوہے کی سلاخیں مارنا شروع کر دیں۔ دیکھو کھیڑوں نے اُنھیں تلاش کرنے کے لیے جتھے روانہ کر دیے۔ دِین ایمان کی جڑیں کاٹنے کے لیے یہ عورتیں تو تیز دھار کلھاڑیاں ہوتی ہیں۔ میاں جو بیگانی عورتوں کے ساتھ جنسی فعل کرتے ہیں اُنھیں دوزخ میں گرم لوہے کی سلاخیں ملیں گی۔ وارث شاہ کھیڑوں نے خود اپنے ہاتھوں ڈاڑھیاں منڈوا کر حجاموں کے ساتھ جنگ شروع کی ہے۔

پہلی ملی مراد نوں جا واہر اگوں کٹک بلوچاں نے چاڑھ دِتے
پکڑ ترکشاں اتے کمان دوڑے کھیڑے نال ہتھیاراں دی باڑ دتے
مار برچھیاں آن بلوچ کڑکے تیغاں مار کے واہرو جھاڑ دتے

مار ناوکاں مورچے بھن دتے مار جھاڑ کے پنڈ وچ واڑ دتے
وارث شاہ جاں رب نے مہر کیتی بدل قہر دے لُطف نے پاڑ دتے

سب سے پہلے 'متلاشی قافلہ' سہتی اور مراد کو مِلا جسے دیکھ کر بلوچوں کی فوج نے بھی حملہ کر دیا۔ ترکشوں اور کمانوں سے کھیڑوں کے سامنے تیروں کی حفاظتی باڑ کھڑی کر دی۔ بلوچوں نے برچھیوں اور تلواروں سے حملہ کر کے پیچھا کرنے والوں کو موت کے حوالے کر دیا پھر ہلکے تیروں سے کھیڑوں کے بنائے مورچے تباہ کر دیے۔ اُنھیں مار پچھاڑ کر واپس گانو میں دھکیل دیا۔ وارث شاہ جب خدا نے کرم کِیا تو قہر کے بادل بھی اُس کی مہربانی سے چھٹ گئے۔

دوئیاں واہراں رانجھے نوں آن ملیاں سُتا پیا اُجاڑ وچ گھیریو نیں
ڈند ماردے برچھیاں پھیردے نیں گھوڑے وچ میدان دے پھیریو نیں
سر ہیر دے پٹ تے رکھ سُتا سپ مال توں آن کے چھیڑیو نیں
ہیر پکڑ لئی رانجھا قید کیتا ویکھو جوگی نوں چا کھیڑیو نیں
لاہ سیلھیاں بنھ کے ہتھ دووین پنڈا چابکاں نال اچیڑیو نیں
وارث شاہ فقیر اللہ دے نوں مار مار کے چا کھدیڑیو نیں

دوسرے متلاشی دستوں نے رانجھے کو ایک اُجاڑ جگہ سویا ہوا دیکھ کر گھیر لیا۔ اُنھوں نے برچھیاں لہراتے ہوئے رانجھے کو للکارا اور پھر اُس کے اردگرد گھوڑوں کو دوڑانا شروع کر دیا۔ وہ ہیر کی رانوں پر سر رکھ کر سو رہا تھا۔ اُنھوں نے خزانے پر بیٹھے سانپ کو آن چھیڑا۔ ہیر کو پکڑ کر، رانجھے کو اپنا قیدی بنایا اور اِس طرح جوگی کو گھیرے میں لے لیا۔ اُنھوں نے فقیری رسّیاں اُتار کر اُس کے دونوں ہاتھ باندھے اور پھر گھوڑوں کے چابکوں سے مار مار کر اُس کا جسم اُدھیڑ دیا۔ وارث شاہ اس اللہ کے فقیر کو اُنھوں نے مار مار کر بے حال کر دیا۔

ہیر آکھیا سُتے سو سبھ مُٹھے نیندر ماریا راجیاں رانیاں نوں
نیند ولی تے غوث تے قُطب مارے نیند لُٹیا راہ پندھانیاں نوں
ایس نیند نے شاہ فقیر کیتے رو بیٹھے نیں وقت وہانیاں نوں
نیند شیر تے دیو امام کُٹھے نیند ماریا وڈے سیانیاں نوں
سُتے سوئی ڈُگتڑے اُدھم وانگوں غالب نیند ہے دیو رنجانیاں نوں

نیند بیٹھ سُتیا سلیمانؑ تائیں دیندی نیند چھڈا ٹکانیاں نوں
نیند پُتر یعقوبؑ دا کھوہ پایا سُتیا ہوسیا یوسفؑ وانیاں نوں
نیند ذبح کیتا اسمٰعیلؑ تائیں یونسؑ پیٹ مچھی وچ پانیاں نوں
نیند فجر دی قضا نماز کردی شیطان دے تنبواں تانیاں نوں
نیند ویکھ جو سسّی نوں وقت پایا پھرے ڈھونڈھدی باروں وانیاں نوں
رانجھے ہیر نوں بنھ لے ٹُرے کھیڑے دونویں روندے نیں وقت وہانیاں نوں
ساڈھے تن ہتھ زمین ہے ملک تیری وارث ولیں کیوں ایڈ ولانیاں نوں

ہیر نے کہا جو سو گئے وہ سب برباد ہوئے۔ اس نیند نے ہی راجے مہاراجوں کو مار ڈالا۔ نیند نے اولیاء، غوث اور قطب بھی مارے اور اس نیند نے راہ چلتے مسافروں کو بھی لوٹا۔ اسی نیند نے بادشاہوں کو فقیر بنایا جو گذرے ہوئے وقت کا ماتم بھی کر بیٹھے ہیں۔ نیند نے ہی شیر، دیو اور امام قتل کروائے۔ نیند نے ہی دانش وروں کو ہلاک کِیا۔ جو سو گئے وہ ابراہیم ادھم کی طرح تخت و تاج سے محروم ہو گئے۔ وہ جو بڑے بڑے دیوؤں کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں نیند اُن پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ نیند نے حضرت سلیمانؑ کو بھی تخت سے نیچے گرا دیا تھا۔ نیند ہی مضبوط ٹھکانے چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ نیند نے ہی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کو کنویں میں دھکا دِلوایا تھا۔ یہ بات تم نے حضرت یوسفؑ کی داستان میں سُنی ہو گی۔ نیند نے ہی حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کروایا تھا اور اِسی نیند نے حضرت یونسؑ کو پانی کے اندر مچھلی کے پیٹ میں ڈالا تھا۔ نیند شیطان کے تانے ہوئے تنبوؤں میں سونے والوں سے فجر کی نماز قضا کرواتی ہے۔ نیند نے ہی سسی کو مصیبت میں ڈالا تھا کہ وہ پھر صحراؤں کی جھاڑیوں میں محبوب کو تلاش کرتی رہی...... کھیڑے ہیر اور رانجھے کو قیدی بنا کر روانہ ہوئے تو دونوں گذرے ہوئے وقت پر آنسو بہاتے رہے۔ وارث شاہ قبر جتنی زمیں ہی تیری اصل ملکیت ہے کیوں اِتنے بڑے بڑے احاطے گھیرے میں لے رہا ہے۔

پلو پھیر کے رانجھے فریاد کیتی بھلا سُنی دا عدلیا راج تیرا
زور و زور لے چلے نیں مال میرا تاں مَیں ہویا ہاں آن محتاج تیرا
سبھ میر اُمراء ورثا تیرے بھلا نظر آیا مینوں سماج تیرا
میری غور کرسئیں تیرا بھلا ہوسی رب آپ سواری کاج تیرا

رانجھے نے فریاد کرتے ہوئے کہا کہ......عدلی راجے تیری حکومت اور حاکمیت کا بہُت چرچا سُنا ہے۔ میرا مال زبردستی چھین لیا گیا ہے اسی لیے مَیں محتاج بن کر تمھارے سامنے حاضر ہوا ہوں۔ تیرے سب امیر، وزیر اور وارث اچھے نظر آتے ہیں اور تیرے انتظام میں معاشرہ بھی بہُت اچھا ہے۔ اگر تو میری فریاد پر غور کرے گا تو خدا تیرا بھلا کرے گا۔ تمھارے بگڑے ہوئے کام بھی سنوارے گا۔

راجے حُکم کیتا چڑھی فوج بانکی آہ راہ وچ گھیریا کھیڑیاں نوں
تُسیں ہو سِدھے چلو پاس راجے چھڈ دیو کھاں چھل دریڑیاں نوں
راجے آکھیا چور نہ جان پاوے چلو چھڈ دیو جھگڑیاں جھیڑیاں نوں
پکڑ وچ حضور دے لیاؤ حاضر راہزناں نے کھوہڑو بیڑھیاں نوں
بنھ کھڑاں گے اِکے تاں چلو آپے نہیں جاندے اسیں بکھیڑیاں نوں
وارث شاہ چند سُورجاں گرھن لگے اوہ بھی پھڑے نیں اپنے پھیڑیاں نوں

راجے نے حُکم جاری کِیا تو چاک و چوبند فوج چڑھ دوڑی اور اُس نے راستے میں ہی کھیڑوں کو گھیرے میں لے لیا تم سب سیدھے سبھاو راجے کے پاس حاضر ہو جاؤ اور سب چتر چالاکیاں چھوڑ دو۔ راجے کا حُکم ہے کہ چور کو بھاگنے نہ دیا جائے۔ بحث و تکرار کی کوئی ضرورت نہیں اور راجے کے حضور چلو۔ راجے کا یہ بھی حُکم ہے کہ راہزنوں اور مال مویشی چھیننے والوں کو گرفتار کر کے راجے کے حضور حاضر کِیا جائے۔ اگر تو تم خود ہی جانے کے لیے تیار ہو جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ تمھیں ہم باندھ کر بھی لے جائیں گے ہم کِسی بکھیڑے میں ہی نہیں پڑنا چاہتے۔ وارث شاہ اپنی کرتوتوں کی وَجہ سے تو چاند اور سورج کو بھی گہن لگ جاتے ہیں۔

کھیڑے راجے دے آن حضور کیتے صورت بنے نیں آن فریادیاں دے
رانجھے آکھیا کھوہ لے چلے نڈھی ایہہ کھوہڑو پرہے بے دادیاں دے
میتھوں کھوہ فقیرنی اُٹھ نٹھے جیویں پیسیاں نوں ڈوم شادیاں دے
میرا نیاؤں تیرے اگے رائے صاحب ایہہ وڈے دربار نیں آدیاں دے
جے تاں داڑھیاں پگڑیاں ویکھ بھلیں شیطان ہن اندروں وادیاں دے
وارث باہروں سُوہے تے سیاہ اندروں تنبو ہون جویں مالزادیاں دے

کھیڑوں کو پکڑ کر راجے کے حضور پیش کر دیا گیا اور وہ فریادیوں جیسی شکل بنا کر کھڑے ہو گئے۔ رانجھے نے کہا یہ میری عورت چھین کر لے جا رہے تھے۔ یہ ظالموں کی پنچایت میں شامل چور اور ڈاکو ہیں۔ مجھ سے میری فقیرنی چھین کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے جیسے بیاہ شادی پر 'ڈوم' پیسے اُٹھا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اے راجا...... اب تُو ہی میرا انصاف کر۔ یہ جدی پشتی امیروں وزیروں کا دربار ہے۔ ان کی ڈاڑھیوں اور پگڑیوں کو دیکھ کر گمراہ نہ ہونا یہ اپنے خصائل میں اندر سے پورے شیطان ہیں۔ وارث یہ فاحشہ عورتوں کے وہ شامیانے ہیں جو اندر سے کالے اور باہر سے سرخ ہوتے ہیں۔

کھیڑیاں جوڑ کے ہتھ فریاد کیتی نہیں وقت ہُن ظلم کماونے دا
ایہہ ٹھگ ہے محضری وڈا گھُوٹھا سحر جاندا سرہوں جماونے دا
وہڑے وڑدیاں ننڈھیاں موہ لیئیں اس تھے عِلم جے رناں وِلاونے دا
ساڈی نُونہہ نوں اک دن سپ لڑیا اوہ وقت سی ماندری لیاونے دا
سہتی دسیا جوگڑا باغ کالے ڈھب جاندا جھاڑیاں پاونے دا
منتر جھاڑنے نوں اساں سد آندا سانوں کم سی جند چھڈاونے دا
لیندو دوہاں نوں راتوں ہی رات نٹھا فقر ولی اِلٰہ پھراونے دا
وچوں چور تے باہروں سادھ دِسے ایس تھے ول جے بھیکھ وٹاونے دا
راجے چوراں تے یاراں نوں ماردے نیں سُولی رسم ہے چور چڑھاونے دا
اُقْتُلُوا الْمُوْذِیَاتِ قَبْلَ الْاِیْذَا کہیا فائدہ جھگڑیاں پاونے دا
بھلا کریں تاں ایس نوں مارسٹیں حُکم آیا ہے چور مکاونے دا
بادشاہ تھوں عدل ہی پچھین گے وقت آؤ سی عمل تُلاونے دا

کھیڑوں نے ہاتھ جوڑ کر فریاد کی اور کہا آپ کے دورِ حکومت میں کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ یہ مسکین صورت بڑا چالاک ٹھگ ہے۔ اسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا جادو بھی آتا ہے۔ اس نے ہمارے گھر میں داخل ہوتے ہی دوشیزاؤں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہ عورتوں کو ورغلانے کا ہنر جانتا ہے...... ہماری بہو کو ایک دِن سانپ نے ڈس لیا تو ہم نے اِس مصیبت سے جان چھڑانے کے لیے 'ماندری' بلائے تھے۔ سہتی نے بتایا کہ کالے باغ میں ایک جوگی رہتا ہے جو جادو ٹونے کا کام

جانتا ہے۔ ہم تو اس کو سانپ کے کاٹے کا منتر کرنے کے لیے بلا کر لائے تھے کیوں کہ ہم اپنی بہو کی جان بچانا چاہتے تھے مگر یہ راتوں رات دونوں کو لے کر بھاگ گیا۔ اس کا لباس تو اللہ کے فقیروں جیسا ہے اور یہ باہر سے بہت شریف لگتا ہے لیکن اندر سے پورا چور ہے۔ اس کو بھیس بدلنے کا ہنر بھی خوب آتا ہے۔ راجوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ چوروں اور یار بازوں کو ختم کر دیں۔ چوروں کو سولی پر چڑھانے کی بھی پرانی رسم ہے۔ حکم ہے کہ ایذا پہنچانے والے موذی کو ایذا پہنچانے سے پہلے ہی جان سے مار دیا جائے۔ جھگڑے کو طول دینے سے کیا فائدہ؟ آپ نیکی کریں اور اس کو قتل کر دیں کیوں کہ چوروں کو ختم کرنے کا حکم ہے۔ بادشاہوں سے عدل و انصاف کے بارے ہی باز پرس ہو گی۔ حشر کے دن اعمال ہی تولے جائیں گے۔

راجے آکھیا تُساں تقصیر کیتی ایہہ وڈا فقیر رنجانیا جے
نک کن وڈھا دیاں چاڑھ سُولی ایویں گئی ایہہ گل نہ جانیا اے
رجے جٹ نہ جان دے کسے تائیں تُسی اپنی قدر پچھانیا جے
رناں کھوہ فقیراں دیاں راہ مارو تنبو گرب گمان دے تانیا جے
راتیں چور تے دینہ اُدھالیاں تے شیطان وانگوں جگ رانیا جے
قاضی شرع دا تُساں نوں کرے جھوٹھا موج سولیاں دی تُسیں مانیا جے
ایہہ نت ہنکار نہ مال رہندے کدی موت تحقیق پچھانیا جے
وارث شاہ سرائے دی رات وانگوں دنیا خواب خیال کر جانیا جے

راجے نے کہا تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک بہت بڑے کامل فقیر کو رنجیدہ کر دیا ہے۔ اِس بات کو یونہی نہ سمجھنا میں تمھارے ناک کان کٹوا کر سولی پر چڑھا دوں گا۔ جاٹ کے پاس جب زیادہ کھانے پینے کو آ جائے تو وہ کسی کی پروا نہیں کرتا لیکن تم اپنی قدر و قیمت کو پہچانو۔ تم نے غرور اور تکبر کے شامیانے لگائے ہوئے ہیں۔ تم راہ چلتے فقیروں کی عورتوں کو چھین لیتے ہو۔ راتوں کو چوریاں اور دن کو عورتیں اغوا کرتے ہو۔ شیطان کی طرح ساری دُنیا کو تنگ کر رکھا ہے۔ جب شرع کا قاضی تمھیں جھوٹا ثابت کرے گا تو پھر تم سولیوں کا مزہ چکھو گے۔ یہ تکبر اور دولت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتے۔ کبھی موت کو بھی تم نے تحقیق کر کے جانا ہے کہ وہ کیوں آتی ہے؟ وارث شاہ اِس دُنیا کو ایک خواب خیال کی طرح سمجھنا چاہیے۔ زندگی تو سرایے میں گذرنے والی ایک رات ہے جہاں

سے صبح اگلے سفر پر روانگی ہوتی ہے۔

جدوں شرع دے آن کے رجوع ہوئے قاضی آکھیا کرو بیان میاں
دیو کھول سناء کے بات ساری کراں عمر خطاب دا نیاں میاں
کھیڑے آکھیا ہیر سی ساک چنگا گھر چوچک سیال دے جان میاں
اجو کھیڑے دے پُت نوں خیر کیتا ہور لا تھکے لوک تان میاں
جنج جوڑ کے اساں ویاہ آندی ٹکے خرچ کیتے خیر دان میاں
لکھ آدماں دی ڈُھکی لکھمی سی ہندو جان دے تے مسلمان میاں
دَور رسم کیتی مُلّاں سد آندا جس نوں حفظ سی فقہ قرآن میاں
مُلّاں شاہداں نال وکیل کیتے جویں لکھیا وچ فرقان میاں
اساں لاء کے دم دواہ آندی دیس ملک رہیا سمھو جان میاں
راون وانگ لے چلیا سِتا تائیں ایہہ چھوہرا تیز زبان میاں
وارث شاہ نُونہہ رہے جے کویں ساتھے رہا جُمل دار ہے ایمان میاں

جب انصاف کے لیے شرع سے رجوع کِیا گیا تو قاضی نے کہا کہ سارا معاملہ کھول کر بیان کرو۔ ساری بات تفصیل سے سناؤ مَیں حضرت عمر خطابؓ کی طرح پورا پورا انصاف کروں گا۔ کھیڑے نے کہا چوچک سیال کے گھر ہیر کا ایک اچھا رشتہ تھا، اور بھی بہُت سے لوگ یہ رشتہ لینے گئے مگر ناکام ہوئے۔ چوچک نے اجو کھیڑے کے بیٹے کو یہ رشتہ دان کر دیا۔ ہم بارات لے کر گئے اور نکاح کر کے ہیر کو لے آئے۔ دولت بھی خرچ کی اور غریبوں میں خیرات بھی بانٹی۔ لاکھوں بارسوخ آدمیوں نے بیاہ میں شرکت کی۔ اس کا سب ہندو مسلمانوں کو بخوبی علم ہے۔ زمانے میں موجود ہر رسم پوری کی۔ نکاح کے لیے اُس مولوی کو بلایا گیا جس کو قرآن اور فقہ حفظ تھی۔ مُلّاں نے موقع کے گواہوں کے ساتھ وکیل بھی اسی طرح مقرر کیے جس طرح قرآن پاک میں لکھا ہوا ہے۔ ہم زندگی کی جمع پونجی خرچ کر کے شادی کر کے اُسے گھر لے گئے۔ یہ بات سارا مُلک جانتا ہے۔ اوراب...... یہ قینچی کی طرح زُبان چلانے والا تیز طرار لڑکا راون کی طرح سیتا کو اُٹھا کر لے جا رہا ہے۔ وارث شاہ بہو ہمارے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے؟ خدا سے دُعا کیجیے کہ ایمان ہی سب کا ساتھی رہے۔

راجا آکھدا پچھو کھاں ایہہ چھاپا کتھوں دامنے نال چھوڑیا جے
راہ جاندڑے کسے نہ پَون جھمڑ ایہہ بھُوتنا کتھوں سہوڑیا جے
سارے ملک جو جھگڑدا نال پھریا کسے ہٹکیا تے ناہیں ہوڑیا جے
وارث شاہ کسمبھے دے پھوگ وانگوں اوہدا اکرا رسا نچوڑیا جے

راجے نے کہا یہ معلوم کرنا چاہیے کہ آخر یہ کانٹوں بھری شاخ کہاں سے اُن کے دامن سے اُلجھی ہے؟ راہ چلتے یونہی تو ایسی چیزیں نہیں اُلجھتیں آخر یہ بھوتنا تمھارے ساتھ کیسے لگا ہے؟ یہ سارے ملک کے ساتھ جھگڑتا پھرا لیکن اس کو کسی نے منع کیا نہ روکا۔ وارث شاہ کسمبھے کے پھول کی طرح اس کا سارا رس نچوڑ کر پھوگ بنا کر چھوڑ نا۔ (بات کی تہ تک پہنچنا اور پھر جھوٹ سچ کا فیصلہ کرنا)۔

قاضی کھوہ دتی ہیر کھیڑیاں نوں مارو ایہہ فقیر دغولیا جے
وچوں چور تے یار ہے لُچ لنڈا ویکھو باہروں ولی تے اولیا جے
دغادار تے جھاگڑو کلاکاری بن پھرے مشائخ مَولیا جے
جدوں دغے تے آوے تاں صفا گالے اکھیں میٹ بہے جاپے رولیا جے

قاضی نے ہیر کو چھین کر کھیڑوں کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اس دغا باز فقیر کو مارا جائے۔ یہ بظاہر ولی اور اللہ کا نیک بندہ بنا ہوا ہے لیکن اندر سے چور، لُچا، بدمعاش اور پکا یار باز ہے۔ یہ دغا باز، جھگڑالو اور ڈراما باز مولائی اور مشائخ بن کر پھرتا ہے۔ جب یہ دغا بازی پر اُتر آتا ہے تو نسلیں تباہ کر دیتا ہے اور جب آنکھیں بند کرتا ہے تو جھوٹا فقیر بن جاتا ہے۔

ہیر کھوہ کے کھیڑے چلے واہو داہی رانجھا رہیا مُونہہ گُنجھ حیران یارو
اُڈ جائے کہ نِگھرے غرق ہووے ویہل دیس نہ زمیں اسمان یارو
کھیپ مار لیے، کھیترے سڑے بوہل حق عملیاں دے رُڑھ جان یارو
ڈوراں ویکھ کے میر شکار روون ہتھوں جنہاں دیوں باز اُڈ جان یارو
اونہاں ہوش تے عقل نہ تھاؤں رہندا سریں جنہاں دے پون ودان یارو
ہیر لاہ کے گھُنڈ حیران ہوئی ستی چھادے وچ میدان یارو
تکھا دیدڑا وانگ مہاستی دے مل کھڑی سی عشق میدان یارو

وچ اوڑھنی سہم دے نال چھپی جویں وچ قربان کمان یارو
کھونڈے اتے چوگان لے دیس نٹھا ویکھاں کیہڑے پھُنڈ لے جان یارو
چُپ شُل ہو بولنوں رہی جٹی پناں روح دے جویں انسان یارو
وارث شاہ دووین پریشان ہوئے جویں پڑھیاں لاحول شیطان یارو

کھیڑے ہیر کو چھین کر برق رفتاری سے روانہ ہو گئے اور رانجھا حیران و ششدر پریشان سا مُنہ بنا کر رہ گیا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہوا میں تحلیل ہو جائے یا پھر زمین میں دھنس کر غرق ہو جائے اُسے زمین راستہ دے رہی تھی نہ آسمان۔ تیار فصل زمیندار اُٹھا کر لے گئے تھے۔ تیار فصل کا ڈھیر جل جائے تو حقداروں کے حصے بھی مارے جاتے ہیں۔ وہ سردار شکاری بھی پرندوں کی ڈاریں دیکھ کر روتے ہیں جن کے ہاتھوں سے باز اُڑ جاتے ہیں۔ جن کے سروں پر لوہے کے بڑے ہتھوڑے پڑتے ہیں...... اُن کے عقل و ہوش گم ہو جاتے ہیں، اُنھیں یہ بھی پتا نہیں رہتا کہ وہ کس جگہ کھڑے ہیں؟ ہیر نے گھونگھٹ ہٹایا تو حیران رہ گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ آگ کے میدان میں ستی ہونے کے لیے کھڑی ہے...... یا پھر جیسے ستی ہونے والی عورت اپنے خاوند کی چِتا میدان میں کھڑی دیدے پھاڑ کر جلتی ہوئی آگ کو دیکھتی ہو۔ وہ عشق میدان منتخب کر کے پشیمان ہو رہی تھی۔ وہ خوف سے اپنی اوڑھنی میں یوں چھپ کر بیٹھ گئی جیسے کمان، کماندان میں چھپ جاتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی ایک طرف پولو کے ڈنڈوں اور دوسری طرف دیسی کھونڈوں والے ہیں۔ دیکھیے اب 'رکیلا' کون چھید کر لے جاتا ہے۔ وہ گم سم، بولنے سے قاصر ہو گئی اُس انسان کی طرح جس کی روح نکل گئی ہو۔ وارث شاہ دونوں ہی ایسے پریشان ہو گئے تھے جیسے لاحول پڑھنے پر شیطان پریشان ہو جاتا ہے۔

بر وقت جے فضل دا مینہ وسے بُرا کون مناوندا وٹھیاں نوں
لب یار دے آبِ حیات باجھوں کون زندگی بخشدا کُٹھیاں نوں
دووین آہ فراق دی مار لیٹے کرامات مناوسی رُٹھیاں نوں
وارث مار کے آہ تے شہر ساڑوں بادشاہ جانے اساں مُٹھیاں نوں

عین وقت پر اگر خدا کے فضل کی بارش ہو تو پھر ایسے برستے بادلوں کا بھلا کون بُرا مانتا ہے؟ محبوب کا بوسہ جو آبِ حیات سے کم نہیں ہوتا کے بغیر کشتہ فراق کو بھلا کون زندگی بخش سکتا ہے؟

دونوں فراق کی آہیں بھرتے لیٹ گئے اور معجزہ کا انتظار کرنے لگے کہ جو دونوں روٹھے دوستوں کو مِلا دے گا۔ وارث مَیں تو آہ مار کر سارے شہر کو جلا کر رکھ دوں گا تا کہ بادشاہ کو بھی ہم لٹے ہوؤں کے بارے پتا چل سکے۔ (اُسے پتا چلے کہ ہمارے ساتھ کیا زیادتی ہوئی ہے؟)

ہیر نال فراق دے آہ ماری ربا ویکھ اساڈیاں بھکھن بھائیں
اگے اگ پچھے سپ شینہہ پاسیں ، ساڈی واہ نہ چلدی چوہیں راہیں
اِکے میل رنجھیٹڑا عُمر جالاں اکے دوہاں دی عمر دی الکھ لاہیں
ایڈا قہر کیتا دیس والیاں نے ایس شہر نوں قادرا اگ لائیں

ہیر نے، درد کی پوری شدت کے ساتھ آہ مارتے ہوئے کہا اے خدا ہمارے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے دیکھ۔ ہمارے سامنے آگ، پیچھے سانپ اور شیر گھیرا بنائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے چاروں طرف کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ یا تو میرا رانجھے سے ملاپ کرا دے تا کہ مَیں باقی زندگی آرام سے گزار سکوں یا پھر دونوں کو ہی موت کے حوالے کر دے۔ (اس عمر کا ستیاناس کر دے) اس شہر والوں نے اِتنا بڑا ظلم کِیا ہے۔ اے قادر اپنی قدرت سے اس شہر کو آگ لگا دے۔

رانجھے ہتھ اُٹھاء دُعا منگی تیرا نام قہار جبار سائیں
توں تاں اپنے ناؤں نیاؤں پچھے ایس دیس تے غیب دا غضب پائیں
سارا شہر اُجاڑ کے ساڑ سایاں کویں مجھ غریب بھی داد پائیں
ساڈی شرم رہسی کرامات جاگے بنے بیڑیاں ساڈیاں چا لائیں

رانجھے نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی اے خدا! تیرا ہی نام جبار اور قہار ہے۔ تُو اپنے نام اور انصاف کو باقی رکھنے کے لیے اس شہر پر اپنا غضب نازل کر۔ اس سارے شہر کو میرے مالک جلا کر راکھ کر دے تو پھر مجھ غریب سے ہونے والی زیادتی کی بھی کچھ تلافی ہو جائے گی۔ اگر یہ معجزہ ہو جائے تو ہماری عزت رہ جائے گی۔ اے خدا ہماری بے سہارا کشتیوں کو بھی پار اُتار دے۔

لگی اگ چوطرف جاں شہر سارے کیتا صاف سبھ جھگیاں جھائیاں نوں
سارے دیس وِچ دُھم تے شور ہویا خبراں پہنچیاں پاندھیاں راہیاں نوں
لوکاں آکھیا فقر بددُعا دتی راجے بھیجیا حُرت سپاہیاں نوں
پکڑ کھیڑیاں نوں کرو آن حاضر نہیں جان دے ضبط بادشاہیاں نوں

جا گھیر آندے چلو ہوؤ حاضر کھیڑے پھڑے نیں ویکھ لے کاہیاں نوں
وارث صوم صلوٰۃ دی چھری کپے اینہاں دِین ایمان دیاں پھاہیاں نوں

جب شہر کے چاروں طرف آگ بھڑک اُٹھی اور اس نے جھونپڑیوں اور کٹیاؤں کو خاکستر کر دیا۔ سارے مُلک میں شور برپا ہو گیا۔ راہ چلتے مسافروں کو بھی خبریں پہنچ گئیں۔ لوگوں نے کہا یہ فقیر نے بددُعا دی ہے۔ راجے نے فوراً اپنے سپاہیوں کو روانہ کِیا اور حُکم دیا کہ کھیڑوں کو پکڑ کر فوراً حاضر کِیا جائے۔ وہ بادشاہوں کے اصول وضوابط کو نہیں جانتے۔ سپاہیوں نے اُنھیں راستے میں ہی گھیر لیا اور پکڑ کر بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ دیکھو کھیڑے، کن باتوں پر پکڑے گئے ہیں۔ وارث شاہ 'نماز روزہ' کی چھری ہی ان دِین ایمان کے مجرموں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

ہیر کھوہ کے رانجھے دے ہتھ دِتی کریں جوگیا خیر دُعا میاں
رانجھے ہتھ اُٹھاء کے دُعا دِتی توشیں ذُوالجلال خدا میاں
تیرے حُکم تے مُلک وچ خیر ہووے تیری دُور ہو گُل بلا میاں
ان دھن تے بچھی حُکم دولت نت ہووئی دُون سوا میاں
گھوڑے اُٹھ ہاتھی دم توپ خانے ہند سِندھ تے حُکم چلا میاں
وارث شاہ رب نال حیا رکھے میٹی مُٹھ ہی دے لنگھا میاں

راجے نے کھیڑوں سے ہیر چھین کر رانجھے کے سپرد کی اور کہا اے جوگی ہمارے لیے نیک دُعا کرو۔ رانجھے نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا دی خدائے ذوالجلال تمھیں خوش وخرم رکھے۔ تیری حاکمیت اور ملک آباد رہیں تمھاری تمام بلائیں دُور ہو جائیں۔ تیرے رزق، مال ودولت اور حکومت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے۔ گھوڑے، اُونٹ، ہاتھی، دمامے، توپ خانے سدا قائم رہیں، تیری ہند سندھ پر حکومت قائم ہو۔ وارث شاہ! خدائے بزرگ وبرتر حیا کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق دے اور عیوب کی پردہ پوشی کے ساتھ ہی یہاں سے گزار دے۔

بھائیاں جائیکے ہیر نوں گھریں آندا رانجھا نال ہی گھرے منگایو نیں
لاہ مُندراں جٹاں مُنا سُٹیاں سر سوہنی پگ بنھایو نیں
کھن گھت اُتے کھنڈ ددھ چاول اگے رکھ کے پاہنگ بہایو نیں
یعقوبؑ دے پیارڑے پُت وانگوں کڈھ کھُوہ تھیں تخت بہایو نیں

جا بھائیاں دی جنج جوڑ لیاویں اندر واڑ کے بہُت سمجھایو نیں
نال دے لاگی خوشی ہو سبھناں طرف گھراں دے اوس پہنچایو نیں
بھائی چارے نوں میل بہایو نیں سبھو حال احوال سنایو نیں
ویکھو دغے دے پھند لائیو نیں دھیو مارن دا متا پکائیو نیں
وارث شاہ ایہہ قدرتاں رب دیاں نیں ویکھ نواں پکھنڈ رچائیو نیں

دُودھ چاول پر کھانڈ ڈال کر اس کے سامنے رکھ دی گئی۔ حضرت یعقوبؑ کے پیارے بیٹے کی طرح اُسے کنویں سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا...... اُسے اندر بٹھا کر سمجھایا گیا کہ وہ اپنے خاندان میں اور بھائیوں کی بارات بنا کر لائے۔ ساتھ خدمت گزار دے کر سب نے اسے ہنسی خوشی اپنے گھر کی طرف الوداع کِیا۔ رانجھے کے جانے کے بعد تمام قبیلے کو اکٹھا کِیا گیا اور تمام صورتِ حالات پر غور وفکر کِیا گیا۔ مکر وفریب کا نیا جال بچھا کر اسے تو روانہ کر دیا اور پھر بیٹی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وارث شاہ یہ خدا کی قدرتیں ہیں کہ اب اُنھوں نے فریب کا جال بچھایا ہے۔

رانجھے جاء کے گھرے آرام کیتا گنڈھ پھیریا سو وچ بھائیاں دے
سارو کوڑما آئیکے گرد ہویا بیٹھا پینچ ہو وچ بھرجائیاں دے
چلو بھائیو ویاہ کے سیال لیایئے ہیر لئی ہے نال دعائیاں دے
جنج جوڑ کے رانجھے تیار کیتی ٹمک چا بدھے مگر نائیاں دے
واجے دُکھنی دھرگاں دے نال وجن لکھ رنگ چھینے سُرنائیاں دے
وارث شاہ وساہ کیہہ جیونے دا بندہ بکرا ہتھ قصائیاں دے

رانجھے نے دِن رات سفر کرتے ہوئے اپنے گھر جا کر ہی آرام کِیا اور پھر تمام برادری میں شادی کی اطلاع پہنچا دی۔ یہ خبر سُنتے ہی سارا خاندان آ کر اُس کے گرد جمع ہو گیا۔ وہ اپنی بھابیوں میں سردار بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہیر کو بہُت دعاؤں کے بعد حاصل کِیا ہے اب چلو اُس کو بیاہ کر لائیں۔ رانجھے نے بارات اکٹھی کی۔ نائیوں کی کمر کے ساتھ مال اسباب کے صندوق باندھ دیے گئے۔ دکنی باجے ڈھولوں کے ساتھ بجنا شروع ہو گئے۔ شہنائیوں میں سے رنگ رنگ کی سُریں نکلنے لگیں۔ وارث شاہ اس زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ انسان تو قصابوں کے ہاتھ آیا ہوا بکرا ہے۔

سیالاں بیٹھ کے ستھ وچار کیتی بھلے آدمی غیرتاں پالدے جی

یارو گل مشہور جہان اُتے سانوں میہنے ہیر سیال دے جی
پت رہے گی نہ جے ٹور دتی نڈھی نال مُنڈے مہینوال دے جی
پھٹ جیبھ دے کالکا بیٹیاں دی عیب جواں دے میہنے گالدے جی
جتھوں کھاوندے تِتھوں دا بُرا منگن دغا کرن ہو محرم حال دے جی
قبر وچ دیوث خنزیر ہوسن جہڑے لاڑھ کرن دھن مال دے جی
عورت اپنی کول جے غیر ویکھن غیرت کرن نہ اوس دے حال دے جی
مُونہہ تنہاں دا ویکھنا خوک وانگوں قتل کرن رفیق جو نال دے جی
سیّد شیخ نوں پیر نہ جاننا ایں عمل کرے جے اوہ چنڈال دے جی
ہوء چوہڑا تک حرام مسلم ، مسلمان سبھ اوس دے نال دے جی
دولتمند دیوث دی ترک حرام مسلم ، مسلمان سبھ اوس دے نال دے جی
کوئی ٹھکرا لعل نہ ہو جاندا جے پروویئے نال اوہ لعل دے جی
زہر دے کے ماریئے نڈھڑی نوں گنہگار ہو ذوالجلال دے جی
مار سٹیا ہیر نوں ماپیاں نے ایہہ پیکھنے اوس دے خیال دے جی
بدعملیا ! جنہاں تھوں کریں چوری محرم حال تیرے وال وال دے جی
سانوں جنتیں ساتھ رلاونائیں اساں آسرے فضل کمال دے جی
جہڑے دوزخاں نوں بنھ ٹورینگے وارث شاہ فقیر دے نال دے جی

سیالوں نے تمام خاندان کی پنچایت بُلا کر مشورہ کِیا اور کہا...... خاندانی لوگ اپنی عزت اور غیرت کی حفاظت کرتے ہیں، ہم کو ساری دنیا ہیر سیال کے طعنے دیتی ہے۔ ہم سارے جہان میں بدنام ہو چکے ہیں اگر ہم نے اپنی جوان لڑکی کو مہینوال (رانجھے) کے ساتھ بیاہ کر رُخصت کر دیا تو ہماری عزت خاک میں مِل جائے گی۔ زبان کے لگائے ہوئے زخم بیٹیوں کے ماتھے پر لگی ہوئی سیاہی اور عیب جوؤں کے طعنے زندگی برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جہاں سے کھاتے ہیں وہیں کا بُرا چاہتے ہیں۔ یہ دوست بن کر دھوکا دیتے ہیں۔ بے غیرت انسان اور دھن دولت کا لالچ کرنے والے قبر میں سؤروں کی شکل اختیار کر جائیں گے۔ اپنی عورت کے ساتھ غیر مرد کو بیٹھا ہوا دیکھیں اور اس پر غیرت کا اِظہار نہ کریں یا پھر وہ جو اپنے ساتھیوں کو قتل کریں ایسے لوگوں کو دیکھنا بھی سؤر

کے دیکھنے کے برابر ہے۔ سیّد اور شیخ بھی اگر چنڈالوں جیسے عمل کریں تو اُنھیں بھی پیر تسلیم نہیں کرنا چاہیے اور اگر چوہڑا ترک حرام کرے اپنے مذہب پر قائم رہے اور مسلمان ترک حرام نہ کریں تو وہ سب اس جیسے ہی ہیں۔ بے غیرت دولت مند کی صحبت چھوڑ کر نیک کنگال کی مجلس اپنانی چاہیے۔ کانچ کو اگر لعل کے ساتھ پرو دیا جائے تو وہ لعل نہیں بنتا۔ رب ذوالجلال کے گنہگار بن کر بھی ہمیں نڈھی ہیر کو زہر دے کر مار دینا چاہیے اور پھر...... ماں باپ نے ہیر کو قتل کر دیا۔ یہ اُس کے خیال کی رنگینیاں ہیں۔ اے بُرے اعمال کرنے والے تُو جس سے چھپ کر بُرے کام کرتا ہے وہ تو تیرے بال بال کی حرکت سے بخوبی واقف ہے۔ ہمیں تو بس اس کے کمال فضل پر بھروسا ہے کہ وہی ہمیں اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائے گا اور جو دوزخ کی طرف باندھ کر دھکیلے جائیں گے وہ وارث شاہ فقیر جیسے ہی ہوں گے۔

ہیر جان بحق تسلیم ہوئی سیالاں دفنا کے خط لکھایا ای
ولی غوث تے قُطب سبھ ختم ہوئے موت سچ ہے رب فرمایا ای
کُــلُّ شَــیْءٍ هَــالِکٌ" اِلَّا وَجْهَــــهٗ' حُکم وچ قرآن دے آیا ای
اساں صبر کیتا تُساں صبر کرنا ایہہ دُھروں ہی ہُندڑا آیا ای
اساں ہور اُمید سی ہور ہوئی خالی جائے اُمید فرمایا ای
ایہہ رضا قطعی نہ ٹلے ہرگز لِکھ آدمی ترت بھجایا ای
ایہہ رووناخبر کیہہ لیایا اے مُنّہ کاس تھوں بُرا بنایا ای
معزول ہویوں تخت زندگی تھوں فرمان تغیر دا آیا ای
میرے مال نوں خیر ہے قاصدا او آکھ کاسنوں ڈُسکنا لایا ای
تیرے مال نوں دھاڑوی اوہ پیا جس توں کسے نہ مال چھڈایا ای
ہیر موئی نوں اٹھواں پہر ہویا مینوں سیالاں نے اج بھجایا ای
وارث شاہ میاں گل ٹھیک جانیں تیتھے کوچ دا اُدّمی آیا ای

ہیر رضائے الٰہی تسلیم کرتے ہوئے انتقال کر گئی۔ سیالوں نے اُسے دفن کر کے خط کے ذریعے رانجھے کو پیغام بھجوایا۔ موت برحق ہے، ولی، غوث، قطب سب ختم ہوئے۔ یہی اللہ کا فرمان ہے۔ قرآنِ پاک میں لکھا ہے کہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی سوائے اس کے جس پر اللہ کی توجّہ

ہے۔ہم نے بھی صبر کرلیا ہے اب صبر سے کام لو یہی روزِ ازل سے ہوتا آیا ہے۔ ہمارا خیال تو کچھ اور تھا لیکن کچھ اور ہی ہوا۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اُمیدیں اکثر پوری نہیں ہوتیں، یہ موت کے بارے 'رضاے الٰہی' تو کبھی نہیں ٹلتی...... یہ سب کچھ خط میں لکھ کر اُنھوں نے فوراً اپنے آدمی کو رانجھے کی طرف روانہ کر دیا۔ پیغامبر، دھیدو کا ڈیرہ پوچھتے پچھاتے وہاں پہنچ گیا اور روتے ہوئے خط اُس کے حوالے کر دیا۔ یہ رونی صورت والا کیسی خبر لے کر آیا ہے اور اس نے براسامُنہ کیوں بنایا ہوا ہے؟ تمھیں زندگی کے تخت سے معزول کر دیا گیا ہے کیوں کہ تبدیلی کا حُکم آ گیا تھا۔ رانجھے نے پوچھا: اے قاصد میرا مال تو خیریت سے ہے نا؟ تو یہ سسکیاں کیوں بھر رہا ہے؟ قاصد نے کہا تیرے مال پر وہ ڈاکو پڑا ہے کہ جس سے کوئی مال واپس نہیں لے سکتا۔ ہیر کو مرے ہوئے آٹھ پہر گذر چکے ہیں لیکن سیالوں نے مجھے آج تمھاری طرف روانہ کیا ہے۔ وارث شاہ میاں اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ تیرے لیے بھی قاصد کوچ کا حُکم لے کر آ گیا ہے۔

رانجھے وانگ فرہاد دے آہ کڈھی جان گئی سُو ہو ہوا میاں
دوویں دار فنا تھیں گئے ثابت جا رُچے نیں دار بقا میاں
دوویں راہ مجاز دے رہے ثابت نال صدق دے گئے وہا میاں
وارث شاہ اس خواب سرایے اندر کئی واجڑے گئے وجا میاں

رانجھے نے فرہاد کی طرح آہ بھری اور اس کی جان بھی ہوا ہو گئی۔ دونوں اس "دارِفنا" سے اپنے ایمان پر ثابت قدم رُخصت ہو کر 'دارِ بقا' میں ایک دوسرے کے رنگ میں رنگے گئے۔ دونوں عشقِ مجاز کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہوئے پورے صدق کے ساتھ اپنا وقت گزار گئے۔ وارث شاہ اِس خواب سرائے (دُنیا) میں بے شمار لوگ آئے اور اپنی شان و شوکت کے ڈھول بجا کر چلے گئے۔

کئی بول گئے شاخ عمر دی تے ایتھے آلھنا کسے نہ پایا ای
کئی حُکم تے ظلم کما چلے نال کسے نہ ساتھ لدایا ای
وڈی عُمر آواز اولاد والا جس نوح طوفان منگایا ای
ایہہ روح قلبوت دا ذِکر سارا نال عقل دے میل ملایا ای
اگے ہیر نہ کسے نے کہی ایسی شعر بہُت مرغوب بنایا ای
وارث شاہ میاں لوکاں کملیاں نوں قصہ جوڑ ہشیار سنایا ای

اس زندگی کی شاخ پر کئی پرندے بیٹھے چہچہائے اور چلے گئے لیکن کوئی بھی اپنا مستقل آشیانہ نہیں بنا سکا۔ کئی ایسے تھے جن کی حکومتیں قائم ہوئیں ان کا حکم بھی چلا۔ اُنھوں نے ظلم بھی کیے لیکن ان میں سے کوئی کچھ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا۔ بڑی عمر اور کثیر اولاد والے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی بالآخر خدا سے دُعا کر کے خود طوفان مانگا تھا۔ یہ روح اور جسم کا سارا تذکرہ ہے جسے عقل کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اس سے پہلے کسی نے ایسی ہیر نہیں لکھی اور نہ ہی ایسی رغبت والے کِسی نے شعر کہے۔ وارث شاہ بے سمجھ لوگوں کو ہشیاری کے ساتھ یہ قصہ جوڑ کر سنایا گیا ہے۔

ہیر روح تے چاک قلبوت جانو بالناتھ ایہہ پیر بنایا ای
پنج پیر حواس ایہہ پنج تیرے جہناں تھاپنا تُدھ نوں لایا ای
قاضی حق جھبیل نیں عمل تیرے عیال منکر نکیر ٹھہرایا ای
کوٹھا گور عزرائیل ہے ایہہ کھیڑا جہڑا لیندو ہی روح نوں دھایا ای
کیدو لنگا شیطان ملعون جانو جس نے وچ دیوان پھڑایا ای
سیاں ہیر دیاں رن گھر بار تیرا جہناں نال پیوند بنایا ای
وانگ ہیر دے بنھ لے جان تینوں کسے نال نہ ساتھ لدایا ای
جہڑا بولدا ناطقہ ونجھلی ہے جس ہوش دا راگ سنایا ای
سہتی موت تے جسم ہے یار رانجھا انہاں دوہاں نے بھیڑ مچایا ای
شہوت بھابی تے بھکھ رنبل باندی جہناں جنتوں مار کڈھایا ای
جوگی ہے عورت کن پاڑ جس نے سبھ انگ بھبُوت رمایا ای
دُنیا جان ایویں جویں جھنگ پیکے گور کالڑا باغ بنایا ای
ترنجن ایہہ بدعملیاں تیریاں نیں کڈھ قبر تھیں دوزخے پایا ای
اوہ میت ہے ماؤں دا شکم بندے جس وچ شب روز لنگھایا ای
عدلی راجا ایہہ نیک نیں عمل تیرے جس ہیر ایمان دوایا ای
وارث شاہ میاں بیڑی پار تیری کلمہ پاک زبان تے آیا ای

ہیر کو روح اور چاک کو جسم سمجھا جائے۔ بالناتھ وہ خالق ہے جس نے یہ پیر بنایا ہے۔ پانچوں پیر، تمھارے پانچوں حواس ہیں جو تمھاری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ قاضی حق کی علامت اور ملاح

تمھارے اعمال ہیں جب کہ عیال تمھارے کاندھوں پر سوار منکر اور نکیر ہیں۔ کوٹھا، قبر اور کھیڑا عزرائیل ہے جو روح کو لیتے ہی چلتا بنا تھا۔ کیدو لنگڑا شیطان ملعون سمجھو جس نے بھری محفل میں پکڑ وادیا تھا۔ ہیر کی سہیلیاں دراصل تمھارا گھربار اور اہل وعیال ہیں جن کا تمھارے ساتھ پیوند لگایا گیا ہے۔ تجھے ہیر کی طرح زبردستی باندھ کر لے جائیں گے اور کوئی تمھارا ساتھ نہیں نبھائے گا اور یہ جو تمھارے اندر بول رہا ہے وہ بانسری ہے جس نے تمھیں ہوش کا راگ سنایا تھا۔ سہتی موت اور جسم رانجھا یار ہے جن کی وجہ سے یہ سارا ہنگامہ برپا ہے۔ بھابی، شہوت اور بھوک رانجھا یار ہے جن کی وَجہ سے یہ سارا ہنگامہ برپا ہے۔ بھابی، شہوت اور بھوک رابیل باندی ہے جنھوں نے آدم کو جنت سے نکلوایا جوگی عورت کی علامت ہے جس نے کان پڑوا کر تمھارے وجود کو خاک میں مِلا دیا ہے۔ اس دنیا کو مائکہ کی طرح جان اور کالے باغ کو قبر کے مانند سمجھ...... ترنجن تمھارے وہ بُرے اعمال ہیں جو تمھیں قبر سے سیدھے دوزخ میں پہنچائیں گے۔ ماں کا شکم وہ مسجد ہے جس میں تُو دِن رات گزارتا ہے۔ عدلی راجا تیرے وہ نیک اعمال ہیں جنھوں نے ہیر کے روپ میں تجھے ایمان سے سرفراز کِیا ہے۔ وارث شاہ تمھاری زبان پر کلمۂ توحید ہے اِس لیے تمھاری کشتی کنارے لگ جائے گی۔

-☆-

میاں محمد بخش

بابا فرید گنج شکر سے شروع ہونے والی ''صوفی روایت'' کے آخری شاعر ہونے کا اعزاز میاں محمد بخش کو حاصل ہے اگرچہ اُنھوں نے اور بھی بہُت کچھ تحریر کِیا لیکن اُن کا قصّہ ''سیف الملوک''، جس کو اُنھوں نے ''سفرالعشق'' کا نام دیا تھا بہُت زیادہ مقبول ہوا اور وہی اُن کی پہچان بھی بنا۔

یہ اَمر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ...... پنجاب کی شعری روایت میں یا تو گیتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جس میں بولیاں، ٹپے، ماہیے بھی شامل ہیں یا پھر ''قصہ گوئی''...... جب کہ ''قصہ گوئی'' کی مقبولیت کی ایک وَجہ یہ بھی ہے کہ اس میں کہانی کے ساتھ سماجی مسائل کے ساتھ اور بھی بہُت کچھ پر رائے زنی کے مواقع موجود ہوتے ہیں یہی وہ پس منظر ہے جس میں ہیر رانجھا کی رومانی داستان کو ''دمودر'' مقبل اور وارث شاہ نے بھی تحریر کِیا جب کہ اس کہانی کو اور بھی اہم ترین شاعروں نے ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی لیکن یہ الگ بات کہ وارث شاہ جیسی مقبولیت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔

قصۂ سیف الملوک بھی اس سے پہلے مختلف زبانوں میں تحریر ہوا لیکن میاں محمد بخش نے اس کو پنجابی زبان میں لکھ کر پنجاب کے عوام کے سامنے پیش کِیا۔ دلچسپ اور تلخ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کہانی کا تمام پس منظر ''مصری متھالوجی'' سے ہے اور اس میں جنوں اور پریوں کے آپسی تعلقات، تنازعات اور جنگوں کے ساتھ ایک ''آدم زاد'' کی ایک ''پری'' سے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ آدم زاد کا جنات اور پریوں کی سرزمین کا یہ ''سفرنامہ'' منفرد اور انوکھی داستان ہے۔ جو پنجاب کے عوام میں بطور داستان وہ مقبولیت حاصل نہیں کر سکی کیوں کہ اس کا پنجاب کی تہذیب

ثقافت اور روایات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اِس بات میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ میاں محمد بخش نے زبان و بیان کے ساتھ جس طرح ثقافتی روایات کو اِس داستان سے ہم آہنگ کیا ہے وہ بلا شُبہ لائقِ تحسین ہے...... یہ اَمر بھی قابلِ توجّہ ہے کہ یہ کہانی ہیر رانجھا، مرزا صاحباں اور سسی پنوں کی طرح تو زبان زدِ عام نہیں ہو سکی لیکن میاں صاحب نے جہاں بھی عقل و دانش کے موتی بکھیرے ہیں یا پھر جہاں کہیں بھی انسانی نفسیات کو ''عوامی زبان'' میں بیان کیا ہے وہ لوگوں کو ازبر ہو گیا ہے۔

میاں محمد بخش کا...... اس قصہ گوئی میں تخلیقی جوہر جس کمال پر نظر آتا ہے وہ بڑے سے بڑے شاعروں میں بھی کم کم ہی نظر آتا ہے یہ امر بھی مصدقہ ہے کہ میاں محمد بخش کا ''صوفی ورثہ'' بھی وجودی تھا اور وہ وحدت الوجود ہی کے قائل تھے جس میں توحید کو ہر چیز پر برتری و فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ وحدت الوجود کا یہ نظریہ درحقیقت ایرانی اور ہندی شاعری کا وہ ورثہ ہے جو ہمارے صوفیہ سے ہوتا ہوا میاں محمد بخش تک بھی آیا ہے لیکن اِس بات میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ میاں محمد بخش نے جس طرح تصوف کے مختلف مقامات کو اپنے بیان کا حصہ بنایا ہے اور جس کو وسیع و فصیح انداز میں عمومی اذہان کے لیے قابل قبول بنایا ہے اس سے پہلے صوفیہ نے ایسا نہیں کیا...... یہ میاں صاحب کا ہی کمال ہے کہ اُنھوں نے سلوک کی منزل میں مقامِ حیرت اور مقامِ فقر کی تفصیل بیان کی ہے۔

ایک نقطہء نظر تو یہ بھی ہے کہ...... اُن کے گلے پر گلھڑ تھا جس کو اُنھوں نے اپنی ڈاڑھی میں چھپایا ہوا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ''ظاہری عیب'' کے باعث اُن کی منگنی بھی ٹوٹ گئی تھی جس کے بعد اُنھوں نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ لیکن اس حادثہ نے اُنھیں ایک طرف تو دُنیا اور دُنیا سے بے نیاز کر دیا تو دوسری طرف اُنھیں درد و سوز کی وہ دولت بھی عطا کی جو اُن کی شاعری کی میراث بن گئے لیکن اس کے ساتھ ہی اُنھیں وہ استغنٰی بھی حاصل ہوا جس نے اُنھیں صوفیانہ روش پر چلنے کی قوت اور طاقت بھی عطا کی اور یہی استغنٰی عشقِ حقیقی اور عشقِ نبی کا اہم ترین ذریعہ ثابت ہوا۔

میاں محمد بخش...... 1830ء کو میاں شمس الدین قادری کے گھر چک ٹھاکرہ میرپور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے اور 1904ء میں کھڑی شریف میرپور میں اُن کا انتقال ہوا اُن کے والد حضرت پیرے شاہ قلندر کے مزار کے گدی نشین تھے۔ میاں صاحب نے بھی ہمارے دیگر صوفیہ کی طرح

ابتدائی تعلیم اپنے گھر سے ہی حاصل کی اس طرح اُنھیں عربی، فارسی، فقہ حدیث اور تفسیر کا علم ورثہ میں حاصل ہوا تھا اُنھوں نے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد حضرت غلام محمد کی بیعت کی اور تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے۔ اُنھوں نے نفس کی پاکیزگی کے لیے بڑے بڑے اور سخت مجاہدے کیے حضرت پیرے شاہ المعروف دمڑی والی سرکار کے مزار کے ساتھ ہی حضرت میاں محمد بخش کے نام سے مشہور ''حجرے'' آج بھی موجود ہیں جنھیں یادگار کے طور پر محفوظ کِیا گیا ہے اُنھوں نے قصہ سیف الملوک کے علاوہ اور بھی بہُت سے قصے لکھے ہیں جن میں سخی خواص خان، مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد اور قصہ شیخ صنعان، قصہ شاہ منصور بھی شامل ہیں۔ اُنھوں نے فارسی مثنوی ''نیرنگ عشق'' کا پنجابی زبان میں منظوم ترجمہ بھی کِیا لیکن...... جیسا کہ ہم نے اُوپر لکھا ہے کہ جو مقبولیت اور پذیرائی اُنھیں سیف الملوک سے حاصل ہوئی کسی اور تحریر سے نہیں ملی۔

ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کے مطابق:

میاں صاحب کا اصل مقصد محض داستان گوئی نہیں تھا وہ اپنے اندر موجود فقر و درویشی کے آباد جہان کو لوگوں کے سامنے لانا چاہتے تھے اُنھوں نے قصے میں موجود کرداروں کو بھی اپنے سوچ کا نمایندہ بنا کر پیش کِیا ہے یہی وَجہ ہے کہ قصہ بیان کرتے ہوئے وہ اکثر مقامات پر داستان سے علیحدہ ہو کر پند و نصائح کا سلسلہ شروع کر لیتے ہیں اور جب انھیں قصہ سے دُوری کا احساس ہوتا ہے تو فوراً واپس پلٹ آتے ہیں...... اُن کی یہ باتیں اگر ایک جگہ جمع کر لی جائیں تو ایک اور علیحدہ دیوان بن سکتا ہے......

لیکن حقیقت یہی ہے کہ اُن کی یہ باتیں ہی اُنھیں علیحدہ اور منفرد مقام پر کھڑا کرتی ہیں۔

میاں محمد بخش کی پیدائش 1830ء میں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب پر رنجیت سنگھ کا حکم چلتا تھا۔ جو 1849ء میں اُن کے بیٹے کے ساتھ انگریز سرکار کے معاہدے پر ختم ہوا۔ لیکن...... اس کے نتیجہ میں پنجاب پر بھی انگریزی راج قائم ہو گیا تو ادھر کشمیر کی طرف بھی پیش رفت ہو چکی تھی...... مگر 1857ء میں جنگ آزادی اور اُس کے بعد کے سیاسی اور معاشرتی حالات بھی میاں محمد بخش کے سامنے تھے جن سے اُن کا متاثر ہونا بھی ایک فطری عمل تھا۔ قصہ سیف الملوک 1863ء میں نظم ہوا۔ چناں چہ اس میں بھی آزادی کی تڑپ اور خواہش کا نمایاں ہونا اُس

وقت کے حالات کا عکاس ہے۔

دوسری طرف...... 1857ء سے 1904ء تک، جب تک میاں محمد بخش بقیدِ حیات رہے۔ کشمیر میں بھی مختلف سماجی اور سیاسی تحریکوں نے جنم لیا اور اس میں سیکڑوں لوگوں نے جانیں قربان کیں ان سب کا خود میاں صاحب نے نہ صرف گہرا مشاہدہ کیا بل کہ ان کے اثرات بھی قبول کیے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں ڈاکٹر اسلم رانا مرحوم نے لکھا تھا کہ:

ہو سکتا ہے کہ میاں صاحب نے بھی ''سیف الملوک'' کے کردار کو آزادی کی علامت کے طور پر اور بدیع الجمال کو منزل کی علامت بنایا ہو۔

حرفِ آخر ...... بابا فرید سے لے کر میاں محمد بخش تک کی صوفی شاعری پر غور کیا جائے تو جہاں ''صوفی ازم'' کی ترویج اور انسانیت کی سربلندی کا عُنصُر نمایاں ملتا ہے وہاں اخلاقیات کی ایک وسیع اور جاندار تحریک بھی سامنے آتی ہے جس کا بنیادی مقصد ایک ایسے معاشرے کی تخلیق ہے جس میں انسان ''روحانی قوت'' کا بھرپور نمایندہ بھی ہو اور وہ معاشرتی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دے رہا ہو۔

کون کہے نا جنس اونہاں نوں اکسے ماں پیو جائے
اکو ذات انہاں دی توڑوں اُتوں رنگ وٹائے
اک کالے اک سبز کبوتر اک چٹے بن آئے
چٹے کالے ملن محمد نہ رَل بہن پیرائے

-☆-

منتخب کلام (میاں محمد بخش)

حمد

رحمت دا مینہ پا خدایا، باغ سُکا کر ہریا
بوٹا آس اُمید میری دا کر دے میوے بھریا

اے خدا اپنی رحمت کی بارش کرا اور میرے سُوکھے ہوئے گلستان کو سرسبز و شاداب کر دے۔ میرے شجرِ اُمید کو پھل پھول سے بھر دے۔

مِٹھا میوہ بخش اجیہا قدرت دی گھت شیری
جو کھاوے روگ اُس دا جاوے دُور ہووے دِلگیری

مجھے...... ایسا میٹھا پھل عطا کر، جس میں تیری قدرت کی مٹھاس شامل ہو۔ اُسے جو بھی کھائے اُس کا ہر مرض دُور ہو اور وہ ہمیشہ کے لیے دِلگیری سے چھوٹ جائے۔

سدا بہار دئیں اس باغے کدے خزاں نہ آوے
ہوون فیض ہزاراں تائیں ہر بھُکھا پھل کھاوے

اِس گلستان کو ہمیشہ بہاروں سے ہی نوازے رکھنا۔ اس میں کبھی خزاں نہ آئے۔ اس سے ہزاروں کو فیض حاصل ہو اور ہر بھُوکا شخص اس کے پھل سے سیر شکم ہو۔

بال چراغ عشق دا میرا روشن کر دے سینہ
دِل دے دیوے دی رُشنائی جاوے وِچ زمیناں

عشق کا چراغ جلا کر میرے سینے کو اس کے نور سے روشن کر دے۔ میرے دِل میں روشن ہونے والے اس چراغ کی روشنی دُور دُور تک پھیل جائے۔

مَر مَر اک بناون شیشہ مار وَٹّا اک بھَن دے
دُنیا اُتے تھوڑے رہندے قدر شناس سخن دے

کچھ تو بڑی جدوجہد اور جتن سے شیشہ بناتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو صرف ایک پتھر سے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں...... اِس دُنیا میں اچھے کلام کے قدر شناس کم کم ہی ہوتے ہیں۔

اوّل تے کجھ شوق نہ کسے، کون سخن اج سُندا
جے سُنسی تاں قصہ اُتلا کوئی نہ رمزاں پُندا

اوّل تو آج کل کِسی کو اچھے کلام کا شوق ہی نہیں رہا۔ کوئی سُنتا ہی نہیں۔ اگر کوئی سُنے گا بھی تو سطحی طور پر، اس میں موجود رمز و کنایہ کی گہرائی تک کوئی کوئی ہی جائے گا۔

اوّل حمد ثنا الٰہی جو مالک ہَر ہَر دا
اس دا نام چتارن والا کسے میدان نہ ہردا

سب سے پہلے تو اُس خدا کی تعریف کرنی چاہیے جو اس کائنات میں موجود ہر شے کا مالک ہے اس کے نام کا وِرد کرنے والا کسی بھی میدان میں شکست نہیں کھاتا۔

کام تمام میسر ہوندے نام اوہدا چِت دھریاں
رحموں سکے ساوے کردا قہروں ساڑے ہریاں

اُس کے نام پر توجُہ مرکوز رکھنے سے تمام مشکل کام بھی مُکمّل ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ خدا، اپنی رحمت سے سُوکھے ہوئے ہرے بھرے کر دیتا ہے اور اپنے غضب سے ہرے بھروں کو جلا کر راکھ بھی کر دیتا ہے۔

قدرت تھیں جس باغ بنائے، جگ سنسار تمامی
رنگ برنگے بُوٹے لائے کجھ خاصی کجھ عامی

جس نے اپنی قدرت سے یہ گلستان یہ دُنیا اور یہ تمام کائنات بنائی۔ اور پھر اُس میں انواع واقسام کے گُل بُوٹے لگائے، جن میں کچھ خاص ہیں تو کچھ عام۔

اِکناں دے پھَل مِٹھے کیتے پت اونہاں دے کوڑے
اکناں دے پھُل کاری آون نفعے پھُلاندے تھوڑے

کچھ تو وہ ہیں جن کے پھَل میٹھے اور پتے کڑوے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کے پھُول بہُت کام

آتے ہیں لیکن اُن کے پھل زیادہ سُودمند نہیں ہوتے۔

ایس عجائب باغے اندر آدم دا رُکھ لایا
معرفت دا میوہ دے کے واہ پھلدار بنایا

اِس عجیب وغریب باغ میں ایک درخت آدم کا بھی لگایا گیا جس کو معرفت کا پھل دے کر خوب پھلدار بنایا۔

رحمت دا جد پانی لگا، تاں ہویا ایہہ ہریا
ہَر ہَر ڈالی نے پھَل پایا، سِر دھرتی جد دھریا

اِس درخت کو جب اُس کی رحمت کا پانی ملا، تو یہ سرسبز ہو گیا۔ اور جب اس کا سر تعظیم میں جھک کر زمین سے لگا تو اس کی ہر شاخ پھَل سے بھر گئی۔

واہ واہ خالق سِر جنہارا، مَلکاں جن انساناں
اربع عناصر تھیں جس کیتا گونا گون حیواناں

اُس انسانوں اور فرشتوں کو پیدا کرنے والے خالق کی کیا شان ہے۔ جس نے اربع عناصر سے گونا گوں جانداروں کو پیدا کِیا۔

جُون ہزار اٹھاراں اُس نے دُنیا وِچ بنائی
صُورت سیرت تے خاصیت وکھو وکھری پائی

اُس نے اٹھارہ ہزار سے زائد مخلوقات کو اِس دُنیا میں پیدا کِیا اور، ہر کِسی کی شکل وصورت، سیرت اور کردار علیحدہ علیحدہ بنایا۔

جو جو رِزق کسے دا کیتوس لکھیا کدے نہ ٹالے
لکھ کروڑ تکّے بُرِیائیاں پھِر وی اوویں پالے

اُس نے جو بھی جس کا رِزق اُس کے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ ہر صورت میں فراہم کرتا ہے وہ انسان کی لاکھوں کروڑوں برائیاں دیکھ کر بھی اُسے اسی طرح پالتا ہے۔

آدم تھیں لے اس دم توڑی لاکھ ہوئے مَر مٹّی
صورت جدا جدا سبھس دی علم اوہدے وِچ مٹّی

حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک لاکھوں انسان، موت کا شکار ہو کر مٹی کی نذر ہو چکے

ہیں جن میں ہر ایک کی شکل وصورت جدا جدا تھی...... جو سب اُس کا علم حاصل کرتے فنا ہو گئے (مگر اس کا بھید نہیں پا سکے)۔

اکو فرش زمین دا سارا اکو مینہہ تراوت
بُوٹے رُکھ زمین پر جتنے سبھناں وِچ تفاوت

تمام زمین کا فرش ایک ہی ہے۔ اور اُس پر ایک ہی طرح کی بارش ہوتی ہے۔ اُس کی تراوت بھی ایک جیسی ہے لیکن اِس بارش کے طفیل زمین سے جو پودے نمودار ہوتے ہیں وہ سب علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

صنعت دا کجھ انت نہ لبھدا نظر کرو جس جائی
دھن اوہ قادر سر جہارا جس سبھ چیز بنائی

جس طرف بھی نظر کریں اُسی کی کاریگری نظر آتی ہے اس کی مصنوعات کا کوئی شمار نہیں۔ وہ بنانے والا بھی کیا خوب ہے، جس نے یہ ہر چیز بنائی ہے۔

بادشاہاں تھیں بھیک منگاوے تخت بہاوے گھاہی
کجھ پروا نہیں گھر اُس دے دائم بے پرواہی

وہ مالک اگر چاہے تو،...... بادشاہوں کو بھیک مانگنے پر مجبور کر دے اور گھیساروں کو تخت پر بٹھاوے۔ اس کے ہاں کوئی پروا نہیں۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی بے پرواہ ہے۔

ہر دَر توں درکارن ہوندا جو اس دَر توں مُڑیا
اوسے دا اُس شان ودھایا جو اُس پاسے اُڑیا

جو اُس دَر سے ناکام لوٹا دیا گیا وہ ہر دَر سے دُھتکار دیا جاتا ہے لیکن جو اُس کی طرف وابستہ ہو جاتے ہیں اُن کی وہ شان بڑھا دیتا ہے۔

عیب میرے پر پلا دیندا ہُنر کریندا ظاہر
جدوں کرم دا واڑا کردا کوئی نہ رہندا باہر

وہ میرے عیبوں کی پردہ پوشی اور میری خوبیوں کو نمایاں کرتا ہے۔ جب وہ اپنے کرم کا حصار بناتا ہے تو پھر اُس سے کوئی باہر نہیں رہتا۔

سیپاں اندر موتی کردا رکھ کے قطرہ پانی

شکلاں وچوں باہر آئے صورت بی بی رانی

وہ سیپیوں میں ایک قطرہ پانی ڈال کر اُسے موتی بنا دیتا ہے اور ''رحمِ مادر'' سے کیا کیا حسین صورتیں باہر لاتا ہے۔

کناں باجھوں سُننے والا تکدا ہے بن نیناں
باجھ زبان کلام کریندا نہ اُس بھائی بھیناں

اُس کے کان نہیں مگر سب کچھ سُنتا ہے اس کی آنکھیں نہیں مگر وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس کی زبان نہیں مگر وہ بولتا ہے؟...... اُس کا کوئی بہن بھائی نہیں۔

نعت

واہ کریم اُمت دا والی مہر شفاعت کردا
جبرائیل جہے جس چاکر نبیاں دا سِر کردا

اس کریم کی کیا شان ہے، جو اُمت کا والی ہے اور روزِ قیامت شفاعت کرنے والا ہے۔ جبرائیل جیسے اُس کے خادم ہیں اور وہ خود تمام انبیا کا سردار ہے۔

جے لکھ واری عطر گلابوں دھوئیے نِت زباناں
نام انہاں دے لائق ناہیں کیہ قلمے دا کاناں

اگر زبان کو لاکھ بار عطرِ گلاب سے بھی دھویا جائے تو یہ زبان اُن کا نام لینے کے قابل نہیں ہوتی۔ تو پھر سرکنڈے کے ایک قلم کی بھلا کیا حیثیت ہے!

نال اشارت ٹکڑے کیتا، جس نے چن اسمانی
سُک روڑاں تھیں جس پڑھایا کلمہ ذِکر زبانی

جس نے اُنگلی کے ایک اشارے سے آسمان پر چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اور سوکھے اور خشک کنکروں سے کلمہ طیبہ کا وِرد کروایا تھا۔

صدر نشین دیوان حشر دا افسر وِچ اماماں
کُل نبی محتاج اُنہاں دے نفراں وانگ غلاماں

وہ روزِ حشر صاحبِ صدارت ہوں گے۔ وہ ہی اماموں کے سردار ہیں۔ تمام انبیا اُن کے محتاج اور اُن کے سامنے غلاموں کی طرح ہیں۔

سبھو نور اوسے دے نوروں اُس دا نور حضوروں
اُس نوں تخت عرش دا ملیا مُوسیٰ نوں کوہ طوروں

کائنات میں موجود سب نور انھی کے نور سے سامنے آیا ہے جب کہ اُن کا نور خدا کے خاص نور سے ظاہر ہوا۔ انھی کو ہی عرشِ مُعلّٰی کا تخت نصیب ہوا جب کہ حضرت موسیٰ تو کوہِ طور پر ہی رہ گئے تھے۔

نور محمدؐ روشن آہا آدم جدوں نہ ہویا
اوّل آخر دوہیں پاسے اوہو مَل کھلویا

جب حضرت آدم بھی نہیں تھے محمدؐ کا نور اُس وقت بھی چمک رہا تھا۔ اوّل و آخر، ہر دو اطراف اُسی کے زیرِ نگیں تھے۔

حُسن بازار اوہدے سَے یوسف بَرّے ہو وِکاندے
ذوالقرنین سلیمان جیہے خدمتگار کہاندے

اُس کے حسن کے بازار میں سیکڑوں یوسف غلام بن کر بِک جاتے ہیں ذوالقرنین اور سلیمان جیسے پیغمبر بھی ان کے خدمتگار کہلاتے فخر محسوس کرتے ہیں۔

موسیٰ خضر نقیب انہاندے اگے بھجن راہی
اوہ سلطان محمدؐ والی مُرسل ہور سپاہی

حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام نقیب بن کر اُن کے آگے آگے چلتے ہیں جب کہ وہ محمدؐ تو سلطان ہیں اور دیگر رسول اُن کے سپاہی ہیں۔

ہویا سوار براقے اُتے اوہ سلطان عرب دا
چائی واگ محبت والی ، مُڑیا راہ طلب دا

وہ عرب کا سلطان براق پر سوار ہوا۔ اس نے محبت سے باگیں سنبھال لیں اور طلب کی راہ پر چل پڑا۔

سے سنگار کیتے سب حوراں منگل گاون کھلیاں
اج جنجاں دا لاڑا آیا مَل مَل رکھو گلیاں

تمام حوریں سو سو سنگار کر کے خوشی کے استقبالیہ گیت گا رہی تھیں آج بارات کا وہ دُولھا آ رہا ہے۔ ہر گلی ہر کوچے پر نگاہ رکھو۔

اسریٰ دا سرگشت سرے تے افسر سی لولاکی
طٰہٰ تے یٰسین پھلاں دا سہرا شرم تے پاکی

ان کے سر پر آیتۂ ''اسریٰ'' بار تھا اور وہ لولاک کا تاج پہنے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے طٰہٰ اور یٰسین کے پھولوں کا سہرا بھی سجایا ہوا تھا اُن کے چہرے سے تقدس اور پاکیزگی چھلک رہی تھی۔

سب کسے تھیں گئے اگیرے چاٗ چاٗ پردے نُوری
قاب قوسین او ادنٰی تائیں پایا شان حضوری

نوری پردے ہٹاتے ہوئے وہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور پھر اُنھیں ''قَـــابَ قَوْسَین'' کی قربت والی شانِ حضوری حاصل ہوئی۔

کیہ کجھ نعت تُساڈی آکھاں خلقت دے سردارا
لکھ صلوٰۃ سلام تیرے تے لکھ درود ہزارا

اے تمام خلقت کے سردار! مَیں بھلا تمھاری نعت کیسے کہہ سکتا ہوں۔ تم پر لاکھوں صلوٰۃ و سلام اور ہزاروں لاکھوں درود ہوں۔

منقبت

واہ وا میراں شاہ شہاں دا سیّد دوہیں جہانی
غوث الاعظم پیر پیراں دا ہے محبوب ربانی

سبحان اللہ! وہ بادشاہوں کے بادشاہ میراں، دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ جو غوث الاعظم، پیروں کے پیر اور اللہ کے محبوب ہیں۔

آل نبی اولاد علی ورگی سیرت شکل اُنہاندی
نام لیاں لکھ پاپ نہ رہندے میل اندر دی جاندی

وہ نبیؐ کی آل اور علیؓ کی اولاد ہیں شکل و سیرت بھی انھی کی ہے ان کا نام لینے سے ہی لاکھوں گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور اندر کی مَیل دُور ہو جاتی ہے۔

غوثاں قطباں دے سر میراں قدم مبارک دھریا
جو دربار انہاندے آیا خالی بھانڈا بھریا

آپ نے غوثوں اور قطبوں کے سر پر اپنا پاؤں رکھا۔ (بڑھ کر فضیلت پائی) جو بھی آپ کے

دربار میں حاضر ہوا اس کا خالی کاسہ بھر دیا گیا۔

مَیں پاپی شرمندہ جھوٹھا ، بھریا نال گناہاں
ہکو آس تساڈے دَر دی نہ کوئی ہور پناہاں

مَیں پاپی، شرمندہ، اور جھوٹا ہوں۔ میرا دامن گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ اب مجھے صرف آپ ہی کے دَر سے اُمید ہے میری کوئی اور پناہ نہیں۔

چوراں نوں توں قطب بنایا مَیں بھی چور اچکّا
جس در جاواں دھکّے کھاواں ہِک تیرا در تکّا

آپ چوروں کو قطب بنا دیتے ہیں مَیں بھی تو چور اچکّا ہی ہوں۔ مَیں جس دروازے پر دستک دیتا ہوں وہاں سے دھکّے دے کر نکال دیا جاتا ہوں۔ مجھے اب صرف آپ ہی کے دَر سے اُمید ہے۔

مت کوئی سخن ان بھانا نکلے عاجز مفت مریواں
رکھو قدم میرے سر حضرت سدا سکھالا تھیواں

ڈرتا ہوں کہیں کوئی ناپسندیدہ لفظ نہ مُنہ سے نکل جائے اور مَیں مسکین مفت میں مارا جاؤں حضرت آپ میرے سر پر قدموں کا سایہ رکھیں تو مَیں ہمیشہ کے لیے سکھی ہو جاؤں۔

قصّہ سیف الملوک

روئے زمیں تے دیس عجائب ہور نہیں اُس جیہا
پریاں دا اوہ ملک قدیمی آدم کدی نہ رہیا

اس زمین پر ایک ایسا عجیب وغریب ملک بھی ہے اس جیسا کوئی اور نہیں، وہ پریوں کا قدیمی ملک ہے اس میں کبھی کوئی آدم زاد نہیں رہا۔

شاہ شاہپال اوتھے کوئی ہویا افسر بادشاہاندا
نبی سلیمان جہدی جائے رہیا راج کماندا

وہاں ایک شاہ شاہپال نام کا بادشاہوں کا بادشاہ بھی تھا جو نبی سلیمان کی جگہ اُس پر حکومت کرتا تھا۔

اُس گھر اندر بیٹی ہوئی جو بن دے رنگ رنگی

جے لکھ صفت زبان کہیے، فیر وی اُس تھیں چنگی

اس کے گھر میں ایک بیٹی تھی جو خوب صورتی اور شباب کا مرقع تھی اُس کی زبان سے جتنی بھی تعریف کی جائے تو وہ اس سے بھی زیادہ خوب صورت تھی۔

رُوپ اوہدے پر عاشق ہویا ملک سلطان مصر دا

راج حکومت چھوڑ ملک دی چایوس پندھ سفر دا

اس کے رُوپ کی چرچا سُن کر ہی وہ مصر کا بادشاہ اُس پر عاشق ہو گیا اور ملک کا راج حکومت چھوڑ کر اُس کی تلاش میں سفر پر روانہ ہو گیا۔

رنج مصیبت ، دَکھ قضیئے جھاگ بلا قہاری

اوڑک ونج سجن نوں ملیا ہوئی دوہاندی یاری

وہ رنج و مصیبت، دُکھ اور مشکلات برداشت کرتا زبردست بلاؤں کا مقابلہ کرتا بالآخر محبوب سے جاملا اور ان دونوں میں پیار ہو گیا۔

سیف الملوک اوہدا سی ناواں شاہ عاصم دا جایا

لے کے نال پری نوں آیا، تاں مُڑ راج کمایا

اُس کا نام سیف الملوک تھا اور وہ شاہ عاصم کا بیٹا تھا۔ وہ پری کو اپنے ساتھ لے کر آیا اور پھر اُس نے اپنے ملک پر حکومت بھی کی۔

ایسا شوق پیا دِل شاہے بھُل گئیاں سب کاراں

اٹھے پہر ایہو دِل خواہش ذِکر ایہو وِچ یاراں

بادشاہ کے دِل میں اس کہانی سے ایسا شوق پیدا ہوا کہ وہ دوسرے تمام کام کاج بھُول گیا اُس کے دِل میں صبح و شام یہی خواہش رہتی اور وہ اپنے دوستوں سے بھی بس اسی کا تذکرہ کرتا رہتا۔

یارو سیف ملوک جنے دا قصہ عجب نیارا

اوّل تھیں لے آخر توڑی آکھ سُناؤ سارا

دوستو! سیف الملوک کا قصہ بھی بہت عجیب اور انوکھا ہے وہ مجھے شروع سے لے کر آخر تک تمام سناؤ۔

ولی اللہ دے بھانڈا تک کے پاؤندے خیر حضوروں

جیہڑا پاک غروروں خالی سو پُر کردے نوروں

اللہ کے ولی انسان کا ظرف دیکھ کر اپنی طرف سے خیرات ضرور ڈالتے ہیں، جو غرور و تکبر سے خالی اور پاک ہوتا ہے وہ اُسے خدا کے نور سے بھر دیتے ہیں۔

آہو ہمت مرداں والی ایہو کم کریندی

مرداں دے دَر ڈھیندے ناہیں شامت تد مریندی

ہاں مردوں کی ہمت ہی ایسے کارنامے انجام دیتی ہے لیکن وہ جو زندہ لوگوں کے در پر نہیں جھکتے بد نصیبی اُنھیں موت کے حوالے کر دیتی ہے۔

مَرد ملے تاں دَر نہ چھوڑے اوگن دے گُن کردا

کامل لوک محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

اگر ایسا کوئی انسان مِل جائے تو وہ دِل میں کوئی درد نہیں چھوڑتا وہ بے ہُنری کو بھی ہُنر بنا دیتا ہے اے محمد بخش! کامل مرد تو پتھر کو بھی موتی بنا دیتے ہیں۔

ہوندے بند خلاص شتابی مَرد پون جد ضامن

دھن نصیب اوہدے جس پھڑیا مرداں سندا دامن

جب ''مردِ کامل'' ضامن بن جاتا ہے تو فوراً تمام دُکھ درد دُور ہو جاتے ہیں۔ وہ خوش نصیب ہیں جنھوں نے ایسے مرد کا دامن پکڑ رکھا ہے۔

زبدۃ الجوابے اندر لکھی ایہہ کہانی

پر عاماں وِچ پڑھنی ناہیں ایہو رسم پرانی

زبدۃ الجواب نامی کتاب میں کہانی لکھی ہوئی ہے مگر یہ عام لوگوں میں نہیں پڑھی جاتی ہے یہی ہماری قدیم رسم ہے۔

ماہ رمضان مبارک اندر کارن دِل پرچائی

دوتن خاص اسی رَل بہندے پڑھدے نال ادائی

رمضان المبارک کے مہینے ہم چند خاص لوگ مِل کر دل کو بہلانے کے لیے اسے خوش الحانی اور محبت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ہر اک شاہ اساڈا وڈکا ایویں کردا آیا

پر ایہہ قصّہ ظاہر کرنا منع اُنہاں فرمایا

ہمارے آباو اجداد میں تمام بادشاہ ایسے ہی کرتے آئے ہیں۔ لیکن یہ قصّہ ہر کِسی نے کِسی اورکو بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دے دولت وڈیائی خلعت ایہہ صلاح پکائے

جاں رمضان مبارک اندر شاہ کتاب سُنائے

اُس نے دولت اور خلعت سے نوازکران کی عزت افزائی کی۔ اور پھر یہ منصوبہ بنایا کہ جب رمضان المبارک میں بادشاہ کتاب سُنائے گا۔

تُساں دوہاں چھپ بہنا چوری خاطر ایسے گل دی

قصّہ سیف ملوکے والا لکھ لینا کر جلدی

تم دونوں نے چھپ کر صرف اِس لیے بیٹھ جانا ہے کہ سیف الملوک کا قصّہ جلد از جلد لکھ لیا جائے۔

جاں سلطان دمشق شہر دا پڑھن لگا ایہہ قصّہ

سُن سُن کنبے رُکھ چمن دے لے حالت دا حصہ

جب دمشق کے سلطان نے یہ قصّہ بیان کرنا شروع کِیا تو حالات وواقعات سُن کر باغوں کے درخت بھی کانپنے لگے۔

جاں قصّہ لکھوا حسن نے قابو کیتا چوری

رفعت لین گیا درباروں فوج وطن نوں ٹوری

جب حسن نے یہ تمام قصّہ لکھوالیا تو اُسے قبضہ میں کر کے چھپالیا، تو بادشاہ کے دربار سے رفعت طلب کرنے گیا تو ساتھ ہی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

قصّہ گھِن وطن نوں ٹُریا نال خوشی خوش حالی

مہلت اجے نہ مُکی آہی آن دِتی اُس ڈالی

وہ قصّہ لے کر خوشی خوشی اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی اُس کی مہلت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُس نے یہ شاخِ مراد بادشاہ کے حوالے کردی۔

مردا ہمت ہار نہ مُولے مت کوئی کہے ''نامردا''

ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا

اے جواں مرد، کبھی ہمت نہ ہارنا۔ کہیں کوئی تمھیں ''نامرد'' کہنا شروع کر دے۔ جس ضرورت کے جواں مرد پیچھے لگ جاتے ہیں وہ اُسے حاصل کیے بغیر نہیں رہتے۔

جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہکدن پھرسی پاسا

بھکھا منگن چڑھے محمدؐ اوڑک بھردا کاسا

پے در پے شکستوں سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے ایک دِن ہوا کا رُخ تبدیل ہوجاتا ہے اے محمد بخش! جب بھوکا شخص بھیک مانگنے نکلتا ہے تو اُس کا کاسہ بھر ہی جاتا ہے۔

جاں مقصود میسر ہوندا رنجوں راحت تھیندی

یاد نہ رہے قضیہ کوئی جدوں فراغت تھیندی

جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو تمام دُکھ خوشی اور سکون میں تبدیل ہو جاتے ہیں جب آسودگی مل جاتی ہے تو کوئی مصیبت یاد نہیں رہتی۔

بہت پسند کیتا سلطانے ایہہ مبارک قصّہ

جدوں فراغت کاروں ہوندی پڑھ پڑھ لیندے حصّہ

سلطان نے اِس مبارک قصّہ کو بہُت پسند کِیا، جب بھی وہ حکومتی اُمور سے فارغ ہوتا اس قصّے کو سُن کر لطف حاصل کرتا۔

جس دِل اندر ہووے بھائی اک رتی چنگاری

ایہہ قصّہ پڑھ بھانبھڑ بن دا نال ربے دی یاری

اے میرے بھائی! جس دِل میں بھی درد کی ایک ذرّہ چنگاری ہوتی ہے اگر وہ خدا سے لو لگا کر اس قصّہ کو پڑھے تو چنگاری شعلہ بن جائے گی۔

ہَر ہَر قسم خوشی دی اس وِچ ہَر ہَر قوم غماں دی

سُننے والے پاون ایتھوں خواہش جنھاں کماں دی

اس میں ہر قسم کے غم اور ہر طرح کی خوشی موجود ہے سننے والے جو بھی چاہیں اس سے حاصل کر سکتے ہیں۔

بوہتی ہے تعریف حُسن دی ہاسی بُری شکل دی

نالے درد وچھوڑے بوہتے نالے خوشی وصل دی

اِس میں زیادہ تر حُسن کی تعریف ہے بدصورتی کا تمسخر بھی ہے، جدائی کا درد وغم بھی ہے اور وصل کی خوشیوں کا تذکرہ بھی ہے۔

آدمیاں دے راہ طریقے، جن پریاں دے نالے
عیش خوشی دے ساجے باجے درد دُکھاندے چالے

اس میں، آدمیوں کے طور طریقوں کے ساتھ پریوں اور جنات کے چلن بھی ہیں عیش ونشاط کے ساز بھی ہیں اور دُکھ درد کے ڈھنگ بھی ہیں۔

بادشاہی تدبیراں گھنیاں دولت فوج مثالے
بخل، سخاوت، ظلم، عدالت غفلت سُرت سنبھالے

اس میں حکومت اور حاکمیت کی تدبیریں بھی ہیں دولت اور فوج کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ بُخل اور سخاوت، ظلم اور عدالت جہالت اور شعور کی باتیں بھی ہیں۔

جوش خروش ندی دے بہتے ٹاپو سیر جنگل دے
رُڑھنا، ترنا، اُڈنا ڈھینا، ذِکر ایتھے ہر گل دے

اس میں دریاؤں کا جوش وخروش بھی ہے، جزیروں اور جنگلات کا ذِکر بھی ہے تو اس کے ساتھ بہنے اور ترنے، اُڑنے اور گرنے کا، غرض ہر قسم کا ذِکر موجود ہے۔

سیر شکار اتے بند قیداں نالے صلح لڑائی
سوگ ویاہ محمد بخشا ہر گل اس وچ آئی

اس میں سیر وشکار کی داستانیں بھی ہیں، قید وبند اور صلح ولڑائی کے قصے بھی ہیں۔ اور اس میں اے محمد بخش شادی وغمی کے ساتھ ہر بات کا تذکرہ ہے۔

بات مجازی، رمز حقانی، وَن وَناں دی کاٹھی
''سفر العشق'' کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

حقیقی رمز کو مجازی انداز میں مختلف طریقوں سے بیان کر کے سفر العشق نام کی کتاب بنائی ہے جو دراصل لاٹھی میں تلوار چھپی ہوئی ہے۔

جتھاں طلب قصے دی ہوسی سُن قصہ خوش ہوسَن

جنہاں جاگ عشق دی ہوسی جاگ سویرے روسن

جنھیں تو قصّے کی طلب ہوگی وہ اس کی داستان سُن کر خوش ہوں گے لیکن جن کے سینے میں عشق کی چنگاری ہوگی وہ صبح سویرے اُٹھ کر روئیں گے۔

قصّے ہور کسے دے اندر درد اپنے کجھ ہوون

بن پیڑاں تاثیراں ناہیں بے پیڑے کد روون

کہانی تو کِسی اور کی ہوتی ہے لیکن ان میں کچھ درد اپنے بھی ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ درد کے بغیر کلام میں تاثیر نہیں آتی۔ پھر جنھیں کوئی درد نہیں ہوتا وہ بھلا کب روتے ہیں۔

درد لگے تاں ہائے نکلے کوئی کوئی رہندا جَر کے

دلبر اپنے دی گل کیچے ہوراں نوں مُنہ کر کے

درد ہو تو مُنہ سے آہ نکل ہی جاتی ہے۔ کوئی کوئی ہی برداشت کرتا ہے۔ اوروں کو سامنے رکھ کر اپنے محبوب کی بات کرنی چاہیے۔

جس وچ گُجھی رمز نہ ہووے دردمنداں دے حالوں

بہتر چُپ محمد بخشا سخن اجیہے نالوں

جس میں دردمندوں کے حالات کی پوشیدہ رمز نہ ہو۔ اے محمد بخش! ایسے کلام سے خاموشی ہی بہتر ہے۔

اِتنی رمز پچھانو یارو بہُت کہاں کِیہ گلاں

مَیں کریوں ہتھ واگ بلوچے جدھر چلائے چلاں

دوستو! اور زیادہ باتیں کیا کروں۔ بس اِتنی رمز پہچان جاؤ۔ مَیں تو ایک اُونٹ ہوں۔ جس کی باگ میرے محبوب بلوچ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جدھر چلاتا ہے مَیں اُسی طرف چلتا جاتا ہوں۔

دانشمندو سنو تمامی عرض فقیر کریندا

آپو چنگا جے کوئی ہووے ہَر نوں بھلا تکیندا

اے دانش مندو! سارے سُنو۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی خود اچھا ہو تو وہ ہر ایک کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔

پردہ پوشی کم فقر دا مَیں طالب فقراواں

عیب کسے دے پھول نہ سکاں ہر ہک تھیں شرماواں

فقر کا کام پردہ پوشی کرنا ہوتا ہے اور مَیں فُقرا کا طالب ہوں۔ مَیں تو کِسی کی عیب جوئی نہیں کرسکتا۔ بل کہ مَیں تو ہر ایک سے نادم ہوں۔

نہ شیخی وڈیائی کوئی جھولی اڈی کجھ پاؤ
نہ کوئی سہو خطائی ہووے بخشو تے بخشاؤ

مجھے نہ تو کوئی گھمنڈ ہے اور نہ ہی کوئی زعم۔ مَیں نے تو آپ کے سامنے جھولی پھیلا دی ہے اس میں کچھ ڈال دو، اگر تو میرے کلام میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہے تو مجھے بخش دو۔

باجھ ادا آواز رسیلے لگدا شعر الُونا
ددھ اندر جے کھنڈ رلائے مٹھا ہوندا دُونا

ترنّم اور خوب صورت آواز کے بغیر شعر بھی پھیکا لگتا ہے۔ کیوں کہ اگر دودھ میں چینی مِلا دی جائے تو اس کی مٹھاس دُگنی ہوجاتی ہے۔

مَیں شوہدا مَر خاک رلیساں جھل ہجر دی کانی
جے رب سچّے روشن کیتے رہسن سخن نشانی

مَیں عاجز تو ہجر کا تیر کھا کے مرجاؤں گا اور خاک خاک میں مِل جائے گی۔ لیکن اگر میرے سچّے خدا نے چاہا تو میرے شعر میری نشانی کے طور پر باقی رہ جائیں گے۔

کون بندے نوں یاد کریسی، ڈھونڈے کون قبر نوں
کس نوں درد اساڈا ہوسی روگ نہ رنڈے وَر نوں

اس بندے کو بھلا بعد میں کون یاد کرے گا اور کون ہماری قبر پر فاتحہ خوانی کرنے آئے گا۔ کِس کو ہمارا دُکھ ہوگا۔ رنڈوے کی موت کِسی کے دِل کا روگ نہیں بنتی۔

نہ گھر چاڑے نہ سکھ ڈٹھے نہ کجھ کھٹی کھٹی
نہیں کسے ول لیہنا کوئی نہ چلے چھڈ ترٹی

نہ تو ہم نے گھر آباد کِیا، نہ ہی کوئی خوشی دیکھی۔ اور نہ ہی کوئی کمائی کی۔ نہ تو ہم نے کِسی سے کوئی قرض لینا ہے نہ ہی ہم نے کوئی جمع پونجی چھوڑی ہے۔

جو کجھ آیا سو مُنہ پایا تلی رکابی چٹی

خالی ہتھ محمد بخشا مُڑی نکاری لُٹی

جو کچھ مِلا مُنہ میں ڈال لیا۔ رکابی اور تلی کو چاٹ کر صاف کر دیا۔ اب اے محمد بخش! تُو ناکارہ خالی ہاتھ ہی واپس جا رہا ہے۔

عشق و عاشقی

سدا سکھالے اوہو بھائی عشق جنہاں گھٹ آیا

مرہم پھٹ اوہناں دے بھانے ہکو جیہا سکھایا

اے بھائی! جن کے حصّے میں عشق آیا ہے وہ ہمیشہ سکھی رہتے ہیں ان کے لیے زخم یا اُس کا علاج ہونا ایک برابر ہے۔

تاج تخت سلطانی تج کے ٹھوٹھا پھڑن گدائی

رکھ اُمید سجن دے دَر دی کٹن جو بَن آئی

وہ تخت و تاج چھوڑ کر کاسۂ گدائی پکڑ لیتے ہیں۔ اور محبوب کے دَر کی اُمید لگا کر جو مصیبت بھی آئے برداشت کرتے ہیں۔

دَم دَم پین شراب غماں دی دم نہ مارن مُولے

وٹ جھلن وٹ پان نہ متھے واہ تنہاندے رُولے

وہ ہر پل غم کی شراب پیتے ہیں مگر کبھی اُف تک نہیں کرتے۔ وہ ہر قسم کی سختی برداشت کرتے ہیں لیکن ماتھے پر ایک شکن بھی نہیں ڈالتے۔ واہ کیا خوب اُن کے حوصلے ہیں۔

کر کر یاد سجن نوں کھاندے بھُن بھُن جگر نوالے

شربت وانگ پیارے ہتھوں پیوَن زہر پیالے

وہ اپنے محبوب کو یاد کرتے ہوئے جگر کے کباب بھُون کر کھاتے ہیں۔ اور پھر محبوب کے ہاتھوں سے زہر کا پیالہ بھی شربت کی طرح پی جاتے ہیں۔

فیر خلاصی منگدے ناہیں جو قیدی دلبر دے

پھاہی تھیں گل کڈھدے ناہیں ہوئے شکار اس گھر دے

جو اپنے دلبر کے قیدی ہو جاتے ہیں وہ پھر کبھی رِہائی کے طلبگار نہیں ہوتے۔ وہ اپنا گلا کبھی پھندے سے باہر نہیں نکالتے جو ایک بار اس گھر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حال انہاں دا کس نوں معلم پھردے آپ چھپایا
دِل وِچ سوچ پتنگاں والا چہرہ شمع بنایا

اُن کا حال بھلا کسے معلوم ہوسکتا ہے وہ تو خود اسے چھپا کر رکھتے ہیں۔ اُن کے دِل میں سوز تو پروانوں جیسا ہوتا ہے لیکن چہرہ شمع کی طرح روشن رہتا ہے۔

باہروں دِسن میلے کالے اندر آب حیاتی
ہونٹھ سُکّے ترہائیاں وانگر جان ندی وِچ نہاتی

وہ باہر سے میلے کچیلے دِکھائی دیتے ہیں لیکن باطن میں آبِ حیات کی طرح صاف ہوتے ہیں۔ اُن کے ہونٹ پیاسوں کی طرح خشک ہوتے ہیں مگر اُن کی جان دریاؤں میں نہا رہی ہوتی ہے۔

شہر اُجاڑ ڈُھونڈیندے وتدے دلبر یار بغل وِچ
گنگے ڈورے کن زبانوں معنی سبھ عقل وِچ

وہ شہروں اور ویرانوں میں محبوب کو تلاش کرتے پھرتے ہیں حال آں کہ محبوب تو اُن کے پہلو میں ہوتا ہے اگر چہ تمام معانی اُن کے فہم و شعور میں ہوتے ہیں لیکن وہ پھر بھی گونگے اور بہرے بن کر پھرتے ہیں۔

شرم حیا نہ رہے کسے دا جھلن بدی خواری
دلبر باجھوں صبر نہ کردے جنہاں لگائی یاری

اُنھیں کِسی کا شرم و حیا نہیں رہتا۔ وہ تمام برائی اور خواری برداشت کرتے ہیں۔ وہ جو محبوب سے پیار کرتے ہیں وہ دلبر کے بغیر ایک پل بھی صبر نہیں کرتے۔

جے اوہ جان پیاری منگے تُرت تلی پر دھردے
سر لوڑے تاں سہل پچھانن رتی عذر نہ کردے

اگر محبوب اُن سے جان جیسی پیاری شے بھی مانگ لے تو وہ فوراً ہتھیلی پر رکھ کر پیش کر دیتے ہیں سر کا نذرانہ تو وہ سہل سمجھتے ہیں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔

ہِک دلبر نوں دِل وِچ رکھن سب خلقت تھیں نسن
ویدن وید نہ جانن مُولے کھو کیہ دارو دسن

وہ تو صرف دلبر کو ہی دِل میں رکھتے اور تمام خلقت سے دُور بھاگتے ہیں طبیب اُن کا علاج

ہر گز نہیں جانتے وہ بھلا کیا علاج بتا سکتے ہیں۔

وچوں آتش باہروں خاکی دِسدے حالوں خستوں
جے ہک نعرہ کرن محمد ڈھین پہاڑ شکستوں

وہ اندر سے آگ ہوتے ہیں لیکن اپنی خستہ حالی سے خاکی دِکھائی دیتے ہیں اگر وہ طیش میں آ کر نعرۂ مستانہ بلند کریں تو اے محمد بخش! پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

واؤ وانگ پھرن سب ملکیں ہر گز نظر نہ آون
چُپ رہن کستوری وانگن فر خوشبو دُھماون

وہ ہوا کی طرح ملکوں ملکوں پھرتے ہیں لیکن کِسی کو نظر نہیں آتے وہ کستوری کی طرح خاموش رہ کر اپنی خوشبو چاروں طرف پھیلاتے ہیں۔

دوئے جہان بھلائے دِل توں خبر نہ رہیا حالوں
رانجھے وِچ سما محمد چھُٹی ہیر جنجالوں

اُنھوں نے دونوں جہان دِل سے بھلا دِیے انھیں بال برابر کی خیر خبر نہیں رہی۔ اے محمد بخش! رانجھے کی ذات میں گم ہو کر ہیر تمام جنجالوں سے آزاد ہو گئی۔

دُدھ وجود تیرے وچ شیریں، روغن دار سمانی
مرشد لاوے جاگ پرم دی تاں جمے ددھ پانی

تیرے دُودھ جیسے شفاف وجود میں مٹھاس موجود ہے اور مکھن بھی۔ لیکن اگر مرشد محبت کی جاگ لگائے گا تو پھر یہ دُودھ اور پانی جمے گا۔

گل وچ پھاہ غماں دا گھت کے ذِکروں چھک مدھانی
ہمت نال محمد بخشا مکھن آیا جانی

اپنے گلے میں غموں کا پھندہ ڈال کر ذِکر کی مدھانی چلاؤ۔ کچھ ہمت سے کام لے گا تو اے محمد بخش! دہی سے مکھن نکلے گا۔

نحن اقرب آپ گوکیندا ہک دم دُور نہ دِسدا
اس دے ڈیرے اندر تیرے پھریں لوڑاؤ جسدا

وہ تو خود کہتا ہے کہ مَیں تمھاری شہ رگ سے بھی نزدیک ہوں وہ ایک لحہ بھی دُور نہیں ہوتا۔ وہ

تو تمھارے اندر رہتا ہے تُو جس کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔

محرم ہوویں کون بھلاوے پڑدا ہے وچ کس دا
جاں جاں دِسے آپ محمد تاں تاں آپ نہ دِس دا

اگر تُو محرمِ راز ہو جائے تو پھر تمھیں کوئی نہیں بھلا سکتا کہ وہ جو درمیان حجاب ہے کیا ہے، جب جب وہ اے محمد بخش! دِکھائی دیتا ہے ویسے ویسے وہ اوجھل ہوتا جاتا ہے۔

ساس رہن، رت ماس نہ ہوون کالک جٹّے مل کھاں
جاں سُک ہووے وال محمد زلف سجن دی رَل کھاں

تیرے جسم پر ذرا گوشت نہ ہو۔ بس سانس چلتی ہو۔ تمھارا جسم بدنامی کی سیاہی سے بھر جائے اور پھر جب تم سوکھ کر بال کی طرح ہو جاؤ تو پھر اے محمد بخش! محبوب کی زلفوں کا حصہ بن سکتے ہو۔

رُکھوں تروڑ لیئے پت ساوے بھن مروڑ لگایئے
ہرے بھرے سن آباں والے دُھپے پاً سکایئے

درخت سے ہرے پتے توڑ کر وہ موڑ تروڑ کر رکھ لیے جائیں۔ وہ جو پانی کی وَجہ سے سرسبز تھے انھیں دُھوپ میں رکھ کر سُکھایا جائے۔

لنگری ڈنڈے گھوٹ جے چارے صورت بھن گوایئے
تاں دلبر دے پیریں لگی منہدی رنگ رنگایئے

پھر اُنھیں بڑے سے ڈنڈے کے ساتھ کُوٹ کر باریک کر لیا جائے تب وہ کہیں محبوب کے پانو لگتے اور منہدی کا رنگ لاتے ہیں۔

جس دل اندر عشق نہ رچیا کُتے اُس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کر دے صابر بھُکھے ننگے

جس دل میں عشق جا گزین نہیں اُس سے تو کُتے اچھے ہیں، جو بھُوکے ننگے رہ کر صبر کا دامن نہیں چھوڑتے اور اپنے مالک کے گھر کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

پاک شہادت قتل ہووے گا جے کراس تلواروں
سدا حیاتی جان محمد مرنا ایس آزاروں

اگر کوئی اس تلوار سے قتل ہو گا تو اُس کی موت بھی شہادت کے برابر ہو گی۔ اور اگر، کوئی اس

مرض سے جاں بچت ہو تو وہ اے محمد بخش! ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔

خاص انسان انہاں نوں کہیئے جہاں عشق کمایا
دھڑ سر نال نہ آدم بن دا جاں جاں سر نہ پایا

جن لوگوں نے عشق کمایا ہے وہی بلند مرتبہ انسان ہیں۔ سر اور جسم کے ساتھ تو آدم نہیں بن جاتا جب تک کہ وہ اُسرارِ الٰہی سے آشنا نہ ہو۔

اُپر جُلّی مونہوں جَلّی اندر نہیں تجلّی
جب لگ عشقوں جان نہ جَلی بھٹھ جُلّی کیا جَلّی

اوپر فقیروں والی کمبلی ہے زبان پر ذِکرِ جلی ہے لیکن باطن میں اس کے نور کی روشنی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک عشق کی آگ میں جان پُرسوز نہیں ہوتی تو کمبلی اور ذِکرِ جلی دونوں کو آگ میں ڈال دینا چاہیے۔

منزلِ استغنیٰ

جے کر سب جہان محمد بھُجّن مثل کباب
اس منزل وچ معلم ہوندا وانگ خیالے خواب

اے محمد بخش! اگر تمام جہان کباب کی طرح بھُون دیے جائیں تو وہ بھی اس منزل پر خواب و خیال کے مانند نظر آتے ہیں۔

ست اسمان جھڑن تاں جاپے پَت درختوں جھڑیا
چوداں طبق ڈُبن تاں جیویں ککھ باروں اک کھڑیا

اگر ساتوں آسمان بھی گر پڑیں تو یوں ہوگا جیسے درخت سے ایک پتا جھڑ گیا ہے اور اگر چودہ طبق ڈُوب جائیں تو ایسے ہوگا کہ جنگل سے ایک تنکا کم ہو گیا ہے۔

دوئے جہان محمد بخشا جے سب ہون بنودے
گھٹ ہویا اک ریتوں دانہ وچ تھلاں دے تودے

اے محمد بخش! اگر دونوں جہان اور سب کائنات بھی معدوم ہو جائے تو یوں ہوا جیسے صحرا کے ایک تودے سے ریت کا ایک ذرّہ کم ہو گیا ہے۔

جے سب عالم فانی ہوون اوتھے کجھ نہ خطرہ

کیہ ہویا کیہ گھاٹا وادھا گیا سمندروں قطرہ

اگر تمام عالم بھی ختم ہو جائیں تو اُسے کوئی خطرہ نہیں، کیا ہوا، کیا فائدہ اور نقصان ہوا۔ کچھ پروانہیں سمندر سے ایک قطرہ ہی تو نکلا ہے۔

سہل نہیں ایہہ وادی بھائی، سہل تکیندے جاہل
عملاں دا ایہہ حال محمد پر ہو بوہ نہ کاہل

اِس وادی تک رسائی آسان نہیں۔ وہ جاہل ہیں جو اس کو آسان سمجھتے ہیں۔ یہ سب تو اے محمد بخش! اعمال اور جدوجہد کا نتیجہ ہے اِس لیے کاہلوں کی طرح بیٹھ نہ جا۔

جے نت کریں جہان ہک پینڈا امت جانیں کجھ ٹریا
پرت تکیں تاں اونہیں پیریں، دو تن قدم نہ ہریا

اگر تم ایک جہان کی ایک منزل بھی بنالو تو پھر بھی یہ نہ سمجھ لینا کہ تم نے بہُت سفر کر لیا ہے پیچھے مُڑ کر دیکھو گے تو پتا چلے گا کہ یہ تو وہی جگہ ہے۔ ابھی دو تین قدم بھی آگے نہیں بڑھے۔

نہیں کھلونا لائق تینوں نہ ٹریاں پندھ مکدا
مشکل کم پیا سِر تیرے کوئی علاج نہ ڈُھکدا

اس سفر میں تمھارے لیے ٹھہرنا مناسب ہے اور نہ ہی چلنے سے سفر ختم ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا مشکل کام تمھارے سر آ گیا ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

وادیِ توحید

ازل ابد دا جامہ ہکو ایہہ گلما وچکاروں
ہر دا رُوپ محمد بخشا ہکسے ہی سرکاروں

ازل اور ابد کا ایک ہی جامہ ہے اور اُس کے درمیان ایک ہی گریبان ہے۔ اے محمد بخش! ہر ایک کا رُوپ اُس ایک ہی سرکار سے ہے۔

نیکی بدی نہ تکدے سوئی جو وحدت وچ پوہتے
نیکی بدی تداہیں بھائی اَسیں تُسیں جد بوہتے

جو وحدت کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں وہ نیکی اور بدی نہیں دیکھتے۔ نیکی اور بدی تو میرے بھائی اُس وقت تک ہے جب ہم بہُت زیادہ دِکھائی دیتے ہیں۔

جاں جاں اپنے آپے اندر جا بندے دی ہوسی
کر کر شادی کدی ہسے گا کدی غماں وِچ روسی

جوں جوں انسان اپنے اندر اپنی جگہ بناتا جائے گا وہ کبھی تو خود ہی ہنسنے لگے گا اور کبھی غم کے احساس سے رونے لگے گا۔

جاں ایہہ اپنے آپوں نکلے نہ کوئی غم نہ شادی
دوزخ دا غم خوشی جنت دی دوہاں تھیں آزادی

اور پھر...... جونہی وہ اپنے آپ سے باہر آئے گا تو کوئی خوشی باقی رہے گی نہ غم۔ اسے دوزخ کا دُکھ ہوگا اور نہ ہی جنت ملنے کی خوشی، وہ دونوں سے ہی بے نیاز ہو جائے گا۔

جاں سالک اس جائی پوہتا آپ مرے مرجیوے
گم ہووے مُڑ باہر نکلے گنگا ڈورا تھیوے

جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ خود ہی مر بھی جاتا ہے اور زندہ بھی ہو جاتا ہے۔ وہ گم بھی ہو جاتا ہے اور ظاہر بھی ہو جاتا ہے وہ گونگا اور بہرہ بن جاتا ہے۔

عقلوں فکروں باہر آوے نچدا پھرے دیوانہ
آکھے خبر نہیں مَیں کہڑا کہڑا میرا خانہ

وہ عقل وفکر سے آزاد ہو کر دیوانوں کی طرح ناچتا پھرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا کہ مَیں کون ہوں اور میرا گھر کون سا ہے۔

جاں توں گم ہوویں وچ اس دے اپنی چھوڑ نشانی
ایہہ توحید محمد بخشا دَسے کون زبانی

جب تم اپنی شناخت چھوڑ کر اس میں گم ہو جاؤ گے تمھارا نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ تو یہ توحید ہوگی پھر اے محمد بخش اس کو بھلا زبان سے کون بیان کر سکے گا۔

منزلِ فقر

ایس ندی وِچ چُھبی مارے جے کوئی ہمت کر کے
سدا سکھالا رہسی بھائی کیہہ کم باہر تر کے

اگر کوئی ہمت کر کے اِس دریا میں غوطہ زن ہو جائے، تو وہ ہمیشہ کے لیے سُکھی ہو جاتا ہے

اُسے باہر آ کر تیرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

حکمے نال اس چُبھّی وچوں جاں سر باہر آنے
تاں اوہ کاریگریاں ویکھے تک تک بھیت پچھانے

اگر وہ حکم کے مُطابق اس غوطہ سے اپنا سر باہر نکالے تو پھر وہ قدرت کی صناعی دیکھ کر اُس کے بھید پہچانے گا۔

خاطر جمع ہوئی جس ویلے خود و نجے بے خودیوں
پاک ہووے تاں باہر آوے ہر ہر نیکی بدیوں

جب اُس کی خاطر جمع ہوگی تو وہ خود ہی بے خودی سے چھوٹ جائے گا۔ جب وہ پاک ہو جائے گا تو پھر نیکی بدی سے بھی باہر آ جائے گا۔

جاں ایہہ نیکی بدی نہ رہندی اُس دم عاشق ہوندا
ہو فنا وچ عشق دے اول یاری کرن کھلوندا

جب نیکی اور بدی کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہ سچا عاشق بنتا ہے۔ پہلے عشق میں فنا ہو کر پھر دوستی کے قابل ہوتا ہے۔

مر کے جیون دی گل چنگی سو جانے سو کردا
جس دے سر پر ورتی ہووے کم نہیں ہَر ہَر دا

موت کے بعد جینے کی بات اچھی ہے لیکن یہ وہی کرتا ہے جو جانتا ہے۔ یا پھر یہ جس کے سر پر بیتی ہو، یہ کام ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔

اپنی موت حیاتی اندر جب تک تیرا ڈیرا
اس منزل وچ کد محمد پیر پیوے گا تیرا

جب تک اپنی موت وحیات میں تمھارا قیام ہے اُس وقت تک اے محمد بخش! اس منزل تک تیری رسائی ممکن نہیں۔

توڑے کجھ نہ مَعلم اُس دا تھاؤں ٹکانا پاسا
چھڈ دُنیا پو لہر فقر دی رکھ ملن دی آسا

اگر چہ اُس منزل کا راستہ مقام اور ٹھکانہ معلوم نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی دُنیا کو چھوڑ کر فقیری کی

راہ چل اور اس سے وصل کی خواہش کو ساتھ رکھ۔

مردِ کامل

ہمت مرداں دی ہرجائی کردی کم ہزاراں
پھلاں بھوراں شمع پتنگاں یار ملائے یاراں

یہ مردوں کی ہمت ہے جو ہر جگہ بگڑے ہوئے ہزاروں کام بھی کر جاتی ہے۔ وہ پھولوں کو بھنوروں، شمع سے پروانوں اور یاروں سے یاروں کو ملا دیتی ہے۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد دُعا کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

ہر مشکل کی چابی دوستو! مردوں کے ہاتھ میں ہی ہوتی ہے کامل مرد جب دُعا کرتے ہیں تو کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

حکم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مُردے نوں رب قوت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے

خدائی قلم ولیوں کے ہی ہاتھ میں ہے وہ جو چاہیں لوحِ تقدیر پر لکھ سکتے ہیں۔ مُردے کو خدا نے طاقت بخشی اور وہ زندہ ہو گیا تھا تو اک مردِ کامل نے تقدیر کو تبدیل کر دیا تھا۔

مَرد اُونیندے مَرد تیندے کردے مَرد لویراں
سیون مَرد پوشاک بناون شاد کرن دلگیراں

مرد ہی اُونتے اور مَرد ہی تانتے ہیں اور مَرد ہی کپڑے کی کٹائی کرتے ہیں۔ اور پھر مَرد ہی اُس کی سلائی کر کے پوشاک بناتے اور دل گیروں کو شادکام کرتے ہیں۔

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سُٹے
دُنیا باغ، ولی وچ مالی، بوٹے لاوے پٹے

خداوند نے خود مردوں کے ہاتھ میں سارے کام دیے ہیں۔ یہ دُنیا ایک باغ ہے اور اللہ کے ولی مالی ہیں، جو مختلف پودے اُگاتے اور اُکھاڑتے رہتے ہیں۔

کدھرے پتلا بیج رَلاوے کدھرے کرے گھنیرا
کدھرے تھوڑا پانی لاوے کدھرے دے ودھیرا

کہیں تو وہ کم بیج کھلارتا ہے تو کہیں بہت زیادہ بیج لگاتا ہے کہیں وہ کم پانی دیتا ہے تو کہیں زیادہ پانی لگاتا ہے۔

ڈالی قلم کرے ہِک رُکھوں جا دُوجے پر جوڑے
پیوند لا بناوے میوہ آپے پھیر تروڑے

وہ ایک درخت سے چھوٹی سی شاخ کاٹ کر دُوسرے کے ساتھ جوڑ کر پیوند لگاتا اور نیا میوہ تیار کرتا ہے اور پھر خود ہی اُس کو توڑ دیتا ہے۔

ہَر ہَر پکھے پانی پھیرے ہر آڈے ہر بنّے
ہِکناں نوں سر راس کریندا اگل ہِکناں دے بھنّے

وہ ہَر ہَر حصّے میں پانی ڈالتا اور ہر گوشے ہر کنارے تک پانی کو پہنچاتا ہے۔ بعض پودوں کو وہ سیدھا کھڑا کرتا اور بعض کی گردن کاٹ کر رکھتا ہے۔

دُنیا باغ، انبر کھوہ وہیندا، دِن چن وانگن بیلاں
مالی مَرد اتے رب مالک بھور عاشق وِچ سیلاں

یہ دُنیا ایک باغ اور آسمان ایک چلتا ہوا کنُواں ہے دِن، چاند جیسی بیلیں ہیں باغ کا مالک خدا ہے اور مالی مردِ کامل ہیں جب کہ عاشق بھنورے باغ میں سیر کر رہے ہیں۔

دِن اور رات

جاں اسمانی شاہ تخت توں ستراں اندر جاندا
میر وزیر ہوون پھر تارے ہر اک خان کہاندا

جب آسمانوں کا بادشاہ (سورج) تخت سے اُتر کر پردے میں چلا جاتا ہے تو اُس کے میر وزیر (ستارے) نمودار ہوتے ہیں اور ہر کوئی خان کہلانے لگتا ہے۔

نکی موٹی فوج اسمانی ہسن کھیڈن لگے
کوئی لہندے کوئی چڑھدے دکھّن کوئی پربت نوں وگے

پھر چھوٹی موٹی آسمانی فوج آپس میں ہنسنے کھیلنے لگتی ہے۔ کوئی مغرب، کوئی مشرق، کوئی جنوب اور کوئی شمال کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔

قطب شمالی پکّا ہو کے چوکیدار کھلووے

سورج ڈُبے تارے چڑھدے روز ونجیں شب ہووے

قطب شمالی پر چوکیدار ہوشیار چالاک ہو کر کھڑا ہوتا ہے۔سورج ڈوبتا ہے تو ستارے نمودار ہوتے ہیں اس طرح دِن چلا جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے۔

رات پئے تاں رُکھ سنہری چھپ جاون وچ دھرتی
دِن دُوجے پھر ظاہر ہوون سدا ایہو کم وَرتی

رات ہوتی ہے تو سنہری درخت زمین میں چھپ جاتے ہیں اور دُوسرے دِن پھر ظاہر ہوتے ہیں ہمیشہ سے یہی کام ہوتا آ رہا ہے۔

اِس عشق میں

یوسف بردہ ہو وکاون خوک کیے صنانے
پٹ پہاڑ سُٹے شہزادے فرہادے ہک جانے

حضرت یوسف کو غلام بنا کر نیلام کروایا۔حضرت صنعان سے خنزیر (سؤر) چروائے گئے۔ شہزادے نے بھی فرہاد کی طرح تنِ تنہا پہاڑ اُلٹ کر رکھ دیے تھے۔

پُنوں دھوبا نام دھرایا کیچم دے سلطانے
چاک کلالاں دا سدوایا عزت بیگ جوانے

کیچم کا سلطان ''پُنوں دھوبی'' کہلوایا اور عزت بیگ جیسا جوان شراب فروشوں کا نوکر کہلوایا۔

کام کنور چھڈ گھر دَر ٹُریا مَر مَر کے جند بچی
پورن گھر گھر بھیکھ منگیندا پال محبت سچی

کام کنور اپنا گھر بار چھوڑ کر چل پڑا تھا۔مَر مَر کر اُس کی جان بچی تھی۔پورن بھگت سچی محبت پالنے کے جُرم میں گھر گھر بھیک مانگنے پر مجبور ہوا۔

وروگ

بے نظیر وروگ لگایا قید اندر تن گالے
نجم نسا بی بی بن جوگی بن بیلے کوہ بھالے

شہزادہ بے نظیر کو اس روگ نے تاریک غار میں دھکیل دیا تھا جہاں اس کا تن بدن گل سڑ گیا

تھا اور بی بی نجم النسا جوگن بن کر جنگلوں پہاڑوں اور ویرانوں میں اُسے تلاش کرتی رہی تھی۔

قیس عرب دا راجہ آہا بنیا مجنوں جھلا
شیراں تے بگھیاڑاں اندر وچ پہاڑ اِکلا

قیس عرب کا راجا تھا لیکن اِس عشق میں وہ دیوانہ بن گیا۔ شیروں اور بگھیاڑوں کے ساتھ پہاڑوں میں اکیلا گھومتا رہا......اور پھر۔

ایہو کم عشق دے دائم کرے اجیہے کارے
کیہ ہویا جے چھپے مارے سیف ملوک بیچارے

اِس عشق کے ہمیشہ سے ہی ایسے کام رہے ہیں وہ ایسے ہی کارنامے انجام دیتا آیا ہے کیا ہوا اگر سیف الملوک بے چارے نے زمین کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔

منظر نامہ

رنگا رنگ پکھیرو بولن اک تھیں اک چنگیرے
پَر اس ٹاپو اندر آہے توتے بہُت گھنیرے

انواع واقسام کے پرندے ایک سے بڑھ کر ایک خوش الحان تھے لیکن اِس جزیرے پر توتے بہُت زیادہ تھے۔

رنگ اسمانی ، اکھ گمانی مٹھے بول زبانی
چنجاں پیراں سُرخی سوہنی گل وِچ کالی گانی

ان کے رنگ سبز آسمانی اور آنکھیں گمان سے بھری ہوئی تھیں وہ انتہائی میٹھی بولی بولتے تھے۔ ان کی چونچیں اور پانو خوب صورت سرخی مائل تھے اور گلے میں سیاہ قدرتی گانی بنی ہوئی تھی۔

اُچی نیویں تیز اُڈاری سبز لباس فرشتے
جیونکر ملک جماعتاں ہوون کردے سیر بہشتے

وہ سبز لباس فرشتے تھے جو اُونچی نیچی اُڑانیں لیتے تھے۔ جیسے وہ کوئی فرشتوں کی جماعت ہو جو بہشت کی سیر کو نکلی ہو۔

ہکناں دے سِر سُوہے آہے ہکناں رنگ بسنتی
ہِک ساوے ہِک سوسن رنگے توتے قسم بے انتی

کچھ کے سر سرخ تھے اور کچھ بسنتی رنگ کے تھے۔ کچھ سبز تھے اور کچھ سوسن رنگ جیسے تھے۔ لیکن یہاں بے شمار قسم کے توتے موجود تھے۔

بُلبُل کوئل خوش گفتاروں خمرے کرن آوازے
جوڑے نال مل بیٹھے جوڑے نال محبت تازے

بُلبُلیں اور کوئلیں بھی خوش گفتار تھیں قمریاں بھی اپنی اپنی بولی بول رہی رہی تھیں نر اور مادہ جوڑے محبت میں شرابور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ہور پہاڑی پنکھی بولن تھاں تھاں لا کچہری
سوہے ساوے چٹے کالے تتری رنگ سنہری

اور بھی بے شمار پہاڑی، پرندے جگہ جگہ ٹولیاں بنا کر اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ سرخ، سبز، سفید اور سیاہ، ان میں سنہری رنگ کے تیتر بھی تھے۔

توں ہی توں کوئی پکارے کوئی کہے رب سچا
کوئی پیراں نوں یاد کریندا کوئی بلاوے بچا

کوئی تو...... تُو ہی تُو ہے، کی صدائیں لگا رہا تھا تو کوئی کہتا تھا کہ، رب ہی سچا ہے۔ کوئی اپنے پیر و مرشد کو یاد کر رہا تھا تو کوئی اپنے بچوں کو آوازیں دے رہا تھا۔

اِنّہ ذکر کسے دے سینے مُنہ نہ مُول ہلاوے
ہَر ہَر پنکھی رب سچے دی حمد ثنا الاوے

کوئی سینے ہی میں اس کا خفیہ ذِکر کر رہا تھا اور لبوں کو بھی نہیں ہلا رہا تھا۔ لیکن ہر پرندہ اس سچے خدا کی حمد و ثنا کر رہا تھا۔

آپو اپنی بولی اندر آہے وِرد کماندے
اِسماں صفتاں نال تمامی مِٹھے بول سناندے

سب اپنی اپنی بولی میں خدا کے نام کا وِرد کر رہے تھے۔ سب اسمائے گرامی اور صفاتِ الٰہی کے میٹھے گیت گا رہے تھے۔

واہ خالق بے چون پکارن چوں کیتی جس ظاہر
رنگا رنگ پیدائش اس دی نت حسابوں باہر

وہ کہہ رہے تھے، واہ کیا خوب خالق ہے جس نے اپنی تخلیق کو ظاہر کیا اور رنگا رنگ مخلوق کو پیدا کیا جس کا کوئی شمار نہیں۔

ہِک ہِک وچ نگاہ اوسے دی روزی نت پچاندا
ہَر ہَر دی اُس قسمت لکھی لکھیا پاس نہ جاندا

ہر ایک پر اُس کی نگاہ ہے اور وہ ہر کسی کو روزی پہنچاتا ہے اسی نے ہر کسی کی قسمت لکھ دی اس کے لکھے ہوئے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔

جون ہزار اٹھاراں تائیں دے کے رزق سنبھالے
کیا بیکار اسمتر شہدے کیا کمایاں والے

وہ اٹھارہ ہزار مخلوقات کے رزق کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے۔ بے کار، نکمے اور مسکین اور کیا بڑی بڑی آمدنیوں والے، وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے۔

ہِکناں آس اُسے دے دَر تے ہِکناں تک کمایاں
ہِکناں بہُت کمایاں کر کے آخر آن گوایاں

کچھ تو ایسے ہیں جن کو اس کے دَر سے اُمیدیں ہیں اور کچھ اپنی کمائی پر بھروسا کرتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے بہُت ساری دولت اکٹھی کر کے آخر ضائع کر دی ہے۔

ہِک عالم، ہِک فاضل مُلّاں، ہِک حافظ ہِک قاری
ہِک قاضی ہِک مفتی بن دے سر دھر پگڑی بھاری

کچھ عالم ہیں، کچھ فاضل مُلّاں ہیں، کچھ حافظ اور کچھ قاری ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو سر پر بھاری دستاریں رکھ کر قاضی اور مُفتی بن جاتے ہیں۔

ہِک زاہد، ہِک مفتی بندے ہوون ہِک نمازی
ہِکناں روزے دار کہایا شیخی بے اندازی

کچھ زاہد اور کچھ مفتی بنتے ہیں، اور کچھ نمازی، کچھ روزے دار کہلا کر بہُت زیادہ شیخی بگھارتے ہیں۔

شیخ شیوخ مربی مرشد پیر بنے ہِک بھارے
ہِکناں طلب بہشت وجن دی ہِک دوزخ ڈرمارے

کچھ شیخ اور شیوخ کچھ مربی و مرشد، اور کچھ بڑے بڑے بزرگ بنے ہوئے ہیں کچھ کو بہشت جانے کی خواہش ہے تو کچھ دوزخ کے ڈر سے نیک کام کرتے ہیں۔

ہکناں مدھ محبت والا پیتا پُور پیالہ
مست بے ہوش وتن وچ گلیاں نہ کجھ ہوش سنبھالہ

کچھ وہ ہیں جنھوں نے شراب محبت کا پیالہ بھر کر پی لیا ہے۔ اور اب وہ مست و بے خود ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر گلیوں میں پھرتے ہیں۔

ہکناں اوگن ہار کہایا پُرتقصیر گناہی
گل پلا تے گھاہ مونہیں وِچ متھے داغ سیاہی

کچھ وہ ہیں جنھوں نے خطا کا پُتلا، گنہگار اور بے ہنر کہلانا پسند کیا۔ وہ گلے میں پلُو اور مُنہ میں گھاس لیے ماتھے پر سیاہی کا داغ سجائے ندامت سے دوچار ہیں۔

چور اچکّے ٹھگ اسمتر جوئے باز زناہی
سبھناں آس تیرے دَر سایاں کرسی کرم الٰہی

چوروں، اچکوں، نکموں اور جوئے باز زانیوں، سب کو تیرے ہی دَر سے اُمیدیں بندھی ہیں۔ خدا اُن پر بھی کرم کرے گا۔

سبز لباس فقیراں والا سر ٹوپی گل الفی
باہر دسے دیس اُجالا اندر کالا کلغی

کچھ نے فقیروں والا سبز لباس پہنا ہوا ہے سر پر ٹوپی اور گلے میں الفی بھی ہے۔ باہر سے اُن کا لباس اُجلا اور چمکدار ہے لیکن اندر سیاہی کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔

ملکہ خاتون کے حُسن کا بیان

چاَ پلّا شاہزادے ڈِٹھا صورت نظری آئی
دُرِّ یتیم ان بدھا موتی لعلوں جوت سوائی

شہزادے نے جب کپڑا اٹھا کر دیکھا تو اُسے ایک ایسی صورت نظر آئی جو دُرِّ یتیم تھا جو کسی لڑی میں پرویا نہیں گیا تھا۔ اور اُس کی چمک دمک لعل سے بھی بڑھ کر تھی۔

مست بے ہوش سُتی اک لڑکی صورت دی شاہزادی

حسن کمال جمال اوہدے دی حدوں گل زیادی

ایک لڑکی جو شکل وصورت سے کوئی شاہزادی نظر آتی تھی بے ہوش سوئی ہوئی تھی۔ اس کے حُسن وجمال کا کوئی شمار نہیں تھا۔

سورج وانگ نورانی مَتھا نظر نہ کیتی جاوے
جے پتھّر دِل والا تکّے اکھیں پانی آوے

اس کا نورانی ماتھا سورج کی طرح روشن تھا اور اُس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی اگر کوئی پتھّر دِل بھی اُس کو دیکھتا تو اُس کی آنکھوں سے بھی پانی بہنے لگتا۔

قوسِ قزح بھروَٹے دووَیں جیوں عیدے چن چڑھدا
صبر صوفی دا روزے داراں تک روزہ بھن کھڑدا

اس کے ابرو قوسِ قزح کی کمان کے مانند بل کہ یوں جیسے عید کا چاند طلوع ہوا ہو۔ جسے دیکھ کر صوفی اپنے صبر اور روزہ دار اپنے روزے توڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

یادو طاق بہشتی آہے کستوری رنگ پھبدے
یا خمدار کمان آبنوسی یا دو نون عرب دے

یا پھر وہ دو بہشتی طاق تھے اور اُن کا رنگ کستوری جیسا تھا۔ یا پھر وہ آبنوسی لکڑی کی دو خمدار کمانیں تھیں یا پھر عربی زبان کے دو "نون" تھے۔

ہَر ہَر پُھمّن وال اجیہا سوہنا سِر حقانی
ویکھن سات کلیجہ سِلّے جیوں ترکش دی کانی

اُس کی زُلف کا ہر بال باریک حق تعالیٰ کے کِسی راز کے مانند تھا جسے دیکھتے ہی کلیجہ یوں زخمی ہو جاتا جیسے تُرکش سے نکلا ہوا تیر جگر کے آر پار ہو جاتا ہے۔

زلفاں نانگ چنن سنگ لٹکے وَل وَل کُنڈل مارے
یا زنجیر دِلاں دے آہے یا کمند ہتھیارے

اُس کی زُلفیں صندل کے درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے سانپ تھے جنھوں نے خود کو کئی کئی بل دِیے ہوئے ہیں یا پھر وہ دِلوں کو ڈالنے کے لیے زنجیریں تھیں یا پھر کمند کے ہتھیار تھے (جو فصیلوں پر چڑھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں)۔

اکھیں تیز کٹار فولادی آہیاں وچ میاناں
سرخ میان بناتی ملیا سیون وچ نشاناں

اُس کی آنکھیں فولاد کی بنی ہوئی تیز چھُریاں (چھوٹی تلواریں تھیں) جو میانوں میں رکھی ہوئی تھیں ہر میان سرخ ریشم سے بنی ہوئی تھی اور وہ میان کے اندر سے ہی حملہ آور ہوسکتی تھیں۔

نک انگشت نبی اللہ دی تیز چھُری تلواروں
اسماناں ول کرے بشارت معجزیاں دے کاروں

اُس کی ناک اللہ کے نبی کی انگشت تھی جو تلوار سے بھی تیز چھری تھی۔ وہ انگشت جو معجزوں کے لیے بشارت کے لیے آسمان کی طرف اُٹھتی تھی۔

چن دو ٹکھن دووین رُخسارے بندی نال سنگارے
بندی بندی پھبدی آہی وانگ زُحل ستارے

دونوں رُخسار چاند کے دو ٹکڑے تھے جن کو "بندی" لگا کر مزید خوب صورت بنایا گیا تھا اور وہ "بندیا" زُحل ستارے کی طرح خوب صورت لگتی تھی۔

سُوہے ہونٹھ یاقوت کھرے تھیں کاریگر سنوارے
دندلباں وچ کجے آہے وچ شفق جیوں تارے

اُس کے ہونٹ کسی ماہر کاریگر نے سرخ یاقوت کو تراش کر بنائے تھے۔ اس کے دانت لبوں میں یوں چھپے ہوئے تھے جیسے شفق میں ستارے چھپے ہوتے ہیں۔

ٹھوڑی سیؤ باغ بہشتوں سُوہا رنگ عنابوں
گاٹا وانگ صراحی کچ دی جیونکر بھری شرابوں

اس کی ٹھوڑی بہشت کے باغ کا سیب تھی جس کا رنگ عناب جیسا سرخ تھا۔ اس کی گردن کانچ کی صراحی جیسی تھی جو شراب سے بھری ہوئی تھی۔

سینہ تختی صاف چنن دی خوب کاریگر جڑ کے
اوس اُتے پستان لگائے چاندی دے پھُل گھڑ کے

اُس کا سینہ صندل کی صاف لکڑی کے مانند تھا جس پر کسی ماہر کاریگر نے چاندی کے پھُول تراش کر پستان لگائے تھے۔

مٹی وات ایویں سی جیویں سرخ اناراں کلیاں
گھڑ تل ڈبل روپئے والی صاف ہتھاں دیاں تلیاں

اُس کے بند ہونٹ ایسے تھے جیسے انار کی دو سرخ کلیاں آپس میں مل کر بیٹھی ہوں۔ اور اُس کے ہاتھوں کی صناعی ایسی تھی جیسے چاندی کے رُوپئے کو تراشا گیا ہو۔

تکی چٹی سی لوح روپے دی اُنگلیاں سَن قلماں
شنگرف مُنہ بھرے نونہہ سو ہے لکھ عشق دا کلما

اُس کی ہتھیلی روپے کی طرح صاف وشفاف تھی۔ اور اُنگلیاں قلم کے مانند تھیں۔ جن کے سرخ ناخن شنگرف سے بھرے ہوئے تھے جن سے عشق کا کلمہ لکھا جاتا ہے۔

پتلا لک مٹھی وچ آوے الا مکھن دیہی
گندے پانی تھی رب سر جی صورت پاک اجیہی

اس کی نازک اور باریک کمر ایک مٹھی میں آجاتی تھی۔ اس کا جسم "کچے مکھن" سے بنا ہوا تھا۔ خدا نے گندے پانی سے کیا خوب وہ پاک صورت بنائی تھی۔

رُوپ انوپ گڑی دا آہے وانگ بہار چمن دے
نویں جوانی حُسن ارزانی نازک شاخ سمن دے

اس لڑکی کا رُوپ گلستان کی بہار جیسا بے نظیر اور بے مثال تھا۔ اس کے نئے نئے شباب پر حُسن بھی وافر تھا۔ وہ شاخ سمن کی طرح نرم و نازک تھی۔

قد سفیدا سرو رنگیلا یا شمشاد گلستاں
وقت بہار شگوفے وانگوں مُنہ کڈھے سَن پستاں

اس کا قد سفیدے کے درخت یا پھر رنگیلے سرو کے مانند تھا یا پھر گلستان کے شمشاد کی طرح تھا۔ اور اُس کے پستانوں نے بہار کے موسم میں شگوفوں کی طرح ابھی مُنہ ہی نکالے تھے۔

سُنبل وال زنجیری بدھے چہرہ پھُل گلابی
نرگس مست انبے دی پھاڑی اکھیں مرگ شرابی

اُس کے سنبل جیسے بال زنجیری سے باندھے ہوئے تھے۔ چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں نرگس کی طرح مست، یا آم کی دو قاشیں تھیں یا پھر ...... ہرن کی

آنکھوں کی طرح نشے میں چور تھیں۔

لالی ویکھ پیشانی والی داغ لگے گُل لالے
دند چٹے سَن چنبے کلیاں موتی کھرے اُجالے

اس کی پیشانی کی سرخی دیکھ کر گُلِ لالہ کو بھی اپنے داغ کا اِحساس ہوتا تھا۔ اس کے سفید دانت چنبیلی کی کلیاں تھیں۔ اور وہ موتیوں کی طرح دمک رہے تھے۔

ٹھوڈی وانگ خوبانی سوہی بہتی رس بھری سی
پتلا اُچا قد رنگیلا نازک شاخ ہری سی

اُس کی ٹھوڑی خوبانی کی طرح خوب صورت اور بہُت زیادہ رس سے بھری ہوئی تھی۔ اس کا پتلا، اُونچا اور رنگیلا قد، نازک ہری شاخ کے مانند تھا۔

جادُوگر دو نین گڑی دے وچ کجلے دی دھاری
صوفی ویکھ ہوون مستانے چھڈن شب بیداری

اس کی دو آنکھیں اور ان میں پڑی کجلے کی دھار جادُوگری کا کام کرتے تھے۔ انھیں اگر صوفی بھی دیکھ لیتے تو مست و بےخود ہو کر ''شب بیداری'' بھُول جاتے۔

جیوں چاندی دی مچھلی ہوندی اوویں نک اُچیرا
چہرے سورج چشمے اندر ہر دم رکھے ڈیرا

اس کا ناک چاندی کی مچھلی کی طرح اُونچا تھا۔ اور وہ اُس کے چہرے کے سورج کے مانند روشن چشمے میں ہر وقت بسیرا کیے ہوئے تھی۔

کالی رات ہووے رُشنائی جے اوہ جلوہ ڈالے
اکھ کالی ظلمات خضر دی آبِ حیات پیالے

اگر وہ اپنا جلوہ دِکھائے تو کالی رات بھی دِن کی طرح روشن ہو جائے۔ اور اُس کی سیاہ آنکھیں، جو خواجہ خضرؑ کی ظلمات جیسی ہیں دیکھنے والوں کو آبِ حیات سے نواز دیں۔

زُلفاں دے خوشبوئی بُلّے تازے کرن دماغاں
آدم ویکھ مرن جیوں مردے ویکھ پتنگ چراغاں

اُس کی زُلفوں سے اُٹھنے والی خوشبو کے جھونکے دماغوں کو معطر کر رہے تھے۔ اُسے اگر کوئی

آدمی دیکھ لیتا تو وہ اُس پر یوں قربان ہو جاتا جیسے پتنگے شمع پر قربان ہو جاتے ہیں۔

حُسن اوہدے دی پھُلاں کھاری باغ اِرم وچ وِکدی

حور پری جو صورت سوہنی ہر کوئی اُس نوں سِکدی

اس کے حُسن سے بھری پھولوں کی ٹوکری باغ ارم میں فروخت ہوتی تھی جہاں حور پریاں اور دیگر حسینائیں سب اُس کی آرزومند تھیں۔

باہاں سچی چاندی لوہڑے اُستاکار بنائیاں

باہولیاں دو باسنیاں سن دولت نال بھرائیاں

اُس کی دونوں بانہیں کسی ماہر کاریگر نے خالص چاندی سے بنائی تھیں۔ اور یہ نازک بانہیں ایسے برتن تھے جو مال و دولت سے بھرے ہوئے تھے۔

گل داوُدی مُنہ دے وانگر گو چاں نویں انگوری

یا اوہ آپ حباب حسابی آہے عین کافوری

گلِ داوُدی کے مُنہ کی طرح اُس کے پستان ابھی نئے نئے نمودار ہوئے تھے یا وہ پانی کے دو بُلبُلے تھے جو کافور سے بنائے گئے تھے اور اُنھیں بڑے توازن کے ساتھ سینے پر سجایا گیا تھا۔

جے باغاں وچ واوُ فجر دی لوڑ کرے سے برساں

ایسا سندر پھُل نہ لبھے مَیں کیہ صفتاں کرساں

اگر بادِ نسیم سیکڑوں برس باغوں میں پھرتی رہے تو بھی ایسا پھول اُسے کہیں نظر نہیں آئے گا، مَیں بھلا اُس کی کیا تعریف کروں۔

نیسانی کافور دنداں ول ویکھ بہوں شرمائے

غب غب صاف سیؤ دی پھاڑی ٹھوڈی ہیٹھ سہاوے

اگر سچّے موتی بھی اس کے سفید اور چمکدار دانتوں کو دیکھ لیں تو وہ بھی شرمندہ ہو جائیں اس کی ٹھوڑی کا نچلا حصّہ سیب کی قاش جیسا تھا جو ٹھوڑی کے نیچے بہُت خوب صورت لگتا تھا۔

چاندی وانگوں رنگ جُثّے دا ہونٹھ مٹھے کھنڈ مصری

مصری سوہنے اُس ول تک کے حسن مصر دا وِسری

اُس کے جسم کا رنگ چاندی کی طرح سفید تھا۔ اور اُس کے ہونٹ مصری اور شکّر کی طرح

بیٹھے تھے۔ مصری حسینائیں بھی اُسے دیکھ کر "حُسنِ مصر" کو بھول جائیں۔

پریوں سوہنی تے من موہنی جوبن دے رنگ رتّی
شکل نہایت عقل لغایت جادُوگر اکھ متّی

وہ پریوں سے زیادہ خوب صورت اور دِلکش جوبن کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ وہ اگر شکل و صورت میں حُسن کی انتہا تھی تو عقل و دانش میں بھی کمال نظر آتی تھی اس کی آنکھیں جادُو سے بھری ہوئی تھیں۔

دِل آمیزی عشق اَنگیزی آن ادا بھری سی
نازُک انگ تے رنگ گلابی سینہ سنگ پری سی

وہ دِل آویزی اور عشق انگیزی کا مجسمہ تھی اس کے انگ انگ سے ادائیں جھلک رہی تھیں اُس کے اعضا نازُک اور رنگ گلابی تھا اور سینہ پریوں جیسا تھا۔

شیریں شکر شکل شمائل ، لیلیٰ ہیر ملاحت
عذرا بدرمنیر زُلیخا دیکھ ہووے دِل راحت

وہ شکل وصورت میں شیریں اور میٹھی، لیلیٰ اور ہیر کی طرح ملیح، عذرا، بدرمنیر اور زلیخا کی طرح حسین وجمیل جسے دیکھ کر دِل کو یک گونا راحت ہوتی تھی۔

تیز زبان یونانی شاعر صفت اوہدی دے وارے
گنگے ہوندے بول نہ سکدے خوبی بے شمارے

چرب زبان یونانی شاعر بھی اس کی صفات پر قربان ہوجاتے۔ اس کی بے شمار خوبیاں دیکھ کر خاموش ہوجاتے اور مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ بول سکتے۔

چُست طبیعت ہندوستانی فردوسی دی ثانی
ناز کرشمہ ساز جوانی لکھن نہ آسانی

ہندوستان کے تیز و طرار شاعر جو فردوسی کے ثانی ہیں وہ بھی اس ناز پرور اور کرشمہ ساز شباب کے بارے آسانی سے کچھ لکھ نہیں سکتے تھے۔

مانی تے ارژنگ سیانے کسباں دی تدبیروں
اس مورت دے نقش نگاروں عاری سن تصویروں

مانی اورارژنگ مشہور چینی مصور بھی اپنے کمالِ فن کے باوجود اس صورت کے خوب صورت نقش ونگار کو تصویر میں ڈھالنے سے قاصر رہیں گے۔

ایسی سُندر صورت لڑکی حُور بہشتی نالوں
تخت اُتے بے ہوش سُتّی سی خالی سُرت سنبھالوں

ایسی خوب صورت حسین لڑکی، جو بہشتی حور سے بھی زیادہ دِلکش تھی، تخت پر ہوش وحواس کے بغیر سوئی ہوئی تھی۔

ملکہ خاتون کی کہانی

آز حرص دو شیر کلاں دے قفل وراں بدبختی
ملکہ خاتوں ایہہ دِل سُتا شہوت جادُو تختی

طمع اور حرص دو جادُو کے شیر ہیں اور ان دروازوں کے قُفل بدبختی ہیں ملکہ خاتون سویا ہوا غفلت کا شکار دِل ہے۔اور جادُو کا تخت شہوت ہے۔

نفس اساڈا دیو مریلا غفلت ندی ڈونگھیری
جہل صندوق ہوئے دَر پکے کُنجی اسم چنگیری

ہمارا یہ نفس خونخوار دیو ہے۔اور غفلت گہری ندی ہے۔ جہالت وہ پختہ اور مضبوط صندوق ہے جو صرف اسمِ اعظم سے ہی کُھل سکتا ہے۔

پنکھی پنجریاں وچ حساں پنج باطن پنج ظاہر
باغ ارم ول تاہنگاں کردے نکلن ہوئے نہ باہر

پنجروں میں قید یہ پنچھی حواس ہیں، جو پانچ چھپے ہوئے اور پانچ ظاہر ہیں۔ یہ حواس باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔

بابل مرشد جس شاہ مہرے تحفہ چیز پچائی
اُس دے دتے لے شاہ مہرے ہمت کریں کمائی

اور بابل مرشد ہے جس نے شاہ مہروں کی شکل میں تحفے پیش کیے۔ان شاہ مہروں کے ملنے پر ہی ہمت نے اپنا کام دِکھایا۔

ملکہ خاتون سُتی جاگے خبر دیئے دلبر دی

چلے نال جمال وسالے سمجھو رمز فقر دی

ملکہ خاتون سوئی ہوئی بیدار ہوتی اور محبوب کی خبر دیتی ہے۔ وہ سیف الملوک کے ساتھ چل کر بدیع الجمال سے اُس کا ملاپ کروائے۔ اس فقیری رمز کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جمال سیف الملوک

صورت دیکھ ہوئی متحیر کہندی بار خدایا
ایہ جوان جہانوں سوہنا کہڑے دیسوں آیا

وہ سیف الملوک کی شکل وصورت دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور سوچنے لگی، یہ جوان جو دُنیا جہان سے زیادہ خوب صورت ہے اے خدا! کس مُلک سے آیا ہے۔

جھنڈ کہی کستوری بھنی کالی کنڈلاں والی
نورانی پیشانی کھُلی ابرو شکل ہلالی

اُس کی کالی سیاہ، خمدار زلفیں کستوری میں بھیگی ہوئی ہیں اس کی نورانی پیشانی چمکدار اور کشادہ ہے تو ابرو ''ہلال'' کے مانند ہیں۔

اکھیں اندر حُسن خماری ایہہ نیندر بھریاں
جے ایہہ نظر بھرا کے تکّے جھال نہ جھلّن پریاں

اُس کی آنکھوں میں حُسن کا خمار ہے یا پھر یہ نیند سے بوجھل ہو رہی ہیں۔ اگر یہ کسی سے نظر مِلا کے دیکھے تو پریاں بھی اس کی تاب برداشت نہیں کر سکیں گی۔

شیراں جیڈ زورآور دسے نازک پھُل گلابوں
نیکو کار فرشتہ صورت وافر حُسن حسابوں

وہ شیروں کی طرح طاقت وَر ہے مگر پھولوں کی طرح نازک بھی دِکھائی دیتا ہے۔ وہ فرشتہ صورت پرہیزگار ہے اور اُس کا حُسن ہر شمار سے باہر ہے۔

بجلی دے چمکارے وانگوں اس دی اکھ چمکدی
الف ازل دے نوروں لکھیا صفت کراں کیہ نک دی

اس کی آنکھ میں بجلی کی چمک جیسی چمک ہے۔ اُس کی ناک ازل کے نور سے لکھا الف ہے مَیں بھلا اس کی کیا تعریف کر سکتا ہوں۔

چہرے اُتے رنگ عجائب جیوں کھڑیا گل لالہ
پر اندر وچ ہو سی کوئی داغ محبت والا

اس کے چہرے پر عجیب رنگ ہیں مگر لگتا ہے کہ گُلِ لالہ کھلا ہوا ہے۔ اور شاید اُس کے اندر کوئی محبت کا داغ روشن ہو چکا ہے۔

کنڈلاں والی سوہے سر تے جھنڈ معنبر کالی
ہر ہر وال دِلاں دی پھاہی دُدھ دہی گھت پالی

اس کی گھنگھریالی مشک وعنبر میں لپٹی زُلفیں سر پر بہُت خوب صورت لگ رہی تھیں اُس کا ہر بال دِلوں کے لیے ایک پھندہ تھا یہ زُلفیں دُودھ اور دہی سے پالی ہوئی تھیں۔

لاہ لاہ کرے شعاع متھے دا جوبن جوت متابی
مرگ جنگل دے ہار سنگارے گوڑھے نین شرابی

اُس کے ماتھے پر جوانی کے چراغ کی کرنیں چمک رہی تھیں جب کہ مست آنکھیں جنگل کے ہرن کی طرح قدرت نے سنواری ہوئی تھیں۔

متھا صاف سمندر حُسن دا جوبن چڑھیاں لہراں
تاب بیتاب کرے جیوں سورج درشن وقت دوپہراں

اُس کی پیشانی پر حُسن کا شفاف سمندر تھا جس پر جوانی کی لہریں موجزن تھیں جیسے دوپہر کے وقت سورج کی روشنی نکتۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

چہرے تے چمکار حسن دا تابش وَدھ انگاروں
سندر بدن پھُلاں دا دستہ دانہ سرخ اناروں

اُس کے چہرے پر حُسن کی چمک انگاروں سے بھی زیادہ تابناک تھی اُس کا خوب صورت بدن پھولوں کا گلدستہ تھا یوں لگتا تھا سرخ انار کا ایک دانہ ہو۔

ہَر ہَر نقش شکل دے وچوں لاٹ شمع دی بلدی
جلدی حور پری وی تک کے جند نمانی جلدی

اُس کے چہرے کے ہر نقش میں شمع کی لَو جلتی دِکھائی دیتی تھی۔ جس کو دیکھ کر حور پری بھی دیکھ کر جل جاتی اُس کی جان بھی جل جاتی۔

جاں مُنہ طرف زمیں دے کردا ہوندی دھرت نورانی
جاں مُڑ اُچّا کر کے ویکھے لاٹاں چڑھن اسمانی

جب وہ اپنا چہرہ زمین کی طرف کرتا تو اس کے عکس سے زمین بھی نورانی ہو جاتی اور جب وہ واپس اپنا چہرہ اُٹھاتا تو نور کی یہ شعاعیں آسمان کی طرف اُٹھنے لگتیں۔

گُلناری مکھ تے تک کے سورج آن چھپاوے رساں
یاری لاوے پگ وٹاوے دوست بنے کھا قسماں

اس کا گُلناری چہرہ دیکھ کر سورج بھی اپنا آپ چھپا لیتا اور پگڑی بدل کر، قسمیں کھا کر، اس سے پکّی دوستی کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

مشتری اکھر ویکھ حُسن دے شہزادے دے ورتوں
چھوڑ قضا دیوان عشق دا کرے مطالعہ ہستوں

اگر مشتری سیارہ بھی شہزادے کے حُسن کی کتاب سے ایک حرف پڑھ لیتا تو وہ سب کچھ بھول کر شروع سے ہی دیوانِ عشق کا مطالعہ شروع کر دیتا۔

کالا چور زُحل اسمانی گورا ویکھ شاہزادہ
بنے غلام حلالی حبشی ثابت رکھ ارادہ

زُحل ستارہ بھی اگر شہزادے کا گورا چٹا رنگ دیکھ لیتا تو وہ بھی کالا چور بن جاتا اور مضبوط ارادوں والا حبشی غلام بن جاتا۔

دھاڑ پوے مریخے تائیں کالے کجل کٹک دی
ہو حیران بہے وچ خانے چوکی چھوڑ مُلک دی

اس کی آنکھوں میں موجود کاجل کے لشکر کا مریخ پر حملہ ہو جائے تو وہ حیران و پریشان ہو آسمانوں کی مجلس چھوڑ کر اپنے گھر میں قید ہو کر رہ جائے۔ (علم نجوم کا گھر)

زہرہ نوں تک زہر پرم دا وِچ کلیجے دھاوے
ہاروتے مارو دے وانگن لیہہ اسمانوں آوے

اگر زہرہ بھی اُسے دیکھ لیتا تو محبت کا زہر اُس کے کلیجے میں بھی دھنس جاتا۔ وہ بھی ہاروت اور ماروت فرشتوں کی طرح آسمان سے اُتر کر زمین پر آ جاتے۔

صورت دیکھ شہزادے والی وگدا ویہن کھلووے
ڈر سنسار لگے تھر کنبا جاں ہتھیار رو ہووے

شہزادے کی صورت دیکھ کر چلتے بہاؤ بھی رُک جاتے۔ جب وہ ہتھیار لگا کر چلتا تو کائنات تھرتھر کانپنے لگتی۔

شاہ پری کے حُسن کی تعریف

اُچّا قد سفیدا پتلا سرو آزاد بہشتی
یا اوہ نخل مراد خداوند رحمت کنوں سرشتی

اس پری کا قد، سفیدے کے درخت کی طرح پتلا اور اُونچا تھا۔ یا پھر وہ بہشت کا آزاد سرو کا بُوٹا تھا۔ یا پھر وہ ایسا نخل مراد تھا جس کی سرشت میں اللہ کی رحمت شامل تھی۔

کنڈل دار دوزُلفاں سر تے کالے ناگ ڈنگالے
ہر مینڈھی سر کڈھے جیونکر بشیئر جیبھ نکالے

اس کی دو گھنگھریالی زُلفیں، سر پر کالے ناگوں کی طرح نمایاں تھیں۔ چھوٹی چھوٹی چوٹیوں نے یوں سر نکالے ہوئے تھے جیسے کالے ناگ زبان باہر نکالتے ہیں۔

دانشمند کمند زلف دے بند ہوون دِل بستے
پیچا پیچ اوہدے وِچ پھاسن نہ نکلن دے رستے

بڑے بڑے دانش وَر اور سیانے لوگ بھی ان زُلفوں کے اسیر ہو کر رہ جاتے اگر وہ ایک بار ان زلفوں کے پیچ میں اُلجھ جاتے تو پھر ان کے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

کنیں بُندیاں واگاں گندیاں کنج کواری کاکی
حوراں وانگ رنجوراں ہوون ویکھ لطافت پاکی

اس کے کانوں میں بُندے تھے، بال گندھے ہوئے تھے وہ ابھی معصوم اور کُنواری لڑکی تھی۔ اگر جنت کی حوریں بھی اس لڑکی کی لطافت و پاکیزگی کو دیکھ لیتیں تو احساسِ کمتری کا شکار ہو کر غمزدہ ہو جاتیں۔

نورانی دریا پیشانی نال صفائی چمکے
واگاں وانگ زنجیری ہوئیاں واءحسن جدر مکے

اس کی پیشانی نورانی دریا تھی جو آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ جب حسن کی ہوا آہستہ سے چلتی تو اُس کی زُلف کی زنجیریں اور بھی پیچ دار ہو جاتیں۔

مجیاں بھجیاں مُشکیں رچیاں سیلڑیاں کروٹیاں
پھاہیاں عاشق بَھن کارن وٹ گلے وچ سٹیاں

وہ بھیگی ہوئی زُلفیں خوشبو میں رچی ہوئی تھیں اور اُنھیں رسّی کی طرح بل دِیے گئے تھے۔ بل کہ اُنھیں عاشقوں کو باندھنے کے لیے بل دے کر گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

فرقوں فرق پیا کستوری ہویا دوٹکڑے ہک دل
مشکل تھیں وِچ نافے بنیا مُشکے دا کم مشکل

کستوری نے اُس کو دیکھا تو اس کا اپنا دِل دوٹکڑے ہوگیا وہ کوئی تمیز نہیں کرسکی۔ اس صورتِ حالات میں نافۂ ہرن کا کام اور بھی مشکل ہو گیا۔

واگاں مشکوں لاگاں لگیاں جھولن سر ٹمکایا
پایا شاخ گلابے تائیں سر پیراں تک سایا

اُس کی زُلفیں مُشک سے معطر تھیں جو سر کو جھٹکا کر جھول رہی تھیں اور ان زُلفوں سے ہی شاخ گلاب نے سر سے پانو تک سایہ حاصل کِیا تھا۔

ول ول پئے ول والاں والے ول ول ولی ولاون
آبِ حیات موہوں گھت ظلمت ذوالقرنین بُھلاون

اس کی زُلفوں میں جوش وخروش سے بل پڑے ہوئے تھے جو مُڑمُڑ کر ولیوں کو بھی بہکا رہے تھے۔ ان زلفوں کی تاریکی میں ہی آبِ حیات کا چشمہ تھا اگر یہ زُلفیں اپنے مُنہ سے ایک قطرہ ذوالقرنین کے مُنہ میں ڈال دیتیں تو وہ بھی سب کچھ بھُول جاتے۔

پٹی صاف آہی خم والی جیوں تلوار سروہی
پھٹے کٹے سٹے راہیں عشقوں دین دھروہی

اس کے سر میں بالوں کی مانگ صاف اور تھوڑی خم دار تھی جیسے سروہہ کی بنی ہوئی تلوار ہوتی ہے۔ جو سامنے آنے والے کو مارتی کاٹتی راستے میں پھینکتی چلی جاتی اور عاشق آہ وفریاد کرتے رہ جاتے تھے۔

درس جمال اوہدے دی پڑھدے سورج انبر تارے
متھا سات روپہری تختی رکھن پکڑ کنارے

سورج، آسمان اور ستارے بھی اُس کی خوب صورتی کا تذکرہ کرتے تھے۔ اس کی پیشانی وہ سنہری تختی تھی جس کو خصوصی طور پر علیحدہ اور منفرد رکھا جاتا ہے۔

اوس تختی پر لکھے آہے نال سیاہی کالی
خوش خط عربی نون دو پاسے کانی قدرت والی

اس سنہری تختی کے دونوں طرف قدرت کے قلم سے کالی سیاہی کے ساتھ عربی زبان کے دو خوشخط نون لکھے ہوئے تھے (ابروؤں کی طرف اشارہ ہے)

نوناں ہیٹھ عجائب سوہنے دوئے صاد لکھے سَن
آفرین ہزاراں اس نوں جس اُستاد لکھے سَن

ان نونوں کے نیچے عجیب و غریب اور اِنتہائی خوب صورت انداز میں دو "صاد" لکھے ہوئے تھے۔ ہزاروں آفرین ہے اس اُستاد کے لیے جس نے یہ صاد لکھے تھے۔

اوس تختی دے دندے دندے دوہاں جیماں دے گھیرے
جیم جال اندر خوش خط نقطے کالے خال لُٹیرے

اس سنہری تکتی کے دونوں کناروں پر دو جیموں کے گھیرے بنے ہوئے تھے اور ان کے گھیروں میں دو کالے تِل نقطوں کی طرح حُسن کے لٹیرے بن کر بیٹھے تھے۔

نوناں دے سر نالوں لے کے میم مبارک توڑی
الف ازل دی کانی لکھیا وچ صواداں دے جوڑی

ان نونوں کے سروں سے لے کر میم مبارک تک اور صاد کے جوڑے کے درمیان ازل کے قلم نے انتہائی خوب صورت الف (ناک) لکھ دیا تھا۔

الف اگے پھر بندی دے کے حلقہ دات بنایا
شعور عشق دا شان حُسن دا اک تھیں دو ودھایا

الف کے آگے پھر ایک بندی لگا کر حلقہ دات بنایا گیا تھا۔ عشق کا جوش اور حُسن کی تابندگی اس کے روپ میں اور بھی اضافہ کر رہی تھی۔

وال لباں شنگرفوں لکھیاں خط فارس دیاں رآں
اونہاں وچوں سین دسیندا زور ہسن داپ آں

اُس کے سرخ ہونٹ خط فارس میں شنگرف سے لکھے ہوئے (ر) رے تھے۔ جن کے درمیان ہنستے ہوئے سین (س) دِکھائی دیتا تھا۔ (دانت)

رے تے سین رَلے سنگ میمے رسم بنی محبوبی
میمے دی گنڈھ نال دنداں دے کھول دکھائی خوبی

رے اور سین جب میم سے ملے تو رسمِ محبوبی آغاز ہوئی۔ اور مَیں نے کیا خوبی کے ساتھ میم کی گرہ دانتوں سے کھول دِکھائی ہے۔

باغِ اِرم دے رُوپوں آئی اُس دی شکل نمونہ
صورت اندر پیدا ہویا گل پھُل گونہ گونہ

باغِ ارم کے حُسن سے اُس کی شکل وصورت ایک نمونہ بن کر آئی تھی جس کی صورت میں علیحدہ علیحدہ رنگ برنگے پھُول کھلے ہوئے تھے۔

انہاں پھُلاں تے بھوراں وانگن ٹِکہ بندی والا
جیوں گلزار اندر آ بیٹھا بچہ حبشی کالا

ان پھولوں پر ماتھے کی بند یا بھنورے کی طرح منڈلا رہی تھی۔ جیسے گلستان میں کوئی کالا حبشی بچہ آ کر بیٹھ گیا ہو۔

ٹھوڑی سی پنڈ صاف روپے دی ٹکی با جھ زکوٰتوں
وچ ٹوآ پر سیوں بھریا چشمہ آبِ حیاتوں

اس کی ٹھوڑی چاندی کے روپوں کی وہ گٹھڑی تھی جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو اور اُس میں گڑھا عرق سے لبریز آبِ حیات کے چشمہ کے مانند تھا۔

بغلاں موہڈے طعنے مارن چنبے دے پھُل چٹے
مثل کلی دی گھٹی دیہی سر تھیں لے لگ گٹے

اس کی بغلیں اور شانے چنبیلی کے سفید پھولوں کو بھی شرمندہ کرتے تھے۔ اس کا خوب صورت جسم سر سے لے کر پانو تک کلی کے مانند بند تھا۔

سوہنا بدن پھُلاں دا دستہ پلے وِچ چھپایا
کیتے جتن ہزار ہزاراں کسے نہ درشن پایا

اُس نے اپنا خوب صورت بدن چادر میں چھپا رکھا تھا ہزاروں لوگ ہزار کوشش کے باوجود بھی اُس کا دِیدار نہیں کر سکے تھے۔

دو پستان صفائی والے نویں شگُوفے اُگے
کالے بھور اوپر رکھوالے نظروں زخم نہ لگے

اس کے صاف سینے پر دو پستان نئے شگوفوں کی طرح آئے تھے جن پر دو کالے بھنورے حفاظت کے لیے موجود تھے کہ کہیں نظروں سے ہی کوئی زخم نہ لگ جائے۔

سینہ صاف صندل دی تختی جوڑ اُستاد بنائے
واہ اُستاد کاریگر جس نے ایہہ پیوند لگائے

اس کا سینہ صندل کی تختی کے مانند صاف تھا جو مختلف ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ اور وہ کیا خوب کاریگر تھا جس نے یہ پیوند لگائے تھے کہ ایک بھی جوڑ دِکھائی نہیں دیتا تھا۔

پتلا چم سفید شکم دا جیوں کاغذ کشمیروں
ریشم قسم اُچی دا یاسی لچھا سُوت حریروں

اُس کے پیٹ کی سفید اور پتلی جلد کشمیر کے کاغذ کے مانند تھی یا پھر کوئی اعلیٰ قسم کا ریشم تھا یا پھر ریشم کا ہی کوئی گچھا تھا۔

لچ لچ کردا منکا وچڑا لک مہین بیانوں
پیر اُٹھاوے تاں وَل کھاوے اُٹھدی ڈرے زیانوں

اس کی ریڑھ کی ہڈی نازک اور لچکدار تھی کمر اِتنی باریک تھی کہ اُس کو بیان کرنا مشکل ہے وہ پانو اُٹھاتی تو کمر میں بل پڑ جاتا اِس لیے وہ اُٹھنے سے بھی ڈرتی تھی کہ کہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔

لکوں لے لگ پیراں تائیں کراں خیال نہ من دا
بادشاہاں دے ستریں جائیے کیہہ مقدور سخن دا

کمر سے لے کر پانو تک اس کے حُسن کے بارے کچھ خیال کروں دِل نہیں مانتا۔ ویسے بھی بادشاہوں کے نہاں خانوں میں داخل ہونے کی میرے سخن میں طاقت نہیں۔

چاندی پیر تکّے جد چاندی جاندی جان بچاندی
قدمیں ڈھیندی عرضاں کہندی سجدیوں سیں نہ چاندی

چاندی نے جب وہ چاندی جیسے پانو دیکھے تو وہ اپنی جان بچانے پر مجبور ہوگئی۔ وہ قدموں میں گر گر بس عرض گزاری ہی کرتی رہی ایک پَل بھی سجدے سے سر نہیں اُٹھایا۔

نازُک پیر گلاب پری دے منہدی نال شنگارے
تلے دار بنائی پنّیاں چمکن وچ ستارے

پری کے گلاب جیسے نازُک پانو منہدی سے سنوارے گئے تھے۔ اور اس کی طلائی پنڈلیوں میں ستارے چمک رہے تھے۔

کلغی مغزی نوک پنجے تے جُوت ہوئی فیروزے
پنے تلے پتاوے پکے سب سچے زر دوزے

اس کی پاپوش کی کلغی، مغزی اور پنجے کی نوک پر فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ پنا، تلا، پتاوا مضبوطی سے بنائے گئے تھے اور ان سب پر سونے کی تاروں کا کام کیا گیا تھا۔

پھوک چلایئے تاں اُڈ جاون وانگن سوئیاں چڑیاں
کھڑیاں کلیاں ریتاں جیہیاں پیریں سوبھن کڑیاں

وہ پاپوش اِس قدر ہلکی اور نازُک تھیں اک ذرا پھونک سے بھی خوب صورت چڑیوں کی طرح اُڑ جاتیں اُس کے پانو کی خوب صورت زنجیروں کی کڑیاں سرخ کلیوں کی طرح کِھلی ہوئی تھیں۔

حُسن بدیع الجمال پری دا وانگ بہار چمن دی
سنبل وال حسین زنجیری ہر مینڈھی ون ون دی

بدیع الجمال پری کا حُسن چمن کی بہار جیسا تھا تو اُس کے سنبل کی طرح نرم اور باریک بال زنجیر کی طرح بنائے ہوئے تھے اور ہر چوٹی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔

نرگس مست بیمار پری دے نین گوہڑے متوارے
چہرہ پھُل گلاب بہاری گُل لالے رُخسارے

اس کی آنکھیں نرگس کی طرح بڑی گہری، مست اور نشیلی تھی اس کا چہرہ گلاب کے پھول جیسا اور رُخسار گلِ لالہ کے مانند تھے۔

پاڑ سٹے پیراہن گل دے چہرہ ویکھ گلاباں
گلدے گلدے عرق سدائے رل گئے وچ آباں

گلاب کے پھولوں نے بھی اُس کا چہرہ دیکھ کر گریبان چاک کر لیے۔ اور پھر گلتے سڑتے پہلے عرق بنے اور پھر پانیوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

لال گلال گلھاں ول تک کے داغ لگا گل لالے
جمیں رَت کلیجے اُتے پیندا زہر پیالے

اس کے لال گُلال رُخساروں کو دیکھ کر گُلِ لالہ کو بھی داغ لگ گیا اُس کے سینے پر بھی خون کی تہہ جم گئی اور وہ زہر پیالہ پینے پر مجبور ہو گیا۔

جوش بُخار عشق دے چڑھدے جاں نیناں ول تکدا
نرگس نوں سر دردی لگے اکھ ہگار نہ سکدا

جب وہ اُس کی مست آنکھوں کی طرف دیکھتا ہے تو جوشِ عشق سے بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے نرگس کا پھول بھی اُنھیں دیکھ کر سر درد کا شکار ہو جاتا ہے اور آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ٹھوڑی دیکھ خوبانی تائیں لیک پئی وچکاروں
پستاناں دی غیرت کولوں وِکیا رنگ اناروں

اس کی ٹھوڑی کو دیکھ کر ہی خوبانی کے درمیان میں لکیر سی پڑی تھی۔ جب کہ اس کے پستانوں کو دیکھ کر رشک سے اناروں کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

اُچا قد رنگیلا تک کے سرو آزاد پیارا
پیراں بھار حیران کھلوتا ہویا قید بیچارا

پری کا اُونچا اور رنگیلا قد دیکھ کر سرو کا آزاد پودا بھی پنجوں کے بَل حیران کھڑا ہو گیا اُس کی آزادی سلب ہو گئی اور وہ انھی قدموں پر قید ہو گیا۔

چودھویں دا چن داغی ہویا متھا ویکھ نورانی
اکھ بھرا نہ تکن ہوندی سورج ہار پیشانی

اس کی خوب صورت پیشانی کو دیکھ کر چودھویں کا چاند بھی داغدار ہو گیا۔ سورج کی طرح روشن پیشانی آنکھ ملا کر دیکھی نہیں جاتی تھی۔

کالی لیل زُلف وچ آہا خوب سہیل یمن دا
عاشق دی بلغارے تائیں رنگ دَیے ون ون دا

اُس زُلف کی سیاہ رات میں یمن ستارا کیا خوب چمک رہا تھا۔ جسے دیکھ کر عاشق کی آہ و بُکا کو ایک نیا اور مختلف رنگ مِل جاتا ہے۔

اُچّا متھا بہُت کشادہ شیشے ہار چمکدا
رُوپ انوپ خدائی دیوے اس اندر جو تکدا

اُس کا بہُت زیادہ کشادہ ماتھا شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس شیشے میں جو کوئی بھی دیکھتا اُس کو خدائی کے بے شمار رنگ رُوپ نظر آتے۔

لاڈ تکبروں بھر بھر وَٹے بھروٹے دو کالے
لالی اندر نظریں آوَن چن مبارک والے

اُس کے سیاہ کالے ابرو تکبر و لاڈ سے ہر وقت مغرور رہتے تھے۔ اُس کے حُسن کی شفق میں وہ عید کے چاند کی طرح نظر آتے تھے۔

متھا سی اَسمان حُسن دا اوہ وِچ قوس قزح سَن
شام زلف دی لالی اندر کالی گھاٹ طرح سَن

اُس کا ماتھا حُسن کا آسمان تھا جس میں ابرو قوسِ قزح کی طرح تھے۔ اس کے حُسن کی سرخی میں زُلفوں کی شام کالی گھٹا کے مانند تھی۔

چہرہ صاف بہشتی صُفہ ابرو طاق بنائے
واہ نقاش محمد بخشا جس اوہ رنگ لگائے

اُس کا چہرہ صاف و شفاف بہشت کے سائبان جیسا تھا جس میں ابرو طاق کے مانند تھے......اے محمد بخش! آفرین ہے اس نقاش کے جس نے اس تصویر کو رنگوں سے مزین کیا۔

مُکھ محبوباں دا بیت اللہ اوہ محراب اُچیرے
کرن نماز نیازاں عاشق سجدے دین چفیرے

محبوب کے مکھڑے بیت اللہ کی طرح اور وہ خود اُونچے محراب ہوتے ہیں جس کے اردگرد عاشق نمازِ عشق ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

زور کماناں کم ہمیشہ ابرو سخت کماناں
رستم نین سپاہی ظالم گھائل کرن جواناں

اُس کے ابرو سخت کمانیں تھیں، جن کا کام ہمیشہ زور آزمائی کرنا ہے۔ اس کی آنکھیں رُستم کی طرح بہادر ظالم سپاہیوں جیسے تھے جو جوانوں کو زخمی کر دیتے تھے۔

پلکن کانی زہروں پانی ترکھے تیر خدنگ دے
بسلے ناگ ایانے چوری وال دِلاں نوں ڈنگ دے

اس کے ابرو خدنگ کے وہ تیکھے تیر تھے جو زہر میں بھیگے ہوئے تھے۔ یا پھر وہ زہریلے چھوٹی عمر کے ناگ تھے جو چوری چوری دِلوں کو ڈستے ہیں۔

اکھیں تیز کٹاراں وانگر کرن چوطرفی ماراں
اکھ مٹکے چور اچکّے چھپ چھپ کردے واراں

اس کی آنکھیں تیز چھریوں کی طرح چاروں طرف قتل وغارت کرتیں، چور اچکوں کے آنکھ مٹکوں کی طرح چھپ چھپ کر حملہ آور ہوتیں۔

بیٹھے چھوہ دھرو کر، مارن برچھے نیزے سانگاں
لٹن کٹن سٹن راہیں سنن نہ کوکاں چانگاں

وہ بیٹھے بٹھائے تاک لگا کر، دھوکا فریب سے ہی برچھیوں اور نیزوں سے حملہ آور ہو جاتیں، لوٹتیں، کاٹتیں اور راستوں میں پھینک دیتیں۔ کسی آہ و فریاد کو خاطر میں نہ لاتیں۔

سیف الملوک جیہے نوں لاون گس بندوق کلیجے
دھوں آواز نہ نکلے کوئی سَل جاوے ہڈ بھیجے

سیف الملوک جیسے بہادروں کے بھی اگر وہ کلیجے میں گولی مار دیں تو اُس میں کوئی آواز نکلے نہ دُھواں، ہڈیاں اور مغز بھی زخمی ہو جائیں۔

بجلی دے چمکارے وانگر اکھ پرت قہر دا
جو تکے سو نس نہ سکے بجھ اُتھائیوں مردا

اس کا آنکھیں پھیرنا۔ اور پھر دیکھنا۔ بجلی کے چمکارے کی طرح قہر وغضب کا باعث تھا جو بھی دیکھتا وہ پھر بھاگ نہیں سکتا تھا اُسی جگہ ہی مر جاتا تھا۔

واہ واہ مست نگاہ پری دی گھاہ کرے وچ سینے
ڈوری بھوری نیند بھری سی تکدی طرف زمینے

پری کی مست نگاہی بھی کیا خوب تھی، وہ جدھر دیکھتی سینے شل کر دیتی۔ لیکن وہ حیران و پریشان نیند بھری آنکھوں سے زمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

خوب بدامی اکھیں بھائی چیر میاں انب پھاڑی
کجل کٹک منک سوہاوے جیونکر ہرن اجاڑی

اے بھائی! اس کی خوب صورت بادامی آنکھوں کا کیا کہنا۔ میاں آم کی قاشیں چیری ہوئی تھیں جن میں کاجل کا ناز و نخرہ اور بھی خوب صورت لگتا تھا۔ جیسے جنگل کے ہرن کی آنکھیں ہوں۔

گوہڑے نین سمند حُسن دے کجلا لہراں مارے
اکھ مٹکے مارن دھکے ٹھیل دیون ہتیارے

اس کی گہری آنکھوں میں حُسن کا سمندر موجزن تھا جس میں کاجل لہریں لے رہا تھا۔ وہ اگر آنکھ سے ایک اشارہ بھی کر دیتی تو بڑے بڑے ظالم بھی اُس سمندر میں بیڑے اُتار دیتے۔

ہوندے غرق جہاز دِلاں دے لگدا کون کنارے
پر اس وہن محمد بخشا جو ڈُبے رب تارے

اس سمندر میں دِلوں کے جہاز غرق ہو جاتے شاید ہی کوئی کنارے تک پہنچ پاتا۔ لیکن اِس بہاو میں اے محمد بخش! جو ڈُوب گیا اُسے خدا ہی پار لگا سکتا ہے۔

جاڈُوگر اداس ایانے بن پیتے متوارے
ابر خماری کرن اسواری پھرن شکاری بھارے

وہ کوئی اُداس اور معصوم جاڈُوگر تھے۔ جو بن پیے ہی مدہوش تھے۔ جو خماری پر سواری کر کے ایسے زبردست شکاری تھے جو شکار پر نکلے ہوئے تھے۔

کٹ کٹ سُٹن کٹک دِلاں دے لین جہان آزارے
کردے وار ہتھیار جنہاں دے سرمے سار سنگارے

وہ دِلوں کے لشکر کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ ایک جہان ان سے تکلیفیں اُٹھا رہا تھا۔ سرمہ اور کاجل سے آراستہ یہ ہتھیار اور بھی زیادہ ہلاکت خیز ہو جاتے۔

ہک واری دے ویکھن کارن سیکڑیاں سر وارے
پاک شہید محمد بخشا جو اس جھگڑے مارے

بس ایک بار دیکھنے کے لیے سیکڑوں نے اپنے سر قربان کر دیے۔ اے محمد بخش! جو اس جنگ میں مارے گئے ہیں وہ سب پاک شہید ہیں۔

تکن سات کریندا گھائل نک خنجر فولادی
اوہو قاتل اوسے اگے پھیر کُٹھے فریادی

اس کی ناک، وہ فولادی خنجر تھا، جو دیکھتے ہی زخمی کر کے رکھ دیتا تھا۔ اُس کے مقتول اپنے ہی قاتل کے سامنے فریادیں کرتے تھے۔

پتلا اُچا نک پری دا دھار جویں تلواروں
لونگ بلاق سچے دی تابش جھلک لگے چمکاروں

پری بدیع الجمال کا ناک پتلا اور اُونچا تھا جیسے تلوار کی تیز دھار ہو، اور اُس میں، نتھلی کے سچے موتی کی آب سے ایک خاص چمک نکلتی تھی۔

سدھا تیر صفائی والا زہر آلودہ کانی
اُڈ دے پکھنوں مار گرائے کیا طاقت انسانی

یا پھر وہ ناک،...... سیدھا اور صاف تیر تھا جو زہر میں بُجھا ہوا تھا۔ وہ اُڑتے پنچھی بھی مار گراتا تھا پھر بھلا اس کے سامنے کسی انسان کی کیا حیثیت ہے؟

کاتب لوح قلم دے لکھیا حکمت دی تدبیروں
وچ بسم اللہ، اللہ اکبر، الف ذبح تکبیروں

(اس ناک کا الف) لوح و قلم کے کاتب نے اپنی حکمت سے تحریر کیا تھا۔ بسم اللہ اللہ اکبر جو ذبح کرنے کی تکبیر ہے اس کے درمیان میں یہ الف لکھا ہے۔

متھا لوح ازل دے نوروں قلم آہا نک بھائی
مُڈھوں اک اگوں مُنہ دوئے ناہی خط خطائی

اس کی پیشانی لوحِ ازل کے نور سے بنی تھی اور قلم اے بھائی وہ ناک تھی۔ وہ بنیاد سے تو ایک ہی تھے لیکن آگے ان کے دو مُنہ بن گئے تھے۔ اور اس خط میں کوئی غلطی نہیں تھی۔

سرخی لکھن والی آہی دات دوات نورانی
صوفاں سر الٰہی نکلن اکھر عشق حقانی

یہ تحریر لکھنے والی دھات کا مُنہ سرخ اور نورانی تھا۔ اس دوات سے خدائی راز کا صوف نکلتا تو حرف عشقِ حقانی سے مزین تھے۔

سدا بہار گلاب گوڑھے دی دات کلی مکھ میٹی
صاف آواز پرم رس والا جیوں رانجھے دی سیٹی

اُس کا مُنہ سدا بہار گلاب کی بند مُنہ کلی جیسا تھا۔ اور صاف آواز پریم کے رس والی تھی جیسے رانجھے کی ونجھلی کی تھی۔

سوہنا سرخ عقیقی تھیوا مہر نگی سلیمانی
موری مثل سوئی دے نکے آہی ذرّہ نشانی

یا پھر ...... وہ خوب صورت سرخ عقیق کا پتھر تھا جس پر سلیمانی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کا مُنہ سوئی کے چھید کی مثال تھا۔ بس ذرا نشان ہی تو تھا۔

سچا موتی سل ٹکایا کاریگراں سیاناں
یا اوہ گرد پتاسہ مصری لذت وار مکھاناں

یا وہ ایک سُچا موتی تھا جو ماہر کاریگروں نے چھید کر صاف سِل پر رکھا ہوا تھا۔ یا پھر پتا سے کے گرد مصری اور لذت دار مکھانا تھا۔

لعل لباں یاقوت سچّے سن شکر مصری ڈلیاں
لالی تے باریکی ولوں گل عباسی کلیاں

اس کے سرخ ہونٹ سچے موتی اور یاقوت کے بنے تھے یا پھر وہ شکر اور مصری کی ڈلیاں تھیں، جو لالی اور باریکی میں گُلِ عباسی کی کلیوں کے مانند تھے۔

پستہ مغز بادام گری سن جس ویلے مُنہ میٹے
گل کرے وںڈے چھوہارے ہسّے تاں پھُل وِیٹے

جب وہ اپنا مُنہ بند کرتی تو لگتا کہ پستہ، بادام اور گری ہے جب وہ بات کرتی تو یوں محسوس ہوتا چھوہارے بانٹ رہی ہے جب ہنستی تو لگتا پھول برس رہے ہیں۔

دند سفید ہیرے دیاں کنّیاں گھنیاں گھنیاں لاراں
استا کار برابر کر کے رکھیاں خوب قطاراں

اس کے سفید دانت ہیرے کی کنیاں تھیں جو گنجان اور ایک صف میں رکھی ہوئی تھیں جنھیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ کسی ماہر کاریگر نے مہارت سے تراش کے ایک قطار میں رکھا ہے۔

یا ان بدھے موتی بدھے گھت قدرت دیاں تاراں
یا اوہ چنبے کلیاں جڑیاں پنج چوکے ہک باراں

یا پھر وہ ان چھدرے بکھرے ہوئے موتی تھے جن کو قدرت کی تار میں پرو دیا گیا تھا۔ یا وہ چنبا کی بتیس کلیاں تھیں جو ایک ترتیب میں جڑ دی گئی تھیں۔

خوب سنجاف چٹے تے سُوہے کنگرے چوٹی داراں
کلیاں ہار محمد بخشا سرخ دہن دند لہراں

یا پھر وہ سفید اور سرخ جھالر دار کپڑے جن میں چوٹیاں اور کونے بنے ہوئے تھے۔ اے محمد بخش! اس کے دانت کلیوں کی طرح قطار در قطار تھے۔

توتے وانگن جیبھ مِٹھی سی مینا بولن والی
آکھے مَیں نہ بولن والی عاشق نال سکھالی

اس کی زبان توتے کی طرح میٹھی تھی لیکن وہ مینا کی طرح بولتی تھی۔ وہ کہتی مَیں تو نہیں بولتی مَیں تو صرف اپنے محبوب کی خوشی کے لیے بولتی ہوں۔

ٹھوڑی باغ ارم دا میوہ بہی سی رس والی
جھلّے لکھ آسیب نہ پہنچے اس دے کول سوالی

اُس کی ٹھوڑی باغِ ارم کا سیب تھی جو بہت زیادہ رسیلی تھی۔ کوئی لاکھ آسیب برداشت کر کے بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

چوہا پاک آہا وچ ٹوا جوبن پانی بھریا
ٹھوڑی ہیٹھ سلاک جڑی سی مچھ حُسن دا تریا

اُس کی ٹھوڑی کے درمیان میں ایک گڑھا تھا جس میں جوبن کا پاک اور صاف پانی بھرا ہوا تھا۔ ٹھوڑی کے نیچے ایک سلاخ بھی جڑی ہوئی تھی گویا حُسن کا مگر مچھ تیر رہا تھا۔

گردن مِثل صراحی کچ دی بوتل صاف بلوری
سرخ شراب لہو بھر رتے شیشے گرد لاہوری

اس کی گردن کانچ کی صراحی جیسی تھی وہ صاف شفاف شیشے کی ایک بوتل تھی جس میں خون کے رنگ کی سرخ شراب بھری ہوئی تھی۔

شیریں شکر نرم آوازہ رسلے بول رنگیلے
تلخ جواب مٹھے مُنہ وِچوں سُن کپندے بیلے

اُس کی نرم آواز شیر و شکر سے بھرپور تھی اور اُس کے رسیلے بول رنگ بھرے تھے۔ مگر اُس میٹھے مُنہ سے تلخ جواب سُن کر جنگل اور ویرانے بھی کانپ جاتے تھے۔

توتے قمری نالوں سوہنی کوئل وانگن بولے
چھنکے گل کٹوری جیہی موتی بھر بھر تولے

وہ توتے اور فاختاؤں سے بھی زیادہ خوب صورت تھی اور کوئل کی طرح بولتی تھی وہ بولتی تو یوں لگتا جیسے کٹوری چھنک رہی ہے یا پھر وہ موتی بھر بھر کر تول رہی ہے۔

یا اوہ باغ حُسن دے وچوں چنبے نویاں شاخاں
لچکن جوڑ مروڑ کریندے چال مثل گستاخاں

یا پھر وہ...... باغِ حُسن کی چنبیلی کی نئی نویلی شاخ تھی۔ جب وہ گستاخانہ چال چلتی تو اُس کے بدن کا ہر جوڑ لچک لچک جاتا تھا۔

باہاں لوہڑے رنگ رنگیلے چنن چیر بنائے
اُستاکار ازل دے یارو جندر چاڑھ سوہائے

اُس کی بانہیں غضب کی رنگ رنگیلی تھیں جو صندل کی لکڑی کو چیر کر بنائی گئی تھیں، جیسے ازل کے ماہر کاریگر نے خراد پر چڑھا کر بنائی ہوں۔

اُنگلیاں دس پون سلائیاں چاندی کھری سلاکاں
نونہیں منہدی بن بن بہندی لہو ملے غمناکاں

اس کی دس اُنگلیاں روئی سے بنی باریک سلائیاں تھیں یا پھر خالص چاندی کی سلاخیں، ناخنوں پر منہدی یوں سج سنور کر بیٹھی ہوئی تھی جیسے عاشقوں کا لہو پی کر بیٹھی ہو۔

یا اوہ کلکاں سوہیاں آہیاں شنگرف بھریاں نوکاں
یا شاطر، یا تیر اجل دے رَت پیون لوکاں

یا وہ سرخ قلمیں تھیں جن کے سرے شنگرف سے بھرے ہوئے تھے یا پھر شاطر وریا کار اجل کے تیر تھے جو لوگوں کا خون پیتے تھے۔

چھاتی تختی صاف چنن دی خوب کریگر گھڑ کے
چاندی دے دو پھُل لگائے میخ لوہے دی جڑ کے

اس کی سینے کی تختی صاف صندل کی لکڑی کی تھی جس پر ماہر کاریگر نے تراش کر چاندی کے دو پھُول، ہنرمندی سے لوہے کی میخوں سے جڑ دیے تھے۔

نازک بُتہ پھُل چنبے دا اَلا مکھن سیالا
دُھن تھیں خوشبوئی ہُلہ مشک تتاری والا

اس کا نازک بدن سردیوں کے موسم کے کچے مکھن جیسا تھا۔ اور اُس کی ناف سے تاتاری ہرن کی کستوری کے جھونکے اُٹھ رہے تھے۔

نکی نکی چال لٹکی ہنساں کُگھاں جیہی
رنگ گلابی شکل مہتابی پھُلیں تُلدی دیہی

وہ آہستہ آہستہ ناز و ادا سے ہنسوں اور فاختاؤں کی طرح چلتی۔ اس کا رنگ گلابی اور صورت مہتابی تھی اُس کے جسم کو پھولوں میں تولا جا سکتا تھا۔

روپ بدیع جمال پری دا چودھویں چن نورانی
دھاوس زہر کلیجے تکّے جے زُہرہ اسمانی

بدیع الجمال کا رُوپ چودھویں کے چاند کے مانند تھا۔ اگر زہرہ ستارہ بھی اُس کو دیکھتا تو اُس کے کلیجے میں بھی زہر اُتر جاتا۔

جے سورج ول دیکھے ساہنواں چھُج بدل وچ وڑدا
تارہ ویکھ ہکو چمکارہ ہو بے چارا جھڑدا

اگر وہ سورج کو بالمقابل آ کر دیکھ لیتی تو وہ بھی بادلوں میں چھپ جاتا۔ ستارہ اُس کی ایک ہی جھلک دیکھ کر بے چارگی کے عالم میں آسمان سے جھڑ جاتا۔

ٹھم ٹھم کر دی دھرتی دھر دی نازک پیر گلابوں
منہدی رنگے جیوں پٹ لچھے آون شہر خوشابوں

وہ گلاب سے بھی زیادہ نازک پیر زمین پر ٹھک ٹھک کر رکھتی۔ جیسے خوشاب شہر کے منہدی رنگے ریشم کے گچھے زمین پر رکھے جاتے ہیں۔

نویں جوانی مدھ مستانی آلی بھولی سادی
رُوپ الٰہی دے ہک پُتلی دم دم ہووے زیادی

اس کی نئی نویلی جوانی، مست و بےخود، بھول بھالی اور معصوم تھی۔ وہ خدا کے رُوپ کی ایک پُتلی تھی جس کا حُسن ہر لمحے کے ساتھ زیادہ ہو رہا تھا۔

متفرق

نہ کچھ سُرت سنبھال بدن دی لعل پیا وچ گھٹے
وانگ کپور ہویا رنگ پیلا سینہ سر مُونہ پھٹے

اُسے اپنے آپ کا کچھ خیال تھا نہ ہوش، قیمتی ہیرا خاک میں پڑا ہوا تھا۔ کافور کی طرح اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا سر اور مُنہ پر زخم لگے ہوئے تھے۔

بھر بھر وارے ہٹے سارے دُور نہ ہویا سایا
اس سائے کئی لوک نسائے عشقے سایہ پایا

اس کے سر سے صدقہ و خیرات بھی کی گئی سب لوگ اُس کا علاج کر کے تھک گئے لیکن اُس کا سایہ دُور نہ ہوا اس سایے نے تو بے شمار لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا یہ تو عشق کا سایہ ہے۔

عاشق دا جو دارو دسے باجھ ملاپ سجن دے
اوہ سیانا جان ایانا روگ نہ جانے من دے

جو شخص عاشق کا علاج محبوب کے ملاپ کے بغیر بتاتا ہے اس دانشمند کو بچہ ہی سمجھ وہ دِل کے روگ نہیں جانتا۔

ایہو کہو شہزادے تائیں چِنتا چِخانہ پالے
سڑ دا عقل فکر تے دانش بھانبڑ چِنتا والے

شہزادے سے یہی کہو کہ وہ اندیشوں کی آگ نہ جلائے۔ پریشانی کا الاؤ عقل و فکر اور دانش کو

جلا کر رکھ دیتا ہے۔

حالوں پیا جے حال شہزادہ باغ حُسن کُملایا
اُجڑ گئی بہار پھُلاّں دی پتیاں رنگ وٹایا

شہزادہ عشق میں بے حال ہو گیا اس کے حُسن کا باغ مُرجھا گیا۔ پھولوں پر بہار اُجڑ گئی، پنکھڑیوں کا رنگ بھی تبدیل ہو گیا۔

اندر اگ اندیشے والی بل بل دے اُلنبے
باہر ہنجو مینہ وساوے سرد آہیں تھیں کنبے

اس کے اندر اندیشوں کی آگ شعلہ فشاں تھی، باہر آنسوؤں کی بارش جاری تھی۔ وہ سرد آہیں بھرتا کانپ رہا تھا۔

رو رو عاصم شاہ پُکارے غم دے لشکر بھارے
میرے تے رِت چڑھ چڑھ آون اک تھیں اک نیارے

عاصم شاہ رو رو کر دُہائی دیتا تھا کہ اُس پر غموں کے لشکر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ہر لشکر ایک دُوسرے سے بڑھ کر ہے۔

لکھے لیکھ ازل دے کہڑا کر تدبیر مٹائے
کئی امیر وزیر سیانے اس تقدیر بھلائے

ازل سے لکھا ہوا بھلا تدبیروں سے کون مٹا سکتا ہے اس تقدیر نے تو کئی وزیروں امیروں اور دانش وروں کو بھی ''بے راہ'' کر دیا ہے۔

چار دیہاڑے عمر جوانی کر لے عیشاں موجاں
سدا نہیں ایہہ دولت دُنیا سدا نہ لشکر فوجاں

یہ جوانی چار دِن کی ہے اس میں عیش و آرام کر، یہ دُنیا کی دولت بھی ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی یہ لشکر اور فوجیں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔

توڑے کُتے بن کے رہیے وِچ وطن دیاں گلیاں
دَر دَر جھڑکاں سُنیے تاں وی پھر پردیسوں بھلیاں

خواہ اپنے وطن کی گلیوں میں کُتے بن کر ہی کیوں نہ رہیں، اور ہر دروازے سے دُھتکاریں

بھی سہنی پڑیں تو بھی یہ گلیاں پردیس سے بہ ہر حال اچھی ہوتی ہیں۔

جو کچھ تُساں پڑھانے آہے، علم کلام رسالے
یاد نہیں اک حرف انہاں تھیں عشقے ہور سکھالے

آپ نے جو علم، کلام اور کتابیں مجھے پڑھائی تھیں اُن کا ایک بھی حرف اب مجھ کو یاد نہیں کیوں کہ عشق نے مجھے اور ہی سبق پڑھا دیے ہیں۔

مَیں ہُن ایسا ہوساں بابل جیسا ککھ گلی دا
سب مصیبت سر پر جھاگی پیراں ہیٹھ ملی دا

اب تو اے بابل! مَیں ایسا کر رہا ہوں جیسے راستے کا تنکا ہوتا ہے پانو کے نیچے روندا جاتا ہے اور ہر مصیبت اپنے سر پر برداشت کرتا ہے۔

باپ موئے نُوں اوہ کوئی رووے آپ ہووے جو زندہ
موت تیری نوں کیکر رُوواں آپ مویا مَیں بندہ

باپ کی موت پر تو وہ شخص روتا ہے جو خود زندہ ہو۔ مَیں تمھاری موت پر کیسے رووٴں گا کہ مَیں تو خود ایک مُردہ شخص ہوں۔

سبھناں عرض گزاری حضرت عشقے نال نہ چارا
جیوں جیوں کرو دوا عقل دی تیوں تیوں ہوندا بھارا

سب نے عرض کِیا، حضرت عشق کے سامنے کوئی چارہ نہیں چلتا۔ جیسے جیسے عقل سے اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جائے ویسے ہی یہ اور بھی بڑھتا جاتا ہے۔

سیف ملوک پھُلّاں دا دستہ نازاں دا پروردہ
سنگل گھت کرایا قیدی عشق ستم کیہ کردا

سیف الملوک پھولوں کا گلدستہ اور ناز و نعم میں پلا ہوا تھا۔ عشق نے عجیب ستم کِیا کہ اسے زنجیریں پہنا کر قید کروا دیا۔

شہزادے دے پیریں سنگل ہویا بہُت نمانا
اک عذاب محبت سندا دُوجا قید ٹکانا

شہزادے کے پانو میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں وہ بہُت بے بس اور بے کس ہو رہا تھا۔ ایک

تو محبت عذاب بن گئی تھی اور دُوسرا وہ قید خانے میں بند پڑا تھا۔

کس در کوکاں کُوک سناواں کسے جہان نے ڈھوئی
اندر عشق اُلنبے بالے لوکاں خبر نہ کوئی

وہ کہہ رہا تھا...... مَیں کہاں جا کر فریاد کروں اور کِس کو اپنی پُکار سُناؤں۔ مجھے تو کہیں بھی پناہ نہیں مِل رہی، میرے اندر عشق کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔لیکن لوگوں کو اس کی کوئی پروا نہیں۔

میر وزیر سیانے نالے عالم فاضل مُلّاں
عاشق نوں سمجھاون لگے چھڈ لالہ ایہ بھُلّاں

سب میر وزیر، دانشمند اور عالم، فاضل اور مُلّاں مِل کر عاشق کو سمجھانے لگے کہ اے بھائی! یہ سب تمھاری بھول ہے، اس کو ترک کر دو۔

وَس لگدے کد چھڈ دا کوئی لذت گھر شہر دی
ہتھیں کون مائی بن اوکھت مارے تلی زہر دی

جہاں تک بس چلے کون ہے جو اپنے گھر اور شہر کے عیش و عشرت کو چھوڑتا ہے۔ اور اے ماں! وہ کون ہے جو مشکل کے بغیر زہر ہتھیلی پر رکھ کر پھانکتا ہے۔

ایسا ظالم عشق اولاّ جھڑا تخت چھڑائے
اپنا آپ کوئی راہ چلدے سُولی کد چڑھائے

یہ عشق بڑا ظالم اور عجیب ہے جو تخت و تاج بھی چھڑاتا ہے، اگر بس میں ہو تو بھلا کون ہے جو اپنے آپ کو سُولی پر چڑھاتا ہے۔

دانہ پانی ایس وطن تھیں سہنب گیا ہُن میرا
جس جس پاسے لکھیا ہوسی پیا کراسی پھیرا

اِس وطن سے اب میرا دانہ پانی اُٹھ گیا ہے اب جہاں جہاں اور جدھر جدھر میری قسمت مجھے لے کر جائے گی مَیں اُسی طرف چلتا رہوں گا۔

الوداع چلی ہُن ایہہ تک اکھیں دی رُشنائی
اجے نہیں رج ڈٹھا آپیوں لگا داغ جدائی

الوداع، اے میرے بیٹے! اب میری آنکھوں کا نور جا رہا ہے ابھی تو تم کو سیر ہو کر دیکھا بھی

نہیں تھا کہ جدائی کا داغ لگ گیا ہے۔

سبزیوں سبز پوشاک زمیں نوں وانگن نیکو بختاں
ہر ہر پاسے پانی نہراں لایا رنگ درختاں

ہریالی سے بھی ہری پوشاک زمین نے نیک بختوں کی طرح پہنی ہوئی تھی۔ ہر طرف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں اور درختوں نے خوب رنگ جمایا ہوا تھا۔

نہ ہُن بیڑی کشتی کوئی نہ ملّاح مُہانا
جت ول چھِک اندر دی ہووے سر پر اودھر جانا

اب اُن کے پاس کوئی کشتی تھی نہ جہاز، اور نہ ہی کوئی ملّاح تھے۔ لیکن جس کے لیے اندر کشش ہو، اُس کی طرف سر کے بل بھی چلے جاتے ہیں۔

لاڈ کریندی ڈُھک ڈُھک بہندی کہندی ہے دِل جانی
بن بن وسّے میرے جیہی ڈٹھیا کوئی زنانی

وہ شہزادے سے لاڈ پیار کرتی۔ نزدیک ہو کر بیٹھتی اور کہتی اے دِل جانی! بات بات پر نخرے کرتی اور پوچھتی کبھی میرے جیسی کوئی اور عورت بھی دیکھی ہے۔

سیف ملوک ڈٹھا اُس دلوں کیہ کچھ نظریں آیا
مونہ توے دے تھلّے ورگا اس تھیں رنگ سوایا

سیف الملوک نے جب اُس کی طرف دیکھا تو اُسے نظر آیا۔ اس کا چہرہ ''توے کے تلے'' جیسا کالا سیاہ تھا جب کہ رنگ اس سے بھی کہیں زیادہ سیاہ تھا۔

وال گلھاں تے متھے کنّیں سوئیاں وانگر وسدے
ہونٹھ موٹے تے پل پل کردے ایہہ پھسدے کہ پھسدے

اس کے گالوں، ماتھے اور کانوں پر سوئیوں کی طرح بال اُگے ہوئے تھے اس کے ہونٹ موٹے اور پلپلے تھے جیسے ابھی رِسنے لگیں گے۔

خدمت گار چوطرفیں ناریں ہر اک پھُل گلابی
تخت اُتے شہزادی بیٹھی چہرہ وانگ مہتابی

چاروں طرف خدمتگار عورتیں موجود تھیں ہر کوئی گُلاب کا پھول تھا۔ تخت پر شہزادی بیٹھی تھی

جس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

ظالم نین کٹاراں وانگر وچ کجلے دی دھاری
ویکھن والے نوں کر غمزہ سانگ کلیجے ماری

شہزادی کی آنکھیں کٹاروں کی طرح تھیں اور اُن میں کجلے کی دھاری غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ دیکھنے والے کے کلیجے میں برچھی اُتار کر غمزدہ کر دیتی تھیں۔

جت ول نظر کرے شہزادہ دِسن سُندر کُڑیاں
ہر جھاکے ہر محل چوبارے واہ شکلاں دل پُڑیاں

شہزادہ جس طرف بھی نگاہ اُٹھائے اُسے خوب صورت حسینائیں نظر آتیں ہر جھروکے، ہر محل، ہر چوبارے پر دِل کو موہ لینے والی شکلیں ہی دِکھائی دیتی تھیں۔

نفس کہے مَیں کاہلا ہویا کچرک توڑی جرساں
لاکھ مصیبت جھاگ نہ ملیا اَج ملے بن مَرساں

نفس نے کہا، مَیں تو بہُت بیتاب ہوں۔ مَیں کب تک اور برداشت کروں۔ لاکھوں مصیبتیں برداشت کر چکا ہوں اب تو مَیں اُس کو ملے بغیر ہی مر جاؤں گا۔

عقل کہے کیوں کملا ہویوں عشقے لج نہ لائیں
اِتنی سختی اگے جھلیا کوئی دِن ہور لنگھائیں

عقل نے کہا، کیوں پاگل ہو رہے ہو، دیکھ عشق کو بدنام نہ کرنا۔ اتنی سختی پہلے برداشت کر چکے کچھ دن اور گزار لو۔

نفس

نفس کہے ہُن کتھوں مِلسی نہ کوئی دَس سنیہا
آس ہوندی دِس پوندی جس دی ایویں جرن کویہا

نفس نے کہا۔ اب وہ محبوب بھلا کیسے ملے گا۔ نہ اس کی کوئی خبر ہے نہ پیغام۔ جس کی کوئی خبر ہو اس کی آس بھی ہوتی ہے یونہی دُکھ برداشت کرنے سے کیا حاصل۔

نفس عقل دا جھگڑا ترٹا عشقے رٹ مکائی
سیف ملوکے منصف بن کے فال اتے گل مکائی

عقل اور نفس کا جھگڑا جب بہت بڑھ گیا تو عشق نے اس کو ختم کروایا سیف الملوک نے منصف بن کر فال نکالنے کا کہہ کر بات کو ختم کروایا۔

ابلیس

دیو آدم دے دُشمن مُڈھوں ناہیں تک سکھاندے
جے چھپے تاں مُشکے لگ کے ہر حیلے پھڑ کھاندے

جنات آدم کے ازلی دُشمن میں وہ انھیں دیکھ نہیں سکھاتے۔ اگر آدم زادہ کہیں چھپ جائے تو یہ اُس کی خوشبو سونگھ کر اس کے پیچھے لگ جاتے اور پکڑ کر کھا جاتے ہیں۔

جس دن آدم اگے رب سجود کرایا
سبھناں ملکاں سجدہ کیتا دیو نہ سیس نوایا

جس دِن، سردار آدم کو خدا نے سجدہ کروایا تھا تمام فرشتے اس کے سامنے جھک گئے تھے لیکن جنات نے اپنا سر نہیں جھکایا تھا۔

خاوند دا فرمان نہ منیوس آدم دلوں نہ بھایا
لعنت دا شیطان کہا کے طوق گلے وچ پایا

اس نے اپنے مالک کا حُکم تسلیم نہیں کیا۔ کیوں کہ انسان کو اُس کے دِل نے قبول ہی نہیں کیا تھا اور خود کو شیطانِ لعین کہلا کر گلے میں طوق ڈلوالیا تھا۔

جنت وچ نہ وڑنا پاوے ہو مردُود سدایا
نال اوہدے کجھ پیش نہ جاندی اُس نوں رب ودھایا

وہ اب جنت میں تو داخل ہو نہیں سکتا تھا لیکن وہ مردُود کہلا کر دُور ہو گیا تھا اب اُس کی آدم کے بالمقابل کوئی پیش نہیں جاتی تھی کیوں کہ خدا نے اس کی شان بلند کی تھی۔

جس ویلے وس لگا آہے، اوڑک ویر کمایا
جنت تھیں کڈھوایا آدم رو رو حال گوایا

جب بھی اُس کا بس چلتا ہے وہ اپنی دُشمنی ضرور دکھاتا ہے، اس نے آدم کو جنت سے نکلوایا اور اب آدم اپنی اس غلطی پر ہمیشہ روتا رہتا ہے۔

خالق و مخلوق

ماں میری پھر آکھن لگی حمد خداوند تائیں
واہ وا قادر پاک کریگر اس حکمت دا سائیں

پھر میری ماں نے خدا کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے کہا۔ وہ قادر، حکمتوں والا بھی کیا خوب کاریگر ہے۔

قطرے آب منی دے وچوں ایسی شکل بناندا
پتھر تھیں کر نظر کرم دی سورج چن چمکاندا

وہ، قطرۂ منویہ سے ایسی خوب صورت شکل بنا دیتا ہے۔ وہ پتھر پر نظرِ کرم کرے تو وہ بھی سورج اور چاند کی طرح چمکنے لگتا ہے۔

خشخش جیڈا بیج ناچیزا خاکو اندر رُلدا
اس تھیں رُکھ بلند بنائے رنگ برنگی پھُل دا

خشخاش کا ناچیز باریک سا دانہ زمین میں پڑتا ہے تو وہ اُس سے بلند درخت بناتا ہے جس پر رنگ برنگ کے پھول لگتے ہیں۔

پانی بوند اسمانی آوے سپاں دے مُنہ پیندی
اس تھیں درّ یتیم سہاوے قیمت پوے نہ جیندی

آسمان سے بارش کا ایک قطرہ سیپ کے مُنہ میں جاتا ہے جو خوب صورت دُرِ یتیم بن جاتا ہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں لگا سکتا۔

کالے پتھر دُھپے سڑ دے اندر کان بدخشاں
انہاں وچوں لعل بنائے بے بہا درخشاں

کالے پتھر دُھوپ میں جلتے سڑتے رہتے ہیں۔ لیکن بدخشاں کی کانوں میں انہی پتھروں میں لعل بناتا ہے جن کی بے انتہا چمک ہوتی ہے۔

خلقت اُس دی رنگ برنگی دھن اوہ سرجن والا
آپو اپنی صورت دتیوس اک تھیں اک اُجالا

اس کی تمام خلقت رنگ برنگی ہے۔ آفرین ہے اس خالق پر۔ جس نے ہر کسی کو اپنی اپنی شکل دی جو ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔

لکھ کروڑاں ہو ہو گذرے اس دھرتی وِچ مٹی
سُندر صورت ظاہر کر کے پھیر رَلا وے مٹی

لاکھوں کروڑوں اس سے پہلے اِس دھرتی پر مٹی میں مٹی ہو گذرے ہیں وہ...... پہلے تو خوب صورت شکل بنا کر ظاہر کرتا ہے اور پھر اس کو خاک میں مِلا دیتا ہے۔

باغ بہاراں پھُل ہزاراں باس لئی ہر پاسے
کِتوں نہ آئی بُو سجن دی عمر گزاری آسے

ہزاروں پر بہار باغات کی سیر کی ہے میرے ارد گرد خوشبو کے لیے پھُول بھی تھے لیکن کہیں سے بھی محبوب کی خوشبو نہیں آئی، مَیں نے اسی اُمید پر ہی عمر گزار دی ہے۔

باطن پاک ہووے جس نیت اندر وِچ صفائی
ویری دیو ابلیس لعینے پیش نہ جاندی کائی

اگر انسان کا باطن پاک ہو اور اُس کی نیت میں بھی صفائی ہو اس پر دُشمن ابلیس جیسے دیو کی بھی کوئی پیش نہیں جاتی۔

عشق مُہار پھڑی ہتھ پکی وَتے جھل چراندا
نک نکیل نہ ہلن ویندی مناں جو فرماندا

عشق نے اب مضبوطی کے ساتھ میری مُہار ہاتھ میں پکڑی ہوئی وہ اب جنوں کی چراگاہ میں مجھے لیے پھرتا ہے ناک میں پڑی ہوئی نکیل اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتی وہ جو کہتا ہے مَیں وہ کرنے پر مجبور ہوتا ہوں۔

راس ستارا راس نہ ہوندا انت او ساس چلاندا
ساس اوداس نہ باس سجن دی بہتر جے مَر جاندا

میرا راس ستارہ، راس ہی نہیں ہوتا۔ آخرِ کار وہی سانس چلانے لگتا ہے۔ میری سانسیں بھی اُداس ہیں محبوب کی خوشبو بھی میسر نہیں۔ اس سے تو بہتر تھا مَیں مر جاتا۔

مینوں جے وفائی اُس دی بہتر لکھ وفاؤں
وڈی خطائی کول سجن دے بنا پاک خطاؤں

مجھے اُس کی بے وفائی بھی لاکھ وفاؤں سے بہتر لگتی ہے۔ محبوب کے پاس خطاؤں سے پاک

ہو کر بیٹھنا سب سے بڑی خطا ہے۔

واتگ شمع دِل روشن عشقوں جاں سر شمع کپیندا
سر کپن دا درد جھلن تھیں نور زیادہ تھیندا

شمع کی طرح عشق سے دِل روشن ہے لیکن جب شمع کا سر کاٹ دیا جاتا ہے۔ سر کٹوانے کا درد تو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن اُس سے روشنی بھی تو زیادہ ہو جاتی ہے۔

کوڑے بندے رب نہ بھاون یمن زبان نہ رہندا
گل اوہدی کوئی مَندا ناہیں سب جگ جھوٹھا کہندا

جھوٹے آدمی خدا کو بھی پسند نہیں۔ ان کی زبان میں برکت نہیں ہوتی۔ ان کی بات کوئی نہیں مانتا، سب جہان اُنھیں جھوٹا کہنے لگتا ہے۔

تیری اوٹ پناہ خدایا ہور نہیں کجھ سُجھدا
جس دیوے نوں آپوں بالیں کد کسے تھیں بُجھدا

اب تو اے خدا! تیری ہی پناہ درکار ہے مجھے تو کچھ اور سجھائی بھی نہیں دیتا۔ جس چراغ کو تُو خود جلائے وہ بھلا کوئی اور کیسے بجھا سکتا ہے۔

مالی ایس باغیچے والا دانا مَرد سچاواں
جس دے باغوں لے پنیری مَیں بھی بوٹے لاواں

اس باغیچے کا مالی بہُت دانا اور سچا صاف مرد ہے۔ جس کے باغ سے پودے لے کر مَیں بھی بوٹے لگا رہا ہوں۔

ہر ہر جا کیارے تک کے بُوٹے راس لواندا
جس جائے اوہ لائق ہووے اوسے جائ سُہاندا

وہ ہر جگہ کیاری کو دیکھ کر ایک ترتیب سے پودے لگاتا ہے اور جو جس جگہ کے لائق ہوو ہیں وہ پودا لگاتا ہے۔

عشقے دی ایہہ رسم قدیمی جلیاں نوں نت جالے
اگلا زخم نہ مُولن دیندا ہور اُتوں چا ڈالے

عشق کی یہ پُرانی رسم ہے کہ وہ جلے ہوؤں کو ہمیشہ جلاتا رہتا ہے۔ ابھی پہلا زخم نہیں بھرتا کہ

اور زخم لگا دیتا ہے۔

خونی لہر عشق دی وَگی بے کنار ڈونگھیری
فیر کراہ فکر دے پینڈی ہمت صدق دلیری

عشق کی ایک خونیں لہر آئی جو بہُت زیادہ گہری اور بے کنار تھی۔ یہ لہر آتی ہے تو ہمت، صدق اور دلیری بھی فکر و پریشانی کے غلط راستے پر چل نکلتی ہے۔

سچے مرد صفائی والے جے کجھ کہن زبانوں
مولیٰ پاک منیندا اوہو پکی خبر اسانوں

سچّے اور نیک پاک مرد اگر کچھ زبان سے کہہ دیں تو وہ مولیٰ پاک بھی پوری کر دیتا ہے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

ہر دا رُوپ مریندا بھائی ہر جائے چمکارے
پا جھاتی محبوباں والی گوڑھے نین سنگارے

اے بھائی! اُسی ہری (خدا) کا رُوپ ہی ہر جگہ چمک رہا ہے اُسی نے ہی محبوب کی شکل و صورت بنا کر آنکھوں کو شنگار رکھا ہے۔

سوہنی صورت سِرّ الٰہی عام نہ سمجھن سارے
خاصاں باجھ محمد بخشا کہڑا کرے نتارے

یہ بات ہر کوئی نہیں سمجھتا کہ خوب صورت شکل میں بھی خدا کا ایک راز ہوتا ہے اے محمد بخش! کچھ خاص لوگوں کے سوا یہ سمُندر کوئی عبور نہیں کر سکتا۔

دُنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اُس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

اِس دُنیا میں جو مشکل وقت پر کام نہیں آتا اُس بے فیض دوست سے تو اکیلے رہنا ہی بہتر ہے۔

عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمدؐ، کُتّیاں اگے دھرنی

عام اور بے اخلاص لوگوں کے سامنے خاص بندوں کی بات کرنی میٹھی کھیر پکا کر اے محمد بخش! کُتّوں کے آگے رکھنے کے برابر ہے۔

محبوباں دا کم بھائی دائم بے پرواہی
بے ترساں نوں ترس نہ آوے تک سُولی گل پھاہی

محبوبوں کا تو ہمیشہ سے کام ہی یہی ہے کہ وہ بے پرواہی کرتے ہیں اُن کو تو تختہء دار اور گلے میں پھندا دیکھ کر بھی ذرا ترس نہیں آتا۔

سائیں والے سدا سُکھالے رب دے بالے دیوے
مست الست شراب وصل دی ہر دم رہندے کھیوے

اُس مالک کو ماننے والے خدا کے جلائے ہوئے چراغ ہیں۔ جو ہمیشہ سُکھی رہتے ہیں وہ شرابِ وصل کے نشہ سے ہر وقت مست و بے خود رہتے ہیں۔

جس ویلے رب مہریں آوے ڈھل نہ لگدی ماسہ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ واہ واہ اُس دا پاسہ

خُدا جب مہربان ہوتا ہے تو ایک پل بھی دیر نہیں ہوتی (اور وہ کام ہو جاتا ہے) اُسی کے ہاتھ میں عزت اور ذلت ہے۔ اور کیا خوب اُس کی یہ شان ہے۔

سوہنی صورت ویکھن کولوں منع نہ کریو بھائی
جمدڑیاں ایہہ عادت مینوں پاوَن والے پائی

اے بھائی! مجھ کو خوب صورت چہرے دیکھنے سے کبھی منع نہ کرنا یہ عادت مجھے پیدا ہوتے ہی ڈالنے والے نے ڈال دی تھی۔

مان نہ کیجیے رُوپ گھنے دا وارث کون حسن دا
سدا نہ رہن شاخاں ہریاں سدا نہ پھُل چمن دا
سدا نہ بھور ہزاراں پھرسن سدا نہ وقت اَمن دا
مالی نہ دے حکم محمدؐ کیوں اج سیر کرن دا

حُسن و جمال کی بہتات پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ اِس حُسن کا بھلا کون وارث ہے؟ شاخیں ہمیشہ سبز رہتی ہیں اور نہ گلستان میں ہمیشہ پھول کھلتے ہیں ہمیشہ نہ تو ہزاروں بھنورے پھُول پر منڈلاتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ امن کا وقت رہتا ہے۔ تو پھر باغ کا مالی اے محمد بخش! ابھی بھی سیر کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔

سدا نہ رست بازاریں وِکّی سدا نہ رونق شہراں
سدا نہ موج جوانی والی سدا نہ ندئیں لہراں
سدا نہ تابش سورج والی جیوں کر وقت دو پہراں
بے وفائی رسم محمدؐ سدا ایہو وچ دہراں

بازار میں ہمیشہ کوئی شے فروخت ہوتی ہے اور نہ ہی شہروں کی رونق ہمیشہ رہتی ہے۔ ہمیشہ نہ تو جوانی کی موج رہتی ہے اور نہ ہی دریا کی لہریں ہمیشہ رہتی ہیں۔ ہمیشہ نہ ہی سورج کی دوپہر کے وقت جیسی تپش رہتی ہے......اس زمانے تک اے محمدؐ بخش! بے وفائی کی رسم ہمیشہ سے ہی چلی آ رہی ہے

سدا نہ لاٹ چراغاں والی سدا نہ سوز پتنگاں
سدا اُڈاراں نال قطاراں رہسن کد کلنگاں
سدا نہیں ہتھ منہدی رتے سدا نہ چھنکن ونگاں
سدا نہ چھوپے پائے محمدؐ رَل مِل بہناں سنگاں

نہ تو چراغوں کی لَو ہمیشہ رہتی ہے اور نہ ہی پروانے اُس پر جل مرنے آتے ہیں اور نہ تو کونجوں کی طرح ہمیشہ قطاروں میں چلنا ہوتا ہے، نہ تو ہمیشہ ہاتھ منہدی سے سرخ رہتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ بانہوں میں چوڑیاں کھنکتی ہیں اور نہ ہی اے محمدؐ بخش! ہمیشہ ترنجن میں سکھیوں کے ساتھ مِل کر چرخہ کاتنا ہوتا ہے۔

سدا نہیں مرغائیاں بہنا سدا نہیں سر پانی
سدا نہ سیاں سیس گنداون سدا نہ سرخی لانی
لکھ ہزار بہار حُسن دی خاکو وِچ سمانی
لا پریت محمدؐ جس تھیں جگ وچ رہے کہانی

یہ مرغابیاں یونہی نہیں بیٹھی رہیں گی اور نہ ہی ہمیشہ یہ پانی میں سر کو ڈبوتی رہیں گی۔ ہمیشہ نہ تو سہیلیوں کے ساتھ مِل کر بالوں کو سنوارنا ہوگا اور نہ ہی ہمیشہ ہونٹوں پر سرخی لگانی ہوگی۔ حُسن کی لاکھوں ہزاروں بہاریں بھی آ جائیں بالآخر خاک میں ہی مِل جانا ہے۔ لیکن اے محمدؐ بخش! تم ایسی پریت لگاؤ کہ اس کی دُنیا میں کہانی ضرور باقی رہے۔

لوئے لوئے بھر لے کڑیئے جے تُدھ بھانڈا بھرنا

شام پئی بن شام محمدؐ گھر جاندی نے ڈرنا

اے لڑکی! ابھی وقت ہے شام ہونے سے پہلے پہلے ہی اپنا برتن پانی سے بھر لے۔ اے محمد بخش! اگر شام سے پہلے ہی شام ہوگئی تو پھر گھر جاتے ہوئے بھی ڈرے گی۔

آن ہوئی تاثیر عشق دی لگا تیر کمانوں

دُسر نکل گیا بھن خودیاں جانوں ولوں ایمانوں

جب عشق نے اپنا اثر دِکھایا تو کمان سے وہ تیر نکلا جو خودی اور ایمان کے ساتھ جسم کو بھی چیر کر پار نکل گیا تھا۔

مُڑ مُڑ حرص کریندی حملے کوٹ شرم دے ڈھاہاں

ڈھائیں مار ڈھاہاں سر پرنے گوکاں سر دھر باہاں

حرص پلٹ پلٹ کر حملہ آور ہو رہی تھی کہ شرم کے تمام قلعہ مسمار کر دوں۔ روتی چیختی سر کے بل گر جاؤں اور سر پر بانہیں رکھ کر آہ وفریاد کروں۔

ہویا فنا فی الشیخ ایہہ طالب مرشد وچ سمایا

لا الٰہ دی پھیر بہاری الا اللہ دے گھر آیا

یہ سچا طالب فنا فی الشیخ ہو کر مرشد میں سما گیا تھا۔ یہ لا الٰہ کا جھاڑو پھیر کر "الا اللہ" کے گھر میں آیا تھا۔

جے اکھیں تھیں اوہلے ہووے نیر نہ ٹھلن دیدے

وانگ اٹک وے اٹک نہ رہندے ہنجو درد رسیدے

اگر وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو یہ آنکھیں آنسوؤں کو روک نہیں سکتیں اور دریائے اٹک کی طرح ان درد بھرے آنسوؤں کے سامنے کوئی بندھ نہیں باندھا جا سکتا۔

درداں زرد کیتے رُخسارے دیہی ہویا رنگ پیلا

باہروں چت مرتا کوڑا بُرا اندردا حیلہ

دُکھ درد سے اُس کے رُخسار زرد اور جسم کا رنگ پیلا ہو چکا تھا باہر سے وہ بڑی ہشیار اور چالاک نظر آتی تھی لیکن اندر سے اُس کا بُرا حال تھا۔

وچو وچ کلیجہ کپے ڈائن درد پرم دی

لاوے سیخ پکاوے بیرے جال انگیٹھی غم دی

پریم کے درد کی ڈائن اندر ہی اندر اُس کا کلیجہ کاٹ رہی تھی۔ وہ غم کی انگیٹھی جلا کر گوشت کے ٹکڑے سیخوں پر چڑھا کر پکا رہی تھی۔

عشق زور آور تے مُنہ تاناں گھوڑا باجھ لگاموں
راہ کُراہ نہ ویکھ محمدؐ بھجدا جائے مقاموں

عشق وہ مُنہ زور، بے لگام اور طاقت ور گھوڑا ہے جو اچھا اور بُرا راستہ نہیں دیکھتا بس اپنی منزل کی طرف سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے۔

باغ بہاراں تے گلزاراں بن یاراں کس کاری
یار ملے دُکھ جان ہزاراں شکر کہاں لکھ واری
اُچی جائی نیونہہ لگایا بنی مصیبت بھاری
یاراں باجھ محمد بخشا کون کرے غمخواری

یہ باغ و بہار گلزاریں دوستوں کے بغیر کس کام کی ہیں دوست ملیں تو ہزاروں دُکھ دُور ہو جاتے ہیں لاکھ بار خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اونچی جگہ پر (بڑے لوگوں) پریت لگا کر بہُت بڑی مصیبت بن گئی ہے پھر بھی...... اے محمد بخش! دوستوں کے بغیر کون غمخواری کر سکتا ہے۔

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نہیں پایا
ککّر تے انگور چڑھایا ہر گُچھا زخمایا

ادنیٰ اور کمینے لوگوں کی شناسائی سے کسی کو کچھ پھل نہیں ملتا یہ تو ببول کے درخت پر انگور کی بیل چڑھا کر ہر گچھا زخمی زخمی کرنے کے مترادف ہے۔

حُسن محبت سب ذاتاں تھیں اُچی ذات نیاری
نہ ایہہ آبی نہ ایہہ بادی نہ خاکی نہ ناری
حُسن محبت ذات الٰہی کیا چب کیا چمیاری
عشق بے شرم محمد بخشا پچھ نہ لاندا یاری

حُسن اور محبت کی ذات سب ذاتوں سے بلند ہے۔ نہ یہ آبی ہے، نہ بادی، نہ خاکی اور نہ ناری...... حُسن و محبت تو ذاتِ الٰہی ہے کیا چب اور کیا چماری (کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ) عشق تو اے محمدؐ

بخش! وہ بے شرم ہے جو پوچھ کر محبت نہیں کرتا۔

کالے بھورا شنائی کردے ملن پھلاں دے تائیں
اک ڈُھا پھر دُوجے تریجے لیندے پھرن ہوائیں

سیاہ بھنورے پھولوں سے آشنائی کرتے اور انھیں ملتے ہیں، ایک سے دُوسرے، دُوسرے سے تیسرے پر بیٹھے اور پھر اُڑ کر اگلے پھول تک چلے گئے۔

سچا کوڑا معلم ہووے قسموں دانشمنداں
مسلمان یقین لیاون کرن جدوں سوگنداں

دانشمندوں کا خیال ہے کہ قسم اُٹھانے سے سچے جھوٹے کا پتا چل جاتا ہے، تو مسلمان بھی قسم اُٹھانے والے پر یقین کر لیتے ہیں۔

جے کوئی کوڑی قسم اُٹھاوے سو ایمان کھڑاندا
قسم کرا جو منّے ناہیں دِین اوہدا بھی جاندا

لیکن اگر کوئی جھوٹی قسم اُٹھائے تو اس کا ایمان جاتا رہتا ہے لیکن اگر کوئی کسی سے قسم اُٹھوا کے تسلیم نہ کرے تو اُس کا دِین بھی جاتا رہتا ہے۔

بھار عشق دا کسے نہ چایا ہر ہر عذر بہانے
آکھ 'بلٰی' بلا سہیڑی انسانے نادانے

عشق وہ بھاری بوجھ تھا جو کسی نے نہیں اُٹھایا سب مختلف بہانوں سے یہ معاملہ ٹال گئے۔ لیکن انسان نادان نے "قَالُوْ بَلٰی" کہہ کر یہ بلا اپنے گلے میں ڈال لی۔

جدوں پیارا مہریں آوے آپ آپے ول چھکے
ویری بھی تد گولے بندے ہر اک دا دِل وِکے

جب محبوب مہربان ہو تو وہ خود ہی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور پھر دُشمن بھی غلام بن جاتے اور اپنا دِل بے دام بیچ دیتے ہیں۔

ویکھاں رات پیالہ چن دا جس ویلے بھَن سَٹدی
عالم دے مُنہ کالکھ لیندی کیہہ روشنائی گھٹدی

دیکھو! رات جب چاند کا پیالہ توڑ دیتی ہے اور تمام عالم پر سیاہی پھیل جاتی ہے تو کیا چاند کی

روشنی کم ہو جاتی ہے۔

وِچ سمُندر جھڑیا موتی کیکر مُڑ ہتھ آوے
شیشہ وٹیاں اندر ڈِٹھا ثابت رب بچاوے

سمُندر میں گرا ہوا موتی کیسے دوبارہ ہاتھ آ سکتا ہے۔ پتھروں میں گرا ہوا شیشہ خدا ہی بچا سکتا ہے۔

دُکھ ملامت عشقے اندر جیُوں ککھاں وچ اگّے
جیُوں جیُوں ککھ اگی وچ پایئے بھڑک زیادہ لگّے

دُکھ اور مصیبت تو عشق میں تنکوں میں آگ جیسے ہوتے ہیں جیسے جیسے اس میں تنکے اور ڈالے جاتے ہیں آگ اور بھی زیادہ بھڑکتی ہے۔

وحدت

آپوں آپ رہیا اس گھر وِچ کوئی شریک نہ دُوجا
آپے ٹھاکر نام دھرائیوس آپ کریندا پُوجا

وہ خود ہی اکیلا اس گھر میں مقیم ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اُس نے خود ہی اپنا نام ٹھاکر رکھوایا ہے اور خود ہی اپنی پوجا بھی کراتا ہے۔

آپے حاکم آپ رعیت مہر آپے پٹواری
کون بٹیرہ ، کہڑا باشہ ، کہڑا میر شکاری

وہ خود ہی حاکم ہے اور خود ہی رعایا۔ خود ہی گانو کا سردار ہے اور خود ہی پٹواری......کون بٹیرہ، کون باشہ اور کون شکاری ہے؟؟

مُنہ بلی دا گج شینہاں دی ہرناں پچھے دھائی
وحدت دُور محمد بخشا دَسدا چل کہانی

مُنہ تو بلی کا ہے لیکن دھاڑ شیروں والی ہے ہرنوں کے پیچھے بھاگ دوڑ بھی جاری ہے۔ اے محمد بخش! وحدت کو پانا بہُت دُور کی بات ہے لیکن تو اُس کی کہانی تو بیان کرتا جا۔

جو اُس کیتا سوہیو ہویا وَس میرے کیہ آہی
لا تحرک ذرّہ حضرت باجھوں حکم الٰہی

جو اُس خدا نے کیا وہی ہوا ہے، میرے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ حضرت، حکمِ الٰہی ہے

کہ اُس کی مرضی کے بغیر ایک ذرّہ بھی حرکت میں نہیں آ تا۔

امر اوہدے دِن ککھ نہ ہلدا لکھ کرے کوئی زورے
آپے دے توفیق چلن دی سبھو اس دی ٹورے

اُس کے حُکم کے بغیر تو کوئی تنکا بھی نہیں ہلتا، کوئی لاکھ زور آزمائی کرے وہی چلنے کی توفیق دیتا ہے اور پھر سب اُسی کے حُکم سے چلتے ہیں۔

سہاگ رات

عاشق تے معشوق پیارے چڑھ سیجے رَل سُتے
اول آب حیات پیالے دھرے لباں دے اُتے

دونوں عاشق اور معشوق پیارے سیج پر چڑھ کر سوئے، سب سے پہلے اُنھوں نے آبِ حیات کے پیالے لبوں پر رکھے۔

لے بوسے دِل کوسے ہوئے تاں محبت کیتا
جامہ جی حرص دی سویوں میل طریزاں سِیتا

جب ایک دُوسرے کے بوسے لیتے ہوئے اُن کے دِل تپش سے بھر گئے، اور محبت نے جوش مارا۔ تو دونوں نے حرص کا لباس طریزیں درست کر کے سوئی سے سی لیے۔

چاندی دی سلاخ شہزادہ باسنیوں کڈھ باہر
رنگ رنگیلی ڈبی گھتے مُڑ مُڑ کردا ظاہر

سیف الملوک چاندی کی سلاخ برتن سے باہر نکال کر ایک رنگ رنگیلی ڈبی میں ڈالتا اور پھر اس کو بار بار ظاہر کرتا۔

لبھا پیا اِن ودھا موتی سُچا ذرہ نہ رلیا
فولادی کر تیز سیاری سیف ملوکے سَلیا

اُسے ایک ایسا سُچّا موتی مِل گیا تھا جس میں ذرّہ بھر ملاوٹ اور نہ ہی اُس میں ابھی تک ''سوراخ'' ہوا تھا سیف الملوک فولادی بَرمے کو تیز کر کے موتی میں سوراخ کر رہا تھا۔

تنگ میدان کمیت چلایا سیف ملوک شہزادے
اوڑک تھک کے لنگاں ہویا پھیرے پا زیادے

سیف الملوک تنگ میدان میں گھوڑا دوڑاتا رہا۔ بہُت زیادہ چکّر لگانے کی وَجہ سے بالآخر وہ تھک ہار کر لنگڑا ہو گیا۔

حرص ہوا کِھلائی زوریں مِٹی کلی رویلوں
کر کر جتن پُھلّے وچ پہتا موتی صاف تریلوں

رویل کی بند کلی کو حرص و ہوس کی طاقت نے زبردستی کِھلا دیا۔ اور ہزار جتن کے بعد شبنم کا صاف موتی پھُول تک پہنچا۔

مدت دے تریہائے لدھا چشمہ حوض کوثر دا
حاصل ہویا شراب طہورا خشیاں دے گھُٹ بھردا

مدت کے پیاسے کو حوضِ کوثر کا چشمہ ملا تھا۔ جس سے پاک شراب میسر آئی تھی۔ اور وہ خوشی خوشی جام کے جام پیے جا رہا تھا۔

سینہ شکم صبونی حلوہ جنت دا فالودہ
مارے ہتھ گھُٹے وچ پنجے ہوندا دِلوں آسودہ

پری کا سینہ اور پیٹ صابن کے حلوہ اور جنت کے فالودہ کے مانند تھا۔ وہ اس پر ہاتھ پھیرتا اور پھر پنجے میں دبا کر ایک دِلی راحت محسوس کرتا۔

جاں اوہ لقمہ مٹھا چکھیوس ایسی لذت آئی
لذت نال کٹے کوئی ساعت ہوش نہ رہیوس جائی

جب اُس نے یہ میٹھا لقمہ کھایا تو اُسے ایسی لذت آئی کہ کچھ پل تو وہ اس لذت سے سرشار رہا پھر اُسے کوئی ہوش باقی نہیں رہی۔

دو جگ دی سلطانی توڑے لبھے سب عمر دی
اس دم کول محمد بخشا خشخش قدر نہ دھردی

ایسے موقع پر خواہ تمام عمر کے لیے دو جگ کی بادشاہی بھی میسر آئے تو اے محمد بخش! اس کی خشخاش کے دانے جتنی بھی اہمیت نہیں ہوتی۔

جو ناریں دے تابع ہوئے سو بھی ناریں گنیں
کد ناری دی نال صلاحے مرداں دے پڑ جنیں

جو مرد عورتوں کے تابع ہوتے ہیں اُنھیں بھی عورتوں میں ہی شمار کرنا چاہیے۔عورتوں کے مشوروں سے بھلا مردوں نے کب کوئی میدان جیتے ہیں۔

آمدِ محبوب

فوج چڑھی سلطان عشق دی ایسی بھیڑ مچائیوس
ساعت جیڈ دِسے پلکارا گھڑیوں روز بنائیوس

جب عشق سلطان کی فوج حملہ آور ہوئی تو وہ ہنگامہ ہوا کہ پلک جھپکنا ایک گھڑی اور ایک گھڑی دِن کے برابر ہوگئی۔

اک اک روز دِسے جیؤں ہفتہ ہفتہ وانگر سالے
سال مہینے عمراں جیڈے کون اجیر تک جالے

ایک ایک دِن ایک ایک ہفتے اور ہر ہفتہ سال کے برابر دِکھائی دیتا تھا جب کہ سال مہینے عمروں کے برابر ہو گئے تھے اب کون اُس وقت اِتنی دیر انتظار کر سکتا تھا۔

سخت ایام وچھوڑے والے آ رہندے جد تھوڑے
حرص مِلن دی رہے نہ ٹھلی عاشق پیندے سوڑے

جدائی کے سخت اور تلخ ایام جب تھوڑے رہ جاتے ہیں۔تو ملنے کی خواہش بھی اور شدید ہو جاتی ہے جس سے عاشق خود پر قابو نہیں رکھ سکتے۔

نیندر بھکھ نہ رہندی مُولے امن قرار اک جائی
اٹھ اٹھ تکدے کدے نہ تھکدے نظر راہاں پر لائی

اُنھیں نیند آتی ہے نہ بھُوک لگتی ہے ،کسی پل قرار آتا ہے اور نہ ہی وہ ایک جگہ بیٹھ سکتے ہیں وہ بیقراری سے کبھی اُٹھتے ہیں کبھی بیٹھتے ہیں لیکن اُن کی نگاہیں راستوں پر ہی جمی ہوتی ہیں۔

دھیاں جے سے دولت رجیاں سو بھن نہ گھر پیکے
ساہوریاں وَل رخصت کریئے جو سر آوے دے کے

بیٹیاں خواہ مائیکے میں کتنی ہی دولت مند کیوں نہ ہوں وہ مائیکے گھر خوب صورت نہیں لگتیں۔ اُنھیں جو بھی استطاعت ہو اُس کے مطابق دے کر سسرال رخصت کر دینا چاہیے۔

جس نینگر نُوں اُلفت کر کے آپ چھُڑ چک چاہیئے

توڑے بَول کرے وچ جھولی دھرتی نہ ٹِکائیے

جس بچے کو محبت سے گود میں اُٹھا کر رکھتے ہیں اگر وہ پیشاب بھی کر دے تو اُسے زمین پر نہیں پھینک دیتے۔

دُنیا

دُنیا باغ پرانا بھائی نویں نویں پھُل بندے
پھُلّن سات چُنیندے بعضے کوئی اک روز دسندے

دُنیا کے اس قدیم باغ میں نئے نئے پھُول کھلتے رہتے ہیں کچھ تو ان میں کھلتے ہی توڑ لیے جاتے ہیں اور کچھ ایک دِن تک شاخ پر موجود رہتے ہیں۔

ہر اک شاخ عمر دی نالوں توڑ کھڑے جد مالی
پتاں پھلاں پوے وِچھوڑا رو رو کہندی ڈالی

عمر کی ہر شاخ سے جب مالی پھول توڑ کر لے جاتا ہے تو پتوں اور پھولوں کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے جس پر شاخ روتی گُرلاتی رہتی ہے۔

دانشمنداں دا کم ناہیں دُنیا تے دِل لانا
اس دوہٹی لکھ خاوند کیتے جو کیتا سو کھانا

دانشمندوں کا کام اِس دُنیا سے دِل لگانا نہیں۔ یہ وہ دُلھن ہے جس نے لاکھوں خاوند کیے، اور ہر خاوند کو کھا گئی۔

جس چھڈی ایہہ بچے کھانی سویو سُگھڑ سیانا
ایسی ڈائن نال محمدؐ کاہنوں عقد نبھانا

جس کِسی نے بھی اس ''بچے کھانی'' کو چھوڑ دیا وہی دانشمند اور مہذب ہے ایسی ڈائن کے ساتھ اے محمد بخش! نکاح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

وٹ متھیں وٹ مارے چھاتی وٹ پئے جد سینے
وٹ لئے دُکھ عشق بیوپاروں دے کے سُکھ نگینے

ماتھے پر بل پڑ چکے تھے جب سینے میں بل پڑتے تو وہ ہاتھوں کو بل دے کر سینے پر مارتی، اس نے عشق کے بیوپار میں نگینے بیچ کر دُکھ کمائے تھے۔

پٹ پٹ پَٹ کیتے پٹ رتے پٹ پئی گھٹ گھٹے
سُٹ سِر سٹ سرے دی لیندی بھن زیور سَٹ سُٹے

اُس نے پیٹ پیٹ کر رانوں کو سرخ کر لیا تھا۔ اس کی رانوں کا ریشم مٹی میں مِل گیا تھا۔ وہ سر کو جھکاتی اور کبھی سر کو زمین پر مارنے لگتی۔ اس نے تمام زیور گہنے توڑ ڈالے تھے۔

بڑھاپا

قوت باہ گئی کر ہُگا گنکا سٹ نہ چلدا
جاں چھوہ ہارے نال چھوہارے کِجرک رہسی چلدا

قوتِ باہ تو اب کھوکھلا کر گئی ہے۔ چھوٹی لکڑی کا ڈنڈا بھی چوٹ برداشت نہیں کرتا۔ اب تو چھونے سے بھی ہار ہو جاتی ہے تو پھر چھوہاروں کے ساتھ کب تک چلتا رہے گا۔

ڈِھلا ہویا وضو دا قبضہ وائیوں پھڑ پھڑ ہلدا
بادی تے بواسیر محمد کرن بہانہ گل دا

اب تو وضو بھی قائم نہیں رہتا ہوا کے ساتھ بھی لرز جاتا ہے بادی اور بواسیر تو اے محمد بخش! محض بات کا بہانہ ہیں۔

معدہ سرد غذا نہ ساڑے دست اپھارتے پیڑاں
ککھ دی اگ کِجرک دیسیں سونف جوین ہریڑاں

معدہ سرد غذا ہضم نہیں کرتا جس کی وجہ سے پیچش اپھارہ اور معدے کا درد رہتا ہے ان کے لیے سونف، اجوائن اور ہریڑوں کا سفوف بنا کر معدے کو کب تک تنکوں کی آگ فراہم کرتے رہو گے۔

کھنگ لگی کف آئی جانوں چڑھدی لہر اجل دی
تم ساہوں تُم ساہ ہوئے نیں ترکھ کرے جند چلدی

کھانسی کے ساتھ کف بھی آنے لگے تو سمجھ لو کہ موت کی لہر چڑھ آئی ہے۔ سانسوں سے سانس پورے ہو چکے ہیں اور یہ جان تیزی سے جا رہی ہے۔

ہتھاں نوں تھر کنبا لگا جھولا تدھ بنایا
ایہہ جھولا اوہ جھلیا کہندا چھڈ دے مال پرایا

ہاتھوں پر رعشہ طاری ہے تم کہتے ہو یہ جھولا ہے۔ یہ جھولا اے بے وقوف تمھیں کہتا ہے کہ

اب پرایا مال چھوڑ دے۔

بھارا جل دے لک دکھایا تاں ٹدھ چک بنائی
چک لئی اوہ قوت اس نے آہی جس ٹکائی

جب موت کے بوجھ سے کمر دُکھنے لگی تو تم نے اُس کو چک کا نام دے دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس نے تم میں یہ قوت رکھی تھی وہ اُس نے واپس لے لی ہے۔

موتی جڑے برابر چٹے دند ہوئے رنگ پیلے
کسراں وِتھاں چھیک پئے نی دین لگوں وچ تیلے

اُس نے دانتوں کے سفید موتی برابر جڑ دیے تھے جواب پیلے ہو چکے ہیں۔ اب اُن میں کِس طرح سوراخ اور فاصلے پیدا ہو گئے ہیں کہ تم ہر وقت ان میں "تیلے" مارتے رہتے ہو۔

تدھ جاتا کوئی کیڑا لگا ، دند نزولوں ہلدا
کیہ کیڑا کِت پاسیوں آیا کہن نزول اُت ول دا

تم تو یہ سمجھے تھے کہ کوئی کیڑا لگ گیا ہے۔ وہ دانت اُوپر سے ریشے کی وَجہ سے ہل رہا ہے۔ لیکن یہ کیڑا کس طرف سے آیا ہے اور یہ اوپر کا نزول کس کو کہتے ہیں۔

نکوں پانی پئی مدہانی رڑکیں سنج سویرے
پانی رڑک وہانی ایویں کیہ کیہ حاصل تیرے

تمھارے ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور تم صبح وشام اسے مدھانی کی طرح بلور ہے ہو۔ تم نے تو یونہی پانی بلوتے عمر گزار دی ہے اب تم ہی بتاؤ اِس زندگی سے کیا حاصل ہوا ہے۔

ٹھنڈ زکام بناویں موٗنہوں کام ہویا ہُن پورا
اس شوروں پَت رہندی ناہیں کیہ لوڑیں پَت شورا

اب تم خود اپنے مُنہ سے سردی اور زکام بنا رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ اب تمھا ا کام پورا ہو چکا ہے جس عمل سے تمھاری عزت باقی نہیں رہی اب اُس کی کیوں ضرورت محسوس کرتے ہو۔

ٹھنڈا ہویا بازار عمر دا ایہو ٹھنڈ رنجورا
اجے محمد حرص ہوایوں ٹھنڈ نہ پیٹا بھورا

تمھاری عمر کا بازار ٹھنڈا ہو گیا ہے اسی ٹھنڈ کا تو افسوس ہے۔ اس کے باوجود اے محمد بخش!

حرص وہوس میں ذرہ بھی کمی نہیں آئی۔

چشماں چشمہ جل دا ہوئیاں اٹھے پہر اونہا ہو
ٹھنڈیاں باراں تھیں چھپ بیٹھے بار چراندے آہو

آنکھیں پانی کا چشمہ بن چکی ہیں آٹھوں پہر بہتی ہی رہتی ہیں اب جنگلوں میں چرنے والے ہرن بھی سردی سے چھپ کر بیٹھ گئے ہیں۔

جس جس پاسیوں آن رَلےسَن ہوئے اُتے ول راہو
وچھڑ چلے سب ساتھ محمدؐ کوئی نہ نال نبھاہو

جہاں جہاں سے ساتھی آ کر ملے تھے وہ سب اُسی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ سب اے محمد بخش! ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں کوئی بھی تو ساتھ نہیں نبھاتا۔

دُعا

عرض کرے شاہزادہ ربا تُدھ بن نہیں پناہاں
زہرے مشتریاں سب گولے توں شاہ شاہنشاہاں

شہزادہ عرض گزار ہوا......اے خدا! تجھ بن میرے لیے کوئی اور پناہ نہیں۔ زہرہ اور مشتری سب تیرے غلام ہیں تُو ہی بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

ناموراں دے ناماں اُتے نام تیرا سرناماں
کُنہ تیری وِچ راہ نہ پایا کیا خاصاں کیا عاماں

سب ناموروں کے نام سے تیرا ہی نام سب سے بلند ہے۔ تیری کُنہ کا کِسی خاص کِسی عام نے کوئی راہ نہیں پایا۔

علم تیرا ہے پڑھنوں اگے کسے نہ پڑھیا سارا
ہے دریا احسان تیرے دا بے حد انت شمارا

تیرا علم تمام علوم سے آگے ہے کوئی بھی اس کو پورا نہیں پڑھ سکا۔ تیرے احسانات کے دریا کا کوئی کنارا ہے نہ کوئی حد وحساب۔

توں مقصوداں دے بند کھولیں دیویں آپ مراداں
اُچے تُدھے اُچے کیتے شاد کریں ناشاداں

تو ہی مقصودوں کے بند کھولتا ہے اور مرادیں پوری کرتا ہے۔ تُو نے ہی سب اونچوں کو اونچا کِیا ہے اور تُو ہی غمزدوں کو شاد کرتا ہے۔

بند آزاد تیرے سب بندے ہور نہ رب کسے دا
لوح قلم تے انبر دھرتی تُوں رب سب کسے دا

آزاد اور قیدی سب تیرے ہی بندے ہیں تُو ہی ان کا خدا ہے۔ لوح و قلم اور زمین و آسمان، تُو ہر کِسی کا خدا ہے۔

لہندا چڑھدا دکھن پربت ہور نوان اچاناں
زور تیرے دے اگے ربا ہر اک ہے نتاناں

مشرق و مغرب، جنوب و شمال اور دیگر گہرائی اور بلندی، تیری طاقت کے سامنے اے خدا! سب عاجز و مسکین ہیں۔

جو دانش ور اکھیں والا ونج تیرے تک پہنچا
انھاں ڈورا ہویا شتابی حُسن ڈٹھوس جاں بہتا

جو بھی صاحبِ بصیرت دانش ور تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ وہ تمھارا بے شمار حُسن دیکھ کر فوراً اندھا اور بہرہ ہو گیا۔

جو کُتے در تیرے اُتے اونہاں ذاتاں پاکاں
تینوں جس پچھاتا ناہیں سر اُس دے تے خاکاں

وہ جو تیرے در کے کُتے ہیں وہ پاک ذات ہو گئے ہیں۔ جس نے تجھ کو نہیں پہچانا اُن کے سر میں خاک پڑے۔

-☆-

پنجاب کا صُوفی ورثہ

بابا فرید، شاہ حسین، سلطان باہُو، بُلھّے شاہ، وارث شاہ، میاں محمد بخش

منتخب کلام مع اردو ترجمہ

اکرم شیخ

کریڈٹ پیج

کمپوزنگ: نوید احمد 0333-4418793